# تفسیرِ فاضلی

## منزل چہارم

بنی اسرائیل — الفرقان

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۵ھ

فاضلی فاؤنڈیشن، لاہور

# تفسیرِ فاضلی

## منزلِ چہارم

بنیٓ اسرائیل — الفُرقان

بیان :

امام العارفین ، سراج السالکین ، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمّد اشرف فاضلی


۱۴۱۵ھ

فاضلی فاؤنڈیشن ، لاہور

بار اوّل : ۱۹۹۵، ۱۴۱۵ھجری

باردوم : ۲۰۱۲ء، ۱۴۳۳ھجری

ناشر : محمد اشرف فاضلی
فاضلی فاؤنڈیشن، پیکو روڈ، کوٹ لکھپت، لاہور
فون: 042-35943292

کمپوزنگ : حسن رشید، مکتبہ جدید پریس

پرنٹر : رشید احمد چودھری
مکتبہ جدید پریس، ۱۴۔ایمپریس روڈ، لاہور
فون: 042-36307639-40

بہ اہتمام : خالد محمود

# فہرست

# ابتدائی کلمات

منزل چہارم میں نو سورتیں ہیں۔ ان سورتوں کی کل آیات ۹۰۳ ہیں۔

(۱) سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ میں ۱۱۱ آیات ہیں۔
(۲) سورۃ الکھف ۱۸ میں ۱۱۰ آیات ہیں۔
(۳) سورۃ مریم ۱۹ میں ۹۸ آیات ہیں۔
(۴) سورۃ طٰہٰ ۲۰ میں ۱۳۵ آیات ہیں۔
(۵) سورۃ الانبیاء ۲۱ میں ۱۱۲ آیات ہیں۔
(۶) سورۃ الحج ۲۲ میں ۷۸ آیات ہیں۔
(۷) سورۃ المومنون ۲۳ میں ۱۱۸ آیات ہیں۔
(۸) سورۃ النور ۲۴ میں ۶۴ آیات ہیں۔
(۹) سورۃ الفرقان ۲۵ میں ۷۷ آیات ہیں۔

منزل چہارم پندرھویں پارے سے شروع ہوتی ہے اور انیسویں پارے کے پہلے ربع پر ختم ہوتی ہے۔

ناصحین سے محبت ہو تو بندے پر رنگ شہودی چڑھتا ہے اور اسے نورِ بصیرت سے نوازا جاتا ہے۔ حضرت میراں سید بھیک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرتاجِ اولیاء نے اس حال پر شہادت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

بھیک وہ نرکوڑ ہے جو گر کو جانے اور ہَر روٹھے گر میلسی گر روٹھے نہ ٹھور

طلب ہدایت ہو تو ہدایت ملتی ہے۔ دعویٰ یہ ہو کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے تو اللہ پر توکل ہی ہماری صداقت کا ثبوت ہو گا۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی اکمل نصیحت ہے اور وہ معیار ہے، جس کو ماننے سے فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ یاد رکھئے، اللہ کا ذکر کرتے رہنے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوتا ہے، درود شریف پڑھتے رہنے سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

منزل چہارم ۱۴۱۵ھ میں چھپ رہی ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد منزل پنجم کا مسودہ پروفیسر عبدالحفیظ صاحب کی طرف سے کمپوزنگ کے لئے پریس میں پہنچا دیا جائے گا۔ آپ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے بہت آسانیاں عطا فرمائی ہیں، انشاء اللہ آئندہ تین منزلوں میں بھی آپ کی دعائیں شامل حال رہیں گی۔

اس مبارک کام میں میرے ساتھ تعاون کرنے والے خلوت میں ہوں یا جلوت میں، ان کا تعاون کسی شکل میں ہو اور کسی درجے میں ہو میں ان کی قدر کرتا ہوں، اور ان کے لئے رحمت و برکات کی دعا کرتا ہوں، آپ بھی کیجئے گا۔

اللہ آپ کو اپنے فضل سے نوازے اور ہر مقام پر آپ کو پورا رکھے۔

رشید فاضلی
جمعۃ المبارک ۱۵/شوال ۱۴۱۵ھ

# اشاعتِ ثانی

پہلی بار یہ کتاب ۱۴۱۵ھ میں چھپی تھی۔ ۱۸ سال بعد اب یہ ۱۴۳۳ھ میں چھپ رہی ہے۔ جو کتاب پڑھنے والے سے سنجیدگی کا مطالبہ کرے وہ اسی قدر ہی پڑھی جاتی ہے۔

'ہونے' سے 'نہ ہونا' اور 'نہ ہونے' سے 'ہونا' اللہ کی قدرت کے تابع ہے، اور انسان کے مشاہدے میں ہے۔

اللہ کے فرمان کے ساتھ ہی امرِ الٰہی کی تعمیل شروع ہو جاتی ہے۔

اللہ کے امر پر تعجب بھلے لوگوں کا طریقہ نہیں ہے۔

ظالموں کی ہلاکت کے بعد مظلوموں کو توفیق دے کر دیکھا جاتا ہے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔

جس دُکھ سے بندہ گزرا ہو دھیان رکھے کہ وہ دُکھ اُس سے کسی کو نہ پہنچے تو اُس کا قول عمل کی شہادت سے سچا ثابت ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے قول کی حفاظت فرمائے، عمل کی حفاظت فرمائے، علم کی حفاظت فرمائے اور اخلاص کی حفاظت فرمائے۔


اشرف قاضی

301-B
G.E.C.H.S. Phase III
لنک روڈ، ماڈل ٹاؤن لاہور۔

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

اٰیاتھا ۱۱۱ سُوْرَۃُ بَنِیۤ اِسْرَآءِیْلَ رکوعاتھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجزء ۱۵

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے ماحول میں ہم نے برکت رکھی، کہ ہم اسے اپنی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

فرمایا، صاحبو اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ کسی نقص، عیب، قصور، عجز، ضعف کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کرنا حق کا قطعاً انکار ہے۔ اللہ کی قدرت ومشیت کا تعین بھی ممکن نہیں۔ اس سفر کو جس میں معبود نے اپنے عبد اور رسول کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جا کر اور وہاں سے آگے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جا کر اپنی نشانیاں دکھائیں 'الاسراء' بھی کہتے ہیں، 'معراج' بھی کہتے ہیں۔ لے جانے والی ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے جس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے اور جس کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ جن صاحب کو لے جایا گیا وہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ ممکن اور ناممکن کی باتیں کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ ان کا مقام کیا ہے۔ معبود نے اپنے عبد اور رسول کو کیا عطا فرمایا، معبود جانتا ہے یا اس کا رسول جانتا ہے جسے مراتب رفیعہ سے نوازا گیا۔ بنی اسرائیل کو جن انعامات سے نوازا گیا ان کی برکت بیت المقدس کے ماحول میں موجود ہے۔ اس ماضی کو رحمۃ للعالمین کے سامنے لانا، حال کی رفعت شان کو روشن کرنے کے لئے تھا۔ آگے جو نشانیاں دکھائی گئیں وہ بھی یہ روشن کرنے کے لئے تھیں کہ عبدیّت کے دائرے میں ارفع مقام یہی ہے جس سے اللہ نے رحمۃ للعالمین کو نوازا ہے۔ لوگ صرف وہی جان سکتے ہیں جو کچھ ان کے سامنے بیان فرمایا گیا، اس کے جواب میں وہ کیا کہتے ہیں، کیا کرتے ہیں السمیع اور البصیر جانتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔

**حاصل:** شبِ معراج میں رسول پاک کو لے جانے والا، اللہ ہے جس کی قدرت کو محدود نہیں کیا جا سکتا، اس لئے ممکن وناممکن کی باتیں بے ادبی کے زمرے میں آئیں گی۔ انعام عطا کرنے والا جانتا ہے اس نے کیا عطا کیا یا انعام پانے والا جانتا ہے، اس نے کیا پایا۔ باقی سب وہی جان سکتے ہیں، جو انہیں انعام یافتہ سے ملا اور انعام یافتہ سے تبھی مل سکتا ہے جب اس کی تعظیم اور توقیر کی جائے۔ حال، ماضی کے حوالے سے روشن ہوتا ہے۔ عبدیّت میں انتہائی بلند مقام رحمۃ للعالمین کا ہے۔ مشاہدہ بیان کرنے والے کے جواب میں احتیاط سے بولنا چاہئے، احتیاط سے چلنا چاہئے، یہ بہت ہی نازک مقام ہوتا ہے۔

وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ جَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ؕ ②

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ٹھہرایا کہ میرے مقابل کسی کو وکیل نہ مانو۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مراتب عالیہ کے بیان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی۔ فلاح کی راہ جن کو مطلوب تھی انہیں علم ہوا کہ یہ حکم اللہ کا ہے، ماننے کی طریقت اس کے رسول سے سیکھنی ہے، خوف وحزن سے نجات کا یقینی راستہ صرف یہی ہے۔ تورات میں بھی یہ ہدایت فرمائی گئی تھی کہ نتائج کو باذن اللہ مانا جائے۔ اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتیجے کو باذن اللہ جاننا متوکل ہونے کی سند ہے۔ متوکل عملاً مانتا ہے کہ اللہ ہی کارساز ہے، چاہے نتیجہ اس کی منشاء کے خلاف بھی ہو۔

**حاصل:** کتاب الٰہی بنی اسرائیل کے لئے ہدایت تھی، مگر نمونہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے ہی فائدہ اٹھا سکے۔ متوکل عملاً مانتا ہے کہ اللہ ہی کارساز ہے۔ جو نتائج کو باذن اللہ نہیں مانتا وہ علم الٰہی سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا ﴿۳﴾

اے اولاد ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ سوار کیا۔ بیشک وہ شکر گزار بندہ تھا۔

جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کئے گئے، وہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے۔ ان کو یہ یقین تھا کہ حق کا انکار کرنے والے غرق کر دیئے جائیں گے۔ ان کے سامنے منکرینِ حق اپنے انجام کو پہنچے۔ ان پاک لوگوں کو اللہ نے زمین پر بسایا تو یہ بہت بڑھے پھولے۔ ان لوگوں کی اولاد کو اپنے اجداد کی پاکیزگی کو یاد رکھنا چاہئے تھا، حضرت نوح علیہ السلام کی طریقت کو یاد رکھنا چاہئے تھا۔ اسی طرح یہ لوگ سلامتی کی راہ پر رہ سکتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شکر گزاری کی اللہ نے سند نازل فرمائی ہے۔

**حاصل:** ہمیں معلوم ہے کہ ماضی میں سلامتی پاک رہنے والوں کو حاصل ہوئی، ہمیں بھی پاک رہنا چاہئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔

وَقَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ فِى الۡكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ﴿۴﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں آگاہ کیا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔

جو کتاب بنی اسرائیل کے لئے ہدایت تھی، اسی میں ان کو آگاہ کیا گیا تھا کہ اجتماعی طور پر قول وفعل کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے بنی اسرائیل زمین میں دو دفعہ فساد مچائیں گے اور جن امور کی تاکید فرمائی گئی ہے، ان سے لاپرواہی کو قابلِ گرفت نہ جاننے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرکشی انتہا کو پہنچ جائے گی۔

**حاصل:** اجتماعی روّیے کو درست رکھنے کا علم مخلصین کو ہوتا ہے۔ آگاہی کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ فائدہ اُٹھانے کی صورت ہمیشہ واضح ہوتی ہے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰٮهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ‌ؕ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ﴿۵﴾

تو جب ان میں پہلا وعدہ آیا، ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی والے بندے بھیجے جو شہروں میں تمہاری تلاش کے لئے پھیل گئے، اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کو جب اس کی رضا کے خلاف استعمال کرتے وقت ندامت کا احساس بھی نہ ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے، انابت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور عذابِ الٰہی کی آمد قریب ہے۔ بنی اسرائیل نے بڑی خودسری سے بڑی سرکشی سے خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنالیا، تو اللہ کا عذاب ان لوگوں کی شکل میں آیا جو نہایت سخت گیر تھے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو اس قدر مغلوب کیا کہ ان کے اجتماعی حصار کو توڑنے کے بعد شہروں میں گھس کر ان کو چن چن کر مارا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی آگاہی سے لاپرواہی برتی جائے، تو پھر اللہ کا فرمان تو ہو کر رہتا ہے۔

حاصل: اجتماعی بگاڑ کو شروع میں چھوٹی بات کہہ کر چھوڑ دیا جائے تو یہ بڑھنے لگتا ہے۔ سرکشی انتہا کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے اکھاڑ پھینکنے کا بڑا علم ہوتا ہے۔ قدرتِ الٰہی کے سامنے اپنی حیثیت کو صحیح تناظر میں دیکھنا باعثِ عافیت ہوتا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦

پھر ہم نے تمہاری باری پھیر دی ان پر، اور تمہیں اموال و اولاد سے مدد دی اور تمہاری نفری بڑھا دی۔

بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی کی وہ سزا ملی کہ وہ تباہ و برباد ہو گئے، محکوم بنا دیئے گئے۔ پھر انہوں نے اپنی تباہی کے اسباب کو دیکھا تو توبہ و انابت کی راہ پکڑی۔ اپنے قول کی حفاظت کی کہ یہ حق کے تابع رہے، اپنے عمل کی حفاظت کی کہ یہ اسوۂ رسول کے مطابق رہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو اموال سے نوازا، ان کو بیٹوں سے نوازا، ان کی نفری کو بڑھا دیا۔ تائید ایزدی کے ساتھ بنی اسرائیل کی محکومی کا دور ختم ہوا اور محکوم حاکم بنا دیئے گئے، مغلوب غالب بنا دیئے گئے۔

حاصل: اللہ کی مدد سے جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ اور کسی صورت سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کی مدد سے محکوم حاکم ہو جاتا ہے، مغلوب غالب ہو جاتا ہے۔ علم مطلق سے مدد، اللہ ہی دے سکتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی سند ہے۔

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ قف وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ط فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءُا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝٧

اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنا بھلا کرو گے اور برا کرو گے تو اپنا۔ پھر جب دوسرا وعدہ آیا کہ دشمن تمہارا منہ بگاڑ دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسے پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر قابو پائیں تباہ و برباد کر دیں۔

بھلائی یہ ہے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند ہو وہی دوسروں کے لئے پسند ہو۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ احسن سلوک کا فائدہ عامل کو ہوتا ہے۔ اس سے معاشرے میں روشنی بڑھتی ہے، احساسِ تحفظ بڑھتا ہے۔ بندے، بندوں کے کام آتے نظر آتے ہیں۔ دوسروں کے قصور سے تکلیف پہنچے تو اسے باذن اللہ جان کر صبر کرتے ہیں، اپنے عمل کی جزا صرف اللہ سے چاہتے ہیں۔ برائی یہ ہے کہ اپنے لئے امتیاز تلاش کرنے میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔ اس کا انجام بھی عامل ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اس سے جو معاشرتی فساد پیدا ہوتے ہیں، ان کا شمار

کرنا مشکل ہے۔ بنی اسرائیل نے پہلی بار زمین میں فساد مچایا تو فرمانِ خداوندی کے مطابق گرفتار عذاب ہو کر برباد ہوئے۔ توبہ وانابت سے دوبارہ عروج نصیب ہوا تو پھر اپنے قول کی حفاظت نہ کی، اپنے عمل کی حفاظت نہ کی، ماضی کے تجربات کو زمانے کا اتار چڑھاؤ کہہ کر بُرائی کی راہ پر چل پڑے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ دشمن غالب آ گئے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ مرکز اصلاح کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، جیسے پہلے وہ مسجد کو برباد کر چکے تھے۔ جس چیز پر ان کا بس چلا اس کو انہوں نے تباہ و برباد کر دیا۔

**حاصل:** بھلائی دوسروں کی ہو تو خود کو فائدہ پہنچتا ہے۔ دوسروں کی برائی کرنے والا اپنے لئے برا کر رہا ہوتا ہے۔ اپنے قول کی حفاظت نہ کی جائے، عمل کی حفاظت نہ کی جائے تو یہ زمین میں فساد مچانا ہے۔ اجتماعی بگاڑ ہو تو دشمن غالب آتا ہے۔ دشمن غالب آ جائے تو مرکز اصلاح کو بھی برباد کر کے چھوڑتا ہے اور باقی جہاں اس کا بس چلے وہاں بھی تباہی میں کمی نہیں چھوڑتا۔

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾

قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے، اور اگر تم اعادہ کرو گے تو ہم بھی دہرائیں گے، اور ہم نے جہنّم کو کافروں کے لئے قید خانہ ٹھہرایا ہے۔

وقف لازم

دوبار بربادی کے مقام سے گزرنے کے بعد اگر توبہ واصلاح کو محکم پکڑا جائے گا تو بنی اسرائیل اپنے رب کو رحم کرنے والا پائیں گے۔ وہ رب العالمین بگاڑنے کے بعد سنوارنے کی جو صورت بنائے گا، اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اور اگر بنی اسرائیل پھر شرارت کی راہ اپنائیں گے اور اپنی حفاظت کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں پر بربادی مسلط کرتے دیر نہیں لگے گی۔ یہ تو دنیا میں ہوگا، آخرت میں کافروں کے لئے جہنم کا قید خانہ تیار ہے، جہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

**حاصل:** اللہ کے رحم سے فائدہ اٹھانے والے لوگ وہی ہوتے ہیں، جو اپنی حفاظت کے تقاضوں سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ شرارت کرنے والے زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ فساد مچانے والے بربادی کی منزل کی طرف دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ انسان اپنے بُرے اعمال کے انجام سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ یہی جہنم کا قید خانہ ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ﴿۹﴾

یہ قرآن سب سے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے اور مومنین کو جو صالح عمل کرتے ہیں، بڑے اجر کی بشارت دیتا ہے۔

پہلے جو کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں ان میں بھی ہدایت تھی۔ ماننے والوں کو ان سے فلاح دارین حاصل ہوئی۔ قرآن پاک سارے عالمین کے لئے ہے، قیامت تک کے لئے ہے اور محفوظ ہے۔ یہ عبد کو معبود سے ملنے کی وہ راہ دکھاتا ہے جو صراطِ مستقیم ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور صالح عمل کرتے ہیں، وہ حیات دنیا میں سچے ثابت ہو جاتے ہیں۔ انہیں خوف وحزن سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ آخرت میں ان کے لئے بڑے اجر کی بشارت موجود ہے۔ صالح اعمال کی عنداللہ پسندیدگی اجر کو بڑا بنا دے گی۔

حاصل: عبد کو معبود سے ملانے والی سب سے سیدھی راہ قرآن پاک دکھاتا ہے۔ مومنین صالح اعمال کی شہادت سے اپنے دعویٰ ایمان کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ ان کے لئے بڑے اجر کی بشارت موجود ہے۔

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع

اور یہ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے لئے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ جزا کا انکار کرتے ہیں، حیات کی مقصدیت کا انکار کرتے ہیں، اپنی حیثیت کو قدرتِ الٰہی کے سامنے ہیچ دیکھنے کے باوجود حق کا انکار کرتے ہوئے کجی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی سرکشی کی بدولت اپنے لئے سامان عذاب اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ ان کا حساب عنداللہ تیار ہوتا رہتا ہے۔ جو لوگ اپنے سکھ کی خاطر دوسروں کو ناحق دکھ دیتے رہتے ہیں، ان کے اعمال کی جزا المناک عذاب ہی ہوگا۔

حاصل: آخرت پر ایمان نہ ہو تو جان لینا چاہئے کہ عامل المناک عذاب کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔ حق کے مقابلے میں ناحق کا انتخاب بہت بڑی سرکشی ہے۔ اس کی جزا بھی اسی نسبت سے ہوگی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرا (۱۷) میں فرمایا ہے: مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا، اور جو گمراہ ہوا تو اپنے ہی برے کو گمراہ ہوا۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاۗءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾

اور انسان شر کی بھی دعا کرتا ہے جیسے خیر کی دعا کرتا ہے۔ اور انسان ہے جلد باز۔

انسان کا مزاج بیان فرمایا گیا ہے کہ عجلت پسندی کے دائرے میں ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ بعد میں اسے اپنے رویے پر ندامت ہوتی ہے۔ شر انسان کو کبھی مطلوب نہیں ہوتا مگر کبھی ایسے بھی کہتا ہے کہ اگر میں حق کے خلاف ہوں تو مجھ پر عذاب آ جائے۔ یہ شر کے لئے دعا ہے۔ اس دعا سے اگر اس کا خاتمہ ہو جائے تو حق کے جان لینے کا اسے فائدہ کیا ہوا۔ جو کچھ انسان کو ناپسند ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے۔ متانت کے ساتھ حقائق کو جاننے کی کوشش کرے تو کسی درجے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور جب حق اس پر واضح ہو جائے تو جو راحت اسے حاصل ہوتی ہے، اس کا کوئی بدل بھی نہیں ہوتا۔

حاصل: جلد بازی منفی صفت ہے۔ متانت کے ساتھ حقائق کو جاننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کہنا اگر ضروری معلوم ہوتا ہے تو سننا بھی اسی قدر ضروری نظر آنا چاہئے۔ شر کے لئے کبھی دعا نہیں کرنی چاہئے۔ یہ جلد بازی سے بچنے کی راہ ہے۔

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾

اور ہم نے لیل و نہار کو دو نشانیاں بنایا، تو رات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانی آنکھیں کھولنے والی کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ اور ہم نے ہر شے کی تفصیل کھول کر بیان کر دی۔

اللہ کی قدرت کو اس کی نشانیوں سے جانا جا سکتا ہے۔ رات اور دن اس کی قدرت کی دو نشانیاں ہیں۔ رات کی تاریکی جس مقصد کے لئے رکھی گئی ہے وہ مقصد صرف اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے۔ وہ فوائد جو رات سے تعلق رکھتے ہیں ان کو شمار کرنا بھی آسان نہیں، اور وہ فوائد جو دن کی روشنی سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی بہت ہیں۔ آرام کے بعد کسب معاش میں لگنا، اللہ تعالیٰ کی ان دو نشانیوں کی بدولت ہے۔ اللہ کا فضل تلاش کرنا یہ ہے، کہ خدمت خلق کا جو علم سیکھا گیا ہو اس سے طلب گاروں کو فائدہ پہنچایا جائے اور رزق کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھا جائے۔ اگر یہ یقین ہو کہ رزق اللہ تعالیٰ کی عطا ہے تو پھر رزق کی مقدار خوب کاری پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ برسوں کی گنتی اور حساب بھی لوازمات حیات ہیں۔ جن نشانیوں سے حیات دنیا میں کام چل رہا ہے، ان نشانیوں کے خالق کی قدرت محدود نہیں ہو سکتی۔ اگر حیاتِ دنیا کو رات مان لیا جائے اور حیات آخرت کو دن مان لیا جائے، تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جزا کے وقت ہمارا کوئی عمل چھپا نہیں رہ جائے گا۔

**حاصل:** رات اور دن اللہ کی قدرت کی دو نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں سے استفادہ کرتے وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اپنے رب کا فضل تلاش کرنا چاہئے۔ وقت اور حساب کا ذکر ہو تو بھی بات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع کرنی چاہئے۔ تفصیل کا منشاء بات کو روشن کرنا ہونا چاہئے۔ جو تفصیل الجھاؤ پیدا کرے وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾

اور ہر انسان کا نصیب ہم نے اس کے گلے میں لگا دیا۔ اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک کتاب نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا۔

شعور کی موجودگی میں شریعت کا ماننا لازم ہے۔ شریعت کے بعد طریقت کا مقام ہے۔ اس کے بعد حقیقت کا مقام ہے۔ پھر معرفت بصورت انعام ہے۔ جو شعور کے ساتھ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا وہ بھی لکھا جائے گا، جو شعور کے ساتھ برائی کی راہ اختیار کرے گا وہ بھی لکھا جائے گا۔ یہ کتاب انسان کے رخ اور عمل کو صحیح طور پر سنبھالتی جا رہی ہے۔ قیامت کے دن اسے امر الٰہی سے نکالا جائے گا، تو صاحب عمل کو حیرت ہوگی کہ اس کا کوئی بھی عمل اس میں درج ہونے سے رہ نہیں گیا۔ جس نیت سے کوئی عمل کیا جا رہا ہے وہ بھی اللہ کے سامنے ہے۔ اگر لوگوں کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضا کو اہمیت دی گئی ہے تو یہ سعادت ہے۔ اگر لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر پیش نظر رکھا گیا ہے تو یہ شرافت ہے۔ ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کے ساتھ ہے۔ انسان جو رخ اختیار کرتا ہے، اسی کی جزا پائے گا۔

حاصل: انسان کا نصیب اس کے اعمال کے بعد لکھا جاتا ہے۔ نیت کو اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں جان سکتا، اس لئے سعادت اور شقاوت کا فیصلہ وہی کر سکتا ہے۔ عمل کے لئے مہلت اور توفیق سب کو ایک جیسی نہیں دی جاتی، اس لئے حسنِ عمل کو حسنِ نیت سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ﴿۱۴﴾

پڑھ لے اپنی کتاب۔ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔

جزا کے دن نامۂ اعمال عیاں ہو جائے گا۔ اس کے مندرجات، عامل کے سامنے ہوں گے۔ اسے یہ فرمایا جائے گا، اپنا اعمال نامہ پڑھ لے۔ اس میں ہر ہر عمل درج ہوگا۔ وہ عمل کس نیت سے کیا گیا تھا، یہ بھی واضح ہوگا۔ پھر یہ جاننا قطعاً آسان ہوگا کہ انجام فلاح ہے یا خسارہ۔ اس حساب کے لئے کسی دوسرے کی مدد درکار نہیں ہوگی۔

حاصل: دیکھنا چاہئے ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو کیسے استعمال کر رہے ہیں اور اس کی احسن صورت کیا ہے۔ مستقبل میں ندامت سے بچنا درکار ہو تو حال پر سلامتی کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے ہی برے کو بہکا۔ اور کسی پر دوسرے کا بوجھ نہیں پڑتا۔ اور ہم عذاب نہیں کرتے حتیٰ کہ رسول نہ بھیج لیں۔

جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنے ہی بھلے کے لئے ہدایت پاتا ہے۔ اسے خوف وحزن سے نجات مل جاتی ہے۔ وہ ہر کام میں اپنے شاہد کی طریقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے رخ کو درست رکھتا ہے۔ اور جو اپنی خواہشات کی پیروی میں لگ جاتا ہے وہ سرکشی کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے بہک جاتا ہے۔ خوف وحزن اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ ہر عمل کرنے والے کو اس کی نیت کے مطابق جزا دی جاتی ہے۔ جس نے خود برائی کی ہو مگر دوسروں کو رغبت نہ دلائی ہو وہ اپنے عمل کی جزا پائے گا۔ جس نے برائی کی بھی ہو، اس کا سلسلہ بھی جاری کیا ہو، وہ اس سلسلے کے سب عاملین کے عمل میں حصہ دار ہوگا۔ اس کی جزا بھی اسی طرح سے ہوگی۔ جزا دینے والا جو جانتا ہے وہ دوسرا کوئی نہیں جانتا، اس لئے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دی جائے گی۔ اتمامِ حجت کا جو علم اللہ کو ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہے، اس لئے کسی کا قبل از وقت گرفتارِ عذاب ہو جانا ممکن ہی نہیں۔

حاصل: ہدایت یافتہ کو اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ ہدایت بھی شعوری کوشش سے ہوتی ہے گمراہی بھی شعوری کوشش سے ہوتی ہے۔ ہر ایک اپنی نیت کے مطابق جزا پاتا ہے۔ اتمامِ حجت سے پہلے گرفت کرنا اللہ کی سنت کے خلاف ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی سنت ہی سلامتی کی راہ ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

اور جب ہم کسی قریئے کی ہلاکت چاہیں، اس کے آسودہ حال لوگوں پر حکم بھیجتے ہیں، تو وہ اس میں فسق کرتے ہیں، پھر بات ان پر پوری ہو جاتی ہے تو ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

کسی بستی کو اس کی بداعمالیوں کی سزا بغیر اتمامِ حجت کے نہیں دی جاتی۔ علم الٰہی سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ ہر علم اسی علم کی بدولت اپنی افادیت کو ثابت کر سکتا ہے، اس لئے اپنے علوم کو علم الٰہی کے تابع رکھنے کی کوشش ہی سلامتی کا باعث ہو سکتی ہے۔ کسی بستی کے آسودہ حال لوگ رسم و رواج بناتے ہیں دوسرے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں، اس طرح قیادت کا منصب آسودہ حال لوگوں کے پاس آ جاتا ہے۔ پیچھے آنے والے خود کو پیروی پر مجبور محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے امر الٰہی سے کما حقہ، آگاہی آسودہ حال لوگوں کو کرنی ضروری ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو نام حق کا لیتے ہیں، بات ان کی پسند کی ہوتی ہے، یہی فسق ہے اور نا قابل اصلاح ہونے کا ثبوت ہے۔ جب اصلاح کا امکان ختم ہو جائے تو پھر بیخ کنی کا مقام آ جاتا ہے۔ قدرتِ الٰہی کے سامنے کسی تعمیر کی مضبوطی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ کو کبھی کسی بستی کے تباہ و برباد کرنے میں دیر نہیں لگتی۔

**حاصل:** آسودہ حال لوگوں کی پیروی کی جائے تو قیادت ان کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ قیادت کرنے والوں کو سمجھانا ضروری ہوتا ہے۔ جب وہ حق کا نام لیتے ہوئے اپنی پسند کو نافذ کرنا شروع کر دیں، تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ایسے معاشرے کو جڑ سے اکھاڑنے کا مقام آ گیا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اور ہم نے کتنے ہی قرون کو نوح (علیہ السلام) کے بعد ہلاک کر دیا۔ اور تمہارا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں پر خبردار، دیکھنے والا۔

ماضی سے سبق لینا عقل مندی کا ثبوت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام ایک عرصے تک لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے۔ جن لوگوں نے آپ کو مانا، انہیں آپ کی معیت کی بدولت سیلاب کے عذاب سے نجات ملی۔ باقی سب غرق کر دیئے گئے۔ اس کے بعد عاد کا زمانہ آیا، ثمود کا زمانہ آیا اور بہت سی تہذیبیں ابھریں اور مٹیں۔ جس قرن پر نظر کریں یہ ہی دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کا استعمال اس کے عبادِ مخلصین کی طریقت کے خلاف ہوتا رہا، اتمامِ حجت کے سب تقاضے پورے ہوئے اور نا قابلِ اصلاح لوگوں کو ان کے گناہوں کے مطابق سزا دی گئی۔ نجات انہی لوگوں کو نصیب ہوئی جو اللہ کے پسندیدہ راستے پر چلے۔ اللہ اپنے بندوں کو ہر مقام پر دیکھ رہا ہے۔ اسے ان کی حرکات و سکنات کی پوری پوری خبر ہوتی ہے۔ وہ گناہ کی نوعیت، کیفیت اور دائرہ اثر کو دیکھ کر سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس سے بہتر فیصلہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔

**حاصل:** خلافِ حق کرنے کا انجام ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔ ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ یاد رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہماری حرکات و سکنات کی پوری پوری خبر رکھتا ہے وہ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

جو یہ عجلت والی چاہے، ہم اسے جلد دے دیں جو چاہیں جس کے لئے چاہیں، پھر اس کے لئے جہنم کو ٹھہرا دیں کہ اس میں مذمت کیا ہوا دھکے کھاتا ہوا جائے۔

جو لوگ متاعِ دنیا کے لئے پریشان رہتے ہیں، انہیں بھی جو ملتا ہے ان کی طلب سے نہیں ملتا۔ اللہ جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور جو چاہے عطا کرتا ہے۔ اس میں حکمت موجود ہوتی ہے۔ اصلاح کے امکان کی حد تک، فلاح کی طرف آنے کے لئے آسانیاں بھی دی جاتی ہیں۔ تدبر کا موقعہ بھی دیا جاتا ہے۔ جو لوگ جلد بازی کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں وہ وقتی فائدے کو حاصل کرتے کرتے دائمی خسارے میں جا پڑتے ہیں۔ اپنے کئے کا انجام دیکھ کر یہ لوگ اس طرف نہیں بڑھیں گے۔ انہیں مذمت کے ساتھ، دھکے دے کر ان کے انجام تک پہنچایا جائے گا۔

**حاصل:** دائمی فائدے کے لئے وقتی فائدے کو قربان کرنا چاہئے۔ اپنے اعمال کے نتائج پر نظر رکھنی چاہئے۔ جس طریقہ زندگی کا انجام جہنم ہو، اس طریقِ زندگی کو بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

اور جو آخرت چاہے اور اس کی سعی اس کے لئے سعی ہو اور وہ ہو مومن، تو اُن کی سعی مشکور ہوئی۔

بارگاہِ الٰہی میں جن لوگوں کو حسنِ قبول سے نوازا جائے گا، جن کے صحیح رُخ اختیار کرنے کا شکریہ ادا کیا جائے گا، ان کی صفات کا بیان ہے کہ وہ حسنِ نیت کے مقام پر رہتے ہوئے آخرت کے یقین سے عمل کرتے ہیں۔ حصولِ مقصد کے لئے شاہدین کی طریقت سے روگردانی نہیں کرتے۔ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ان کے قول پر بھی شاہدین گواہ ہوں، ان کے عمل پر بھی شاہدین گواہ ہوں۔ اُنہیں ناصحین سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ وہ نتائج کو باذن اللہ مانتے ہیں۔ نتائج حسبِ توقع ہوں تو شکریہ ادا کرتے ہیں، حسبِ توقع نہ ہوں تو صبر کرتے ہیں۔

**حاصل:** آخرت کا یقین حسنِ نیت سے ثابت ہوتا ہے۔ جس کا رخ ہر مقام پر شاہدین کی معیت میں رہنے کا ہو اور جو ناصحین سے محبت پر سب کچھ قربان کر سکتا ہو، وہ ان لوگوں میں شمار ہے جن کی سعی مشکور ہوگی۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

ہم سب کی مدد کرتے ہیں، ان کی بھی اور اُن کی بھی تمہارے رب کی عطا سے۔ اور تمہارے رب کی عطا پر روک نہیں۔

طالبِ دنیا ہو یا طالبِ آخرت، دونوں عطائے الٰہی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ معطیٔ مطلق کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے مہلت دینا، متاعِ حیات دینا اور حکمت و علم سے حالات کا مہیا کرنا، اللہ ہی کی شان ہے۔ جو عطائے الٰہی کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیتا ہے اس کا رُخ آخرت پر عدمِ یقین کا ہوتا ہے۔ جو عطائے الٰہی کو ان تمام حقوق کے پورا کرنے کے لئے کافی جانتا ہے جو اس پر عائد ہوتے ہیں، وہ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ عطائے الٰہی سب کے لئے اور عطا کرنے والے کے علم سے ہے۔ کوئی اسے کیسے استعمال کرتا ہے، اسی کی اس کو جزا دی جائے گی۔

حاصل: عطائے الٰہی کے استعمال سے رخ کا تعین ہوتا ہے۔ آخرت پر یقین ہو تو عطائے الٰہی پوری نظر آتی ہے۔ آخرت پر یقین نہ ہو تو عطائے الٰہی ناکافی نظر آتی ہے۔ معطی مطلق بڑے علم سے عطا کرتا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۗ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

نظر کیجئے ہم نے کیسے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ اور آخرت، درجات وفضیلت میں بہت بڑی ہوگی۔

دینے والے بھی ہوں، لینے والے بھی ہوں تو معاشرتی روابط قائم رہتے ہیں۔ جس کو اللہ نے فضیلت دی ہو، وہ فضلِ الٰہی کو تقسیم کرنے سے بندگی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ قاسم کو فیض یاب ہونے والے کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے کہ لینے والے کی بدولت دینے والے کو فانی شے کے بدلے دائمی انعام ملا ہے۔ لینے والے کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم عطا فرمایا جا رہا ہے اس کو سرمایۂ حیات بنانے میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔ حیاتِ دنیا میں شاہدین کی معیت سے حسنِ عمل کے درجے کا تعین ہوتا ہے۔ یہ بیج آخرت میں بہت پھل لائے گا، اس لئے آخرت کے درجات بہت بڑے ہوں گے۔ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لانا فضیلت کے مقام کو متعین کرے گا۔ حیاتِ دنیا میں جو فضیلت بیج ہوگی، آخرت میں جزا کی صورت سے وہ پھل بنے گی، اس لئے اس کی بڑائی کا کیا کہنا۔

حاصل: فضلِ الٰہی ہمیشہ پاکیزگی سے تعلق رکھتا ہے۔ پاک رزق کو اللہ کی رضا کے مطابق تقسیم کیا جائے تو فضیلت کا شکریہ ادا ہو جاتا ہے۔ جو سعی اللہ کے ہاں مشکور ہو اس کے درجے کا، اس کی فضیلت کا کیا کہنا۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۱۲ ۲

تو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ پھر بیٹھ رہو گے، مذمت کئے ہوئے، بے کس۔

خالقِ کُل، رب العالمین، قادرِ مطلق اور یوم الدین کا مالک ہمارے ساتھ جو تعلق رکھتا ہے وہ تعلق کسی دوسرے کے علم میں ہی نہیں ہے۔ جس کو نفع ونقصان پر قادر مان لیا جائے اس کی منشاء کو اہمیت نہ دینا ممکن نہیں رہتا۔ اس سے منع فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اس مقام پر دیکھا جائے کہ نتائج اس کی پسند کے تابع نظر آئیں۔ اس کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ شرک کا راستہ اختیار کرنے والا مذمت اور بے کسی میں ایسا گھر جائے گا کہ وہ وہاں سے نکل نہ سکے گا۔ انفرادی سطح پر حسنِ نیت قائم ہو، تو تمام مقامات پر بھلائی ہوتی ہے۔

حاصل: انفرادی سطح پر حسنِ نیت کو واضح کرنا بہت بڑا کام ہے۔ ہر فرد کو یہ ماننا لازم ہے کہ اس کا خالق اللہ ہے، اس کا پالنے والا اللہ ہے، اس کو متاعِ حیات دینے والا اللہ ہے، اس کو نفع ونقصان دینے والا اللہ ہے۔ اگر کوئی منشائے الٰہی کے خلاف کرے گا تو وہ مشرک ہوگا۔ جس کی خوشی کے لئے وہ خلافِ حق کرے گا وہ بھی اس کو برا ہی کہے گا اور اس کے کسی کام نہ آئے گا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (۱۷) میں فرمایا ہے: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۗ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے، اور تم صالح بنو گے تو وہ یقیناً رجوع کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اگر تمہارے سامنے ایک یا دونوں کبرسنی کو پہنچ جائیں، تو اُن سے اُف نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا مت، اور ان سے بات بھی کریمانہ کرنا۔

اللہ کی بندگی تبھی ہو سکتی ہے، جب بندہ اللہ کا ہو جائے۔ اللہ کا ہو جانا اسی طرح ممکن ہوتا ہے کہ جو اللہ کی طرف رجوع لا رہا ہے، اس کا اتباع کیا جائے اور کسی جگہ اپنی پسند کو اہمیت نہ دی جائے۔ جس کی اپنی کوئی بات نہ رہے اسی کی زبان اس لائق ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی بات کرے۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو اس کو ادب سے ماننا اور اس کو اپنے حسنِ عمل پر شاہد بنانا، اللہ کی عبادت باشہادت ہوگی۔ والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کی ذاتی خدمت میں انہیں سکھ دیا جائے۔ ان کی خوراک مفید ہو اور احترام کے ساتھ پیش کی جائے۔ کھانے کے بعد برتن نہ اٹھانا بھی انہیں تکلیف دیتا ہے۔ ان کا لباس موسم کے مطابق ہو، ان کی قوتِ برداشت کے مطابق ہو۔ سوتی ہو یا اُونی، صاف ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پاک ہو۔ وہ کسی کو کچھ دینا چاہتے ہوں تو ان کی منشاء کے مطابق ادب سے وہ دیا جائے۔ اگر وہ دونوں یا ان میں سے ایک کبرسنی کے مقام پر پہنچ جائے تو ضعف کے غلبے کی وجہ سے ان کے معمولات کی صورت بدل جائے گی۔ اس وقت ان کی پسند کے مطابق انہیں سکھ دینا چاہئے۔ ان کے لئے کوئی اصول وضوابط نہیں بنانے چاہئیں۔ کوئی موقعہ ہو ان کو ناپسندیدگی کا احساس نہ دلایا جائے۔ کسی ناپسندیدہ بات پر، کسی ناپسندیدہ عمل پر ان کو جھڑکا نہ جائے۔ یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے ایسا کیا نہیں ہے ان سے ہو گیا ہے، اور خدمت کا موقعہ باعثِ رفعتِ شان ہے۔ قولِ کریم سے بات کرنا یہ ہے کہ بات کرنے والا غرض وغایت سے پاک ہو، جس سے بات کرے اس کی بھلائی ملحوظ ہو اور والدین کے سخت الفاظ کے معنوں میں کرم سے لطافت رکھتا چلا جائے۔ بات کریمانہ انداز میں ہو تو فضا خوشگوار ہوگی اور ہر ہر شے پکارے گی کہ اللہ کے فرمان کو ادب سے مانا گیا ہے۔

**حاصل:** بندہ اللہ کا ہو جائے تو بندگی کر سکتا ہے۔ والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ذاتی خدمت کے علاوہ ان کے پیاروں کے ساتھ ان کی منشاء کے مطابق معاملہ کیا جائے۔ ان سے ''اُف'' کہنا، انہیں جھڑکنا اور ان سے کریمانہ انداز میں بات نہ کرنا، احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہے اور سرکشی ہے۔

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾ؕ

اور ان کے لئے رحمت سے عاجزی کا بازو بچھاؤ اور دعا کرو، اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسے ان دونوں نے صغرسنی میں مجھے پالا۔

والدین کے لئے رحمت کے ساتھ عاجزی کا بازو بچھانا، امرِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ بچے کی پیدائش سے پہلے والدین اس کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔ پیدائش کے بعد اپنی بساط کے مطابق خوب بندوبست کرتے ہیں اور بلوغت تک اس کو آسانیاں مہیا کرتے رہتے

ہیں۔اولاد کے لئے یہ معیار رکھا گیا ہے کہ وہ والدین کی خدمت کے ساتھ ان کے لئے دعا بھی کرے۔خدمت میں کوئی غرض وغایت نہ ہو، کوئی لالچ نہ ہو اور خدمت میں انہیں ان کی پسند کے مطابق سکھ دینا مقصود ہو تو کہیں سخت ہاتھ لگانے کا مقام نہیں آئے گا، کہیں کراہت کا اظہار کرنے کا مقام نہیں آئے گا۔والدین جس پیار سے اولاد کو پالتے ہیں، اولاد بڑھاپے میں والدین کے ساتھ ویسا پیار کرے تو یہ بہت بڑی سعادت ہے۔سعادت منداپنے والدین کے لئے دعا بھی کرتے ہیں، انہیں سکھ بھی دیتے ہیں۔

**حاصل:** والدین کے لئے رحمت کے ساتھ عاجزی کا بازو بچھانا اور ان کے لئے اپنے رب سے رحم کی دعا کرنا بڑی سعادت مندی ہے۔نظر اس بات پر رہنی چاہئے کہ امرِ الٰہی کی ادب سے تعمیل ہو اور معیارِ عمل وہ ہو جو والدین کا بچپن میں رہا ہے۔

**رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾**

تمہارا رب خوب جانتا ہے، جو تمہارے نفوس میں ہے۔اگر تم صالح ہوئے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

جو صدور میں مخفی ہے، وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔کسی مقام پر کچھ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔خطا کے بعد جس کو احساس ہو جائے کہ اس کا عمل معیارِ حق کے مطابق نہیں ہے، اس میں حسنِ نیت، طریقت اور نتائج کو باذن اللہ ماننے میں سب مقامات پر کمی ہوئی ہے یا کسی مقام پر کمی ہوئی ہے، کہ جزا پر یقین رکھنے والے کو سب کچھ نظر آنے لگتا ہے، وہ صالحین کی طرف رجوع کرتا ہے، ان کو اصلاحِ عمل پر گواہ بناتا ہے، توبہ کرتا ہے اور جن لوگوں سے اس کو ذاتی تکالیف پہنچی ہوتی ہیں، ان کو معاف کرتا ہے۔یہی توبہ کرنے والوں کی صداقت کی سند ہے، جس کو دیکھتے رہنا ضروری ہے۔والدین کی ذاتی خدمت یا ان کے عزیزوں سے ان کی منشاء کے مطابق معاملہ کرنے میں کوتاہی ہو، تو ان کی زندگی میں توبہ کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے سامنے ادب سے اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا جائے اور ان سے معافی طلب کی جائے۔عمل سے یہ ثابت ہو کہ صالحین کی طریقت پر کسی فکر کو ترجیح نہیں دی جا رہی تو اللہ ماضی کی کوتاہیوں کو بخش دینے والا ہے۔ان کے وصال کے بعد توبہ کی صورت یہ ہوگی کہ موسم کے مطابق ان کا لباس بنا کر مستحقین کو دیا جائے، ان کے ذمے جو کام ہوں اور جن کو ادھورا چھوڑ کر وہ چلے گئے ہوں اور ان کاموں میں اللہ کی رضا موجود ہو تو ان کاموں کو ان کی منشاء کے مطابق سرانجام دیا جائے اور ان کے لئے بخشش کی دعا کی جائے۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے۔والدین کی خدمت میں، ان کے ساتھ حسن و احسان میں کوتاہی ہو تو صالحین سے اصلاح لے کر توبہ کرنی چاہئے۔دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرنا، توبہ کرنے والے کی حسنِ توبہ کو ثابت کرتا ہے۔

**وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾**

اور قربیٰ و مسکین و مسافر کو ان کا حق دو، اور بے جا مت اڑاؤ۔

قربیٰ میں سے جو لوگ صاحبِ استطاعت ہوتے ہیں، ان کو اخلاقی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور جو استطاعت نہیں رکھتے انہیں اخلاقی مدد کے ساتھ ساتھ مالی مدد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔مدد کا منشاء فرمانِ خداوندی کی تعمیل ہو اور اس کے ساتھ اجر کا کوئی سوال چھپا ہوا نہ ہو۔

مسکین کو اس طرح کی مدد درکار ہوتی ہے کہ اس کا کام چل پڑے۔ مالی امداد کے علاوہ اس کے ساتھ کھڑے ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جب اس کا کام چل پڑے تو پھر وہ مسکین نہیں رہتا اور کچھ دیر کے بعد کسی دوسرے مسکین کی زندگی سے تعطل دور کرنے کے مقام پر نظر آنے لگتا ہے۔ مسافر کی مدد اس طرح کرنی چاہیئے کہ وہ سلامتی کے ساتھ سفر کو پورا کر سکے۔ مدد کی نوعیت ضرورت کے حوالے سے ہوگی۔ مدد دیتے وقت، اللہ کی رضا کے مقابل، مدد لینے والے کی خوشی کو اہمیت دی جائے تو یہ بے جا اڑانے کی صورت ہوگی۔

**حاصل:** قربیٰ، مسکین اور مسافر کا حق ادا کر کے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے، کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کے فرمان کے مطابق شاہدین کی تصدیق سے درست مقام پر لگائی گئی ہے۔ حق کی ادائیگی کے بعد جب مدد چاہنے والے کی خوشی اور شوکتِ نفس کے لئے کچھ خرچ کیا جائے تو وہ بے جا ہوگا۔

**اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾**

بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

مال کو حق کے مطابق خرچ کیا جائے تو معاشرے میں معاشی استحکام پیدا ہوگا۔ بے جا خرچ کیا جائے تو فساد پیدا ہوگا، جو بڑھتا چلا جائے گا۔ معاشرے کے دباؤ کے تحت جو خرچ کیا جائے اور دوسروں کو مرعوب کرنے کے لئے جو خرچ کیا جائے وہ سب تبذیر کے زمرے میں آئے گا۔ بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ بری صفات سے اس بھائی چارے کے درجے کا تعین ہوتا ہے۔ شیطان کی صفت جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، وہ ناشکری ہے۔ ناشکری یہ ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے خلاف، لوگوں کی خوشی کے لئے یا ان کے ڈر کے تحت خرچ کیا جائے۔

**حاصل:** اگر ہم بے جا خرچ کرتے ہیں تو پھر شیطان کے بھائی کو دیکھنے کے لئے صرف آئینہ دیکھنا کافی ہے۔ ناشکرا ہونا شیطانی صفت ہے ہمیں کسی کو ناشکرا نہیں کہنا چاہیئے۔ لوگوں کی خوشی کو اہمیت دیتے ہوئے اور لوگوں کے دباؤ کے تحت جو خرچ کیا جائے وہ سب تبذیر ہے۔

**وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾**

اور اگر تم ان سے اعراض کرو، اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو، تو ان سے دلداری کی بات کرو۔

قربیٰ، مسکین اور مسافر ایسے وقت بھی مدد کے طالب ہو سکتے ہیں، جب ان کی مطلوبہ شے دینے والے کے پاس موجود نہ ہو اور دینے والے کو امید ہو کہ مستحق کی مطلوبہ شے مستقبل قریب میں آجائے گی، تو دینے والے کو مستحق سے دلداری کی بات کرنی چاہیئے، تا کہ اس کو سکھ ملے۔ لینے والے کا مقصود جلوت میں موجود نہ ہو تو خلوت میں موجود ہوگا اور خلوت سے جلوت میں آنے والا ہوگا۔ تیسری صورت یہی ہے کہ مدد چاہنے والے کے پلے بندھا ہوا ہوگا اور علم رکھنے والا اسے کھول کر مدد چاہنے والے کے حوالے کر دے گا۔

**حاصل:** ہمیں یقین رکھنا چاہیئے، کہ مدد کا طلب گار، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اگر اس کی مطلوبہ

شے جلوت میں نہ ہو تو خلوت میں ہوگی، ایسا نہ ہو تو اس کے پلے بندھی ہوئی ہوگی۔ حق دار سے وعدے کا مقام آجائے تو خلوص و محبت کے ساتھ، 'انشاء اللہ' کہہ کر وعدہ کرنا چاہئے اور وعدہ پورا کرنے کا مقام آجائے تو اس کو اولین ترجیح دینی چاہئے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ بیٹھ رہو گے ملامت کئے ہوئے، تھکے ہوئے۔

جب اپنی ذات اور اپنے اہل بیت کے علاوہ حق داروں پر خرچ نہ کیا جائے تو یہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا رکھنے کی صورت ہے۔ ایسے فرد کو بخیل و خسیس کہتے ہیں۔ جو حق داروں پر اس طرح خرچ کرے کہ اپنی ذات اور اہل بیت کو نظر انداز ہی کر دے، اس نے اپنے ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دیا ہے۔ دونوں صورتیں اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں۔ پہلی صورت میں نفس کو یوں خوش کیا جاتا ہے، کہ اس کی پسند کے علاوہ کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔ دوسری صورت میں نفس کو داد طلبی سے فراغت نہیں ملتی۔ نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بے جا انفاق سے دکھ بڑھ جاتے ہیں، تھکن بڑھ جاتی ہے۔

**حاصل:** علم سے انفاق کرنا مخلصین سے سیکھنا چاہئے، ورنہ اعتدال کو قائم رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ انفاق میں اعتدال نہ رہے تو نتیجہ یہی ہوگا کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق ضائع ہو جائے گی، ملامت اور تھکن باقی رہ جائے گی۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع ۳ / ۲

بے شک تمہارا رب جس کے لئے چاہے رزق کھول دیتا ہے جس کے لئے چاہے کم کر دیتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ہے۔

رزق میں بسط دینا اور رزق کو کم کرنا، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی مشیت میں اس کا علم بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت بھی ہوتی ہے۔ کہیں رزق کی بہتات باعث سلامتی ہوتی ہے، کہیں رزق کی کمی سے حال درست رہ سکتا ہے۔ ملتا حضرت انسان کو وہی ہے جو اس کے لئے ہے۔ وہ شریعت کے ہاتھ سے لے لے تو وہ رزق پاک ہوگا، وہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو پھلانگ جائے تو جو بھی لے گا وہ ناپاک ہوگا۔ ہوگا پھر بھی مشیت الٰہی کے تابع۔ اللہ ہر ظاہر کو جانتا ہے، ہر باطن کو جانتا ہے۔ اسے ہر حال کی خبر ہوتی ہے وہ ہر حال کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا دے گا۔

**حاصل:** اللہ سے ایمان کی سلامتی اور اس کے فضل کو طلب کرنا چاہئے۔ رزق میں بسط ہو تو شکریہ ادا کرنا چاہئے، کمی ہو تو صبر کرنا چاہئے۔ ہر عمل میں دیکھنا چاہئے کہ اللہ کو ہمارے باطن کی خبر ہے، وہ ہمارے ظاہر کو بھی دیکھ رہا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ پھر جب

انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، جب ہم اسے اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرمائیں تو کہتا ہے، یہ تو مجھے میرے علم کی بدولت ملی ہے۔ بلکہ وہ تو فتنہ ہے، ولیکن ان میں اکثر کو علم نہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۚ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل بڑی خطا ہے۔

ازدواجی زندگی کا منشاء طبعی طریق پر بقائے نسل ہوتا ہے۔ جانوروں میں بھی انسان کے لئے نشانیاں رکھی گئی ہیں۔ کوئی نر جانور حمل قرار پا جانے کے بعد اپنی مادہ کے پاس نہیں جاتا۔ انڈے دینے والے جانوروں میں بھی نر اور مادہ اسی وقت ملتے ہیں جب ان کے ملنے کا وقت طبعی طور پر انہیں معلوم ہوتا ہے۔ جو رزق ماں باپ کو مل رہا ہے وہ چونکہ ان کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہوتا اس لئے ان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل کر دیں۔ بندے کو خدمتِ خلق کے جس شعبے سے بھی تعلق ہو، اس میں اس کو صداقت کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ یہ یقین بھی رکھنا چاہئے کہ رزق اللہ عطا فرماتا ہے اور اللہ کی عطا ہمیشہ حال پر پوری ہوتی ہے۔ اولاد کا قتل ایسی خطا ہے، جس میں اللہ کے رازقِ مطلق ہونے کا انکار کیا جاتا ہے، اس کے علمِ مطلق کا انکار کیا جاتا ہے۔ اس خطا کا مرتکب خود کو اس مقام پر دیکھتا ہے، جہاں پر وہ کبھی جا ہی نہیں سکتا۔

**حاصل:** اللہ کی عطا ہمیشہ اس کے علم سے ہوتی ہے اور پوری ہوتی ہے۔ بقائے نسل میں ان حدود کا احترام ضروری ہے جو مخلصین نے واضح کی ہیں۔ مفلسی کے ڈر سے اولاد کا قتل کرنا، بڑی خطا ہے۔ رزق دینا اللہ کی شان ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾

اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے۔ اور بہت ہی بری راہ ہے۔

جنسی طلب میں اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنا، زنا ہے۔ وہ تمام مقدمات، وہ تمام محرکات جو زنا کی طرف لے جا سکتے ہیں، ان سے بچنا لازم ہے، ورنہ اللہ کے فرمان کی تعمیل نہ ہوگی۔ اگر بے حیائی بڑھ رہی ہو تو معاشرتی خرابی کا سبب نظر آنا چاہئے۔ قدامت پسندی کو برا کہنے والے، جدت پسندی کو خوب کہنے والے، آزادیٔ نسواں کے عنوان سے ایسی ایسی باتیں پھیلاتے ہیں کہ پاکیزگی، کم علمی اور ضعف کی علامت نظر آنے لگتی ہے۔ بندہ اپنے لئے تو یہی پسند کرتا ہے کہ اس کی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ کی طرف کوئی بُری نظر سے نہ دیکھے، اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کی بیوی اور اس کی رشتہ دار عورتوں کی طرف بھی کوئی بُری نظر سے نہ دیکھے۔ اگر وہ دوسروں کے لئے اسی بات کو پسند نہیں کرتا، جو اسے اپنے لئے پسند ہے، تو اس سے بری راہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو قوت معاشرے کی بھلائی کے لئے کام آنی چاہئے، وہ حصولِ تحفظ پر خرچ ہو جائے گی تو معاشرہ روبہ زوال ہو جائے گا۔

**حاصل:** علم والے لوگوں کو ان تمام مقدمات کا تعین کرنا چاہئے، ان تمام محرکات کا تعین کرنا چاہئے جو زنا کی طرف لے جا سکتے ہیں۔ ان سے لوگوں کو روک دینا حکومت وقت کی ذمہ داری ہونی چاہئے۔ بے حیائی حسنِ معاشرت کی جڑ

کاٹ دیتی ہے۔ جو راہ ہمیں اپنے لئے پسند نہیں ہے وہ دوسروں کے لئے پسند ہو تو وہ بہت ہی بُری راہ ہے۔

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

اور کسی نفس کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ہو، ناحق قتل نہ کرو۔ اور جو مظلوم قتل ہو تو ہم نے اس کے ولی کو سلطان ٹھہرایا ہے۔ پھر وہ قتل میں اسراف نہ کرے۔ اس کی نصرت ضرور ہو گی۔

ذاتی انتقام میں کسی جان کو تلف کرنا منع فرمایا گیا ہے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے، کہ حدود اللہ کا احترام ہمارے اعمال سے ظاہر ہو۔ دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اپنا توازن ٹھیک رکھنا بڑا کام ہے، مگر اس کی فضیلت بھی بڑی ہے۔ جو ناحق قتل ہو جائے وہ مظلوم ہے۔ اس کے ولی کو اللہ نے اختیار دیا ہے، وہ خون کا بدلہ خون لے یا خون بہا لے۔ اگر ولی نہ ہو تو حکومت ولی ہو گی۔ ولی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ بدلہ لیتے وقت وہ حد سے نہ بڑھے، اس کی نصرت تو اللہ کے حکم سے ہو رہی ہے۔ ولی کے لئے بہترین راستہ یہی ہے کہ وہ بدلے کا تعین خود نہ کرے، خوف خدا رکھنے والے صاحبان سے پوچھ لے کہ بدلہ لینے کی احسن صورت کیا ہے اور اسی پر عمل کرے۔ بدلے میں بھی اگر ولی اپنی مرضی کرے گا تو حد سے بڑھنے کا امکان ضرور ہو گا۔ نصرت تو اللہ کے فرمان سے ہو رہی ہے اس لئے ولی کو اللہ کے فرمان کے تابع رہنا چاہئے۔ ولی اپنی مرضی کرے اور حد سے بڑھ جائے تو فساد بڑھے گا۔ قاتل اگر حدود اللہ کے عدم احترام کا مرتکب ہوا ہے، تو ولی کو ویسا کرنے سے بچنا چاہئے، ورنہ وہ بھی گناہ گار ہو گا۔

**حاصل:** اگر قاتل من مانی کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے تو مظلوم کے ولی کو بھی بدلہ لینے میں من مانی کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ ولی کی نصرت تو اللہ کے فرمان سے ہو رہی ہوتی ہے، اس لئے بدلے کا تعین خوف خدا رکھنے والوں سے کروانا چاہئے۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر بطریقِ احسن، حتیٰ کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائے، اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کی پوچھ ہو گی۔

جس بچے کے والدین کا وصال ہو جائے اور وہ ابھی سنِ بلوغت کو نہ پہنچا ہو، اس کے کفیل کو یتیم کی کفالت قبول کرتے وقت، لوگوں کو یتیم کے مال پر گواہ بنانا چاہئے تاکہ اس امانت کا تعین ہو جائے جو یتیم کی بلوغت پر اسے لوٹائی جائے گی۔ امانت لوٹاتے وقت بھی لوگوں کو گواہ بنایا جائے گا، یہ عہد کو پورا کرنے کی صورت ہے۔ عہد کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کے تابع ہے اور اللہ سے ہی کیا گیا ہے اور اس کی پوچھ ضرور ہو گی۔ اگر یتیم کے مال کی حفاظت وافزائش کے لئے کچھ کیا جائے تو اس میں کفیل کی اپنی کوئی غرض وغایت نہیں ہونی چاہئے، ورنہ یہ خیانت ہو گی۔ اور حکم الٰہی یہ ہے کہ یتیم کے مال میں صرف بطریق احسن تصرف کرو۔

**حاصل:** یتیم کی کفالت کرنے والے کو یتیم کے مال کا تعین لوگوں کے سامنے کرنا چاہئے۔ یتیم بالغ ہو جائے تو

لوگوں کے سامنے اس کے مال کو واپس کرنا چاہیئے۔ اس میں جو تصرف کیا گیا ہو اس کی بھی وضاحت کرنی چاہیئے۔ ہر عہد کو اللہ کے فرمان کے تابع ہونا چاہیئے۔ یہ یقین ہونا چاہیئے کہ عہد اللہ سے ہی کیا گیا ہے اور اس کی طرف سے پوچھ ضرور ہوگی۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۳۵

اور ماپ کرنے لگو تو پورا ماپو اور سیدھے ترازو سے وزن کرو۔ یہ خیر ہے اور اس کا انجام احسن ہے۔

ماپنے کے پیمانے رائج الوقت معیار کے مطابق ہوں۔ لمبائی ناپنے کا پیمانہ بھی مصدقہ ہو اور حجم ناپنے کا پیمانہ بھی مصدقہ ہو۔ وزن کر کے دیتے وقت جو باٹ استعمال کئے جائیں وہ بھی مصدقہ ہوں، اور سیدھے ترازو سے وزن کر کے دیا جائے۔ اس سے معاملات کا نظام درست رہتا ہے۔ افراد کے مابین اعتماد بڑھتا ہے۔ یہ اعتماد بڑے سکھ کا باعث ہوتا ہے۔ لین دین درست ہو تو قومی وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ حکمِ خداوندی کے ماننے سے ہی یہ ثابت ہوگا، کہ ماننے والا اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ کو اپنا رب مانتا ہے، اللہ کی حکمت پر یقین رکھتا ہے اور نفع ونقصان کو باذن اللہ مانتا ہے۔

حاصل: ماپ کے پیمانے حال پر مقررہ معیار کے مطابق ہونے چاہئیں، باٹ بھی مصدقہ ہونے چاہئیں، ترازو درست ہو اور وزن کر کے دیتے وقت اسے سیدھا رکھا جائے، تو یہ تجارت کو حکمِ خداوندی کے مطابق رکھنے کی صورت ہے، اور عملاً عبادت ہے۔ فرد کی قدر ومنزلت بھی اسی طرح بڑھتی ہے، قومی وقار میں بھی اسی طرح اضافہ ہوتا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝۳۶

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑو، جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب سے پوچھ ہوگی۔

پہلا درجہ قول ہے، دوسرا درجہ عمل ہے۔ اس کے بعد علم عطا ہوتا ہے۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے بارے میں کچھ کہنا، اپنے قیاس کو بیان کرنا ہے۔ حصولِ علم کا جو راستہ رکھا گیا ہے، اس راستے کو اختیار کیا جائے، تو کبھی ان دیکھی کو دیکھی ہوئی نہیں کہا جائے گا، ان سنی کو سنی ہوئی نہیں کہا جائے گا، فرمانِ خداوندی کے مقابل رسم ورواج کو اہمیت نہیں دی جائے گی، کسی بات کی تصدیق بے سند نہیں ہوگی، کسی بات کی تردید بے سند نہیں ہوگی۔ انسان کے کان سے یہ سوال ہوگا، کہ تجھ کو آوازِ حق اور آوازِ ناحق میں امتیاز کرنے کی توفیق دی گئی تھی، اس توفیق کا استعمال کیسے ہوا۔ آنکھ سے سوال ہوگا، حدود اللہ کو جاننے کے بعد ان کا احترام کیسے ہوا۔ دل سے سوال ہوگا کہ حق کو سن لینے کے بعد، حدود اللہ کو دیکھ لینے کے بعد، اتباع کی اہلیت کو کیسے استعمال کیا۔

حاصل: ہمیشہ علم سے بات کرنی چاہیئے۔ کان کو آوازِ حق کی طرف مائل رکھنا چاہیئے، آنکھ کو حدود اللہ کا احترام سکھانا چاہیئے، اور دل کو مخلصین کی طرف لگانا چاہیئے۔ حصولِ علم کی احسن صورت یہی ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾

اور زمین میں اِتراتے ہوئے نہ چل۔ نہ تو زمین کو پھاڑ سکے گا اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچے گا۔

زمین میں اکڑ کر چلنا، علامت تکبر ہے۔ اس خودنمائی سے منع فرمایا گیا ہے۔ اتراتے ہوئے چلنے والا اپنی طاقت کو انتہا کے مقام پر دیکھتا ہے۔ اپنے طویل قامت ہونے کا بڑا احساس رکھتا ہے۔ اسے یہ بتایا گیا ہے کہ جس زمین پر وہ چل رہا ہے اس کے مقابل اپنی طاقت کو دیکھ لے اور جن پہاڑوں کو وہ دیکھ رہا ہے ان کے سامنے اپنی قامت کو دیکھ لے، اسے اپنی حیثیت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔

حاصل: زمین میں اترا کر چلنے والے کو اپنی حیثیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ جس قادرِ مطلق نے اس کو بنایا ہے، اسی نے زمین کو بنایا ہے، آسمانوں کو بنایا ہے اور ہر ایک شے کو بنایا ہے۔ اشیاء کے مقابل اپنی حیثیت کو دیکھ لیا جائے تو اکڑ کر چلنا ممکن نہیں رہتا۔

كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

ان میں جو بھی برائی ہے وہ تمہارے رب کے نزدیک مکروہ ہے۔

جو بات انسان کو انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر فساد میں مبتلا کر دے وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ جو بات صالح معاشرہ کے قیام اور استحکام کے لئے ضروری ہے اور جس کے کرنے کا اللہ نے امر دیا ہے، اس کا نہ کرنا بھی، اللہ کو ناپسند ہے۔ اللہ کو یہ پسند ہے کہ لوگ علم الٰہی سے فائدہ اٹھائیں، انفرادی سطح پر بھی، قومی سطح پر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔

حاصل: ہمیں لوگوں کی بھلائی میں خوشی ہو، اور لوگوں کے خسارے میں کراہت ہو، تو یہ اللہ پاک کے ساتھ ہونے کا ثبوت ہوگا۔

ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿٣٩﴾

یہ ان باتوں میں سے ہیں جو تمہارے رب نے حکمت کے ساتھ تمہاری طرف وحی فرمائیں۔ اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ ملامت اور دھکوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جاؤ گے۔

مذکورہ نصائح کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ یہ ہر فرد کے لئے ہیں، رب کی طرف سے ہیں اور حکمت سے ہیں۔ نصیحت کی اہمیت کو یہ باتیں روشن کرتی ہیں: جس کو نصیحت کی گئی ہو ناصح اس کے ماضی اور حال کو جانتا ہو، اس کی بھلائی کو عزیز رکھتا ہو اور حکمت کے ساتھ نصیحت کرتا ہو۔ اللہ سے بڑا ہمارا جاننے والا کوئی نہیں، اس سے بڑھ کر ہماری بھلائی کسی کو عزیز نہیں اور اس سے بڑا کوئی حکمت والا بھی نہیں۔ اس لئے یقینی بھلائی اسی کے فرمان کو ماننے میں ہے۔ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہرانا بے ہودگی ہے۔ اس کا انجام جہنم ہے، جس میں انسان کو اس کی پسند کے خلاف، ملامت اور دھکوں کے ساتھ پھینک دیا جائے گا۔ جب کسی کی ناحق بات کو، اللہ کے فرمان

کے برابر اہمیت دی جائے، اس کو دشمن جاننے کی بجائے اپنا دوست سمجھا جائے اور خسارے والی باتوں کو پُر حکمت کلام مان لیا جائے تو یہی اللہ کے ساتھ کسی کو معبود ٹھہرانے والی باتیں ہیں۔

**حاصل:** نصیحت علم حقیقی سے ہو تو وہ ہمیشہ حکمت سے ہوتی ہے۔حکمت کا پتہ صرف ماننے سے لگتا ہے۔جس کی بات علم حقیقی سے ہو، اس کے مقابل ظنی علم سے بات کرنے والے کو کبھی اہمیت نہیں دینی چاہئے ورنہ شرک ہو جائے گا اور انجام کار خسارہ ہی ہوگا۔

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ ع

کیا تم کو تمہارے رب نے بیٹے چن کر دے دیئے اور اپنے لئے ملائکہ کو بیٹیاں کر لیا۔ بے شک تم بڑا بول بولتے ہو۔

اپنی ابتداء اور انتہا پر نظر ہو تو اپنی حیثیت کے بارے میں جو بات کی جائے اس میں توازن ہونا چاہئے۔جو لوگ اپنے لئے بیٹی ہونے کی خبر پر منہ چھپاتے پھرتے ہیں، وہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہیں، اور ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے، ہر شے کا مالک ہے۔بات کرتے وقت اگر اپنی شان کو مالکِ کُل کی شان سے بڑھانے کی کوشش کی جائے تو یہ بے ادبی کی انتہا ہے اور جہالت کی انتہا ہے۔کوئی شے اللہ کی مثل نہیں ہے، اس لئے اللہ کے ساتھ اولاد کا تصور ہی بے جا ہے۔علم سے بات نہ کی جائے تو پھر گمان سے بات کی جاتی ہے اور یہ بڑا پُر خطر راستہ ہے۔

**حاصل:** بے مثل کے لئے مثل تجویز کرنا بڑی جہالت ہے۔اپنی حیثیت کو اللہ کی شان کے سامنے ہیچ جاننا ادب ہے۔اس ادب کا اظہار زبان سے ہوتا ہے تو زبان ٹھیک رہتی ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ (۵) میں ارشاد فرمایا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ اے ایمان والو، اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے خوب قائم رہو۔اور تم کو کسی قوم کی عداوت انصاف نہ کرنے پر نہ ابھارے۔عدل کرو، وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اور بے شک ہم نے اس قرآن مجید میں طرح طرح سے بیان فرمایا کہ وہ مانیں۔مگر ان کی نفرت ہی زیادہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا علم سب سے بڑا علم ہے۔لوگوں کو سمجھنے کی صلاحیت بھی اسی نے عطا فرمائی ہے۔اس لئے اس کی وضاحت ہی اعلیٰ ترین وضاحت ہے۔کوئی اگر یہ کہے کہ اللہ کی بات اس کی سمجھ میں آئی ہی نہیں تو یہ بات درست نہیں ہوگی۔قرآن پاک کو ماننے کے بعد اس کی

سمجھ آیا کرتی ہے۔ ماننے بغیر جاننے کی کوشش ماننے سے دور لے جاتی ہے۔ یوں ماننے میں نفس کی ناپسند کے مقامات جمع ہوتے جاتے ہیں اور حق سے نفرت بڑھتی جاتی ہے۔ دیکھنا چاہئے، کہ حق سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ بیان کرنے والے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے۔ جو ان کی معیت میں ہو جائے اسے تمام مقامات سے حفظ و امان کے ساتھ گزر جانے کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ جو لوگ سنتے نہیں جیسے سننا چاہئے، دیکھتے نہیں جیسے دیکھنا چاہئے اور خواہشات کی پیروی سے چھوٹتے نہیں، ان لوگوں کو حق کے سننے سے نفرت بڑھتی ہے۔

حاصل: قرآن مجید کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے علم سے فرمائی گئی ہے، اس لئے اس سے بہتر وضاحت نہیں ہو سکتی۔ ماننے والے کو جاننے کا شرف ضرور ہوتا ہے۔ جاننے کی کوشش میں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے کی نفرت ہی بڑھتی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ فرما دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے، جیسے یہ بتاتے ہیں، تو ضرور صاحبِ عرش کی طرف راہ نکالتے۔

کافر یہ کہتے ہیں، کہ اللہ معبود تو ہے مگر وہ لاشریک نہیں ہے۔ ان کی بات کو حق کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے، کہ کثیر معبودوں کی مشیت کا ایک ہونا ممکن نہیں، اور اس کائنات کا نظام ایک مشیت کا تقاضا کرتا ہے۔ معبود کا مشیت کے بغیر ہونا محال ہے، اس لئے کائنات میں اس مقام کی طلب ہر معبود کو ہونی چاہئے جو عرشِ عظیم ہے۔ یہی صورت کسی معبود کی مشیت کے نفاذ کی ہو سکتی ہے۔ مگر کسی معبود نے عرشِ عظیم کی طرف راہ نہیں نکالی۔ عرشِ عظیم کی ملکیت کا دعویٰ ہی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے کی سند ہے۔

حاصل: معبود کی شان ہے کہ وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ صرف اسی کی مشیت اس کائنات میں چل رہی ہے۔ اپنے رخ کو درست رکھنے کے لئے ہمیں معبود لاشریک کے فرمان کو ادب سے ماننا چاہئے۔

سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ اسے پاکی اور برتری ہے، ان کی باتوں سے، بے نہایت۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنے گمان سے باتیں کرتے ہیں وہ کہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ جو پاک ہو وہی اللہ کی پاکی بیان کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ خلوت و جلوت میں جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو وہ اللہ کی پاکی بیان کرے تو روشنی بڑھتی ہے۔ صفاتِ خداوندی بے نہایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی عطا کرنے والا نہیں، وہ سب کو عطا کرنے والا ہے۔ جو عطائے الٰہی کا ذکر کرے وہ اسی قدر کر سکتا ہے، جس قدر وہ عطا سے فیضیاب ہوا ہے، معطی مطلق کی برتری تو بہر حال رہتی ہے۔

حاصل: اللہ کی پاکی اور بڑائی گمان کی حدود سے بہت بلند ہے۔ اسے بیان کرنے کے لئے شاہدین کی معیت ضروری ہے۔ بیان کرنے والا اپنی پاکیزگی اور طرزِ بیان پر ان کو شاہد بنائے گا تو حدودِ عبدیت کے اندر اپنا حق ادا کر سکے گا۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

اسی کی تسبیح کرتے ہیں، ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور کوئی شے نہیں جو حمد سے اس کی تسبیح نہ کرے، ولیکن تمہیں ان کی تسبیح کی سمجھ نہیں۔ بے شک وہ حلم والا، بخشنے والا ہے۔

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں اور ان کے مابین ہے، حمد سے اللہ کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں۔ جس شے کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کا مقصدِ تخلیق متعین فرما دیا گیا ہے اور وہ شے اپنے مقصدِ تخلیق کو کما حقہٗ پورا کرتی چلی جارہی ہے۔ ہر مصنوع، صانع کی شان کی مظہر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر شے اپنے بنانے والے کی منشاء کو پورا کرنے کے لئے محوِ کار ہے۔ اگر کسی شے کے مقصدِ تخلیق کا علم نہ ہو تو اس کی تسبیح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کسی شے کے استعمال میں اس کے مقصدِ تخلیق کا لحاظ نہ رکھا جائے تو یہ بُرائی ہوگی اور نظام کائنات میں بے علمی سے مداخلت ہوگی۔ اس کا احساس ہوتے دیر نہیں لگتی۔ جب احساس ہو جائے کہ بندگی کے دائرے میں کسی شے کا بے محل اور بے جا استعمال ہوا ہے تو دیکھنا چاہئے کہ اللہ نے عزت کے ساتھ مہلت دی ہے، گرفت کرنے میں شتابی نہیں کی۔ یہ اللہ کا حلم ہے۔ اصلاح کو قبول کرنے پر وہ بخش بھی دیتا ہے۔

**حاصل:** ہر شے کے استعمال میں علم سے صحیح طریقہ اپنانا چاہئے۔ کوتاہی کا احساس ہو جائے تو فوراً رک جانا چاہئے اور صالحین سے اصلاح لینی چاہئے۔ کسی کی خطا پر جلد گرفت نہیں کرنی چاہئے اور حسنِ نیت کے جان لینے کے بعد معاف بھی کر دینا چاہئے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان کے مابین، جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک حجابِ مستور ٹھہرا دیتے ہیں۔

قرآن پاک کو ماننے والے اس پر عمل کرتے ہیں۔ ایسے حضرات جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو فضا پُر نور ہو جاتی ہے۔ مگر آخرت پر ایمان نہ لانے والے اس نور کو دیکھ نہیں پاتے۔ آخرت پر عدم ایمان ان کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ قرآن پاک پڑھنے والے کا احترام ہو تو سننے والے کی کیفیت اور ہوگی۔ احترام نہ کرنے والا اس کیفیت کو کہاں جان سکتا ہے۔

**حاصل:** قرآن پاک کی تلاوت ان لوگوں سے سننی چاہئے، جن کی زندگی پاکیزگی کا نمونہ ہو۔ آخرت پر ایمان ہو تو حق کی بات سمجھ میں آتی ہے، ورنہ انسان اپنے گمان میں ہی الجھا رہتا ہے۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ

اور ہم نے ان کے قلوب پر غلاف ٹھہرا دیئے ہیں کہ اسے پا نہ سکیں، اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور

رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

جب تم قرآن میں اپنے رب واحد کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔

جولوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے وہ خواہشاتِ نفس میں الجھتے چلے جاتے ہیں۔ان کی سمجھ اس طرح متاثر ہوجاتی ہے کہ وہ صحیح نتائج اخذ نہیں کر پاتے۔سننے کی صلاحیت بھی متاثر ہوجاتی ہے۔ان کی پسند کی بات ہو تو خوشی مناتے ہیں، حق کی بات ہو تو بدکتے ہیں اور چڑتے ہیں۔ان کے کانوں کا بوجھ ان کے لئے یہ صورت پیدا کردیتا ہے کہ وہ سنتے ہی نہیں جیسے سننا چاہئے۔قرآن پاک میں جب ربِّ واحد کا ذِکر ہوتا ہے تو اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ عالمین کا پالنے والا ایک ہے۔وہی توفیق دیتا ہے، وہی مہلت دیتا ہے، وہی اتمامِ حجت کرتا ہے اور وہی جزا دینے والا ہے۔یہ ذِکر کافروں کی نفرت کے بڑھنے کا باعث بنتا ہے اور وہ یہ ذِکر سن کر پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔

حاصل: ربِّ واحد کا ذِکر کرتے رہنا چاہئے۔اس کا منشاء یہ ہے کہ بندہ فرمانِ خداوندی کے مقابل کبھی اپنی پسند کا ذِکر نہ کرے، ورنہ سمجھنے کی صلاحیت بری طرح متاثر ہوجاتی ہے اور صرف اپنی پسند کی بات سننا گوارا ہوتی ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

ہمیں بڑا علم ہے، جس لئے وہ سنتے ہیں جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور جب آپس میں مشورہ کرتے ہیں، جبکہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نے تو محض مردِ مسحور کی پیروی کی۔

منکرینِ حق اپنی پسند کو اتنا اہم جانتے ہیں، کہ وہ حق کے انکار کو اپنا شعار بنالیتے ہیں اور جب سنتے نظر آتے ہیں تو یہ تکذیب و تمسخر کی تیاری کررہے ہوتے ہیں۔پھر آپس میں مشورہ کرکے باتیں بناتے ہیں۔حق کے ماننے والوں سے یہ کہتے ہیں، کہ تم ایک مرد کی پیروی میں لگے ہوئے ہو جس پر جادو کا اثر ہے۔علم الٰہی سے بڑا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے علم الٰہی پر کوئی علم غالب نہیں آسکتا۔جس نے امرِ الٰہی کے مطابق یہ تعلیم دی ہے کہ نفع اور ضرر باذن اللہ ہیں، اس پر جادو کا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔یہاں مسحور کہنے والے اپنے معبودوں کی شان بڑھانے کے لئے ایسا کہہ دیتے ہیں، مگر یہ نہیں دیکھتے کہ حق بیان کرنے والا اپنی مدح سن کر بے ربط نہیں ہوتا، مذمت سن کر پریشان نہیں ہوتا۔تو اس سے بڑا صاحبِ استقامت و استقلال کون ہوگا۔مسحور میں یہ صفات کبھی نہیں ہوسکتیں۔

حاصل: جب حق کو تمسخر اور تکذیب کے لئے سنا جائے تو نتیجہ کبھی فلاح نہیں ہوسکتا۔علم الٰہی سے بڑا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے اس علم پر کوئی علم غالب نہیں آسکتا۔مسحور کبھی صاحبِ استقامت نہیں ہوتا، اس کا بیان مقصدیت سے خالی ہوتا ہے۔بشارت و انذار کی زبان میں بات کرنا صاحبِ عرفان کی شان ہے، اور صاحبِ عرفان مسحور نہیں ہوسکتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ ع

نظر کیجئے انہوں نے آپ کو کیسی کیسی مثالیں دیں، تو گمراہ ہوئے، پھر وہ راہ پا ہی نہیں سکتے۔

جو ربِ واحد کو نہ مانتا ہو، وہ توحید کی باتیں کرنے والے کو، حق کو بیان کرنے والے کو معجز بیان دیکھ کر شاعر کہہ دیتا ہے۔ حق بیان کرنے والے کی استقامت کو دیکھ کر اسے مجنون کہہ دیتا ہے۔ لوگوں کی پرواہ کرتے کرتے اپنی ذات سے بے پرواہی کرنے والے صاحب کو مسحور کہہ دیتا ہے اور جب حق بیان فرمانے والے کی بات عملاً سچی ثابت ہو جائے تو اسے ساحر اور کاہن کہہ دیتا ہے۔ یہ سب مثالیں بے ہودگی اور بے ادبی کو ثابت کرتی ہیں۔ جس کے نقشِ قدم سے راہِ حق کا پتہ چلتا ہے، اس کے ساتھ بے ادبی کا رویہ یقیناً گمراہی کا باعث ہوتا ہے۔ راہ کو وہی پا سکتا ہے جو راہ والے کو پالے۔ اور راہ والے کو وہی پا سکتا ہے جو جلوت میں اس کا ادب کرے اور خلوت میں اس کے ساتھ رہے۔

**حاصل:** حق بیان کرنے والے کی شان میں گستاخی سے بہت بڑا دھکا لگتا ہے۔ گستاخ اس دھکے سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ راہ والے کو پایا جائے تو راہ پر رہنا ممکن ہوتا ہے اور راہ والے کو وہی پا سکتا ہے جو جلوت میں اس کا ادب کرے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو خلقِ جدید کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

بعث بعد الموت کا انکار اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ کافروں کو موت کے بعد انسانی جسم کا بکھر جانا نظر آتا ہے، اور ان ذرات کا دوبارہ جسم کی صورت میں اکٹھا ہو جانا محال معلوم ہوتا ہے۔ جس نے پہلے ہڈیوں کو بنایا ہے اگر اس کے علم کی شان کو دیکھا جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ انسانی علم اس کو سمجھنے سے عاجز ہے۔ خلقِ جدید تو پہلی بار بنانے کے مقابلے میں آسان ہے۔ کسی جسم کے منتشر ذرات کو اکٹھا کر کے ان کے افعال کو بحال کر دینا یقیناً بڑا کام ہے، مگر اس جسم کو عدم سے وجود میں لانے والے کے لئے وہ بڑا کام نہیں ہے۔

**حاصل:** جو پہلے ہمیں پیدا کر چکا ہے، اسے دوبارہ پیدا کرنے کی بڑی قدرت ہے۔ بعث بعد الموت کا انکار اس کے وقوع کو محال نہیں بنا سکتا۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾

فرما دیجئے پتھر ہو جاؤ یا لوہا ہو جاؤ۔

زمین جب مردہ ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے زندہ کرنے کے لئے آسمان سے مبارک پانی برسا کر مہربانی فرماتا ہے۔ روئیدگی کی وہ صفت جو خاک کے ذرات کھو چکے تھے، بحال ہو جاتی ہے۔ پتھر یا لوہے کے ذرات اس قدر قریب ہوتے ہیں کہ سختی کی یہ صورت آثارِ حیات کو قبول نہیں کرتی۔ مگر پتھر اور لوہے کو اس صورت میں بدل دینا کہ ان کے ذرات آثارِ حیات کو قبول کر لیں، اللہ تعالیٰ کے لئے قطعاً مشکل نہیں ہے۔

**حاصل:** بعث بعد الموت کا انکار کرنے والے سے یہ کہنا چاہیئے، کہ کسی چیز کی سختی اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ خالقِ کُل کا علم سب سے بڑا ہے۔ ذرات کو وہ صورت دینا کہ وہ آثارِ حیات کو قبول کریں، صرف اسی کے فرمان سے تعلق رکھتا ہے۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾

یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے نزدیک بڑی ہو، تو جلد ہی کہیں گے کون اٹھائے گا۔ فرما دیجئے، وہی جس نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا۔ تو اب تمہاری طرف مذاق سے سر ہلا کر کہیں گے، یہ کب ہوگا۔ فرما دیجئے، ممکن ہے قریب ہی ہو۔

پتھر اور لوہے کے ذرات سے زیادہ سختی بھی حاصل کرلی جائے تو بھی وہ مخلوق تو اللہ ہی کی ہوگی، اور اللہ سختی اور نرمی کے سب مقامات کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ آثارِ حیات کو قبول کرنے کی صلاحیت کیسے پیدا ہوتی ہے، حیات و موت کے پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے۔ معاد کے منکر کہتے ہیں، کون اٹھائے گا۔ جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا وہی موت کے بعد تمہیں اٹھائے گا۔ اس کے بعد کافر مذاق سے پوچھتے ہیں مگر کب اٹھائے گا۔ اس کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، ممکن ہے وہ وقت قریب ہی ہو۔ حیات کی صورت میں ملی ہوئی مہلت ہر لحہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ موت کے وقت اصلاح کو قبول کرنا نفع نہیں دیتا۔ موت دینے والے کی قدرت کا انکار ممکن نہیں۔ دارِ عمل کے لئے رکھی گئی مہلت بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ اب اگر موت اور معاد کو دور سمجھا جائے گا، تو یہ غفلت خسارے میں ڈال دے گی۔

حاصل: علم سے بات کرنی چاہئے۔ جواب دینے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہئے۔ مذاق کرنے والے کے پاس دلائل نہیں ہوتے۔ جو وقت خاتمے کی طرف بڑھ رہا ہے، جس میں ہمارا حصہ بہت مختصر ہے، اسی مختصر وقت میں اپنی صداقت کا ثبوت دیا جا سکتا ہے۔ معاد کا منکر پہلے ہی کچھ وقت کھو چکا ہوتا ہے، اس لئے اس کے واسطے مہلت کو کم ہی کہا جا سکتا ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۵

جس دن تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے، اور تمہیں ظن ہوگا کہ تم تھوڑا ہی ٹھہرے۔

بعث بعد الموت اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہوگا۔ یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی طرف سے دوسری بار صور پھونکنے کے ساتھ ہی ہوگا، اور لوگ اسی وقت اپنی اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اور جس کی طرف جا رہے ہوں گے اس مالکِ کُل کی شان یہ ہوگی کہ کوئی اس کی طرف جانے سے رک نہیں سکے گا۔ من مانی کرنے کا وقت گزر چکا ہوگا، اور وہ یاد آئے گا تو یہی احساس ہوگا کہ وہ وقت بہت قلیل تھا۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں حمد کرنے سے جزا کا یقین واضح ہوتا ہے۔ اس ذوق کے خاتمے کے بعد ماننا نفع نہیں دیتا۔

حاصل: اللہ کا بلاوا لوگوں کو قبروں سے اٹھا دے گا، اور وہ سب اس کی طرف، جس مقام پر وہ انہیں اکٹھا کرنا چاہے گا، چل کھڑے ہوں گے۔ من مانی کرنے کی طلب کے سامنے عمل کے لئے دی گئی مہلت قلیل ہی نظر آتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسین (۳۶) میں فرمایا ہے: فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ وَّاِلَيْهِ

تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ تو پاک ہے اسے جس کے ہاتھ میں ہر شے کی ملکیت ہے، اور تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

اور میرے بندوں سے فرمایئے وہ بات کریں جو سب سے احسن ہو۔ بے شک شیطان ان کے مابین جھگڑا ڈالتا ہے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

عبادِ مخلصین کے نزدیک حسنِ کلام میں سب سے بڑا معیار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بندوں کو لازم ہے کہ اسی معیار کی نسبت سے خود کو دیکھیں۔ احسن بات وہ ہوتی ہے جس سے سننے والے کو فائدہ پہنچے، اس کے اندر بات کرنے والے کے لئے اچھا جذبہ پیدا ہو اور بات سننے والے کی سمجھ میں آئے۔ سننے والے کے رویئے سے متاثر ہو جانے والے کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ احسن بات کر سکے۔ بات اللہ کے لئے ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طریقت کے مطابق ہو، تو سننے والے کا رویہ سنانے والے کی استقامت پر کیا اثر کرے گا۔ مذاکرات میں دل آزاری اور اشتعال انگیزی سے بچنا ضروری ہے، ورنہ شیطان کو دشمنی اور فساد پیدا کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ جس بات سے دکھ پہنچے، اس بات کے بارے میں بات کرنے والے سے پوچھ لینا ضروری ہے، کہ اس نے وہ بات کیوں کی ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس کے بارے میں نیک گمان رکھنا چاہئے۔ بات کرنے والا اپنی غرض وغایت سے پاک ہو کر بات کرے اور سننے والا اس کی حسنِ نیت کا یقین رکھتا ہو، تو شیطان کو جھگڑا ڈالنے کے لئے ضروری ارکان ہی میسر نہیں آئیں گے۔

حاصل: جس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے نسبت ہو وہ احسن ہے۔ مذاکرات میں اشتعال انگیزی اور دل آزاری کو شیطان کی مدد جاننا چاہئے۔ اس صداقت سے بچنا چاہئے جو فساد کو بڑھانے والی ہو۔



رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾

تمہارے رب کو تمہارے بارے میں خوب علم ہے، وہ چاہے تم پر رحم فرمائے یا چاہے تمہیں عذاب کرے، اور ہم نے آپ کو ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا۔

اللہ وکیل ہے، اس کی شان ہے کہ وہ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ جو حق کو مان کر اپنے تضاد کو دور کرتا ہے، اس پر اللہ رحم فرماتا ہے۔ جو حق کا انکار کرتے ہوئے اپنی خواہشات کی پیروی میں لگا رہتا ہے، وہ گمراہی کے نتیجے میں عذاب پاتا ہے۔ شاہدین کے ذمے یہی ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کو بیان کریں، اور خود ماننے والوں کے لئے نمونہ بن کر دکھائیں۔ کون ان سے رشتۂ محبت استوار کرتا ہے، کون ان سے نفرت کرتے ہوئے دور ہو جاتا ہے، اللہ کو خوب علم ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل: شاہدین کے ذمے حق کو بطریقِ احسن پہنچا دینا ہے۔ جو ان سے محبت کرے گا وہ ان کی پیروی کرے گا، اس پر رحم ہوگا۔ جو ان سے بیزاری کا اظہار کرے گا، من مانی کرے گا، گمراہ ہوگا عذاب پائے گا۔ جبر کے ساتھ کسی کو منوانے کا حکم ہی نہیں ہے اس لئے حق پہنچانے والے سے کسی کے بارے میں پوچھ نہیں ہوگی۔

وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

اور تمہارے رب کو خوب علم ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور بیشک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور داود (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا علم، ایسا علم ہے کہ اس سے اوپر کوئی علم والا نہیں اور اس کے علم سے بڑا کوئی علم نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں اس کا ہر کام بڑے علم سے ہے۔ اس نے جس کو جس مقام پر رکھا اس کا وہی مقام ہے۔ انبیائے کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ بعض کا پیغام صرف انہی لوگوں کے لئے تھا جن کی طرف ان کی بعثت ہوئی، بعض کا پیغام کثیر لوگوں کے لئے تھا۔ خاتم النبیین کا پیغام عالمین کے لئے ہے، اور قیامت تک کے لئے ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو ملک بھی عطا کیا گیا تھا کتاب بھی عطا فرمائی گئی تھی، مگر ملک وجہ فضیلت نہیں ہے۔ کتابِ الٰہی کے نافذ کرنے والے کی اہلیت کا علم اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو زبور عطا فرمائی گئی، وہ تحمید و تمجید پر مشتمل تھی، توریت کے بعد نازل فرمائی گئی تھی اور اہلِ کتاب اسے کتابِ الٰہی مانتے تھے۔ قرآن پاک میں ہر شے کا بیان ہے اور یہ قیامت تک کے لئے ہے، عالمین کے لئے ہے اور اس کو بدلنا ممکن نہیں ہے۔ جو لوگ دین داری اور دنیا داری کی حدود کا تعین کرتے رہتے ہیں، انہیں یہ بات پریشان کرتی ہے، کہ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مگن رہنے والے کا دنیا سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ واضح فرمایا گیا ہے، کہ حقوق العباد بھی عبادت ہیں۔ مثال حضرت داؤد علیہ السلام کی دی گئی ہے، یہ صاحبِ کتاب نبی تھے اور مملکت بھی رکھتے تھے۔

**حاصل:** علیمِ مطلق کا ہر کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ اس نے جس کو جو مقام عطا فرمایا ہے وہی اس کا مقام ہے۔ انبیاء میں سے کسی کا مقام جزو کی صورت سے ہے، کسی کا جزوِ اعظم کی صورت سے ہے۔ خاتم النبیین کل کی صورت سے تشریف لائے، یہ انتہائی فضیلت ہے۔ کتبِ سابقہ کی تصدیق، عالمین کے لئے رحمت تا قیامت اور ہر مقام پر رہنمائی اور ہر درجے کے لئے رہنمائی اس فضیلت کو روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾

فرما دیجئے، پکارو ان کو جن کا اللہ کے مقابل تمہیں زعم ہے، تو وہ تم پر سے تکلیف کھول دینے کا اختیار بھی نہیں رکھتے، پھیر دینے کا اختیار بھی نہیں رکھتے۔

جن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شریک مانا جاتا ہے، ان کی قدرت کا ثبوت بھی ہونا چاہئے۔ مصائب باذن اللہ آتے ہیں، تو انہیں پکار کر کہنا چاہئے جنہیں معبود مانا جاتا ہے، کہ ہمیں ان مصائب سے چھڑا دیجئے یا ہم پر سے ان مصائب کو پھیر دیجئے۔ یہی ان معبودوں کی قدرت کا ثبوت ہو سکتا ہے، مگر یہ کبھی مشاہدے میں آیا ہی نہیں۔ مصائب باذن اللہ آتے ہیں اور باذن اللہ ہی جاتے ہیں۔ معبود وہی ہے جس کا اختیار کلی ہے اور دائمی ہے۔

**حاصل:** مصائب کا باذنِ اللہ آنا اور باذنِ اللہ جانا، اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاشریک ہونے کی سند ہے۔ جب اللہ کے مقابل کوئی تکلیف کو کھولنے یا پھیر دینے کا اختیار ہی نہیں رکھتا، تو پھر خلافِ حق کرنے کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں جو ان میں زیادہ قریب ہو، اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں۔ بے شک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

جن پاک لوگوں کو بے علمی سے معبود کی حیثیت سے پکارا جاتا ہے، انہوں نے کبھی اپنے معبود ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا ہوتا، اس لئے انہیں پکارنے والے خلافِ حق کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کے پیاروں کی صفات کو اپنایا جائے تو ان کے ساتھ ہونے کا ثبوت ملتا ہے، ورنہ دعویٰ ساتھ کا ہو سکتا ہے مگر وہ دعویٰ سچا نہیں ہوتا۔ پاک بندوں کی طریقت یہ ہوتی ہے، کہ وہ ان کا توسل ڈھونڈتے ہیں جو اللہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ زیادہ قریب ہونے کی نشانی یہ ہے، کہ وہ حق کے طالبین کو تعلیم دیتے ہیں اور حق کے نہ ماننے والوں کے لئے ان کی لاعلمی کے حوالے سے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔ توسل کا منشاء حصولِ علم ہوتا ہے اور توسل کبھی تعبد نہیں ہو سکتا۔ پاک بندے اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اپنے رب کی رحمت کی امید حصولِ قرب کے لئے ضروری ہے۔ اس کے عذاب سے ڈرنا یہ ہے کہ منکرینِ حق کے ساتھ تعلق صرف دعوتِ خیر کے حوالے سے ہو، کہیں من مانی نہ کی جائے، اور اپنی دانستہ اور نادانستہ کوتاہیوں کا اعتراف ہو۔

**حاصل:** توسل ضروری ہے اور حق ہے، تعبّد قطعاً خلافِ حق ہے۔ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھنی چاہئے، اور اس کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ راہِ راست پر رہنے کے لئے پاک لوگوں کی صفات کو اپنانا ضروری ہے۔ نام ان کا لیا جائے مرضی اپنی کی جائے تو گمراہی سے بچنا محال ہوگا۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

اور کوئی قریہ نہیں مگر یہ کہ ہم اس کو قیامت کے دن سے قبل ہلاک کر دیں گے یا اسے عذابِ شدید میں مبتلا کریں گے۔ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

جو قریہ یا بستی اپنی شناخت بنانے کے لئے وہ اصول اپنائے جو لوگوں کی پسند سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا انجام اچھا ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسی بستی یا ہلاک کر دی جائے گی یا عذاب شدید میں پکڑی جائے گی۔ اتمامِ حجت ہو چکا ہو تو بالکلیہ ہلاکت ہوگی اور مزید مہلت دینی ہو تو عذابِ شدید دیا جائے گا۔ مگر خلافِ حق کرنے کے انجام سے بچ جانا ممکن نہیں یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

**حاصل:** ہمیں دیکھنا چاہئے، ہم جس بستی کے مکین ہیں اس کی شناخت کیا ہے۔ اگر خلافِ حق کرنا اس کی شناخت ہے تو ہلاکت یا عذابِ شدید کو دور نہیں جاننا چاہئے۔ اصلاح کے لئے پاک لوگوں کا ساتھ اختیار کرنا چاہئے۔ اللہ کے فرمان سے ٹکرانے والی ہر ساخت ٹوٹ جاتی ہے، اسے پکڑنے والے بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

اور ہم نے ایسی نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کیں کہ پہلوں نے بھی ان کی تکذیب کی۔ اور ہم نے ثمود کو اونٹنی ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے دی، تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں ڈرانے کے لئے ہی بھیجتے ہیں۔

حق کو ماننے کے لئے جب بھی کسی قوم نے کسی نشانی کی شرط لگائی تو اللہ کے رسول نے واضح فرمادیا کہ مطلوبہ نشانی کو دیکھ لینے کے بعد نہ ماننا باعثِ ہلاکت ہوگا۔ لوگوں کا رویہ یہی رہا کہ نشانی دیکھنے پر مصر رہے اور دیکھنے کے بعد اسے جھٹلا دیا۔ نشانی بھیجنے والا، نشانی طلب کرنے والوں کی سنجیدگی کو خوب جانتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ثمود کی طرف بھیجا گیا، تو انہوں نے نشانی طلب کی۔ ان کی مطلوبہ نشانی اونٹنی تھی جس کی پیدائش ان کی طلب کے مطابق ہوئی، اور جس کی صفات ان لوگوں کی طلب کے مطابق تھیں۔ یہ نشانی ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی۔ اس اونٹنی کے بارے میں حکم ہوا کہ اسے بُرائی کے ساتھ مَس نہ کیا جائے، یہ اللہ کی زمین سے کھاتی پھرے جہاں سے چاہے۔ یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ اس نشانی کی بے حرمتی باعثِ عذاب ہوگی۔ تو ثمود نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور کہا وہ عذاب آتا کیوں نہیں جس سے ڈرایا جاتا رہا۔ پھر عذاب آیا اور وہ اس طرح برباد ہوئے کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ حق کو ماننے کے لئے نشانی طلب کرنا اسی وقت مفید ہوسکتا ہے جب لوگوں کو اپنی خواہشات کی پیروی عزیز نہ ہو۔ نشانیاں بھیجنے والا یہ چاہتا ہے کہ اس کی قدرت کو دیکھ کر انجام پر نظر رکھی جائے۔

حاصل: حق کو ماننے کے لئے نشانی طلب کرنا انتہائی سنجیدگی کا مقام ہونا چاہئے۔ مطلوبہ نشانی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اللہ کی قدرت سے ڈرنا حق ہے۔ دیکھنا چاہئے ہم سلامتی کی راہ پر ہیں یا ہلاکت کی راہ پر ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع ۶/۸

اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک سب لوگ آپ کے رب کے احاطے میں ہیں۔ اور ہمارا وہ دکھانا جو آپ کو دکھایا تھا لوگوں کو دیکھنے کے لئے تھا، اور وہ شجر جس پر قرآن میں لعنت فرمائی گئی ہے۔ اور ہم انہیں خوف دلاتے ہیں تو ان کی بڑی سرکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔

جب سب لوگ اللہ کے احاطۂ قدرت میں ہیں، تو تبلیغ حق کرنے والوں کے لئے کسی فرد یا جماعت کے ردِعمل کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ شب معراج جو کچھ خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا اور جس میں سے آپ نے لوگوں کو بتایا تھا، اس بیان کا منشاء یہ دیکھنا تھا کہ کون اپنی سمجھ کو معیار جانتا ہے، اور کون محبت سے اس بیان کو مانتا ہے۔ اللہ کی قدرت کو محدود جاننے سے بڑی جہالت کوئی نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ایک درخت کا زقوم کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، یہ درخت لعنتی لوگوں کی خوراک ہوگا۔ دوزخ میں اس درخت کا

ہونا، منکرینِ حق کے ماننے میں نہیں آتا تھا۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے والی آنکھوں کو اپنی حیثیت پر بھی نظر رکھنی چاہیئے، اپنی ابتدا اور انتہا کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ اگر اپنی خواہشات کی پیروی عزیز ہوگی تو پھر انذار کی بات سے سرکشی میں اضافہ ہوگا۔

**حاصل:** جو اللہ کے احاطہ قدرت میں ہے، وہ تبلیغِ حق میں سدِ راہ نہیں ہوسکتا۔ ماننے والی بات کا ماننا یہ ہے، کہ جو سمجھ میں آئے اس کو مان لیا جائے۔ خوارق کا ماننا یہ ہے کہ بیان کرنے والی ذات بابرکات صداقت کی سند رکھتی ہے، اس لئے وہ جو بھی فرمائے سچ ہے۔ من مانی کرنے پر تل جانے والے انذار کی بات سن کر مزید سرکش ہو جاتے ہیں۔ ہمیں تلاوت الوجود کرتے رہنا چاہیئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (۱۷) میں فرمایا ہے: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ اور بے شک ہم نے اس قرآن پاک میں طرح طرح سے بیان فرمایا کہ وہ سمجھیں، اور اس سے ان کی نفرت ہی بڑھتی ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ ج

اور جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کریں، تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا کہنے لگا۔ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے خلق کیا ہے۔

ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت کو دیکھ چکے تھے۔ تخلیق آدم کے ذکر کے ساتھ ہی وہ اپنا احساس بھی بیان کر چکے تھے، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت فرمادی گئی تھی۔ جب سجدے کا حکم دیا گیا تو یہ آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لئے اور ان کے مقام کا اعتراف کروانے کے لئے تھا۔ ملائکہ نے حکم کی تعمیل کی۔ حکم سے پہلے بولنے کا مقام ہوسکتا ہے، حکم ہو جانے کے بعد بولنا بے ادبی ہے۔ ادب کے دائرے میں حکم اور اسکی تعمیل کے درمیان کوئی بات آ ہی نہیں سکتی۔ ابلیس نے سجدے کے حکم کو نہ مانا، تو اسے پوچھا گیا اور یہ ظاہر و باطن کے جاننے والے کی طرف سے پوچھا گیا، کہ کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا۔ تو وہ کہنے لگا، کیا میں اسے سجدہ کروں جسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ بے علمی ملاحظہ ہو کہ مخلوق علیم مطلق اور خالقِ کُل کو خلق کے درجات بتانے لگی ہے۔

**حاصل:** ماننے کا دعویٰ ہو تو تعمیلِ حکم میں دیر نہیں ہونی چاہیئے۔ تعمیلِ حکم میں اپنی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے۔ خلق کے درجات کا جو علم اللہ کو ہے، وہ اللہ ہی عطا کر سکتا ہے اور جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے۔ ادب کے بغیر حصولِ علم ممکن ہی نہیں ہوتا۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

کہنے لگا، بھلا دیکھ تو یہ جسے تو نے مجھ پر مکرّم رکھا ہے، اگر تو نے مجھے یوم قیامت تک مہلت دی تو میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا سوائے قلیل لوگوں کے۔

شیطان نے اُسے عزت والا ماننے سے انکار کرتے ہوئے، جسے اللہ نے عزت بخشی ہے، یہ کہا کہ جسے میرے سامنے مکرم ٹھہرایا گیا ہے میں تاقیامت اس کی اولاد کے ساتھ دشمنی کرتا رہوں گا، ان کو پیس کر چھوڑوں گا۔ قلیل لوگ میرے داؤ سے بچ جائیں گے۔ جن لوگوں کو شیطان پیس کر ختم کردے گا وہ سب خواہشات کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ وہ انہیں ان کی پسند کے حوالے سے پھنسائے گا۔ جو لوگ اس داؤ سے بچ جائیں گے وہ مخلصین ہیں۔ مخلصین کی شان یہ ہے کہ وہ حق کو مانتے وقت یہ دیکھتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کے اتباع میں یک سوئی قائم رہے۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ علم عطا کرنے والے وہ بھی جانتے ہیں جو ان کے علم میں ہے اور وہ بھی جانتے ہیں جو ان کے علم میں نہیں ہے۔

**حاصل:** جو اللہ کے نزدیک عزت والا ہے، اسے عزت والا ماننا لازم ہے۔ شیطان دشمنی کا احساس رہے تو اپنے عمل کا نقص نظر آتا رہتا ہے۔ جو حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتا ہو، وہ شیطان کے داؤ سے بچ نہیں سکتا۔ جو حق کو مانتا ہو اور اپنے عمل پر پاک لوگوں کو گواہ بناتا ہو اس پر شیطان کا داؤ نہیں چل سکتا۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

فرمایا: دور ہوجا! تو ان میں جو تیرا اتباع کرے گا تو جہنم تم سب کی جزا ہے، پوری جزا۔

انسان دشمنی کے اعلان کے بعد شیطان کو مردود قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، دور ہوجا، جو تیری پیروی کرے گا وہی تیرا ساتھی ہوگا، تم کو اور تمہارے سب ساتھیوں کو ان کے کئے کی پوری پوری جزا دینے کے لئے جہنم موجود ہوگا۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔ جو حق کو نہ مانے وہ خلاف حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔

**حاصل:** اپنے دوست کے دشمن کو دور کردینا اللہ کی سنت ہے۔ اپنے دوست کے دشمن اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اپنے احساس کو واضح کردینا حق ہے۔ آگ کی صورت میں سزا دینا اتنے بڑے علم کا کام ہے کہ وہ صرف اللہ ہی کرسکتا ہے، کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ جلنے کی سزا دے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

اور اپنی آواز سے جس کو گھبرا سکے گھبرا لے، اور ان پر اپنے سوار اور پیادے لے آ اور اموال و اولاد میں ان کے ساتھ شریک ہو اور انہیں وعدے دے۔ اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر غرور کا۔

جب شیطان نے بنی آدم سے دشمنی کا اعلان کردیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو تجھ سے ممکن ہو کرلے۔ جس کو گھبرا کر اپنی طرف مائل کرسکتا ہے اس کو گھبرا لے۔ جن پر یہ داؤ نہ چلے ان پر طاغوتی لشکر لے آ، ان کو مرعوب کرنے کی کوشش کرلے۔ جو راہِ حق پر رہنے والے ہیں وہ اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذنِ اللہ مانتے ہیں۔ شیطان کے لشکر انہیں مرعوب نہیں کرسکتے۔ جو لوگ متاعِ حیات دنیا کو مقصود بنا لیتے ہیں ان سے شیطان کی شراکت اموال و اولاد میں ہوتی ہے۔ وہ لوگ حرام خوری کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں اور اولاد کو حدود اللہ کے احترام کی ترغیب نہیں دیتے۔ شیطان انہیں ترقی اور سربلندی کی امیدیں دلاتا ہے، انہیں وعدے دیتا ہے۔ شیطان کے وعدوں کی حقیقت غرور کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

**حاصل:** اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتیجے کو باذن اللہ جاننا لازم ہے۔ نتیجہ اپنی منشاء کے خلاف نظر آئے تو گھبرا کر حق کو چھوڑ نہیں دینا چاہئے۔ طاغوتی لشکروں سے مرعوب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کی نصرت کے سامنے شیطانی لشکروں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اموال و اولاد کو امتیاز کے حصول پر لگا دینا، دوسروں کو چھوٹا ثابت کرنے میں لگے رہنا، ثابت کرے گا کہ شیطان کا داؤ چل گیا ہے۔

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾

بے شک وہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا۔

اللہ کے بندے نفع و ضرر کو باذن اللہ جانتے ہیں۔ ہونے کی صورت میں مقامِ شکر پر رہتے ہیں نہ ہونے کی صورت میں مقامِ صبر پر رہتے ہیں۔ جب کسی کام کا عزم کر لیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنا حق ادا کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے، اس لئے طاغوتی قوتوں سے مرعوب نہیں ہوتے۔ حلال رزق کو ان تمام حقوق کی ادائیگی کے لئے پورا جانتے ہیں، جو ان کے ذمے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے حرام کی طرف مائل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اولاد کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام سکھاتے ہیں۔ وہ اولاد کو بتاتے ہیں، ناپاک کبھی پاک کے مساوی نہیں ہوسکتا، چاہے ناپاک کی کثرت کتنی ہی عجیب لگے۔ وہ جانتے ہیں کام بنانے والا اللہ ہے۔ اس سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ اس کا کام بڑے علم سے ہوتا ہے، اس میں ہمیشہ بڑی حکمت ہوتی ہے۔

**حاصل:** اللہ کے بندے ہر حال میں بندگی کرتے ہیں۔ اپنے نفس پر حاکم ہونا، بندگی کے لئے ضروری ہے۔ اللہ کے بندے یقین رکھتے ہیں کہ ان کا کام حق کو ادا کرنا ہے، کام بنانا اللہ کی شان ہے اور اس کا کام بڑے علم سے ہوتا ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾

تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارے لئے بحر میں کشتی رواں کرتا ہے، کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھی ہمیں سواریاں عطا کی ہیں۔ بحر ذرائع نقل و حمل کے لئے سب سے اہم ہے۔ بحر میں اللہ کی عطا کردہ سواری کشتی ہے۔ وہ بہت بڑی ہو یا چھوٹی ہو۔ اس سواری کو عطا کرنے والے کی منشاء کے مطابق استعمال کیا جائے، تو اس پر اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے روانہ ہونا چاہئے۔ رزق کی ایسی تلاش جس میں بندہ، اللہ کی بندگی کرتے ہوئے دوسروں کو اپنے عمل سے فائدہ پہنچائے، اور یہ یقین بھی رکھے کہ جو اس کے حصے کا ہے وہ ضرور ملے گا، اللہ کا فضل ہے۔ بندے کا کام یہی ہے کہ وہ کم جاننے والوں کو سکھائے اور بہتر جاننے والوں سے سیکھے۔ اللہ کا فضل تلاش کرنے والوں کو اللہ اپنے رحم سے نوازتا ہے۔

**حاصل:** کشتی میں سواری سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہم اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے ہی روانہ ہو رہے ہیں۔ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے، اللہ کے رحم کا اور اپنی کوتاہیوں کا بہت علم ہوتا ہے۔ بحری سفر کے دوران یَارَحِیْمُ یَارَحِیْم کا ذکر کرتے رہنا چاہئے۔

وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾

اور جب بحر میں تمہیں دکھ پہنچتا ہے، بھول جاتے ہو جن کو اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔ پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے اعراض کرنے لگتے ہو۔ اور انسان ہے بڑا ناشکرا۔

جب نفس کو ذاتی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔ اس وقت وہ معبود جو اس کی خواہشات سے جنم لیتے ہیں سب گم ہو جاتے ہیں۔ بندے کا مقام، اللہ کی قدرت کے سامنے، بندے کو خوب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر وہ اللہ کو پکارتا ہے یک سو ہو کر، اور یہ عہد بھی کرتا ہے کہ آئندہ اسی راستے پر رہنا ہے جو اللہ کے مخلص بندوں کا راستہ ہے۔ جب خشکی پر پہنچنا نصیب ہو جاتا ہے، تو من مانی نہ کرنے کا عہد توڑ کر حق سے اعراض کیا جاتا ہے۔ انسان کی ناشکری دیکھئے کہ اسے بچا دیا جاتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ میں بچا دیا گیا ہوں، یہ کہتا ہے، میں بچ گیا ہوں۔

**حاصل:** انسان کو بحر میں آفت کا سامنا ہو، تو اسے معبود لاشریک کے سوا سب بھول جاتے ہیں۔ اور جب اسے قادرِ مطلق کی طرف سے خشکی پر سلامتی کے ساتھ پہنچا دیا جاتا ہے، تو پھر وہ حق سے اعراض کرنے لگتا ہے۔ شکر گزاری یہ ہے کہ ہمیشہ یہ کہے 'میں بچا دیا گیا ہوں' یہ کہنا میں 'بچ گیا ہوں' ناشکری ہے۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿ۙ۶۸﴾

کیا تم اس سے نڈر ہوئے کہ وہ خشکی کی جانب کو تمہارے ساتھ دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ بھیجے، پھر اپنا کوئی حمایتی نہ پاؤ۔

اگر اللہ کی قدرت کے احاطے کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر بحر سے سلامتی کے ساتھ خشکی پر پہنچا دینے والے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ بحر میں غرق کرنے کی قدرت رکھنے والا، خشکی پر دھنسا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کسی مقام پر انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ ہوا کے ساتھ انسان کو مٹا کر رکھ سکتا ہے۔ کون ہے وہ جس کی یہ مجال ہو کہ وہ مٹائے جانے والے کی حمایت کا دعویٰ ہی کر سکے۔

**حاصل:** اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو ہر مقام پر ملحوظ رکھنا چاہئے۔ بات کرتے وقت دیکھنا چاہئے، کیا ہم اللہ کی مہربانی کو اپنا کارنامہ بنا کر تو بیان نہیں کر رہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ہمارا رخ سلامتی کا نہیں ہے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾

یا اس سے نڈر ہوئے کہ تمہیں اس میں دوبارہ لے جائے پھر تم پر ہوا کا سخت جھونکا بھیجے، تو تمہیں تمہاری ناشکری کی بنا پر غرق کر دے، پھر تم اپنے لئے کوئی ایسا نہ پاؤ جو ہم سے باز پرس کر سکے۔

اللہ کی قدرت کے احاطے کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ وہ ہر مقام پر قادرِ مطلق ہے۔ بحر ہو بر ہو یا کوئی بھی مقام ہو، بندے کو دیکھنا چاہئے کہ بحر میں طوفان کے وقت اللہ کو پکارنے والا اور خشکی پر پہنچا دیئے جانے کے وقت اللہ کو بھول جانے والا، دوبارہ بھی بحر میں بھیجا جا سکتا ہے۔ پھر اللہ اس کو اس کی ناشکری پر طوفان کے ذریعے غرق بھی کر سکتا ہے۔ پھر کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ سے باز پرس کر سکے۔

**حاصل:** اللہ کی قدرت کے احاطے کو ہر مقام پر دیکھنا چاہئے۔ کسی مقام پر اللہ کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں اور کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس سے کسی کی ہلاکت کے بارے میں باز پُرس کر سکے۔ اپنے عجز پر نظر رکھنی چاہئے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۚ ﴿۷۰﴾ ع

اور بے شک ہم نے بنی آدم کو تکریم دی اور انہیں بر و بحر میں سواری دی، اور انہیں طیبات سے رزق دیا اور انہیں اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت دی۔

بنی آدم کی عزت و تکریم، کائنات میں تسلیم کی جاتی ہے۔ اللہ کی عطا کو تسلیم کرنے میں ہی بھلائی ہے۔ بری سفر کے لئے اور بحری سفر کے لئے سواریاں بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ حلال و حرام کے علم کے ساتھ، طیبات کی صورت میں رزق بھی وہی دیتا ہے۔ بنی آدم کی فضیلت یہ ہے کہ من مانی کرنے کی اہلیت کو حق کے اتباع میں لگا کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ بنی آدم، اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو ملحوظ رکھیں، رُخ ہر مقام پر بھلائی کا ہو، کھائیں طیبات سے تو کثیر مخلوق ان کی فضیلت کا اعتراف کرے گی۔

**حاصل:** بنی آدم کی تکریم حق ہے۔ ہمیں ہر مقام پر اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو ہیچ دیکھنا چاہئے۔ رخ ہر مقام پر خیر کا ہو، رزق طیبات سے ہو تو کثیر مخلوق کو فضیلت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (۱۰) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا، جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾

جس دن ہر گروہ کو ہم ان کے اماموں کے ساتھ بلائیں گے، تو جس کو اس کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ اپنا لکھا پڑھیں گے، اور ان پر تاگے برابر ظلم نہ ہو گا۔

جو جس کا اتباع کرتا ہے وہ اس کو امام مانتا ہے۔ جس کو حال پر امام بنایا جاتا ہے، قیامت کے دن اسی امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔ جو لوگ حق کو ماننے والے ہوں گے، ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ یہ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے تو انہیں راحت ہو گی۔ عند اللہ مقبولیت سے بڑی راحت کیا ہو سکتی ہے۔ پاک لوگوں پر تاگے برابر ظلم نہ ہو گا۔ پاکیزگی کی تصدیق وہ حضرات کریں گے، جن کی پاکیزگی کی تصدیق کی گئی ہو گی۔ امت وسطیٰ میں یہ سلسلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا۔ آپ کی پاکیزگی پر اللہ گواہ

ہے۔باقی انبیاء کرام بھی اپنے اپنے حال پر لوگوں کو حق کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔جن کی پاکیزگی کی وہ تصدیق کرتے تھے ان کو تصدیق کرنے کا حق بھی عطا کیا جاتا تھا۔اس طرح شاہدین کی جماعت بنتی جاتی تھی۔جو لوگ خلافِ حق کرتے ہیں وہ بھی کسی کو امام بناتے ہیں۔ایسے امام لوگوں کو خواہشات کی پیروی کی ترغیب دیتے ہیں۔اپنے ساتھیوں کو غرور واستکبار میں مبتلا کرتے ہیں۔مال ومتاع،حسب ونسب،رنگ ونسل کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرتے ہیں۔اللہ کے نزدیک تکریم کے لئے معیار تقویٰ ہے۔

**حاصل:** اگر ہمارا امام عنداللہ مقبول ہے تو ہم راہِ راست پر ہیں،اور اگر ہمارا امام خلافِ حق کر رہا ہے تو ہم راہِ راست پر نہیں ہیں۔پاک بندوں کو ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ہمیں خلافِ حق کرنے سے ڈرنا چاہئے۔

وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

اور جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا،اور بالکل ہی گمراہ۔

جو انسان ہدایت کے مقابل گمراہی کو پسند کرے،اس کا رخ اندھیرے کی طرف ہے۔اندھیرے میں انسان دیکھ نہیں سکتا۔یہ اندھا پن دارِ عمل میں انسان کے ساتھ رہے تو آخرت میں بھی انسان اس سے چھوٹ نہیں سکتا۔انسان خواہش کی آنکھ سے دیکھتا رہے تو اندھا ہی رہتا ہے۔خواہش کی آنکھ بند ہو تو حقیقت کی آنکھ عطا ہوتی ہے۔جس کا تعلق مخلوق کے ساتھ اپنی غرض وغایت کے لئے ہو اس کو حقیقت سے آشنائی ہو ہی نہیں سکتی۔آخرت میں تدارک،تلافی ممکن نہ ہوگی اس لئے حق سے دوری بھی زیادہ ہوگی۔

**حاصل:** جو حال پر حق کو نہیں پاتا وہ اندھا ہے،جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔دارِ عمل میں تدارک اور تلافی ممکن ہے۔دارِ آخرت میں یہ ممکن نہیں ہے۔اس لئے حق سے دوری بھی انتہائی ہوگی۔

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖۗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

اور قریب تھا کہ تمہیں فتنے میں ڈالتے اس سے جو ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی،کہ تم ہم پر افتریٰ کرتے،اور تب وہ تمہیں دوست بنا لیتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے،کہ آپ نے کبھی خواہش کے تحت نطق نہیں فرمایا۔آپ نے جو بھی فرمایا،اللہ کے حکم سے فرمایا۔اس لئے کسی فتنے کا آپ پر اثر انداز ہونا ناممکن ہے۔آپ کا قلب مبارک قرآنِ پاک کا مقام نزول ہے،اس لئے یہ قلب مبارک کبھی غیر کی طرف مائل ہو ہی نہیں سکتا۔تعلق مع اللہ کا وہ مقام جہاں شک بالکل نہ ہو،اللہ کے مقرر کردہ معیار کو ضرور حاصل ہوتا ہے۔اسی لئے اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔جہاں بھی واحد حاضر کے صیغے سے خطاب ہے،مخاطب لازماً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں ہیں۔

تبلیغ حق کرنے والوں کو یہ علم عطا فرمایا گیا ہے،کہ وہ کسی مقام پر بھی حق کو اپنی سمجھ کے تابع نہ رکھیں،ہمیشہ اپنی سمجھ کو حق کے تابع رکھیں۔منکرینِ حق کو یہ مطلوب ہوتا ہے،کہ تبلیغ حق کرنے والا کچھ ان کی مان لے،کچھ ان سے منوالے۔اگر تبلیغِ حق کرنے والا ایسا کرنے پر تیار ہو تو وہ اس کو دوست بنا لیتے ہیں۔یہ دوستی انہیں بہت مفید نظر آتی ہے۔بعد میں تبلیغ حق کرنے والے کے بارے میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ ان

صاحب کے نزدیک ہماری پسند اللہ کے فرمان کے برابر اہمیت رکھتی ہے، اس لئے انہوں نے کچھ ہماری مان لی ہے کچھ ہم سے منوالی ہے، اب غور کر لیجئے کہ جس کو یہ حق مانتے ہیں خود اس پر کس قدر ثابت قدم ہیں۔ پھر تبلیغِ حق کا دعویٰ کرنے والے کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہ جاتا۔

**حاصل:** حق کو ماننے سے اس کا علم ہوتا ہے، اس کے علاوہ جاننے کی ہر کوشش بے جا ہوتی ہے۔ تبلیغِ حق کرنے والے کو اپنی سمجھ کے بارے میں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ یہ تبھی درست ہوگی جب ناصحین سے محبت موجود ہوگی۔ ناحق سے جزوی مصالحت حق کا جزوی انکار ہے اور حق کو پورا پورا ماننے کا حکم ہے، اس لئے جزوی انکار بھی حق کا کلّی انکار ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾

اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف تھوڑا جھکتے۔

تبلیغِ حق کرنے والے کو جب منکرینِ حق سے بات کرنی پڑتی ہے تو اسے ان کا فلاح کی طرف آنا بہت عزیز ہوتا ہے۔ یہاں یہ دیکھنا بہت ضروری ہوتا ہے کہ تبلیغِ حق کرنے والے کا منشاء اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ نہ ہو، اور وہ مخاطب پر واضح کر دے کہ کسی شرط کے ساتھ حق کو ماننا، اللہ کے نزدیک ماننا ہے ہی نہیں۔ من مانی کرنے کی طلب ہی تو بت پرستی ہے اور اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

**حاصل:** تبلیغِ حق سے پہلے یہ دعا کرنی چاہئے، یا اللہ مجھے ثابت قدمی عطا فرما، تیری مدد سے ہی میرا توازن قائم رہ سکتا ہے۔ منکرینِ حق پر واضح کرنا چاہئے، کہ من مانی کرنے کی طلب ہی سے سب گناہ وجود پاتے ہیں اور من مانی کرنے سے اجتناب، حق کو ماننے کے لئے ضروری ہے۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور جب تو ہم تمہیں دونی حیات اور دونی موت کا ذائقہ چکھاتے، پھر تم ہمارے مقابل کسی کو مددگار نہ پاتے۔

اگر اللہ کی رضا کے علاوہ بھی کچھ مقصود ہو، تو تبلیغِ حق کرنے والا اپنے لئے حیات و موت کا دکھ خرید رہا ہوتا ہے۔ حیات کا دکھ یہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں حق اور ناحق کی اہمیت برابر ہو جاتی ہے، اور یہ بہت بڑا دکھ ہے۔ موت کا دکھ یہ ہوتا ہے کہ دعویٰ تبلیغِ حق کا رہا ہے اور حالت اللہ سے مقابلے کی ہوگئی ہے اور دنیا سے واپسی مجرم کی صورت سے ہو رہی ہے۔ یہ دکھ بھی ختم ہونے والا نہیں۔ اللہ سے مقابلہ کرنے والے کی مدد کسی کے بس کی بات نہیں۔

**حاصل:** تبلیغِ حق میں اللہ کی رضا کے علاوہ بھی کچھ مطلوب ہو تو یہ حیات و موت کا بڑا دکھ خریدنے والی صورت ہوگی۔ دعویٰ اللہ کو ماننے کا ہو اور ثبوت اللہ سے مقابلے کا دیا جا رہا ہو، تو انجام دکھ ہی ہو سکتا ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾

اور وہ تو چاہتے تھے کہ تجھے گھبرا دیں اس زمین سے، تاکہ تجھے یہاں سے نکال دیں، اور تب تو وہ بھی تمہارے پیچھے تھوڑا ہی ٹھہرتے۔

منکرینِ حق کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ تبلیغِ حق کرنے والے کو تنگ کرنے کا عمل مسلسل رہے اور تبلیغِ حق کے لئے فضا کا ناسازگار ہونا واضح ہوتا جائے۔ منشاء یہ ہوتا ہے کہ حق بیان کرنے والے میں لوگوں کی عدم دلچسپی کی فضا بنے اور ایک مقام پر اسے کہا جائے، کہ صاحب ہم آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، ایک ہی صورت ہوسکتی ہے آپ کے یہاں رہنے کی اور وہ یہ ہے کہ آپ اس بستی والوں کی ملت کی طرف لوٹ آئیں۔ اگر حق بیان کرنے والے کو اس کے مقام سے نکال دینے کی کوشش کی جائے تو یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہوتی ہے۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ حق بیان کرنے والے کو نکال دینے والے سلامتی کے ساتھ پیچھے ٹھہرے رہیں۔

**حاصل:** منکرینِ حق تبلیغِ حق کرنے والے کو اپنی بستی سے نکال دینے کی کوشش کریں تو وہ عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔ پاک لوگوں کی موجودگی کو باعثِ رحمتِ الٰہی جاننا چاہئے، اور ان کی تکریم کرنی چاہئے۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع ۸

دستور ان کا جو ہمارے رسل میں سے تم سے قبل بھیجے گئے، اور تم اللہ کی سنت کو بدلتا نہ پاؤ گے۔

جس کی بات حق ہو، جس کا معاملہ اللہ کی رضا کے لئے ہو، وہ لوگوں سے اجر کا سوال نہیں کرتا۔ اسے لوگوں کی بھلائی ضرور عزیز ہوتی ہے مگر اس کی مدح کی جائے تو بھی استقامت کے ساتھ وہ اپنا حق ادا کرتا رہتا ہے، اور اس کی مذمت کی جائے تو بھی وہ مصائب کو باذن اللہ جانتا ہے۔ تعلق مع اللہ میں اس مقام پر رہنے والے کو جب بستی والے نکال باہر کریں، تو پھر اس بستی کو برباد کردیا جاتا ہے۔ اللہ کی یہ سنت چلی آرہی ہے اور یہی سنت رہے گی، اس سنت کو بدلنا اللہ کی شان کے خلاف ہے۔

**حاصل:** خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اللہ کا پیغام پہنچانے والے ناصحین ضرور آتے رہیں گے۔ ان پاک لوگوں کے ساتھ زیادتی کا انجام وہی ہوگا جو پہلے پاک لوگوں کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کا ہوتا رہا ہے۔ ہمیں پاک لوگوں سے بے ادبی کا رویہ رکھنے والوں کو دور رکھنا چاہئے۔

**شہادت:** سورۃ الاعراف (۷) میں یوم سبت والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ تو جب وہ نصیحت کو بھلا بیٹھے تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے منع کرتے تھے، اور ظالموں کو برے عذاب میں پکڑا، اس لئے کہ وہ فسق کرتے تھے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

صلوٰۃ قائم رکھو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک، اور قرآنِ فجر۔ بیشک قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے۔

نماز میں اللہ سے کیے ہوئے عہد پر قائم رہنے سے نماز قائم ہوتی ہے۔ نماز میں عہد یہ کیا جاتا ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔ نماز پڑھنے کے بعد من مانی کرنے میں انہماک کے علاوہ کچھ نہ ہو تو نماز کب قائم ہوگی۔ نماز کے اوقات کا تعین، اللہ تعالیٰ کی طرف

سے فرمایا گیا ہے۔ سورۃ ھود میں فرمایا گیا ہے، دن کے دونوں کناروں پر اور کچھ رات گزرنے پر نماز قائم کرو۔ (۱۱:۱۱۴) اس آیت میں فجر اور مغرب، دونوں کناروں پر ہیں اور عشاء کچھ رات کے گزرنے کے بعد ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا گیا ہے، طلوعِ شمس سے پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے اوقات میں، حمد سے اپنے رب کی تسبیح کرو اور ان کے سروں پر تسبیح کرو۔ (۲۰:۱۳۵) طلوعِ شمس سے پہلے نمازِ فجر ہے۔ غروبِ شمس سے پہلے عصر ہے، کچھ رات گئے عشاء ہے۔ سورۃ روم میں فرمایا گیا ہے، اللہ کی تسبیح کرو جب تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو، اس کی حمد ہے آسمانوں اور زمین میں، اور دن کے آخری حصے میں اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔ (۳۰:۱۷:۱۸) شام کی نماز پہلی نماز ہے، عشاء کی دوسری ہے، فجر کی تیسری ہے، ظہر کی چوتھی ہے اور عصر کی پانچویں ہے۔ درمیانی نماز کی خصوصی حفاظت کا حکم ہے اور وہ نمازِ فجر ہے۔ نمازِ فجر میں بھی دوسری نمازوں کی طرح ہی قرآن پاک پڑھا جاتا ہے۔ قرآنِ فجر، نمازِ فجر کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت ہے۔ یہ تلاوت دین کا رکن ہے۔ اس وقت قرآن پاک کا پڑھنا شاہدین کی طریقت ہے۔ نمازِ فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا اپنے عمل پر شاہدین کے عمل کو گواہ بناتا ہے، یوں یہ عمل مشہود ہو جاتا ہے۔

**حاصل:** نماز قائم رکھنی چاہئے جیسے نماز قائم رکھنے کا حکم ہے۔ نمازِ فجر کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت کو دین کا رکن جاننا چاہئے۔ اگر ہم پڑھ نہ سکتے ہوں تو سننا فرض ہے۔ پڑھنے میں دھیان رکھنا چاہئے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾

اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو، یہ تمہارے لئے اضافہ ہے۔ قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب مقام محمود پر کھڑا کرے۔

نمازِ عشاء کے بعد اور نمازِ فجر سے پہلے تہجد کی نماز ہوتی ہے۔ اس سے پہلے سونا بھی ضروری ہے۔ عام لوگ پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں، خاص لوگ تہجد اور اشراق سمیت سات وقت نماز پڑھتے ہیں، اور خاص الخاص لوگ ہر وقت نماز میں رہتے ہیں۔ وہ کوئی کام کریں، مطلوب اللہ کی رضا ہوتی ہے، اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ عام سے خاص بنتا ہے اور خاص سے خاص الخاص بنتا ہے۔ حضوری کا شرف مل جائے تو نمازِ تہجد اور نمازِ اشراق جاری رہتی ہے، ورنہ نفس پر تہجد کے لئے اٹھنا بھاری ہوتا ہے۔ مقامِ محمود، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا انعام ہے اور یہ عند اللہ مقبولیت کی سند ہے۔ تبلیغ حق میں بڑے مشکل مقامات سے گزرنے کے بعد جب یہ شرف عطا ہوتا ہے تو اس انعام کے سامنے ماضی کے دکھ بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔

**حاصل:** تہجد کے لئے اٹھنا، قربِ الٰہی کے لئے ضروری ہے۔ سات وقت نماز پڑھنا صاحبانِ طریقت کا معمول ہے۔ ہر وقت نماز میں رہنا حقیقت کے مقام پر رہنے والوں کی شان ہے۔ مقامِ محمود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ اس انعام کے مقابلے میں وہ تکالیف جو تبلیغِ حق کرتے وقت برداشت کی گئی ہوں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿٨٠﴾

اور دعا کرو کہ میرے ربّ مجھے صدق سے داخل فرما اور صدق سے لے جا اور مجھے اپنے پاس سے حکومت کی مدد عطا فرما۔

تبلیغِ حق میں ایک مقام ہجرت کا بھی آتا ہے جب ایک جگہ کو مرکزِ تبلیغ بنا کر موجودہ مرکزِ تبلیغ کو چھوڑنا ہوتا ہے۔ اس وقت یہ دعا کرنی چاہیے: کہ اے میرے رب جس مقام پر تو مجھے لے جائے تیری رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو اور اس ماحول میں صداقت کو قدر کی نظر سے دیکھا جائے، اور جہاں سے مجھے لے جا رہا ہے وہاں سے جانے میں بھی تیری رضا ہی مطلوب ہو اور لوگوں کو یہ نظر آئے کہ صداقت کو ہر حال میں قائم رکھا گیا ہے۔ اقامتِ دین کے لئے اللہ کی مدد کی دعا کرنی بھی سکھائی گئی ہے۔ یہ مدد تو اللہ عطا فرماتا ہے، اس کی صورت یوں بنتی ہے کہ اس مقام پر لوگ اپنی سلامتی، حفاظت اور بھلائی کے لئے حق کے نفاذ کی طلب کو اجتماعی طلب کی صورت میں بہتر جاننے والے کے سامنے رکھتے ہیں، تب حق قانون کے طور پر نافذ ہو جاتا ہے۔ اس حکومت میں استکبار بڑا جرم ہوتا ہے۔ اپنے استحقاق کو حق کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ دادرسی بھی حق کے حوالے سے ہوتی ہے۔ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام لازم ہوتا ہے۔ من مانی کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس طرح لوگوں کو وہ سکھ پہنچتا ہے جو کسی دوسری صورت میں نہیں پہنچ سکتا۔

**حاصل:** تبلیغِ حق کے لئے کسی مقام پر جانے سے پہلے یہ دعا کرنی چاہیے: اے میرے رب مجھے صدق کے ساتھ داخل فرما، صدق کے ساتھ لے جا اور میری پوری پوری مدد فرما۔ جو حکومت حق کے حوالے سے لوگوں کی بھلائی کے لئے کوشاں ہو وہ لائقِ احترام ہوتی ہے۔

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

اور فرما دیجیے، کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

حق پہلے خلوت میں تسلیم کیا جاتا ہے، تب پاکیزگی لوگوں کو مطلوب ہوتی ہے۔ ایک وقت کے بعد یہ حق اجتماعی ضرورت بن کر جلوت میں آ جاتا ہے، تب باطل مٹ جاتا ہے اور باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے۔ حق کے نافذ ہو جانے کے بعد لوگوں کی خواہشات سے پیدا ہونے والے سب نظام ٹوٹ جاتے ہیں، لوگوں کی خواہشات سے وجود پانے والے سب بت کالعدم ہو جاتے ہیں۔ حق فرمانِ خداوندی ہے۔ اس کے ماننے والے خواہشات کی پیروی نہیں کرتے۔ تبلیغ کرنے والے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے۔ حدود اللہ کے احترام کو لازم مانا جاتا ہے۔ اس طرح معاشرتی سطح پر جو احساس تحفظ مشاہدے میں آتا ہے اس سے لوگوں کی قوت کارکردگی بڑھتی ہے۔ پھر کوئی معاشرہ ان کے مقابل کب ٹھہر سکتا ہے۔ باطل میں لوگوں کو ان کی پسند کے جال میں پھنسایا جاتا ہے، استکبار سے ان کے اندر اونچ نیچ کو منوایا جاتا ہے۔ اقتدار کا طلب گار وسعت مال سے اپنے دعوے کو منواتا ہے۔ معاشرے میں عدم تحفظ کا احساس مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ ایک وقت کے بعد باطل کی عدم افادیت اور خرابی، لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے، مگر حق سامنے آئے تو وہ اس باطل سے نجات کی تدبیر کریں۔ کائنات کی ہر شے کو باطل سے کراہت ہوتی ہے۔ باطل کی جڑ کوئی نہیں ہوتی۔ لوگوں کی خواہشات کے سہارے پر ہی وہ کھڑا ہوتا ہے۔

**حاصل:** حق پہلے خلوت میں مانا جاتا ہے، پھر جلوت میں نافذ ہوتا ہے۔ جب لوگوں کو پاکیزگی مطلوب ہو تو ناپاکی کب تک ٹک سکتی ہے۔ باطل کو صرف لوگوں کی خواہشات سے سہارا ملتا ہے، جب یہ سہارا نہ رہے تو اسے مٹتے دیر نہیں لگتی۔

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور ہم قرآن میں وہ نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے، اور ظالموں کو اس سے خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

مومنین وہ حضرات ہیں جو حق کو مانتے ہیں، اور اپنے ماننے پر اس عبدِ منیب کو شاہد بناتے ہیں جو حال پر ان کے سامنے ہوتا ہے۔ یک سوئی کا حصول اسی طرح ممکن ہوتا ہے۔ ان حضرات کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں حق کے حوالے سے کہاں ہونا چاہئے، تو وہ شفا کی طلب کے ساتھ نور کی طرف بڑھتے ہیں۔ یوں وہ اخلاقِ رذیلہ کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور اخلاقِ حسنہ کو اپنا حال بنا لیتے ہیں۔ یہ روحانی شفا کے ساتھ جسمانی شفا بھی ہے۔ اس شفا کے ساتھ جو سکھ ملتا ہے، وہ رحمت ہے۔ مومنین اپنی پسند کو اپنے صاحب کی پسند کے تابع رکھتے ہیں۔ ظالم وہ ہیں جو خلافِ حق کرتے ہیں۔ حق کی وضاحت کے بعد اپنی پسند کو اہمیت دینے سے خرابی ہی بڑھ سکتی ہے۔

**حاصل:** قرآن پاک کو ماننے والے اس کو اپنے لئے باعثِ شفا اور باعثِ رحمت پاتے ہیں، نہ ماننے والے ضد کی وجہ سے خسارے کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔

وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾

اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں، وہ اعراض کرتا ہے اور اپنی جانب دور ہٹ جاتا ہے۔ اور جب اسے برائی پہنچے، مایوس ہو جاتا ہے۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ملے تو وہ اس نعمت کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال میں لا کر شکریہ ادا نہیں کرتا، بلکہ اس نعمت کو اپنی غرض و غایت اور خواہش پر لگاتے ہوئے منعمِ حقیقی سے دور ہٹ جاتا ہے۔ جب اس کو دکھ پہنچ جائے تو بھلائی سے ناامید ہو جاتا ہے۔ نعمت کے ہونے کی صورت میں شکر نہیں کرتا، نہ ہونے کی صورت میں صبر نہیں کرتا۔

**حاصل:** اگر اللہ تعالیٰ کو علیم و حکیم ماننے کا دعویٰ ہو تو پھر ناشکری اور مایوسی اس دعوے کو جھوٹا ثابت کر دے گی۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع ۹

فرما دیجئے سب اپنے طریق پر عمل کرتے ہیں، تو تمہارے رب کو خوب علم ہے کون زیادہ راہِ ہدایت پر ہے۔

شعور کی موجودگی میں انسان جس نیت کے ساتھ کسی راستے کا انتخاب کرتا ہے، اسی کی جزا پاتا ہے۔ کون خلافِ حق کر رہا ہے، کون حق کو ماننے کے نام پر من مانی کر رہا ہے اور کون اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کی پیروی کر رہا ہے، رب العالمین کو ہر شے کا پورا پورا علم ہے، ہر حال کا پورا پورا علم ہے۔ درست عمل وہ ہے جو صالحین کے اتباع میں ہو، جس کا مقصود رضائے الٰہی ہو اور جس کے نتیجے کو باذن اللہ سمجھا جائے۔ درست عمل کرنے والا ہی شاکر بھی ہوتا ہے، صابر بھی ہوتا ہے۔

**حاصل:** نیت کو درست رکھنا حق ہے۔ نفع و نقصان کو باذن اللہ جاننا چاہئے۔ حکمتِ الٰہی جلد باز کو نظر نہیں آ سکتی۔ جس بات کی ہم سے پوچھ ہو گی، اس پر نظر رکھنی چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں فرمایا ہے: اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ سن لو! بے شک جو قیامت میں شک کرتے ہیں یقیناً دور کی گمراہی میں ہیں۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾

اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔فرما دیجئے، روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں اس کا قلیل علم ہی عطا ہوا ہے۔

'خلق' اور 'امر' دو چیزیں ہیں۔اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ہر شے کے مقصدِ تخلیق کو جانتا ہے۔ہر شے کو اپنے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے جو حالات درکار ہوتے ہیں، وہ عطا کرتا ہے اور اپنے امر سے ہر شے کو اس کے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے چلاتا ہے۔اسی امر سے اشیاء کے مابین ایک ربط بھی بنتا ہے جو اس کائنات کے نظام کو قائم رکھتا ہے۔اس کلامِ الٰہی کا نزول بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر روح الامین کے ذریعے سے ہوا۔روح الامین نے یہ کام اپنے رب کے امر سے کیا۔امرِ الٰہی کی تعمیل کو اپنا حال بنانے والے زندہ رہتے ہیں اور امرِ الٰہی کے خلاف کرنے والے مُردہ ہوتے ہیں۔باحقیقت ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ امرِ ربی کی تعمیل کی جائے اور شاہدین کی پاک جماعت میں سے کسی ایک کو اس تعمیل پر شاہد بنایا جائے۔روح کے بارے میں جو باتیں بھی کی جائیں وہ علماً قلیل ہی رہیں گی، کہ بندے سے اس کی ماہیت کے بارے میں تو کوئی سوال نہ ہوگا، پوچھ تو اس بات کی ہوگی کہ بندہ امرِ الٰہی کو مان کر زندہ ہوا یا نہ ہوا۔

**حاصل:** روح ربّ کے امر سے ہے۔جو باروح ہونا چاہئے اسے امرِ الٰہی کی تعمیل کرنی چاہئے اور یہ تعمیل اس حوالے سے کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہو۔سوال کا منشاء راہِ عمل کا انتخاب ہو یا حُسنِ عمل میں اضافہ ہو تو وہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾ۙ

اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی ہے، لے جاتے، پھر تم کسی کو اپنے لئے ہم پر وکیل نہ پاتے۔

قرآنِ پاک کا نازل کرنے والا قادرِ مطلق ہے۔وہ اس کو لے جانے پر بھی قادر ہے۔پھر کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ کہہ سکے کہ اللہ نے ایسا کیوں کیا۔اللہ کو قرآنِ پاک کی کوئی احتیاج نہیں۔کوئی بھی احتیاج شانِ الوہیت سے میل نہیں کھاتی۔قرآنِ پاک کا نزول لوگوں کے لئے یہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے بغیر حق کا پتہ لگ ہی نہیں سکتا۔خوف وحزن سے نجات لوگوں کو مطلوب ہوتی ہے۔اطمینانِ قلب لوگوں کو مطلوب ہوتا ہے۔شفا اور رحمت لوگوں کو درکار ہوتی ہے۔وہ یقینی علم جو ہر مقام پر پورا رکھے اور تضاد سے بچائے، بے بدل نعمت ہے۔پڑھنے کی وہ چیز، جس کے بغیر عبد اور معبود کے تعلق کو جاننا ہی ممکن نہیں، قرآنِ پاک ہی تو ہے۔اسے اٹھا لیا جائے تو یہ ہوگا ناقابلِ تلافی نقصان۔

**حاصل:** قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے رہنا باعثِ برکات ہوتا ہے۔نمازِ فجر کے بعد قرآنِ پاک کا پڑھنا دین کا رکن ہے۔عطاءِ الٰہی میں سب سے بلند مرتبہ قرآنِ پاک کا ہے۔اس کی قدر اس کے مرتبے کے حوالے سے ہونی چاہئے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿۸۷﴾

مگر تمہارے رب کی رحمت۔بے شک تم پر اس کا بڑا فضل ہے۔

اللہ کی رحمت ملاحظہ ہو کہ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ رب العالمین ہے۔ بندوں کو معبود سے واصل کرنے کے لئے بھیجے گئے خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین ہیں۔ قرآنِ پاک اللہ کا فضلِ کبیر ہے۔ جو قرآنِ پاک کے مطابق زندگی گزارے گا، وہ اس فضلِ کبیر سے فائدہ اٹھائے گا۔ جو اس فضلِ کبیر سے فائدہ اٹھانے والا ہوگا، اس شکر گزار بندے کی خلوت وجلوت میں اپنی کوئی بات نہ رہے گی۔ اس کی بات، رحمۃ اللعالمین کی بات ہوگی، ربّ العالمین کی بات ہوگی۔ قربِ الٰہی کے لئے وہ درود پاک پڑھے گا، قُربِ حضور کے لئے وہ ذکرِ الٰہی کرے گا۔

**حاصل:** اپنے ربّ کی رحمت سے فیض پانا چاہئے۔ اس کے فضلِ کبیر سے استفادہ کرنا چاہئے۔ قرآنِ پاک سے نُورِ ہدایت حاصل کرنے کے لئے اس کو رہنما بنانا چاہئے، جو خلوت وجلوت میں قرآنِ پاک کے مطابق زندگی گزارتا ہو اور شاہدین میں سے ہو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

فرما دیجئے اگر اِنس اور جنّ اجتماعی طور پر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں، تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔

اعجازِ قرآن کو ماننے والے، اس کو حق مان لیں تو ان کو عملاً وہ کرنا بھی چاہئے جس کے کرنے کا قرآنِ پاک میں حکم دیا گیا ہے، اور اس سے رک بھی جانا چاہئے جس سے منع فرما دیا گیا ہے۔ اعجازِ قرآن کو نہ ماننے والوں کے سامنے یہ بات موجود ہے، کہ وہ انفرادی یا اجتماعی، جو کوشش کر سکیں، کریں۔ ایک دوسرے کے مددگار بن کر کریں۔ جو بھی ان کے بس میں ہو، کریں۔ مگر اس کی مثل وہ لا نہیں سکیں گے۔ اِنس اور جن جو بھی کلام کریں گے، وہ دوسروں کے لئے راہِ عمل کا تعین نہیں کر سکیں گے، کہ جزا کے یقین کے بغیر راہِ راست کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور خلافِ حق بات کرنے کے لئے جزا کے انکار کو بنیاد بنانا ضروری ہے۔ خالقِ کُل نے جو بھی فرمایا ہے، علمِ مطلق سے فرمایا ہے۔ اِنس اور جن کا علم کسی سے سیکھا ہوا ہوگا، اس لئے مطلق نہیں ہوگا۔ قرآن پاک میں محکمات بھی ہیں، متشابہات بھی ہیں۔ محکمات کا تعین کرنے والا، احتیاج سے پاک تو ہوگا نہیں، اس لئے وہ سب محکمات جو خلافِ حق وضع ہوں گی، بنانے والے کی احتیاج پر سند ہوں گی۔ متشابہات کی صورت میں جو کہا جائے گا، اس میں لوگوں کے لئے منزل کا تعین نہیں کیا جا سکے گا، اور بالواسطہ یا بلاواسطہ خواہشات کی پیروی کی ترغیب دی جائے گی تو نتیجہ خسارہ ہی ہوگا۔ حق کی یہ شان ہے کہ وہ جہاں بھی بیان ہوگا اس کا امتیاز قطعاً واضح ہوگا۔

**حاصل:** قرآنِ پاک کے اعجاز کو ماننا تبھی باعثِ رحمت ہوگا جب اس کو مانا جائے جیسے ماننے کا حق ہے۔ حق جہاں بھی بیان ہوگا اس کے بے مثل ہونے کا انکار ممکن نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؗ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالوں سے تصرف فرمایا، تو لوگوں میں سے اکثر نے ناشکری کو ہی اختیار کیا۔

قرآنِ پاک میں لوگوں کے حق کی طرف آنے کے لئے آسانیاں رکھی گئی ہیں۔ وہ مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں جن سے ہدایت کے طلب گاروں کو بڑی مدد ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کے ثبوت دیئے گئے ہیں۔ قرآنِ پاک کے بے مثل کلام ہونے کے ثبوت دیئے گئے ہیں۔ آخرت کو واضح فرمایا گیا ہے۔ امورِ زندگی کو کسی دوسری کتاب میں اس طرح بیان نہیں کیا گیا۔ جو لوگ اپنی پسند کے ساتھ جڑ جاتے ہیں وہ حق کے انکار کو طریقِ زندگی بنا لیتے ہیں۔ یہ بڑی ناشکری ہے۔ مگر اکثر لوگ ناشکری کے راستے کو ہی اختیار کرتے ہیں۔

**حاصل:** حق کو واضح کرنے کے لئے قرآنِ پاک میں طرح طرح کی مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ماننے کے لئے اپنی حیثیت کو قدرتِ خداوندی کے سامنے ہیچ جاننا پڑتا ہے اور استکبار کرنے والوں کے لئے یہ بہت مشکل کام ہے۔ یوں اکثر لوگ ناشکری کی راہ کو ہی اختیار کرتے ہیں۔

**وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾**

اور کہنے لگے ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، حتیٰ کہ ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ بہا دیا جائے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور امانت کو تسلیم کرنے والے، اعجازِ قرآن کو تسلیم کرنے والے حق کو ماننے کے لئے یہ شرط عائد کر رہے ہیں کہ زمین کے اس خطے میں چشمے کا ہونا ناممکن ہے مگر جس قادرِ مطلق نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے وہ ضرور ایسا کر سکتا ہے۔ حق کو ماننے کے لئے شرط عائد کرنا، انتہائی سنجیدگی کا مقام ہوتا ہے۔ مطلوبہ شرط کے پورا ہونے کے بعد حق کا انکار باعث عذابِ الٰہی ہوتا ہے۔ اس لئے حق کو ماننے کے لئے شرط عائد کرتے وقت یہ دیکھ لینا چاہئے کہ موجودہ نشانیوں کی موجودگی میں ایک نشانی کا اضافہ ہو جانے سے نہ ماننا، ماننے میں کیسے بدل سکتا ہے۔

**حاصل:** حق کو ماننے کے لئے کسی شرط کو عائد کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ موجودہ نشانیوں کو اہمیت نہیں دی جا رہی۔ مطلوبہ نشانی کو دیکھ کر حق کو مان لینے کے لئے جس سنجیدگی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اپنے اندر نشانی طلب کرنے سے پہلے دیکھنی چاہئے۔

**اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾**

یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، پھر اس کے اندر نہریں نکال کر چلائی جائیں۔

حق کو ماننے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حق پہنچانے والے کا درجہ متاعِ حیات کے اعتبار سے ایسا ہو جائے کہ ان کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس میں زیرِ زمین نہریں جاری ہوں۔ ایمان لانے کے لئے جن لوگوں نے یہ شرط عائد کی، انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے تھا کہ متاعِ حیات دنیا کبھی صداقت کی سند نہیں ہوتی۔ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے، اس کو استعمال کیسے کیا گیا ہے، اس سے رُخ کا تعین ہوتا ہے۔ چشموں سے پانی کو حاصل کر کے نہروں میں بہایا جائے اور زیرِ زمین پانی کی سطح کو اس مقام پر رکھا جائے کہ باغ کی شادابی قائم رہے، یقیناً بڑا کام ہے، مگر یہ صداقت کی سند نہیں ہو سکتا۔

**حاصل:** متاعِ حیات دنیا کسی کی صداقت کی سند نہیں ہوتی۔ اللہ کی عطا کردہ متاع کو کس طرح برتا جا رہا ہے، اس سے رُخ کا تعین ہوتا ہے، اور اس کے لئے صرف حال کو دیکھنا ضروری ہے۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾

یا آپ ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں، یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آئیں۔

ایمان لانے کے لئے شرائط بیان کرتے وقت انتہائی سنجیدگی موجود ہونی چاہئے، حق کو پانے کی طلب ہونی چاہئے، فلاح کو عزیز جانتے ہوئے بات کرنی چاہئے۔ مگر یہاں ایمان لانے کے لئے عذابِ الٰہی کو شرط ٹھہرایا جا رہا ہے، اللہ اور اس کے فرشتوں کی ضمانت طلب کی جا رہی ہے۔ عذابِ الٰہی کے وقت حق پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، کہ اصلاح کو قبول کرنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ اور اللہ اگر کسی کو ماننے پر مجبور کر دے تو پھر ماننے والے نے کیا مانا۔ اللہ کا ہر کام بڑے علم سے ہوتا ہے۔ حق کو ماننے کے لئے جو حال پر موجود ہوتا ہے، وہ بالکل پورا ہوتا ہے۔

**حاصل:** عذابِ الٰہی کو حق کے ماننے کے لئے شرط ٹھہرانا، اللہ اور اس کے فرشتوں کی ضمانت طلب کرنا، یہی ثابت کرتا ہے کہ حق کو ماننے کے لئے جس سنجیدگی کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود ہے۔

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع ۱۰/۹

یا آپ کے لئے سونے کا گھر ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ کر دکھائیں۔ اور ہم آپ کے چڑھ جانے پر بھی ایمان نہ لائیں گے، حتیٰ کہ ہم پر ایک کتاب نازل ہو جسے ہم پڑھیں۔ فرما دیجئے پاکی ہے میرے رب کو، میں تو بشر رسول ہی ہوں۔

حق کو ماننے کے لئے شرائط بیان کرنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے لئے سونے کا گھر ہو تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اگر آپ آسمان پر ہمارے دیکھتے دیکھتے چڑھ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ مگر صرف آسمان پر چڑھ جانا کافی نہیں ہوگا۔ وہاں سے ہم پر ایک کتاب اتاری جائے جسے ہم پڑھ سکیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ سونے کا گھر تو اسی کا ہو سکتا ہے جس کو سونا جمع کرنا عزیز ہو، اور اللہ کے فرمان کے مطابق یہ ناپسندیدہ بات ہے۔ آسمان پر چڑھ کر دکھانا اور وہاں سے کتاب نازل کرنا جسے منکرین پڑھیں یہ بے ہودہ بات ہے۔ اللہ کی بات کو ماننے کے لئے، ماننے والے احسن نمونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکم اللہ کا ہو اور ماننا اس کے محبوب کی صورت سے جائے۔ حکمِ الٰہی کو اللہ نے بڑی حکمت سے نازل فرمایا ہے، اگر اس کے ماننے سے انکار کیا جا رہا ہے تو پھر کسی دوسری صورت میں بھیجے گئے حکم کو ماننا ممکن نہیں ہو سکتا۔ تمام فرمائشوں کے جواب میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ ربی سے یہ جواب دیا کہ میرا رب پاک ہے۔ اس کی قدرت، اس کا علم، اس کی حکمت سب لاجواب ہیں۔ میں اس کا بندہ ہوں اور اس کا بھیجا ہوا ہوں۔ جو کچھ اس نے حق کی صورت میں نازل فرمایا ہے، جس طریقے سے نازل فرمایا ہے، جس کو تمہارے سامنے نمونہ بنا کر بھیجا ہے، ماننے والوں کے لئے اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔

**حاصل:** حق کو ماننے کے لئے شرائط پیش کرنا، جن کو اللہ نے ناپسند فرمایا ہو، بڑی بے ہودگی ہے۔ جس علم سے اللہ نے رسالت کا اہتمام کیا ہے، بندے کی سمجھ وہاں تک کب پہنچ سکتی ہے۔ ماننے والوں کے لئے سب کچھ آسان ہے اور احسن ہے۔ ہمیں بزرگانِ دین سے یہی سوال کرنا چاہئے، اگر آپ پاک ہیں اور ہمیں پاک کرنے کا شرف بھی رکھتے ہیں تو ہمیں پاک کر دیں، ہم اس طلب کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (۱۷) میں فرمایا ہے: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ان کے پاس ہدایت آئی، مگر اسی نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بشر کو رسول مبعوث کیا ہے۔

بشر کو اللہ نے مسجودِ ملائک بنا کر اس کی اہلیت کو منوالیا تھا۔ قربِ الٰہی میں جو مقام بشر کو حاصل ہو سکتا ہے، وہ بشر ہی کا حصہ ہے۔ لوگوں کو بشر کے رسول مبعوث ہونے پر حیرت اس لئے ہوتی رہی ہے کہ انہیں رسول لباسِ بشری میں کھاتے پیتے، چلتے پھرتے اور دوسرے امور سرانجام دیتے نظر آتے تھے اور وہ انہیں اپنے جیسا سمجھ کر ماننے سے انکار کرتے تھے۔ اللہ کے رسول تعلیمِ امت کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں۔ کھانے، پینے، چلنے، پھرنے، سونے، جاگنے اور دوسرے امورِ زندگی کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق بنا کر دکھانا، اور یوں اللہ کی مخلوق کو اللہ سے واصل کرنا، رسالت کا منشاء رہا ہے۔ رسول اگر بشر نہ ہو تو بشر کی رہنمائی صرف قول سے ہو سکتی ہے اور بشر کو قول، عمل، علم اور اخلاص میں رہنمائی اور شہادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بشر رسول ہو تو لوگوں کو ہر مقام پر رضائے الٰہی کے مطابق رہنے کے لئے ہدایت ملے گی اور انہیں بشری تقاضوں کے نام پر من مانی کر کے برائی پھیلانے کا موقع نہیں ملے گا۔

حاصل: مقامِ بشر، قربِ الٰہی کی اہلیت کے اعتبار سے ارفع ہے۔ رسول کا بشر ہونا ہی بشر کو ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ عبدیت کا حق، قول، عمل، علم اور اخلاص سے ادا کرنے کے لئے رسول کو شاہد بنانا ضروری ہے اور رسول اگر بشر نہ ہو تو وہ بشر کے لئے شاہد نہیں ہو سکتا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

فرما دیجئے، اگر زمین میں ملائکہ ہوتے، اطمینان سے چلتے، تو ضرور ہم ان پر فرشتہ ہی رسول اتارتے۔

اللہ کا ہر کام بڑے علم سے ہے۔ ہر علم والے سے بڑا ایک علم والا ہے۔ اللہ سے بڑا علم والا کوئی نہیں ہے۔ منشاء رسالت کیا ہے، اس کو پورا کرنے کی احسن صورت کیا ہے، اتمام حجت کے لئے کون سی نشانیاں ضروری ہیں، کتنا وقت کافی ہے، یہ سب اللہ ہی جانتا ہے، اور یہ سب اسی کے کام ہیں۔ فرشتہ، فرشتوں کے لئے رسول ہوتا تو موزوں ہوتا۔ زمین میں بشر بستے ہیں، ان کے لئے بشر ہی رسول ہو سکتا ہے، ورنہ منشاء رسالت پورا ہی کب ہو سکتا تھا۔

حاصل: زمین میں ملائکہ نہیں بستے کہ فرشتے کو ان کے لئے رسول بنا کر اتمامِ حجت کیا جاتا۔ بندہ ہی بندے کا

شاہد ہو سکتا ہے۔ شاہد کے دو کام ہوتے ہیں، بشارت اور انذار۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

فرما دیجئے، اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔ بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا ہے، دیکھنے والا ہے۔

اللہ ہر حال کو دیکھ رہا ہے۔ تبلیغ حق کرنے والے نے فرضِ رسالت کو کس طرح ادا کیا ہے اور مخاطبین نے جواب میں کیا کیا کہا ہے، جزا دینے والے کی گواہی طرفین کے لئے کافی ہے۔ تبلیغ حق کرنے والے کو یہ اطمینان ہے کہ اس نے حق رسالت ادا کر دیا ہے۔ سننے والوں کو بھی اپنے اندر جھانک کر دیکھنا چاہئے، کیا انہوں نے بھی وہی کیا جو انہیں کرنا چاہئے تھا۔ اللہ باطن کو بھی جانتا ہے، ظاہر کو بھی جانتا ہے۔ وہ نیت کی خبر رکھتا ہے، عمل کو دیکھتا ہے۔

**حاصل:** تبلیغ حق کرنے والے کو مخاطبین سے یوں بات ختم کرنی چاہئے، کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ حسنِ نیت موجود ہو، حسنِ عمل موجود ہو تو حرکات و سکنات اللہ کو ماننے کا ثبوت ہوں گی۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ النصف

اور جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے۔ اور جسے گمراہ کرے، تو ان کے لئے اس کے مقابل کسی کو دوست نہ پاؤ گے۔ اور ہم انہیں قیامت کے دن منہ کے بل اکٹھا کریں گے، اندھے، گونگے اور بہرے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب کبھی بجھنے کو آئے گی، ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔

اللہ اسے ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔ رجوع الی اللہ کے لئے اس کا اتباع ضروری ہے جو حال پر اللہ کی طرف رجوع لا رہا ہے۔ گمراہ وہ ہوتا ہے جو حق کو ماننے کا دعویٰ کرے اور اپنی پسند کو بھی اہمیت دے۔ جسے اللہ گمراہ کرے اسے ہدایت دینا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا، کہ اللہ کے مقابل کوئی قدرت والا نہیں ہے۔ جو آنکھ حق کو نہ دیکھے جس طرح دیکھنا چاہئے وہ اندھی ہے، جو زبان حق کو بیان نہ کرے جیسے حق کو بیان کرنا اس کے بس میں ہو وہ گونگی ہے، اور جو کان حق کو سن کر اَن سنا کر دیں وہ بہرے ہیں۔ ایسے لوگوں کو مقامِ جزا کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ ٹھکانا ان کا جہنم ہوگا۔ حق کے انکار میں یہ لوگ دوام کو ملحوظ رکھتے تھے، اس لئے ان کو سزا بھی اسی نسبت سے ہوگی۔ جب کبھی آگ بجھنے کو آئے گی، اسے ان کے اعمال کی نسبت سے بھڑکا دیا جائے گا۔

**حاصل:** ہدایت اور گمراہی کا پتہ حیاتِ دنیا میں لگ جاتا ہے۔ ہمیں حق اور ناحق کے فرق کو دیکھنا چاہئے۔ ہمیں اپنی پسند کے مقابل حق کو بیان کرنا چاہئے، اور کانوں کو حق کے سننے کا طالب بنانا چاہئے۔ جہنم میں انسان کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی، اور اس کے اعمال کی نسبت سے دی جائے گی۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

یہ ان کی جزا ہے، اس پر کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا، اور کہنے لگے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو نئے سرے سے اٹھائیں جائیں گے۔

حق کو حق ثابت کرنے کے لئے نشانیاں ہمیشہ حال پر موجود ہوتی ہیں۔ 'ہونا' اور 'نہ ہونا' بھی انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ مگر جزا کا انکار من مانی کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے، اور جزا کے انکار میں یہ کلمہ دھرایا جاتا ہے کہ انسان کے وجود کو ہڈیوں اور ذرات سے نئے سرے سے بنا کر کیسے اٹھایا جائے گا۔ خلقِ اول کے مقابلے میں خلقِ جدید آسان ہے اور خالق ایک ہی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل: حق کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے، پوری صداقت سے بیان کرنا چاہئے اور دھیان سے سننا چاہئے۔ جزا کے انکار سے جزا کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جس نے 'نہ ہونے' سے پہلے 'ہونا' بنایا ہے، اس کو منتشر اجزا سے جسم کو بنا کر کھڑا کر دینا آسان ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

اور کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا ہے، ان لوگوں کی مثل خلق کرنے پر قادر ہے اور اسؑ نے ان کے لئے ایک اجل ٹھہرا رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ تو ظالم ناشکری ہی کرتے ہیں۔

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، لوگوں کے پیدا کرنے کے مقابلے میں بڑا کام ہے۔ جس لاشریک خالق نے اتنے بڑے اجسام کو پیدا کیا ہے، اس کے لئے لوگوں کی پیدائش کچھ بڑا کام نہیں ہے۔ موجودہ لوگوں کا پیدا کرنے والا، ان لوگوں کو ہٹا کر ان کی بجائے دوسرے لوگوں کو بھی لا سکتا ہے۔ اس نے ہر ایک کے لئے اتمامِ حجت کے واسطے ایک وقت ٹھہرا رکھا ہے، جس میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ مقصد پیدائش، پیدائش کے ارکان و اجزا کا اہتمام، جنین کی خوراک وافزائش، ایک مقررہ وقت کے بعد رحم مادر سے بچے کی پیدائش، پیدائش سے پہلے بچے کی خوراک کا موزوں ترین بندوبست، والدین کے اندر بچے کی سلامتی اور پرورش کو دوسرے کاموں پر ترجیح دینے کا علم، بلوغت تک اس کو ایسی تربیت دینے کی کوشش کہ وہ ماننے کے مقام پر ہو یا منوانے کے مقام پر ہو اپنے رتبے کے مطابق درست کام کرے، بلوغت سے بڑھاپے تک عملاً کام کر کے اچھی اور روشن مثالیں قائم کرے، مشکل مقامات پر لوگوں کو پورا رہ کر دکھائے، نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرے، گناہ اور زیادتی میں کبھی تعاون نہ کرے، بڑھاپے سے موت تک خیر کے طلب گاروں کو اپنے تجربات کی بنا پر خیر کا علم عطا کرے اور اپنی اولاد کو تاکید کرتا رہے کہ تم پاک پیدا کیے گئے تھے پاکیزگی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گے تو یقیناً فلاح پاؤ گے، دنیا میں راحت کے ساتھ رہو گے آخرت میں بھی تمہیں راحت ملے گی، اور پھر پاکیزگی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہونا، یہ پیدائش کی ابتدا سے موت تک کے مختلف درجات ہیں۔ ہر درجے کا نام بھی الگ ہے، کام بھی الگ ہے۔ بندے کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس طرح اتمامِ حجت کیا جاتا

ہے، اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔ خلافِ حق کرنے میں فرحت پانے والے، ناشکری کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ حیاتِ دنیا میں خوف وحزن ان کو گھیرے رکھتا ہے آخرت میں خسارہ ان کا احاطہ کرے گا۔

**حاصل:** آسمانوں اور زمین کا خلق کرنے والا یقیناً ہمارا خالق ہے۔ اس نے ہمیں مہلت دے رکھی ہے۔ اسی مہلت میں ہمیں حق کو ماننے کا ثبوت دینا ہے۔ اس لئے اصلاح کو قبول کرنے کا بہترین وقت حال ہی ہے۔ جو حق کو نہ مانے، ناحق اس کے گلے پڑ جاتا ہے اس لئے ظالم ناشکری ہی کرتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

فرما دیجئے اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے، تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں روک رکھتے، اور انسان ہے کنجوس۔

رحمتِ ربی لوگوں کو سکھ دینے کے لئے عطا کی جاتی ہے۔ جو اس کو تقسیم کرتا رہے، اس پر عطاء الٰہی جاری رہتی ہے۔ جو اس کو تقسیم نہ کرے اس پر عطا کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ رحمتِ ربی کو اس یقین سے تقسیم کرنا چاہئے کہ اللہ کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ ناداری کا اندیشہ انسان کو پریشان کرتا رہتا ہے۔ 'نہ ہونے' کا مقام انسان کی زندگی میں اسے علم عطا کرنے کے لئے آتا ہے۔ استحقاق کو دیکھنے کی صلاحیت اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ جب 'ہونے' کا مقام آجائے تو رحمتِ ربی کو تقسیم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس رحمت کو اس لئے روک رکھا جائے کہ دوبارہ 'نہ ہونے' کا مقام نہ آجائے، تو یہ کنجوسی ہوگی۔ کنجوس اسباب کو مانتا ہے، مسبب الاسباب کو نہیں مانتا۔

**حاصل:** رحمتِ ربی کو تقسیم کرنے والا کبھی کنجوس نہیں ہوتا۔ جو کنجوسی کرے وہ کبھی متوکل نہیں ہوتا۔ اسباب سے مرعوب ہونے والا مسبب کو کب مانتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (۳۵) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ اور برا داؤ اپنے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے۔ (۳۵:۴۳)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ تو بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے، جب وہ ان کے پاس تشریف لائے تو فرعون نے کہا، اے موسیٰ (علیہ السلام) مجھے ضرور ظن ہے کہ تم مسحور ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے سرداروں کے سامنے اپنی رسالت کا اعلان کیا تو اس نے کہا اپنی صداقت کے ثبوت میں نشانی لائیں۔ آپ نے اپنا عصا مبارک زمین پر رکھا، وہ اژدہا بن گیا، اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا۔ یہ دو نشانیاں دیکھ کر فرعون اور اس کے ساتھیوں نے آپ کو جادوگر کہا۔ تیسری نشانی انہوں نے یہ دیکھی کہ فرعون کے بلائے ہوئے عظیم جادوگر حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے سامنے یہ کہتے ہوئے دیکھے گئے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔ سزائے موت کے اعلان سے ان کا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔ جادو کا علم رکھنے والے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا اعلان کرتے ہوئے موت کے دروازے سے گزر گئے۔ چوتھی نشانی طوفان کا عذاب تھی۔ پانچویں نشانی ٹڈی کا عذاب تھی۔ چھٹی نشانی جوؤں کا عذاب تھی۔ ساتویں نشانی مینڈکوں کا عذاب تھی۔ آٹھویں نشانی خون کا عذاب تھی۔ اور نویں نشانی دریا کا پھٹ جانا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو راستہ دینے کا منظر تھا۔ جو نشانیاں عذاب کی صورت سے دکھائی گئیں، ان پر آل فرعون یہی کہتے رہے، اگر تم ہم پر سے یہ عذاب کھول دو تو ہم ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج بھی دیں گے۔ جب وہ عذاب کھول دیا جاتا تو وہ اپنے عہد سے پھر جاتے تھے۔ صداقت کی نشانیاں دیکھ کر بھی ماننا وہی ہے جو فلاح کا طالب ہو۔ جو دوسروں کو اپنے مطابق بنانے کی خواہش میں الجھا رہے وہ کسی کو قابلِ تقلید نہیں مانتا۔ وہ اپنے گمان کے مقابل حقائق کو جھٹلاتا چلا جاتا ہے۔ فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیاں موجود تھیں، مگر اس نے حق کو ماننے کی بجائے یہی کہا، اے موسیٰ تم پر جادو کا اثر ہو گیا ہے۔ اتنا بڑا علم رکھتے ہوئے، جو اپنی شان و شوکت کو ظاہر کرنے کی بجائے اللہ کی بندگی کرتے ہوئے اپنا عجز واضح کرے، اس کی صداقت کو ادب سے سلام کرنا چاہئے۔

**حاصل:** حق وصداقت کی نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لانا اسی کے لئے ممکن ہوتا ہے جو فلاح کا طالب ہو۔ جو عطاءِ الٰہی کو شوکتِ نفس کے لئے استعمال کرے وہ پاک لوگوں کو مسحور کہا کرتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ انہیں آسمانوں اور زمین کے رب نے ہی آنکھیں کھولنے کے لئے نازل فرمایا، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اے فرعون تم ضرور ہلاک ہو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ کر فرعون کو نظر آیا تو یہ کہ جس بشر کو اتنا بڑا علم ہے کہ اس کا جواب دینا ممکن نہیں، اور وہ اپنی شان بڑھانے کی بجائے اللہ کی باتیں کرتا ہے، یہ ضرور مجنون ہے یا سحر زدہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اب یہ تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ جو نشانیاں تم دیکھ چکے ہو وہ رب العالمین نے آنکھیں کھولنے کے لئے نازل فرمائی ہیں۔ خلافِ حق کرنے والا رویہ اگر جاری رہتا ہے تو نتیجہ ہلاکت کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت اتمامِ حجت کے لئے ہے اور ختم ہونے والا ہے۔

**حاصل:** جسے آنکھیں کھولنے والی نشانیاں دیکھ کر بھی خلافِ حق کرنے میں فرحت ملے، وہ تیزی سے ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اپنی حیثیت کو اللہ کی قدرت کے سامنے دیکھ لیا جائے تو اپنے عجز کا پتہ لگ جانا چاہئے۔

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ۙ

تو اس نے چاہا کہ وہ انہیں زمین سے اکھاڑ پھینکے، پھر ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا۔

آنکھیں کھولنے والی نشانیاں دیکھنے کے بعد فرعون نے بنی اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا ارادہ کیا تو اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق

کر کے نابود کر دیا گیا۔ اتمامِ حجت کے بعد، بصائر کے دیکھ لینے کے بعد جو پاک لوگوں کی بیخ کنی کا ارادہ کرے، اس کی جڑ کٹنے والی ہوتی ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والا، آنکھیں کھولنے والی نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی حق والوں کی مخالفت سے باز نہ آئے تو اسے مٹا دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے اور اللہ کی سنت کبھی بدلتی نہیں۔

وَّ قُلْنَا مِنۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًاؕ۝۱۰۴

اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا، زمین میں سکونت اختیار کرو، پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم کو سمیٹ لے آئیں گے۔

بنی اسرائیل کو جو حکم بھی ملا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے ملا۔ آلِ فرعون کے خاتمے کے بعد ان لوگوں کو سکون نصیب ہوا۔ یہ اس زمین کے مشارق و مغارب کے وارث بنا دیئے گئے۔ اس میں ان کے لئے برکت رکھی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ اپنے رخ کو درست رکھنا، تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ بنی اسرائیل کے لئے ان کلمات کا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بیان ہونا بہت بڑی بات تھی، وہ لوگ آپ کے اُمّی ہونے کا علم رکھتے تھے۔

حاصل: کمزور کو غالب کر دینے کی قدرت رکھنے والا اللہ ہے۔ اس لئے زور والے کو زعم سے بچنا چاہئے، اور کمزور کو نا امید نہیں ہونا چاہئے۔ جزا کا یقین رخ کو سیدھا رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاۘ۝۱۰۵

وقف لازم

اور ہم نے اس کو حق کے ساتھ نازل فرمایا، اور یہ حق کے لئے ہی نازل ہوا ہے۔ اور ہم نے آپ کو بھیجا ہی بشارت دینے کے لئے اور ڈر سنانے کے لئے ہے۔

قرآن پاک کا نزول، اللہ کے علم سے ہوا ہے۔ یہ حق ہے۔ منشاء نزول رضاء الٰہی کے حصول کی راہ کو روشن کرنا ہے۔ قرآن پاک میں کوئی کجی نہیں ہے۔ جن نتائج کا اس میں وعدہ فرمایا گیا ہے وہ یقیناً حاصل ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ اس سے استفادہ کی صورت یہ ہے کہ بندہ کسی پاک کرنے والے شاہد کو اپنی پاکیزگی کا گواہ بنائے اور صداقت کے ساتھ قرآن پاک کو مان لے۔ کسی مقام پر بھی حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کا خیال نہ کرے۔ رسالت کا منشاء ہی یہ ہے، کہ حق کے ماننے والوں کو انعامات کی بشارت دی جائے اور حق کے نہ ماننے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا جائے۔

حاصل: قرآن پاک کے مطابق ہو جانے میں بھلائی ہے، اور اس کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کا خیال لائقِ نفرت ہے۔ شاہدین کو منشاء رسالت کے پورا کرنے کے علاوہ کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا۝۱۰۶

اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے نازل فرمایا، کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور ہم نے اسے بتدریج نازل فرمایا۔

یک بار نازل کرنا اللہ کو مشکل نہیں تھا، مگر لوگوں کے لئے یہ آسان نہیں تھا کہ وہ خود کو ایک دم اس کے مطابق بنالیں۔ اس لئے اللہ نے قرآن پاک کو جدا جدا کر کے اتارا تاکہ جب اسے لوگوں پر پڑھا جائے تو وہ اس پر تدبر کریں، وہ اس نصیحت کو اپنے عمل کا حصہ بنائیں۔ بتدریج نزول میں تیئس (۲۳) سال لگے۔ اور اس وقت میں وہ معاشرہ وجود میں آیا، جس نے قرآن پاک کو پالینے کی گواہی دی۔

حاصل: قرآن پاک کی تعلیم کے لئے درجات کا تعین اس طرح سے کرنا چاہئے کہ اس کی تربیت بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تدبر میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ لوگوں کو سمجھنے میں مدد دینا اللہ کے نزدیک بڑی پسندیدہ بات ہے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾

فرما دیجئے تم اس کو مانو یا نہ مانو، بے شک وہ لوگ جنہیں اس سے قبل علم عطا ہو چکا ہے، جب ان پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گرتے ہیں۔

اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو کتبِ سابق کا علم رکھتے تھے، خاتم النبیین کے انتظار میں تھے۔ قرآنِ پاک کی تلاوت سن کر ان لوگوں پر گریہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یہ حق شناس لوگ فوراً سجدہ شکر بجالاتے تھے کہ ان کو کلامِ الٰہی امّی نبی کی زبانِ پاک سے سننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اور انہیں یہ موقع ملا ہے کہ انبیاء سابقین کی تاکید کے مطابق وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین میں شامل ہوں۔ علم والوں کا رویہ یقیناً سند کا درجہ رکھتا ہے۔ دعوتِ حق کے سننے والوں کو اس پر نظر رکھنی چاہئے، کہ علم والے اس دعوت کو کس طرح دیکھ رہے ہیں۔

حاصل: علم والوں کا روّیہ دوسرے لوگوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حق شناس لوگ حق کی قدر کرتے ہیں، اور جلوت میں قدر کرتے ہیں ان کی پاکیزگی ان کے حال سے روشن ہوتی ہے۔

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو، بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا۔

حق کی جستجو کرنے والے جب حق کو پالیتے ہیں تو وہ سجدۂ شکر بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا سو وہ وعدہ پورا ہوا۔ کتبِ سابقہ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وعدہ فرمایا گیا تھا اور آپ پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی تھی۔

حاصل: حق وہی بتا سکتا ہے جو پاک ہو اور پاک کرنے کا شرف رکھتا ہو۔ اس کی قدر کرنا، قدر کرنے والے کے لئے باعثِ رحمت ہوتا ہے۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩﴿۱۰۹﴾

اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور ان کا خشوع بڑھتا ہے۔

جو لوگ حق کے متلاشی ہوتے ہیں، جب انہیں قرآن پاک کا علم ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجالاتے ہوئے اظہارِ عجز کرتے ہیں۔ ان پر گریئے کی کیفیت یہ واضح کرتی ہے کہ وہ سوزِ الفت کے مقام پر ہیں۔ الفت کی حد تک مہر سکوت قائم رہتی ہے۔ سوزِ الفت عطا ہو جائے تو مہر سکوت ٹوٹ جاتی ہے۔ سجدے کی حالت میں آتے وقت بندہ ٹھوڑی کے بل زمین پر آ رہا ہوتا ہے۔ جب مقصود کے مل جانے کی راحت انتہا پر ہو تو پھر بندہ ٹھوڑی کے بل زمین پر گرتا ہے، پھر شکریئے کے آنسو سنبھالے نہیں جا سکتے۔

حاصل: حق کے متلاشی مقصود کو پا کر، گریئے کے ساتھ اظہارِ عجز کرتے ہیں۔ وہ اپنی طلب کو ناقص اور اللہ کے کرم کو بے بہا دیکھ کر ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں۔ ان کے خشوع کا کیا کہنا۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

فرما دیجئے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔ جو کہہ کر پکارو، سب اسی کے اسماء حسنیٰ ہیں۔ اور نماز بلند آواز سے نہ پڑھو اور نہ خفی آواز سے اور ان دونوں کے مابین راستہ پاؤ۔

خالقِ کُل کا ذاتی نام اللہ ہے۔ صفاتی نام کثیر ہیں۔ صفات کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں ہوتا۔ اللہ کے اسماء گرامی میں سے بعض اسماء مبارک خلوت پر تصرف رکھتے ہیں، بعض اسماء مبارک جلوت پر تصرف رکھتے ہیں۔ 'اَلْوَدُوْدُ' خلوت اور جلوت دونوں مقامات پر تصرف رکھتا ہے۔ اللہ کہہ کر پکارا جائے تو بھی وہ اللہ ہے، الرحمٰن کہہ کر پکارا جائے تو بھی وہ اللہ ہے۔ جس صفت کا ذکر کیا جائے وہ صفت ذکر کرنے والے میں موجود ہونی چاہئے۔ اس سے بندگی کا حق ادا ہوتا ہے، تعلق مع اللہ کا ثبوت ملتا ہے۔ جباری اور قہاری بندے کے لئے نہیں ہیں۔ بندے کو لازم ہے کہ ان صفات کا مظہر نہ بنے۔ نماز جماعت کی صورت میں پڑھی جائے تو فجر، مغرب اور عشاء میں امام کی قرات مقتدی سن سکتے ہیں، ظہر اور عصر میں نہیں سن سکتے۔ یہاں فرد کی صورت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز نہ بلند آواز سے پڑھی جائے اور نہ بالکل خفی آواز سے۔ درمیان کی راہ یہ ہے کہ اپنی آواز اپنے کانوں تک ضرور پہنچے۔ اس سے قلب پر اثر ہوتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے تو اس سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔

حاصل: اسم ذات کے ذاکر کے لئے تجرد کی اہمیت ہے۔ جس صفت کا ذکر کیا جائے وہ صفت ذاکر میں موجود ہو تو اس سے تعلق مع اللہ کا ثبوت ملتا ہے۔ جباری اور قہاری بندے کے لئے نہیں ہے۔ نماز میں آواز نہ بلند ہو، نہ خفی ہو، اتنی ہو کہ اپنے کانوں تک پہنچ سکے۔

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

اور پکاریئے کہ حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے اپنے لئے اولاد نہیں ٹھہرائی، اور ملک میں اس کا شریک نہیں، اور کمزوری سے کوئی اس کا ساتھی نہیں، اور اس کی بڑائی کرنے کو تکبیر کہیے۔

اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔وہ قادرِ مطلق ہے۔وہ غنی مطلق ہے، باقی سب محتاج ہیں۔جو احتیاج سے پاک ہے اس میں کمزوری کا کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا۔وہاں ساتھی کی حاجت ہی کیا ہے۔سب سے بڑا علم والا بھی وہی ہے۔ہر امر پر غالب بھی وہی ہے۔عالمین کا رب بھی وہی ہے۔دین کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔توفیق بھی اسی نے دی ہے۔راہِ عمل کا تعین بھی اسی نے کیا ہے۔بشارت وانذار بھی اسی کی طرف سے ہے۔جزا بھی وہی دے گا۔اس کی بڑائی کو تسلیم کرنے والے کی شان یہ ہے، کہ جب بندے پر بسط کا مقام ہو تو اللہ کی عطا کا شکریہ ادا کرتا ہوا تعلق مع اللہ میں پورا رہے اور جب قبض کا مقام ہو تو یہ یقین رکھے کہ آنے والے حالات میں پورا رہنے کے لئے ضروری علم عطا فرمایا جا رہا ہے۔

**حاصل:** ذکر کرتے رہنا چاہئے۔اللہ کے ساتھ اپنے تعلق پر نظر رکھنی چاہئے۔ہمیں غلبہ حاصل ہے تو اسی کی مدد سے ہے۔ہم مغلوب ہیں تو اسی کی مدد ہمیں غالب کر سکتی ہے۔شکر کا مقام ہو تو بھی، صبر کا مقام ہو تو بھی اللہ کے ذکر کے ساتھ اس کی شان کو بیان کرتے رہنا چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ فرمادیجئے شب و روز میں کون الرحمٰن سے تمہاری نگہبانی کرتا ہے۔بلکہ وہ اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

آیاتھا ۱۱۰ سُورَۃُ الکَھفِ رکوعاتھا ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿۱﴾

حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہ رکھی۔

کتاب اللہ کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ اس کتاب کی شان یہ ہے کہ اس کے اعجاز کو ہر زمانے میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی مثل پیش کرنا ممکن نہیں۔ فلاح کا راستہ اس میں واضح فرمایا گیا ہے۔ ارشادات کی تعمیل میں جس ذات پاک کو مرکزیت حاصل ہے، جن کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارا رُخ رضائے الٰہی کے مطابق ہے یا ہم اپنی خواہشات کو اہمیت دے رہے ہیں، جن سے محبت رکھنے والے شاہدین تا قیامت روشنی پھیلاتے رہیں گے، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حکم کو جاننے کے لئے، اس کی حکمت کو پانے کے لئے طریقت یہی ہے، کہ حکم کو مانا جائے اور ماننے والے کو اپنا شاہد بنایا جائے۔ جو لوگ کتاب اللہ کو اپنی خواہشات کے حوالے سے دیکھتے ہیں، ان کی پسند انہیں پریشان کرتی ہے۔ کجی ان کے اندر ہوتی ہے اور وہ اسے قرآن پاک میں دیکھتے ہیں۔ نازل فرمانے والے علیمِ مطلق نے قرآن پاک میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ قرآن پاک کو ماننے والے شہادت دیتے رہیں گے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے ہی خوف و حزن سے نجات پاتے ہیں۔ صرف انہیں ہی دائمی راحت حاصل ہوتی ہے۔

**حاصل:** اللہ کی حمد کرنے والے کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کتاب اللہ کو ماننے کا ثبوت کس طرح دے رہا ہے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اس کے سامنے معیارِ مطلق ہے تو وہ راہ فلاح پر ہے۔ شاہد سے حق کا جو علم عطا ہوتا ہے، وہ اپنی کاوش سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَیُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾

ٹھیک کرنے والی کتاب کہ اللہ کے شدید عذاب سے ڈرائے اور مومنین کو جو صالح عمل کرتے ہیں، احسن اجر کی بشارت دے۔

انفرادی سطح سے اوپر اجتماعی سطح ہے۔ اجتماعی سطح سے اوپر قومی سطح ہے اور اس سے اوپر بین الاقوامی سطح ہے۔ ہر سطح پر عدل قائم ہونے کی صورت یہی ہے، کہ حاکم اور محکوم کے سامنے حوالہ قرآنِ پاک کی سند سے ہو، خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے۔ دنیا کی زندگی میں بھی انہیں شدید مصائب سے آگاہ کیا جائے۔ آخرت میں تو خلافِ حق کرنے والوں کے لئے عذاب ہوگا ہی۔ مومنین وہ لوگ ہیں، جو قولاً حق کو مانتے ہیں اور صالح اعمال سے اپنے ماننے کا ثبوت دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کتاب اللہ یہ بشارت دیتی ہے کہ انہیں احسن اجر عطا ہوگا۔ اوامر و نواہی جن کا قرآن پاک میں ذکر ہے، نافذ کردیئے جائیں تو نظامِ عدل کا ڈھانچہ قائم ہو جائے گا۔ پھر حسنِ عدل کی مثالیں اپنے اپنے مقام پر حق کے نور کو بڑھاتی رہیں گی۔ انسان کی پسند سے پیدا ہونے والے نظام میں کبھی سب کی بھلائی نہیں ہو سکتی۔ رب العالمین کی یہ شان ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی کتاب میں تمام لوگوں کی بھلائی کا دعویٰ بھی ہے، اور اس دعوے کی صداقت کا ثبوت بھی ہے۔

**حاصل:** کتاب اللہ کو عملاً نافذ کرنے سے ہی نظامِ عدل قائم ہو سکتا ہے۔ احکم الحاکمین کا حکم لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ اس کے مقابل ہر حکم میں حکم دینے والے کی غرض موجود ہوتی ہے۔ بُرائی کو سختی سے ختم کرنا اور بھلائی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا، حکومت کی ذمہ داری ہونی چاہئے۔

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾ جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ اپنے ایمان کو صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت کرتے ہیں، ان کو دائمی پاک دامنی کا شرف عطا ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابل ان کے لئے کچھ اہم نہیں ہوتا۔ ان کو احسن اجر کی صورت میں جو جزا ملے گی، اس میں ان کے لئے دائمی راحت ہوگی۔

**حاصل:** دائمی پاک دامنی کے شرف کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے اور اللہ کی رضا کے مقابل کسی شے کو اہمیت دینے والے بے ادب لوگوں کے ساتھ سے بچنا چاہئے۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۗ﴿۴﴾ اور ان کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔

جو لوگ اللہ کے لئے اولاد ٹھہراتے ہیں وہ اللہ کو بے مثل نہیں مانتے، وہ اللہ کو لاشریک نہیں مانتے۔ بات ان کی اپنی ہوتی ہے، نام اللہ کا لے رہے ہوتے ہیں۔ یہ افترٰی سازی بہت بڑا فساد ہے۔ اس فساد سے اندھیرا ہی بڑھ سکتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں اندھیرا بڑھ جائے تو نظم و ضبط کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ کتاب اللہ سب کو ڈراتی ہے، چاہے وہ نصارٰی ہوں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، چاہے یہود ہوں جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، چاہے اور لوگ ہوں جو ملائکہ کو خدا کی اولاد کہتے ہیں۔

**حاصل:** حال پر اپنے عقائد کو دیکھنا چاہئے اور مستقبل میں ان عقائد کے انجام کو بھی دیکھنا چاہئے۔ خلافِ حق کرنا ظلم ہے اور اس کا انجام یقیناً خسارہ ہوتا ہے۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾

اس بات کا ان کو کچھ علم نہیں، ان کے آباء کو بھی نہیں۔ کتنی بڑی بات نکلتی ہے ان کے مونہوں سے۔ یہ محض جھوٹ بولتے ہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ایک اور لاشریک نہیں مانتے، وہ قطعاً بے علم ہیں۔ وہ اپنے دعوے کے ساتھ کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ ان کے آباؤ اجداد کو بھی کوئی علم نہیں تھا جس کی بنا پر انہوں نے شرک کیا۔ انسان خالق کل کے بارے میں بے سند بات کرے تو اس سے بڑی برائی کیا ہو سکتی ہے۔ خالق کل صرف اللہ ہے۔ اور کسی کا یہ دعویٰ ہی نہیں ہے۔ اس لئے وہ لاشریک ہے۔ حیات دینے والا وہی ہے۔ موت دینے والا بھی وہی ہے۔ اس لئے وہ لاشریک ہے۔ جو بے مثل ہے اس کے بارے میں وہی بات حق ہے جو مخلصین کی زبان سے نکلی ہو۔ بے علمی سے بات کرنے والے محض جھوٹ بولتے ہیں۔

**حاصل:** اللہ کے بارے میں بات کرنے سے پہلے دیکھنا چاہئے کہ ہمارا منہ پاک ہو، بات وہ کی جائے، جو مخلصین کی زبان پاک سے نکلی ہوئی ہو۔ اللہ کے بارے میں بے علمی سے بات کرنا انتہائی قابل نفرت ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾

تو کہیں آپ اس غم میں کہ وہ اس کتاب پر ایمان نہیں لائے اپنی جان کو گھونٹ ڈالیں گے۔

انعامات تقسیم کرنے کے لئے عطا فرمائے جاتے ہیں۔ تقسیم ہو جائیں تو قاسم کو بڑی راحت ہوتی ہے۔ فیض سے لوگوں کو دور ہوتے دیکھ کر، بڑا دکھ ہوتا ہے قاسمِ فیض کو۔ جس کا کام اللہ کی رضا کے لئے ہو اس کا اجر بھی رب العالمین پر ہوتا ہے۔ کتاب وحکمت سکھانے والے محسنِ اعظم کی شان ملاحظہ ہو کہ لوگوں کی غفلت آپ کے لئے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے اور لوگوں کے بُرے رویئے کو دیکھ کر بھی وہ ان کی بے علمی کے پیشِ نظر رحم وکرم کی دعا ہی کرتے ہیں اور کبھی ان سے بے پرواہ نہیں ہوتے۔

**حاصل:** انعامات تقسیم کرنے کے لئے عطا فرمائے جاتے ہیں۔ قاسم کی شان یہی ہے کہ وہ کبھی لوگوں سے بے پرواہی نہیں برتتا۔ حق کی ادائیگی کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے اور کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتا۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾

بے شک جو کچھ زمین پر ہے اسے ہم نے اس کی زینت بنایا ہے، کہ دیکھیں کون احسن عمل کرتا ہے۔

زینتِ زمین کا اہتمام کرنے والے کی شان بے مثل ہے۔ انسان اس زینت کو اسی قدر ہی جان سکتا ہے جس سے اس کو واسطہ ہو۔ ہر ہر مقام پر یہ زینت لوگوں کے رُخ کے مطابق ان کے کام آتی ہے۔ سامانِ زینت جو کسی کو حاصل ہو، حقِ بندگی ادا کرنے کے لئے پورا ہوتا ہے۔ جو اس سامان سے راحت پاتا ہے، وہ اس کو اپنے تعارف کا حصہ بنا لیتا ہے۔ وہ اس سواری سے کھیلنے لگتا ہے، جو محدود وقت میں اسے فلاح کی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے دی گئی تھی۔ جو اللہ کی عطا کو اس کے منشاء کے حوالے سے دیکھتا ہے، وہ متاعِ حیاتِ دنیا کو اللہ کی رضا کے مطابق محسنین کی صورت سے استعمال کرتا ہے۔ جو متاعِ حیاتِ دنیا کو حقِ بندگی ادا کرنے کے لئے پوری طرح استعمال کرتا ہے، اس کا عمل احسن ہوتا ہے۔

**حاصل:** زینتِ زمین کبھی مقصود نہ ہونی چاہئے۔ یہ تو ہے ہی ہمارے لئے۔ حق کی ادائیگی کے لئے اس کو سواری کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔ اس کو اپنے تعارف کا حصہ بنانا بے سمجھی کی بات ہے۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾

اور بے شک جو کچھ اس پر ہے، ہم اسے صاف میدان کر چھوڑیں گے۔

زینتِ زمین جس مقصد کے لئے ٹھہرائی گئی ہے، اس کے پورا ہو جانے کے بعد زمین کو صاف میدان کر دیا جائے گا۔ اس زینت کے ساتھ مقصدِ زینت کو بھی دیکھنا چاہئے۔ راستہ یہی سیدھا ہے کہ اشیاء سب بندے کے لئے ہیں اور بندہ اللہ کے لئے ہے۔ جو اس دنیا کی لہو ولعب میں دل لگا کر دارِ آخرت کی زندگی کو نہیں مانتا، وہ بڑے خسارے میں پڑے گا۔

**حاصل:** زینتِ زمین کی دلکشی کے ساتھ اس کے مقصد کی طرف بھی نظر جانی چاہئے۔ ہر مقام پر رخ کو سیدھا رکھنے کے بارے میں ہی انسان سے پوچھ ہوگی۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨

کیا تم سمجھتے ہو کہ اصحاب کہف اور رقیم والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے۔

نشانی وہ ہوتی ہے جو لوگوں کو ان کے مشاہدے کے حوالے سے ایسی مدد دے کہ موجودہ عقائد کا نقص ان پر واضح ہو جائے، وہ حق کو مان لیں۔ اصحاب کہف چند نوجوان تھے، جو رقیم کے رہنے والے تھے۔ ان حضرات نے لوگوں سے کہا کہ اللہ ہی معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ وہی سب کا پالنے والا ہے۔ اللہ کے مقابل جن کو معبود ٹھہرایا جاتا ہے، ان پر کوئی سند موجود نہیں ہوتی۔ روشن اسناد کے ساتھ اللہ کو نہیں مانا جاتا اور اپنے بنائے معبودوں کو بلاسند مانا جاتا ہے۔ یہ بڑا ظلم ہے۔ لوگوں نے آوازِ حق کو دبانے کی کوشش کی تو یہ حضرات پہاڑ کی غار میں آ گئے۔ وہاں اللہ نے انہیں سلا دیا۔ حفاظت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اہتمام کیا گیا جو اسی وحدہٗ لاشریک کی شان کے لائق ہے۔ یہ حضرات ایک مدت سلائے گئے، پھر اٹھائے گئے۔ سوئے تو جوان تھے، اٹھے تو جوان تھے۔ زمانے کے تغیرات کے مقابل اسی عرصے میں ان کا ایک حالت پر رہنا بہت عجیب تھا۔ مگر یہ لوگوں کے سامنے تھا۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ پاکیزگی اللہ کو پسند ہے۔ اللہ پاک لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ اس کی قدرت ہر مقام پر اور ہر شے پر محیط ہے۔ حق کو ماننے میں فلاح ہے اور حق کے انکار میں خسارہ ہے۔

**حاصل:** عجیب نشانی دیکھنے میں آئے تو دوسروں کو حق کے ماننے میں مدد دینی چاہئے۔ رجوع الی اللہ ہونے میں کسی کو مدد دینا، کسی کو آسرا دینا بہت بڑی خدمت ہے۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩

جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی، تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارا معاملہ درست کر دے۔

جب ان نوجوانوں نے دیکھا کہ لوگ حق کی بات کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے، تو انہوں نے جاہلین سے اعراض کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک غار میں آ گئے۔ وہاں انہوں نے یہ دعا کی: اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں تیری رحمت شامل حال ہوگی تبھی ہمارا معاملہ درست ہوگا۔ حق پر قائم رہنے والوں کی شان یہی ہے کہ وہ حق کو بیان کرنے کے بعد یہ دعا کریں: کہ اے ہمارے ربّ تیری رحمت کے ساتھ ہی پورا رہنا ممکن ہے، اور جو صورت تیری طرف سے بنا دی جائے وہی سب سے بہتر صورت ہوتی ہے۔

**حاصل:** حق کی مخالفت کرنے والوں سے دکھ پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے: رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہم بچ نہیں گئے، بچا لئے گئے ہیں۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۙ ⑪

تو ہم نے ان کے کانوں پر اس غار میں گنتی کے کئی برس تھپکی دی۔

غار میں آکران حضرات نے اللہ کی رحمت اور اس کی رضا کے لئے دعا کی، تو اللہ نے ان کو اطمینان عطا فرمایا اور انہیں سلا دیا۔ پیار سے کان پر تھپکی دے کر سلانا، سلائے جانے والوں اور سلانے والے کے تعلق کو روشن کرتا ہے۔ نیند انسانی ضرورت ہوتی ہے، جب یہ ضرورتِ جسمانی پوری ہو جاتی ہے تو جاگ جانے کا مقام آتا ہے۔ نیند کا برسوں طویل ہو جانا، عمر کے آثار کا نمایاں نہ ہونا، صرف سانس سے جسمانی حاجات کا پورا ہو جانا اللہ کی قدرت کی وہ نشانی ہے، جو بعث بعد الموت کو واضح کرتی ہے۔

**حاصل:** اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے، مطلق ہے اور کسی حال پر کسی کی مدد کرنا اللہ کو مشکل نہیں ہوتا۔ کان پر پیار سے تھپکی دے کر سلانا اور سلائے جانے والے کی حفاظت کا پورا اہتمام کرنا، قربِ الٰہی کے لئے ہو تو حسنِ عمل کا کیا کہنا۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ ع ۱۲/۱۳

پھر ہم نے انہیں اٹھایا، کہ دیکھیں دو گروہوں میں سے کون ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ ٹھیک بتاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو ایک طویل نیند کے بعد اٹھایا۔ یہ بیدار ہوئے تو اسی طرح تھے، جس طرح سوتے وقت تھے۔ ایک دوسرے سے حال احوال پوچھا۔ مدت نوم بھی موضوع بنی۔ ایک طرف کے لوگوں نے مدت نوم کو ایک دن یا اس سے کچھ کم بتایا، دوسرے گروہ نے کہا: "تمہارے رب کو سب سے زیادہ علم ہے تم کتنی دیر سلائے گئے ہو"۔ اندازہ بیان کرنے کے لئے کوئی جواز تو ہوتا ہے مگر بہتر بات یہی ہے کہ فاعلِ حقیقی کے حوالے سے بات ہو۔ سلانے والا ہی جانتا ہے اس نے کتنی دیر سلائے رکھا۔

**حاصل:** قادرِ مطلق کی شان کو دیکھتے رہنا چاہئے۔ اندازے سے بات کی جا سکتی ہے مگر فاعلِ حقیقی کے حوالے سے بات کی جائے تو یقیناً بہتر ہوتی ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف (۱۸) میں ہی فرمایا ہے: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ اور ہرگز یہ نہ کہو کہ میں کل یہ کردوں گا مگر یہ کہ اگر اللہ چاہے۔ (۲۴ـ۱۸:۲۳)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

ہم آپ کو ان کی حقیقی خبریں بتاتے ہیں۔ وہ کئی جوان ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لائے تو ہم نے ان کی سوجھ کو بڑھایا۔

بیانِ حقیقت کا منشاء داستان گوئی نہیں ہوتا۔ حکمت و موعظت کو اس طرح لوگوں کے سامنے رکھنا ہوتا ہے کہ وہ اس سے فیض یاب ہوں، حاصلِ بیان کو دیکھیں، اپنی سوچ کو درست کریں، یک سو ہو جائیں اور فلاح پا جائیں۔ اصحابِ کہف چند نوجوان تھے۔ یہ لوگ شرک سے بیزار ہوئے۔ شرک کی زندگی میں ان کو مقصدِ حیات کا انکار نظر آیا۔ جب کوئی وجود بے مقصد ہو ہی نہیں سکتا، تو پھر انسان کا مقصدِ حیات جاننا چاہئے۔ حیات و موت کا مالک قادرِ مطلق ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچانے کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ ان لوگوں نے اپنی پسند اور ناپسند کو ایک طرف رکھ دیا۔ حق کے طالب ہوئے، اپنے رب پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حسنِ طلب کو پسند کیا اور ان کو نورِ ہدایت سے نوازا۔

حاصل: بیانِ حقیقت میں ہمیشہ حکمت وموعظت موجود ہوتی ہے۔تدبر کرنا اور موجودہ عقائد کو اسناد کی روشنی میں دیکھنا، جوانی میں ہو تو یہ بڑی بات ہے۔اپنے رب پر ایمان لانے کے بعد جو ملتا ہے وہ اتنا روشن ہوتا ہے کہ پھر کبھی ابہام کا مقام نہیں آتا۔

وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾

اور ہم نے ان کی ڈھارس بندھائی جب وہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہمارا رب تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے مقابل کسی کو معبود نہیں کہیں گے، ایسا ہو تو ضرور ہم نے حد سے گزری ہوئی بات کہی۔

شرک کے ماحول میں یہ نوجوان اپنا حال بیان کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے، تو لوگوں کو یہ احساس ہو گیا کہ یہ لوگ عقیدہ وملت کے اعتبار سے الگ ہو گئے ہیں، اور مشرکانہ عقائد کو غلط کہنے کی جسارت کرنے والے ہیں۔اظہارِ حق کے لئے ان حضرات نے یہ کہا کہ ہمارا ربّ تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب کو پالتا ہے۔کسی دوسرے کو ہر ہر مقام پر ربوبیت کے لوازمات کا علم ہی نہیں ہے۔ہمارا رب ہونے کا دعویٰ کوئی کیونکر کر سکتا ہے۔ہم رب العالمین کو ہی معبود مانتے ہیں۔اس کے سوا کسی معبود کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔اگر ہماری رائے کو جبر سے بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہم اس جبر سے یہ کہنے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں کہ رب العالمین کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے، تو وہ بات خلافِ حق ہو گی، حد سے گزری ہوئی ہو گی اور قطعاً بے جا ہو گی۔

حاصل: موجودہ عقائد کو بے سند کہنے کا مقام آجائے تو کھڑے ہو کر اپنا حال بیان کرنا چاہئے۔ڈھارس بندھانے والا علیم مطلق جو مدد دے سکتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔اپنی قلبی کیفیت کو بیان کرنے کے بعد یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ہمارا بیان بدل جائے تو وہ کسی انتہائی جبر کی وجہ سے ہو گا اور خلاف حق ہو گا۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ﴿١٥﴾

یہ ہے ہماری قوم جس نے اللہ کے مقابل معبود بنا رکھے ہیں۔ان پر کوئی روشن سند کیوں نہیں لاتے۔تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

اپنی قوم کے سامنے ربّ العالمین کا ذکر کرنے کے بعد، اس کو معبودِ لاشریک کہنے کے بعد، ان نوجوانوں نے ان مظالم کے نتائج کو بھی بیان کر دیا جو انہیں نظر آرہے تھے۔پھر یہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے، یہ ہے ہماری قوم جس نے اللہ کے مقابل اور معبود بنا رکھے ہیں، مگر ان معبودوں پر کوئی واضح سند نہیں لائی جاتی۔جس دعوے کے ساتھ دلیل نہ ہو وہ تو قابل ذکر ہی نہیں ہوتا۔خلافِ حق بات کرنے والا ظالم ہوتا ہے، اور اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اظلم ہوتا ہے۔اظلم اپنے باطل نظریات کو پھیلانے میں بڑا زور لگاتا ہے۔

حاصل: اپنی قوم کے بارے میں اپنے احساسات کو احباب کے سامنے بیان کرنے کا منشاء یہ ہونا چاہئے کہ قول وعمل

میں کسی مقام پر حق اور ناحق کے مابین فرق کو ملحوظ رکھنے سے غفلت نہ ہو۔ظالم اور اظلم کے فرق کو بھی دیکھا جائے۔

وَ اِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَ مَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّیٴۡ لَـكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿۱۶﴾

اور جب تم ان سے، اور جو کچھ وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، الگ ہو جاؤ، تو غار میں پناہ لو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت کا سایہ کرے گا اور تمہارے لئے آسانیاں پیدا کر دے گا۔

جب یہ حضرات اپنی قوم سے اور اس کے معبودوں سے بیزار ہو گئے، تو انہوں نے اللہ سے مدد مانگی۔جو لوگ اللہ کی راہ میں کوشاں ہوں، اللہ یقیناً اپنے راستوں کی طرف ان کی راہ نمائی کرتا ہے۔اللہ نے ان حضرات میں سے ایک کی زبان سے یہ بات کہلوائی کہ ان لوگوں سے الگ ہونے کے بعد غار میں پناہ لی جائے، یہ رب کی رحمت کے سائے میں پناہ لینے والی بات ہے، وہاں آسانیاں پیدا کر دینا اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔جس کام کے درست ہونے کا یقین ہو، اس کے کرنے کا عزم کر لیا جائے تو پھر اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔اس سے بڑا کارساز کوئی نہیں ہے۔

**حاصل:** اہلِ باطل سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے تو اللہ کی رحمت کے شاملِ حال ہونے کی دعا کرنی چاہئے، آسانیوں کے لئے دعا کرنی چاہئے، اور ساتھیوں میں سے بہتر جاننے والے کا کہا ماننا چاہئے۔جائے قیام کو سلامتی کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔

وَتَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَاِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِىۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ‌ ؕ ذٰ لِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ‌ ؕ مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ‌ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا ﴿۱۷﴾ ع ۲ ۱۴

اور تم دیکھو کہ جب دھوپ نکلتی ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف کو ہو جاتی ہے اور غروب کے وقت ان کے بائیں طرف کو ہو جاتی ہے اور وہ اس کے میدان میں ہیں۔یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔جسے اللہ راہ دے تو وہی راہ پر ہے۔اور جسے وہ گمراہ کرے تو ہرگز کوئی اس کا حمایتی، راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے۔

دھوپ آنکھیں کھولنے والی چیز ہے۔اس لئے دھوپ نکل رہی ہو تب بھی اصحاب کہف کے غار میں روشنی کی وہی مقدار پہنچتی ہے جو ان حضرات کے لئے ضروری ہے اور غروب آفتاب کے وقت بھی روشنی کی وہی مقدار پہنچتی ہے جو درکار ہوتی ہے۔ہوا کا درجۂ حرارت بدلتا رہتا ہے۔روشنی کی صورت بھی موسم کے تغیرات کے ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔غار کا مقام اللہ نے ایسا رکھا ہے کہ یہ اللہ کی مطلق قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ان حضرات کی بدنی ضروریات کو ایسے اسباب سے پورا کرنے کی صورت رکھی گئی ہے، کہ انسان ان کی وضاحت سے عاجز ہے۔غار کے صحن میں ان حضرات کو سلایا گیا ہے۔مناسب رطوبت، مناسب درجہ حرارت، مناسب روشنی یہ سب اہتمام اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں۔ہدایت اسے دی جاتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو، اپنی پسند کو حق کے تابع رکھ کر راضی ہو۔ہدایت دینے والا خوب جانتا ہے، کس کو

ہدایت دیتی ہے۔ جو لوگ حق کو جاننے کے بعد اسے اپنی پسند کا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں، وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور فلاح سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کسی کی دوستی اور راہ نمائی انہیں فائدہ نہیں دیتی۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اہتمام کیا گیا ہو، اس سے احسن کچھ نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی نشانیوں سے اس کی قدرت کو دیکھنا چاہیے۔ ہدایت کی طلب رکھنی چاہیے۔ اپنی پسند کا ذکر کرتے رہنے سے خرابی بڑھتی ہے۔ گمراہ سے دوستی کرنے والے کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ فرما دیجیے اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے مابین گواہ۔ اسے علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ جو باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی خسارے والے ہیں۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۗ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

اور تم سمجھو وہ جاگتے ہیں اور وہ تو سو رہے ہیں، اور ہم ان کی کروٹیں بدلتے ہیں، دائیں اور بائیں، اور ان کا کتا غار کے منہ پر اپنے اگلے پاؤں پھیلائے ہوئے ہے۔ اگر انہیں جھانک کر دیکھو تو پیٹھ دے کر بھاگو اور ان کا رعب تمہارے اندر بیٹھ جائے۔

اصحاب کہف کو سلانے والے نے یہ واضح فرمایا ہے، کہ وہ بظاہر جاگتے نظر آتے ہیں مگر ہیں سوئے ہوئے۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہوں تو نیند نہیں آتی۔ اللہ نے فرمایا ہے، ہم نے رات کو آرام کے لئے اور دن کو آنکھیں کھولنے والا بنایا ہے۔ سلانے والا قادرِ مطلق ہو تو وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ بھی سلا سکتا ہے۔ کروٹیں بدلنا جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اعضاء کے افعال کو اعتدال پر رکھنا اسی طرح ممکن ہوتا ہے۔ دائیں طرف پہلے کروٹ لینی چاہیے، بائیں طرف بعد میں۔ ان حضرات کے ساتھ ایک کتا بھی ہے جو غار کے منہ پر اپنے اگلے پاؤں پھیلائے ہوئے ہے۔ اگر کوئی اللہ کی قدرت کو مانتا ہو تو اسے جھانک کر دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ماننے والے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ نے ان حضرات کے لئے جو اہتمام کیا ہے، وہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ جو حفاظت کی حدود کے اندر جھانکنے کی کوشش کرے گا وہ ضرور مرعوب ہوگا۔ اس پر خوف کی وہ کیفیت ہوگی جو اس سے سنبھالی نہیں جا سکے گی۔

**حاصل:** اللہ کی قدرت کو محدود کہنے والے، اللہ کو نہیں مانتے، اور اللہ کی قدرت کو ہر حال پر محیط مان لیا جائے تو پھر اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام لازم ہے۔ اللہ کی قدرت سے متعلقہ اسباب کو جاننے کی کوشش ایمان کا ثبوت نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات پر اپنے آپ کو نڈر ثابت کرنے کی کوشش بڑی بے سمجھی کی بات ہے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹

اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں ایک کہنے والے نے کہا، آپ حضرات کتنی دیر سوئے رہے۔ جواب دیا گیا ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ دوسرے صاحبان نے کہا تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کتنی دیر سوئے رہے۔ تو اپنے ایک ساتھی کو رقم دے کر شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ دیکھے وہاں کون سا کھانا زیادہ پاک ہے، کہ تمہارے لئے اس میں سے کھانے کو لائے اور چاہئے کہ نرمی کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے پائے۔

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بین التاء بعدها اللام من النصف الاول و اللام الثانیة من النصف الثانی ۱۲

اصحابِ کہف کو سلانے والا بھی ان کا رب تھا، جگانے والا بھی ان کا رب تھا۔ اٹھائے جانے کے بعد وہ آپس میں ہم کلام ہوئے۔ نیند سے پہلے کا وقت انہیں یاد تھا، جاگنے کا وقت ان کے سامنے تھا۔ درمیانی عرصے کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھا گیا۔ جواب دینے والوں نے کہا، ایک دن یا اس سے کچھ کم ہم لوگ نیند کی حالت میں رہے ہوں گے۔ بہتر جاننے والوں نے کہا، سلانے والا ہی جانتا ہے ہم لوگوں کو کتنی دیر اس حالت پر رکھا گیا۔ جاگنے کے بعد جسمانی ضرورت کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو رقم دے کر شہر کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ شہر کی طرف جانے والے کے ذمے یہ تھا کہ وہ پاک کھانا لے کر آئے، نرمی کے ساتھ بات کرے اور ساتھیوں کے بارے میں کسی کو خبر نہ ہونے دے۔ پاک کھانا وہ ہوتا ہے جو طیبات سے تیار کیا گیا ہو، اور تیار کرنے والا اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتا ہو۔ لوگوں سے پوچھا جائے تو جواب کی امکانی صورتیں بہت ہوتی ہیں۔ نرمی کے ساتھ بات کرنا یہ ہے کہ کسی کی سخت کلامی کو سن کر اس کی حسنِ نیت ملحوظ رہے۔ اور کسی کو خبر نہ ہونے دینا یہ ہے کہ اپنی حرکات و سکنات پر نظر رہے کہ کسی کو ساتھیوں تک پہنچنے کا راستہ نہ ملے۔

**حاصل:** سلانے والا بھی ربّ ہے جگانے والا بھی ربّ ہے۔ سوال اپنے لئے ہی نہیں ہوتا، دوسروں کی آگاہی کے لئے بھی ہوتا ہے۔ علم سے بولنا یہ ہے کہ بات فاعلِ حقیقی کی طرف جائے۔ کھانا جسمانی ضرورت ہے۔ پاک کھانے کی طلب ہونی چاہئے۔ ساتھیوں کی عافیت کو کبھی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ قول میں نرمی اور عمل میں احتیاط ضروری ہے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰

بے شک وہ لوگ تمہیں جان لیں گے تو تم پر پتھراؤ کریں گے، یا تمہیں اپنی ملت میں لوٹا لیں گے، اور تب تمہارا کبھی بھلا نہ ہوگا۔

اصحابِ کہف جس احتیاط کو ضروری سمجھ رہے ہیں اس کی وضاحت کے لئے اپنے ساتھیوں پر یہ واضح کر رہے ہیں کہ اگر لوگوں کو ہماری جائے قیام معلوم ہو جاتی ہے تو دو ہی صورتیں ممکن ہیں: ایک تو یہ کہ لوگ ہم پر پتھراؤ کریں گے اور یوں ہمیں ختم کر دیں گے، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے جبر کے اثرات کو ہم پر دیکھیں گے، اور انہیں ہمارے ایمان کی کمزوری نظر آئی تو ہمیں اپنی ملت میں لوٹانے کی کوشش کریں گے۔ پاکیزگی کا علم ہو جانے کے بعد ناپاکی کی طرف جانے والے کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔

**حاصل:** اپنے ساتھیوں کو احتیاطی تدابیر کی تاکید کے ساتھ، امکانات بھی بتانے چاہئیں۔ مقصد واضح ہو تو حصولِ مقصد کے لئے بہتر کوشش کی جا سکتی ہے۔ بے احتیاطی سے پیدا ہونے والی صورت اگر گوارا نہ ہو تو پھر احتیاط میں کوتاہی نہیں ہوتی۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

اور اسی طرح ہم نے وہ بات پھیلا دی، کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور ساعت میں کچھ شک نہیں۔ جب وہ لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگے، تو بولے ان کے غار پر کوئی عمارت بنا دو۔ ان کے رب ہی کو ان کا علم ہے۔ وہ لوگ جو اس کام میں غالب رہے تھے کہنے لگے، یقیناً ہم ان پر مسجد بنائیں گے۔

اصحابِ کہف کو ایک مدت تک سلانے کے بعد، اللہ نے اٹھا دیا۔ ان میں سے ایک زیرک آدمی حصولِ رزق کے لئے شہر کی طرف گیا۔ اس عرصے میں وہاں کیا کیا تبدیلیاں آچکی تھیں، یہ اس صاحب نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ہر قابلِ ذکر تبدیلی کو اپنے ساتھیوں کے لئے یاد رکھا۔ لوگوں نے اصحابِ کہف کے متعلق سن ضرور رکھا تھا کہ پچھلے زمانے میں کچھ لوگوں کو ان کے اللہ پر ایمان لانے اور شرک سے کراہت کا اظہار کرنے پر، بہت دُکھ دیا گیا اور پھر وہ حضرات مفقود الخبر ہو گئے۔ ان حضرات میں سے ایک کو اپنے سامنے قدیم زمانے کے سکّوں کے ساتھ دیکھ کر، اس کی زبان، اس کے لباس، اس کے قد و قامت اور اس کے اخلاقِ حسنہ کو دیکھنے کا موقع پا کر لوگوں نے بعث بعد الموت کو درست مان لیا۔ منکرینِ آخرت کو سخت ندامت ہوئی۔ قیامت کو مان لیا جائے تو پھر اصلاح کی طرف آنا انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہو جاتی ہے۔ بعث بعد الموت کو ٹھیک کہنے والے غالب رہے تھے، اس لئے ان کی بات زیادہ وقعت رکھتی تھی۔ جھگڑا اس بات پر تھا کہ ان حضرات کے جائے قیام اور آرام گاہ کے قریب کس طرح کی عمارت بنائی جائے، جس میں موجودہ معلومات کو محفوظ کیا جائے۔ بہتر جاننے والے حضرات نے کہا، ان حضرات کے بارے میں حقیقی علم تو ان کے رب کو ہی ہے۔ بعث بعد الموت پر ایمان رکھنے والے حضرات نے کہا، یہ بہت بڑا واقعہ ہے۔ اللہ نے آخرت پر یقین لانے کے لئے اتنی بڑی مدد دی ہے کہ اس کا شکر یہ یہاں مسجد تعمیر کر کے ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہاں عبادت کرنے والے کو اللہ کی قدرت کا یہ واقعہ اصلاحِ حال میں بڑی مدد دے گا۔

**حاصل:** اللہ جس بات کو ظاہر کرنا چاہے وہ کسی کے چھپائے، چھپ نہیں سکتی۔ قیامت پر یقین ہو تو حال پر رُخ درست ہوتا ہے۔ بہتر جاننے والوں کی بات سند سے ہوتی ہے۔ ان کی بات کو ماننے میں بھلا ہوتا ہے۔ علم حقیقی کا کسی

مفروضے سے مقابلہ کرنا بالکل بے جا ہے۔ کسی واقعہ سے لوگوں کو نورِ ہدایت حاصل کرنے میں مدد دینا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مسجد یا دِ الٰہی کا مقام ہے۔ ظاہری اور باطنی، دونوں طرح کی پاکیزگی موجود ہو تو بندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔

سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ ۫ فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِیْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع ۳/۵ ۱۵

اب کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا، اور کچھ کہیں گے کہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا۔ یہ سب بے تکی ہانکتے ہیں۔ کچھ یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا۔ فرما دیجئے میرے رب کو ہی ان کی تعداد کا علم ہے۔ کم ہی لوگ انہیں جانتے ہیں۔ ان کی تعداد کے معاملے میں سرسری بات سے آگے نہ جایئے اور ان کے متعلق کسی سے استفسار نہ کیجئے۔

اصحابِ کہف تک لوگوں کو پہنچنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ان کا جو ساتھی شہر میں خوراک کا سامان لینے کے لئے گیا، وہ اس کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ اس کا لباس، اس کی عمر، قد و قامت اور دوسری نظر آنے والی باتیں ان کے مشاہدے میں آئیں۔ لوگ ان کی غار تک بھی آئے مگر ایک حد سے آگے ان کے لئے جانا ممکن نہ تھا۔ اس حد سے آگے صرف اصحاب کہف کا ساتھی ہی گیا۔ کتا ضرور لوگوں کو نظر آتا رہا۔ اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں لوگوں نے لا حاصل بحث شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے کہا وہ تین ہیں، چوتھا ان کا کتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے۔ یہ سب بے تکی باتیں ہیں۔ ان کی تعداد کو موضوع گفتگو بنانے والے اس واقعہ سے کیا سبق سیکھ رہے ہیں۔ اندازے قیافے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، اور لوگ ہیں کہ اسی میں الجھتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد کو موضوع گفتگو بنانا یا اہل کتاب سے ان کے بارے میں استفسار کرنا لا حاصل باتوں میں وقت ضائع کرنا ہے۔ اس سے اجتناب لازم ہے۔ حاصل بیان پر نظر رکھنی چاہئے۔ اپنی زندگی میں ان حقائق کو عملاً ماننے کا ثبوت دینا چاہئے، جن کو قولاً تسلیم کیا گیا ہو۔

**حاصل:** اللہ کی قدرت کا مشاہدہ ہو تو نُورِ ہدایت ملتا ہے۔ امتدادِ زمانہ کا اثر اللہ کی قدرت کے تابع ہے۔ وہ چاہے تو یہ اثر ہوتا ہے وہ نہ چاہے تو یہ نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت میں انسان کا عجز واضح ہے۔ کسی واقعہ سے جو سبق ملتا ہے اس پر نظر ہو تو لا حاصل باتوں کی طرف جانا بُرا لگتا ہے۔ جن لوگوں کی سنجیدگی طبع کا یقین نہ ہو ان سے کچھ پوچھنا منع ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم (۳۰) میں ارشاد فرمایا ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ تو یکسوئی کے ساتھ اپنا رُخ اللہ کی طرف کرو۔ اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی خلق کو تبدیل نہ کرنا۔ یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ لاعلم ہیں۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾

اور کسی کام کے بارے میں نہ کہنا کہ میں کل کردوں گا۔

بندے کو جو توفیق حال پر حاصل ہوتی ہے، اس میں بندے کی سمجھ سمیت کتنے ہی ارکان ہوتے ہیں۔ ہر ہر رکن اہمیت رکھتا ہے اور کوئی ایک رکن مطلوبہ فعل سرانجام دینے سے رک جائے تو بے ربطگی نظر آنے لگتی ہے۔ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے، ہر ربط پر محیط ہے۔ بندے کا علم محدود ہوتا ہے، اور اللہ کے علم کے سامنے اس کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ اس لئے یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی کام میں فاعل حقیقی کا نام لئے بغیر کوئی وعدہ کرنا خلافِ حق ہے۔

حاصل: کسی بھی کام پر غور کر کے دیکھا جائے تو بندے کو اپنی حیثیت، اللہ کی قدرت کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔ تائیدِ ایزدی کے حصول کی طلب رکھنی چاہئے۔ اپنے فعل کو توفیق دینے والے کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

مگر یہ کہ اللہ چاہے، اور یاد کرلو اپنے رب کو جب بھول جاؤ، اور کہو قریب ہے میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر نیکی کی راہ دکھائے۔

کسی بھی وعدے کے ساتھ انشاء اللہ کہنا حق ہے، ورنہ بندگی کا اظہار کما حقہٗ نہیں ہوتا۔ اگر کسی جگہ بیان کرتے کرتے یہ احساس ہو جائے کہ اپنی کارکردگی کے ساتھ اپنے رب کا ذِکر نہیں کیا گیا، تو فوراً علم سے اپنے رب کا ذِکر کرنا چاہئے، اور یہ کہنا چاہئے کہ قریب ہے میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر نیکی کی راہ دکھائے۔ کسی جگہ سکھ پانے کا ذِکر ہو تو سکھ دینے والے مالکِ حقیقی کے بغیر بات پوری نہ ہوگی، اور دُکھ سے بچ جانے کی بات کے مقابل دکھ سے بچائے جانے کا ذِکر ہو اور اپنے رب کے حوالے سے ہو تو یقیناً یہ بات رشد کے زیادہ قریب ہوگی۔

حاصل: کسی بھی وعدے کے ساتھ انشاء اللہ کہنا ضروری ہے۔ بھول ہو جائے تو مالکِ حقیقی کو یاد کر لینا چاہئے اور یہ کہنا چاہئے کہ قریب ہے میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر نیکی کی راہ دکھائے۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

اور وہ اپنے غار میں نو اوپر تین صد برس ٹھہرے۔

اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں بھی لوگوں نے اندازے لگائے، ان کے سلائے جانے کی مدت کو شمار کرتے وقت بھی لوگوں نے اندازے لگائے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپکی دی۔ شمسی اور قمری سال کا فرق گیارہ دن کا ہوتا ہے، اس طرح اگر شمسی سالوں کے حساب سے تین صد سال بنیں تو قمری حساب سے تین صد نو سال بنیں گے۔ جب یہ لوگ نیند کے بعد اٹھائے گئے تو ان میں سے بعض نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا، آپ کتنی دیر سوئے رہے، جواب ملا، ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ علم والوں نے کہا، اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ مدت یقیناً برسوں میں تھی۔ اب لوگ اگر اس مدت کو شمار کرتے وقت اختلاف میں پڑیں تو اس سے کیا حاصل ہوگا۔ حساب کا پورا پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

حاصل: حساب کرتے وقت یہ کہنا چاہئے کہ سب سے بڑا علم اللہ کو ہے۔ انسانی حساب کو تقریباً ہی کہا جاسکتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

فرما دیجئے سب سے بڑا علم تو اللہ کو ہے کہ وہ کتنا ٹھہرے۔ اسی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب۔ وہ کیا ہی دیکھتا ہے اور کیا ہی سنتا ہے۔ اس کے مقابل ان کا کوئی دوست نہیں، اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

جو لوگ اصحاب کہف کے بارے میں یہ بحث چھیڑتے ہیں کہ وہ حضرات کتنا عرصہ سوئے رہے، اور تین صد سال اور تین صد نو سال کے شمسی اور قمری حساب بتاتے ہیں، انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ سلانے والے سے بڑا علم تو کسی کو نہیں ہے۔ اس لئے ان کے سونے کا پورا پورا وقت تو اللہ کے علم میں ہی ہے۔ آسمانوں کے بھید ہوں، زمین کے بھید ہوں سب اسی کے ہیں۔ اس کے دیکھنے کا جواب نہیں اور اس کے سننے کا بھی جواب نہیں۔ جو دوستی بھی ہوگی، اللہ کی عطا کردہ توفیق سے ہوگی، اس لئے اللہ کے مقابل کسی کی دوستی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کا حکم علم مطلق سے ہوتا ہے، اور علم مطلق اللہ کی شان کے لائق ہے۔ اس لئے کسی کو یہ مجال ہی نہیں ہوسکتی کہ وہ اللہ کے حکم میں شریک ہونے کا دعویٰ کرے۔

حاصل: اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے۔ آسمانوں اور زمین کے بھید اسی کے علم سے ہیں۔ اس لئے ہر تحقیق اللہ کے فضل کی محتاج ہے۔ اللہ کا دیکھنا اور سننا ہمارے دیکھنے اور سننے سے بہت بلند ہے۔ اس کے مقابل کسی کی دوستی کیا حقیقت رکھتی ہے۔ علم مطلق اللہ کی شان ہے اس لئے اس کے حکم میں کسی کا شریک ہونا ناممکن ہے۔ ہمارا فیصلہ حق کے حوالے سے ہونا چاہئے۔

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور تلاوت کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی کتاب سے وحی فرمائی گئی۔ اس کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ اور اس کے مقابل تمہیں کہیں پناہ نہ ملے گی۔

قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ تلاوت کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم نے حکمِ خداوندی کو مانتے ہوئے شاہدین میں سے ایک صاحب حال کا اتباع کرنا ہے۔ رجوع الی اللہ ہونے کا یہ طریقہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اللہ کے کلمات کو بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ اس سے بڑا کوئی حکم دینے والا نہیں۔ جو اس کے فرمان کے خلاف کرے اور پھرتا چلا جائے، وہ اللہ کی گرفت میں آجائے گا۔ کون ہے جو اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے کے لئے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ قطعاً کوئی نہیں۔

حاصل: قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہنا چاہئے۔ نماز فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کو معمول بنانا ضروری ہے۔ اللہ کے فرمان کو ماننا چاہئے۔ اللہ کے کلمات کو بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ جو خلاف حق کرے گا، وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اس کے لئے کہیں پناہ نہیں ہے۔

وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَ لَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ وَ کَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ پر راضی رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔ کیا تم حیاتِ دنیا کی زینت چاہتے ہو۔ اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور اس نے اپنی خواہشات کا اتباع کیا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

جو لوگ صبح وشام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں، ان کے ساتھ رہنا اور اپنے نفس کو ان کے ساتھ پر راضی رکھنا جن کا مقصد حیات اللہ کی رضا ہے، بڑی رحمت کی بات ہے۔ یہ لوگ اپنے معاشی حالات کی وجہ سے حسن ظاہر نہیں رکھتے، مگر ان کا باطن کس قدر حسین ہوتا ہے یہ ان کا رب جانتا ہے۔ اگر ان لوگوں کو وہ اہمیت نہ دی جائے جس کے وہ مستحق ہیں، تو نگاہ ضرور ان پر پڑے گی جن کو حیاتِ دنیا کی زینت کے حوالے سے بڑا مقام حاصل ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیا کی زینت میں راحت تلاش کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے۔ جس کا قلب، اللہ کے ذکر سے غافل ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی میں لگا ہوا ہو اور جس کا کام حد سے گزر جائے، اس کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے۔ اطاعت اسی کی حق ہے جس کا قلب ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرتا ہو، اور حدود اللہ کا احترام کرتا ہو۔

**حاصل:** جو لوگ صبح وشام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ میں حسن ظاہر کو اہمیت نہ دینا ضروری ہے۔ نفس کو یہ بات منوانی پڑتی ہے۔ ان پاک لوگوں کو چھوڑ کر نگاہیں دور جائیں تو پھر حیاتِ دنیا کی زینت ہی مطلوب ہوگی۔ حسنِ عمل پر نظر ہو تو پھر حیاتِ دنیا کی زینت کیوں مطلوب ہوگی۔ جس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہو، اور جس کا کام حد سے گزر جائے اس کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے۔

وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ۙ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِہِمۡ سُرَادِقُہَا ؕ وَ اِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اور فرمایئے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ہم نے ظالمین کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی، اور اگر فریاد کریں گے تو پانی ملے گا جیسے پیپ، منہ کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی برا پینا ہے اور کیا ہی بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔

حق اللہ کا فرمان ہے۔ لوگوں کو شعور کے ساتھ اسے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار دیا گیا ہے۔ جو ایمان لائے گا وہ فلاح پائے گا، جو کفر کرے گا خسارے میں پڑے گا۔ اللہ نے ہر ایک کو پاک پیدا کیا ہے۔ راستے کے انتخاب کے لئے جو جو مدد ملنی چاہئے وہ ہر ایک کو ملتی ہے۔ جو راستہ کوئی اختیار کرے گا اسی کی جزا پائے گا۔ اللہ نے خلافِ حق کرنے والوں کے لئے ان کے اعمال کی جزا بصورت آگ تیار کر رکھی ہے، جو انہیں گھیر لے گی۔ آگ کی دیواریں ان کے استکبار کی نسبت سے ہوں گی، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ پیاس کی شدت کا اظہار ہوگا تو پینے کو وہ پانی ملے گا، جو منہ کو بھون ڈالے گا۔ خلافِ حق کرنے والوں کو جو پینے کو ملے گا، اس سے بری پینے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جہاں ان لوگوں کو رکھا جائے گا، اس سے بری رہائش کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

**حاصل:** حق فرمانِ خداوندی ہے۔ اس کو ماننا بھی شعور کے ساتھ ہوتا ہے، اس کا انکار بھی شعور کے ساتھ ہوتا ہے۔ راہِ عمل کے انتخاب کا اختیار یقیناً دیا گیا ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی، اور یہ جزا آگ کی صورت میں انہیں گھیر لے گی۔ پانی ملے گا تو وہ اس عذاب کو بڑھائے گا جو پہلے موجود ہوگا۔ دیکھنا چاہئے کہ ہمارا عمل کیا ہے اور ہم کس طرح کی جزا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے احسن عمل کیا۔

حق کو ماننے کا دعویٰ ہو تو یہ قول سے ایمان ہوگا، اور اصلاحِ حال پر کسی مخلص کو شاہد بنایا جائے تو یہ ایمان کے دعوے کی صالح عمل سے تصدیق ہوگی۔ جس عمل کے پیچھے نیت یہ ہو کہ اللہ کو راضی کرنا ہے اور شاہد کا اتباع کرنا ہے، وہ عمل احسن ہوتا ہے۔ اللہ کے نزدیک خالص عمل اس قدر پسندیدہ ہے کہ اس کا ذرہ پہاڑ اور قطرہ سمندر ہے۔

**حاصل:** ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ ہی سچا ثابت ہوسکتا ہے۔ حسنِ عمل کو توفیق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے، اور حسنِ نیت کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ احسن عمل کی قدر کرنا ضروری ہے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ ع ٩/١٦

ان کے لئے بسنے کے باغ ہیں، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور کپڑے پہنیں گے سبز، نفیس اور گاڑھے ریشم کے۔ تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا ثواب۔ اور کیا ہی اچھی جگہ آرام کی۔

جو لوگ احسن اعمال کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، ان کی اخروی زندگی کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ ان لوگوں کے لئے بسنے کے باغ ہیں۔ ان باغوں کی شادابی کے لئے اللہ نے ان کے نیچے نہریں جاری کر رکھی ہیں، کہ زیر زمین پانی کی سطح ایسی رہے کہ وہاں آب پاشی کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہ ہو۔ ان لوگوں کی خوشی کے لئے جو کچھ کیا جائے گا، اس کا بھی کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کی

عزت افزائی کے لئے انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سبز ریشم کا لباس دیا جائے گا۔ تختوں پر یہ لوگ تکیے لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اللہ سے بہتر بدلہ دینا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ جائے قیام بھی وہی بہتر ہے جہاں اللہ کی رضا مقصود ہو، موجود ہو۔

**حاصل:** پاک لوگوں کی میزبانی کا شرف حاصل ہو، تو ان کی عزت افزائی کو اللہ کی سنت کے حوالے سے اہمیت دینی چاہئے۔ جسمانی اور روحانی سکھ، اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں دے سکتا۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَخۡشَ اللّٰہَ وَ یَتَّقۡہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۵۲﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اور اللہ سے ڈرتا ہے اور پرہیزگاری کرتا ہے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

وَ اضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَیۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِہِمَا جَنَّتَیۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّ حَفَفۡنٰہُمَا بِنَخۡلٍ وَّ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمَا زَرۡعًا ﴿ؕ۳۲﴾

اور انہیں دو مردوں کی مثال دیجئے۔ ہم نے ان میں سے ایک کے لئے انگوروں کے دو باغ کر دیئے۔ ان کے گرد کھجوریں تھیں اور ان کے بیچ ہم نے کھیتی رکھی۔

حکم خداوندی سے یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ لوگ اپنے حال کو دیکھیں، مثال میں بیان کئے گئے احوال میں اپنا مقام دیکھیں اور تدبر کریں۔ رُخ کو درست کرنے کے لئے دی گئی مہلت میں بھلائی کی طرف آنا بہت بڑی بات ہے۔ ایک بندے کے لئے انگوروں کے دو باغ کیے گئے، جن کے گرد کھجوریں تھیں۔ درمیانی جگہ میں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ باغ بھی خوب تھے، حفاظت کا اہتمام بھی خوب تھا، اناج وغیرہ بھی تھا، اور یہ سب کچھ اللہ کا عطا کردہ تھا۔

**حاصل:** جو کچھ بھی ہمیں حاصل ہے، اس حال میں کہ ہم اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہیں، تو وہ یقیناً عطائے الٰہی ہے۔ وسعتِ مال اگر ہمارے تعارف کا حصہ بن جائے تو اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ اخلاقِ حسنہ اگر ہماری پہچان ہو تو یہ بڑی بھلائی کی صورت ہے۔

کِلۡتَا الۡجَنَّتَیۡنِ اٰتَتۡ اُکُلَہَا وَ لَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡہُ شَیۡئًا ۙ وَّ فَجَّرۡنَا خِلٰلَہُمَا نَہَرًا ﴿ۙ۳۳﴾

دونوں باغ اپنے پھل لائے، اور اس میں کچھ کمی نہ دی۔ اور دونوں کے بیچ میں ہم نے نہر بہائی۔

جس کو یہ دو باغ عطا ہوئے اس کے لئے یہ باعثِ فرحت ہوئے۔ دونوں باغ خوب پھل لائے اور اس میں ہر درخت پورا پورا پھل لایا۔ کسی میں کچھ خرابی نہ ہوئی۔ ان دونوں باغوں کے بیچ میں اللہ نے نہر بھی بہائی، کہ جس سے زیرِ زمین پانی اس سطح پر رہے کہ دونوں باغ شاداب رہیں۔

**حاصل:** پھل کو اللہ کی عطا جاننا چاہئے، ورنہ اس کا محلِ استعمال صرف اپنی خواہش ہی نظر آئے گا۔ زیرِ زمین پانی کو اس سطح پر رکھنا کہ مصنوعی آب پاشی کی ضرورت نہ رہے، بڑی حکمت کی بات ہے۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

اور اسے خوب پھل ملا۔ تو اپنے دوست سے باتوں میں کہنے لگا، میرے پاس تجھ سے مال زیادہ ہے، میرے لوگ زیادہ طاقت ور ہیں۔

جو لوگ اللہ کے عطا کردہ مال کا شکریہ نہیں ادا کرتے، جو لوگ اللہ کی عطا کردہ طاقت کا شکریہ نہیں ادا کرتے، وہ ان چیزوں کو اپنی کاوش کا نتیجہ جانتے ہیں۔ وسعتِ مال اور طاقت کو اپنا امتیاز ثابت کرنے میں انہیں فرحت ہوتی ہے۔ اور یوں وہ شیطان کے ساتھی ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے عمل کا نام جو بھی رکھ لیں، ہوتا وہ خلافِ حق ہی ہے۔

**حاصل:** وسعتِ مال اور طاقت کو اپنا امتیاز ثابت کرنا قطعاً ناشکری ہے۔ بندہ شیطان کی زبان میں بات کرنے لگے تو شیطان کو اپنے پیروکار نظر آنے لگتے ہیں۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

وہ اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہا تھا۔ کہنے لگا، مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو۔

باغ والا اپنے دوست کو فخر کے ساتھ ہر ہر چیز دکھا رہا تھا، استکبار کا اظہار کر رہا تھا۔ یہ اس کا اپنے اوپر ظلم تھا۔ کہنے لگا، یہ باغ اس قدر پر بہار ہے، کہ میرے گمان میں یہ کبھی فنا نہ ہوگا۔ اور یوں اس باغ کی بدولت قائم ہونے والا امتیاز بھی فنا نہ ہوگا۔

**حاصل:** اشیاء کی زینت اور زیبائش کے پیچھے اللہ کی قدرت کو بھی دیکھنا چاہئے، ورنہ رُخ درست نہیں رہ سکتا، صحیح نتیجے پر پہنچنے کا سوال پھر کب پیدا ہو سکتا ہے۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

اور مجھے گمان نہیں کہ ساعت قائم ہو، اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا، ضرور اس سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

باغ والے نے اپنے دوست سے کہا کہ میرے گمان میں نہیں آتا کہ قیامت قائم ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اس لئے میں وہ کرتا ہوں جو مجھے اچھا لگتا ہے۔ اور اگر قیامت قائم ہوئی اور مجھے میرے پالنے والے کی طرف لوٹا دیا گیا، تو وہاں مجھے اس سے بہتر باغ نصیب ہوگا۔ یہاں بھی تو مجھے جو آسانیاں دی گئی ہیں میرے اچھے اعمال کی وجہ سے ہیں۔ اگر اللہ مجھ سے خوش نہ ہوتا، تو یہ سب کچھ مجھے کیسے عطا فرما دیتا۔

**حاصل:** جزا کا یقین نہ ہو تو حسنِ عمل کی طرف نگاہ نہیں جا سکتی۔ اور اگر نفس جزا کو ماننے پر مجبور ہو جائے تو اسے موجودہ سہولتیں اپنے استکبار کے باوجود، اللہ کا پیارا ہونے کا ثبوت نظر آنے لگتی ہیں۔ اپنی خوبی اور بڑائی کو ثابت کرنا نفس کے لئے کبھی مشکل نہیں ہوتا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾

اس کے دوست نے اس سے بات کرتے ہوئے کہا، کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تجھے ٹھیک مرد بنایا۔

باغ والا جس سے اپنی فضیلت منوانے کی کوشش کر رہا تھا، اس نے اسے جواب دیا کہ تو اپنی اصل حقیقت کی طرف نظر نہیں کر رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ ان کا جوڑا بنایا گیا۔ پھر بقاء نسل کے لئے مرد وعورت کے مادہ ہائے منویہ کے ملاپ کی صورت رکھی گئی۔ ان سب مقامات سے گزار کر اللہ نے تجھے ٹھیک مرد بنا دیا۔ جس وجود سے تم کام لے رہے ہو، تمہیں اس کے بارے میں علم ہی کیا ہے۔ یہ بہت بڑی ناشکری ہے کہ تم اپنے بنانے والے کا انکار کر رہے ہو، پالنے والے کا انکار کر رہے ہو۔

حاصل: جس توفیق کو اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے دکھایا جا رہا ہو، اس توفیق کے عطا کرنے والے کا ذکر کیے بغیر بات کبھی پوری نہیں ہوتی۔ انسان اپنی حقیقت پر نظر رکھے تو بعث بعد الموت کو ماننا آسان ہو جاتا ہے۔

لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا ربّ ہے، اور میں کسی کو اپنے ربّ کا شریک نہیں ٹھہراتا۔

استکبار کرنے والے کو اس کے دوست نے یہ جواب دیا کہ میرا یہ کہنا ہے کہ اللہ ہی میرا پالنے والا ہے۔ وہی سب کا پالنے والا ہے۔ پالنے کا یہ علم اور کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کسی کو اپنے رب کا شریک ٹھہرانا بڑی جہالت کی بات لگتی ہے۔ کائنات کے نظام میں ربط کا ہونا، ہر شے کا اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنا، ہر ہر نوع کے لئے لوازمات ربوبیت کا صحیح وقت پر اہتمام اور بہت سی باتیں جن کے بارے میں حضرتِ انسان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا، رب العالمین کے علم سے ہو رہی ہوتی ہیں۔

حاصل: بے ہودہ بات کرنے والے کے جواب میں اپنے احساس کو حُسن اور قوت کے ساتھ بیان کرنا چاہئے۔ ربوبیت کا علم رب العالمین کی شان کے لائق ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۚ ﴿۳۹﴾

اور جب تو اپنے باغ میں آیا تھا، تجھے کہنا چاہئے تھا، ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے، ہمیں کچھ قوت نہیں مگر وہی جو اللہ دے، اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کمتر دیکھ رہا تھا۔

شرک سے پاک رہنے والے صاحب نے یہ فرمایا، کہ مجھے مال و اولاد میں کمتر ہونے کا احساس دلانا اگر ضروری تھا تو یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ اللہ کی مشیت ہر مقام پر غالب ہوتی ہے۔ ہمیں جو قوت بھی حاصل ہوتی ہے، اللہ کی ہی دی ہوئی ہوتی ہے۔ کام ہمارے ذمے یہی ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے۔

حاصل: دوسروں کے مقابل اپنی برتری کا احساس خسارے کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر اللہ کی عطا اور اس کی تائید کا ذکرِ خیر کرنا چاہئے، ورنہ نفس کے شح سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کرے، اور اس پر لُو کا ایک جھونکا آسمان سے بھیج دے، تو صبح کو وہ صاف میدان ہو۔

استکبار کرنے والے کو اس کے دوست نے یہ کہا کہ جس برتری کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تم شرک کے مرتکب ہو رہے ہو، وہ ہے تو اللہ کی عطا کردہ توفیق کی بدولت۔ اور جس نے تمہیں یہ کچھ دیا ہے، وہ مجھے اس سے بہتر دے سکتا ہے پھر تمہاری برتری کی حقیقت تم پر کھل جائے گی۔ وہ معطیٔ مطلق جس نے تمہیں یہ سب کچھ دیا ہے، قادرِ مطلق ہے اور اس سرسبز و شاداب باغ کو لُو کے ایک جھونکے کے ساتھ صاف میدان بنا سکتا ہے۔ اس کی قدرت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا، اس کی مشیت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

حاصل: جس کو حقیر ثابت کرنے کی کوشش کی جائے، اللہ کی قدرت اس کی برتری کو منوا لیتی ہے۔ اللہ نے جو کچھ دیا ہے، وہ اسے واپس لینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

یا اس کا پانی صبح کو زمین میں نیچے چلا جائے، پھر اس کو پانے کی استطاعت بھی نہ رہے۔

زیرِ زمین پانی کو ایک خاص حد تک رکھنے سے، اللہ تعالیٰ زمین کی زینت و شادابی کو قائم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ زیرِ زمین پانی کو بہت نیچے لے جائے، تو کون ہے جو اس کا ہاتھ روک سکے اور کون ہے جو اس پانی کو اوپر لانے کی استطاعت کا دعویٰ کرے۔ یہ ایسی بربادی ہوگی کہ انسان کے پاس اس کا کوئی حل نہ ہوگا۔

حاصل: جس کے حکم سے آبادی ہے، اس قادرِ مطلق کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کو جو قوت بھی حاصل ہو، اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ استکبار کرنے والا جب اپنی عدمِ استطاعت کو دیکھتا ہے تو پھر وہ عذاب سے بچ کر بھاگ نہیں سکتا۔

وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

اور اس کے ثمر کا احاطہ کر لیا گیا، تو صبح وہ ہاتھ ملتا رہ گیا، اس مال پر جو اس میں لگایا تھا، اور وہ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا۔ اور کہنے لگا اے کاش میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔

رب العالمین کے علم سے پرورش ہو رہی ہوتی ہے۔ وہ جس مقام پر چاہے اسے روک بھی سکتا ہے۔ باغ جو ثمر پر آیا ہوا تھا اور جس کے بارے میں باغ والے کو یہ خیال تھا کہ یہ کبھی فنا نہ ہوگا، برباد ہو گیا۔ اور جس نے اس میں بہت خرچ کیا تھا، جو بڑی توقعات رکھتا تھا، اگلی صبح

کف افسوس مل رہا تھا۔ باغ کی بربادی کو دیکھنے کے بعد کہنے لگا، اے کاش میں نے کسی کو اپنے رب کے ساتھ شریک نہ کیا ہوتا۔ جس قادرِ مطلق نے یہ عطا کیا تھا، وہ اسے واپس لینے پر بھی قادر تھا، جس نے اسے سرسبز وشاداب کیا تھا وہ اسے برباد بھی کرسکتا تھا۔ عطا کے پیچھے معطی مطلق کو نہ دیکھنا اور اسباب کو اہمیت دیتے چلے جانا شرک ہے۔

**حاصل:** اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنا چاہئے۔ عطا کے پیچھے معطی مطلق کی شان کو بھی دیکھنا چاہئے ورنہ شرک ہوجائے گا، اور شرک ظلمِ عظیم ہے۔

**وَ لَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنۡتَصِرًا ؕ﴿۴۳﴾**

اور اس کے پاس کوئی گروہ نہ تھا کہ اللہ کے مقابل اس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود بدلہ لینے کے قابل تھا۔

جس کو یہ گمان تھا کہ اس کے پاس بہت مال ہے اور بہت کام کرنے والے ہیں، جب اس کے باغ پر بربادی کا مقام آیا تو اسے یہ نظر آیا کہ کوئی طاقت اللہ کے مقابل اس کی مدد نہیں کرسکتی۔ وہ خود بھی بدلہ لینے کے قابل نہیں تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوتی ہے تو انسان کو اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ اس وقت وہ اپنے عجز کا اعتراف تو کرتا ہے، مگر وہ اعتراف اسے فائدہ نہیں دیتا، کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

**حاصل:** اللہ کے مقابل کوئی جماعت مددگار نہیں ہوسکتی۔ قوت تو اللہ کے ساتھ سے ہوتی ہے، جب اللہ سے مقابلہ ہو تو قوت کہاں سے آئے گی۔

**هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ ؕ هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ عُقۡبًا ﴿۴۴﴾** ع ۵ / ۱۷ / ۱۳

واضح ہوا کہ کارسازِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ ثواب بھی وہی بہتر ہے جو وہ دے اور انجام بھی وہی بہتر ہے جو وہ دکھائے۔

کارسازِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ وہی علیم مطلق ہے۔ وہی قادرِ مطلق ہے۔ مشیت بھی اسی کی غالب ہے۔ جو نتیجہ بھی نکلے اس کا مشیتِ الٰہی کے تابع ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اپنی کامیابی کا ذکر کرنے کی بجائے کارسازِ حقیقی کی شان کو بیان کرنا حق ہے۔ جو انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے وہ کسی کو بہتر نظر آئے تو اس کی نظر درست ہے، ورنہ درست نہیں ہے۔ جو اللہ کے دکھائے ہوئے انجام کو بہتر نہ جانے، وہ بے علم بھی ہے، بے حقیقت بھی ہے۔ اللہ سے بڑا ثواب دینے والا کوئی نہیں۔ اس سے بہتر انجام کوئی نہیں ہوسکتا، جو اللہ دکھائے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

**حاصل:** کارسازِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ اپنی کامیابی کی بجائے اللہ کی شان کو بیان کرنا چاہئے۔ اللہ سے بہتر انعام کوئی نہیں دے سکتا۔ اس سے بہتر انجام بھی کوئی نہیں دکھا سکتا۔ یہ معیار ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال (۸) میں ارشاد فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلۡ لِّمَنۡ فِيۡۤ اَيۡدِيۡكُمۡ مِّنَ الۡاَسۡرٰٓى ۙ اِنۡ يَّعۡلَمِ اللّٰهُ فِيۡ قُلُوۡبِكُمۡ خَيۡرًا يُّؤۡتِكُمۡ خَيۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿﴾
اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو قیدی آپ کے ہاتھ میں ہیں ان سے فرمادیجئے، اگر اللہ نے تمہارے قلوب میں بھلائی دیکھی تو جو تم سے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمہیں عطا فرمایا جائے گا اور اللہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اوران کے سامنے حیاتِ دنیا کی مثال بیان کیجئے کہ جیسے ہم نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا، پھر سوکھ کر چورا چورا ہو گیا، ہوا میں اُڑتا ہوا۔ اور اللہ ہر شے پر مقتدر ہے۔

حیاتِ دنیا کی مثال بیان فرمائی گئی ہے اور مقتدرِ اعلیٰ کی شان دکھائی گئی ہے، کہ جیسے بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کیا جائے اور اس سے خوب سبزہ پیدا ہو۔ یہ تازگی اور شادمانی مختصر وقت کے لئے ہوتی ہے۔ پھر اسی سبزے پر سوکھنے کا مقام آجاتا ہے، اور یہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ ہوائیں اس کو اڑا لے جاتی ہیں۔ جس نے نہ ہونے سے ہونا بنایا تھا، وہ ہونے سے نہ ہونے تک سب مقامات لوگوں کو دکھا دیتا ہے۔ اقتدار اسی کے ہاتھ ہے، اقتدار اسی کے ہاتھ تھا اور اسی کے ہاتھ رہے گا۔ کوئی شے اور کوئی وقت، اللہ کے اقتدار سے باہر نہیں ہے۔

**حاصل:** حیاتِ دنیا کا عارضی ہونا حضرتِ انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ پھر فانی شے کو دائمی انعام کے مقابل اہمیت دینے سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہوگی۔

اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

مال اور بیٹے حیاتِ دنیا کی زینت ہیں۔ اور باقی رہنے والی نیکیوں کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر ہے، اور انہی سے اچھی امیدوں کو وابستہ کیا جا سکتا ہے۔

مال اور بیٹے حیاتِ دنیا کی زینت ہیں۔ لوگ اس زینت سے شادمانی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اگر اللہ کی اس عطا کو اپنی خواہشات پر، اپنی غرض وغایت پر ہی لگایا جائے تو یہ اپنے اعمال کو ضائع کر دینے کی صورت ہوگی۔ اور اگر مال اور بیٹوں کو حق کے مطابق تصرف میں لایا جائے، تو یہ باقی رہنے والی نیکیاں ہوں گی۔ ثواب دینے والا اللہ ہوگا، جو مالک کُل ہے۔ حق کی ادائیگی میں ذاتی بھلائی بھی ہوتی ہے۔ اچھی امید کا سب سے بلند مقام یہی ہے۔ مال کو اس طرح خرچ کیا جائے کہ رحمۃ اللعالمین کا اسوۂ حسنہ ہمیشہ ملحوظ رہے، اور بیٹوں کو اس راستے پر رکھا جائے کہ وہ من مانی کرنے کے مقابل خدمتِ خلق میں راحت پائیں، نیکی اور تقویٰ میں ہمیشہ معاون ہوں، گناہ اور زیادتی میں کبھی تعاون نہ کریں، تو یقیناً بہتر معاشرے کی امید کی جا سکتی ہے۔

**حاصل:** مال کو حق کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے۔ بیٹوں کو راہِ راست پر لگانا چاہیئے۔ جو اعمال اللہ کی رضا کے لئے ہوں وہ باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔ ثواب بھی انہی کا بہتر ہے، بہتر انجام کی توقع بھی انہی سے کی جا سکتی ہے۔

وَيَوۡمَ نُسَيِّرُ الۡجِبَالَ وَتَرَى الۡاَرۡضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرۡنٰهُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا ۚ ﴿۴۷﴾

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف میدان دیکھو گے اور ہم انہیں اکٹھا کریں گے پھر کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔

زینتِ زمین کو جس مقصد کے لئے رکھا گیا ہے، اس کے پورا ہونے کے بعد زمین کو صاف میدان کر دیا جائے گا، اور کسی کی یہ مجال نہ ہوگی کہ امرِ الٰہی میں حائل ہو۔ اس دن سب انسانوں کو جمع کیا جائے گا۔ ایک آواز سے سب لوگ کھنچے چلے آئیں گے۔ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، وہ اس دن کو بہت بھاری جانیں گے۔ وہ مرسلین کی صداقت کو تو تسلیم کریں گے، مگر یہ تسلیم انہیں نفع نہ دے گی، کہ اصلاحِ حال کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔

**حاصل:** ہمارا کام کبھی بے مقصد نہیں ہونا چاہئے۔ مقصود اللہ کی رضا ہو تو تائید ایزدی کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا۔ اصلاح کو قبول کرنے کا وقت صرف اور صرف حال ہوتا ہے۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

اور سب تمہارے ربّ کے حضور صفیں باندھے پیش ہوں گے۔ تم ہمارے پاس ویسے ہی آئے جیسے تمہیں پہلی بار خلق کیا تھا، بلکہ تمہیں زعم تھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ نہ مقرر کریں گے۔

قلباً جس کو تسلیم کیا جائے عملاً اس کی صفات کو اپنایا جاتا ہے۔ جس کی صفات کو اپنایا جائے، اسی کی امامت قبول ہوتی ہے۔ مستقبل میں اسی امامت کے ساتھ رب کے حضور پیشی ہوگی۔ خلقِ اوّل میں بھی کسی کی پسند کو دخل نہ تھا، خلقِ آخر میں بھی کسی کی پسند کو دخل نہ ہوگا۔ منکرینِ حق کو گمان تھا کہ اللہ نے انہیں بے مقصد پیدا کیا ہے، اس لئے وہ جزا کا انکار کرتے تھے۔ مگر جزا کے انکار سے بعث بعد الموت کے وقوع کو محال نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

**حاصل:** جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اُسی مالکِ حقیقی کی طرف واپسی بھی ہوگی۔ نہ آنے میں ہماری پسند کو کوئی اہمیت حاصل تھی نہ واپس جانے میں ہماری پسند کو اہمیت حاصل ہوگی۔ عمل کی بنیاد اگر جزا کے انکار پر ہو تو عمل کرنے والے نے خود خسارے کو اپنے لئے پسند کیا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع ۶ ۱۸

اور جب اعمال نامہ رکھا جائے گا، تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے ہوئے سے ڈر رہے ہوں گے۔ اور ان کا قول ہوگا، ہائے خرابی ہماری! یہ کیسی کتاب ہے، کہ اس نے نہ صغیرہ چھوڑا ہے اور نہ کبیرہ جسے سنبھال نہ لیا ہو۔ اور وہ اپنے کیے کو حاضر پائیں گے۔ اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

نامۂ اعمال مجرمین کے بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ یہ نشانی واضح کر دے گی، کہ خلافِ حق رُخ رکھنے والا اپنے کیے کے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ آگے عذاب ہے، واپسی کی کوئی راہ نہیں۔ بھاگ جانا ممکن نہیں۔ اپنے اعمال کو اس طرح دیکھ کر کہ وہ بالکل پوری طرح ان کے سامنے

ہوں گے، بڑا ڈر پیدا ہوگا۔ اور وہ کہیں گے، ہائے خرابی ہماری، اس نوشت میں تو سب کچھ پورا پورا درج ہے۔ جزا کا انکار مجرم کے اعمال کی بنیاد ہوتا ہے۔ جب جزا کا انکار محال ہو جائے تو منکر کا کیا دھرا سب اس کے لئے دُکھ بن جائے گا۔ رب لوگوں کو پالتا ہے، ظلم اس کی شان کے لائق ہی نہیں، لوگ خلافِ حق کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

**حاصل:** مجرم حال پر بھی اپنے اعمال کے انجام سے ڈرتا ہے اگر اسے جزا کا یقین ہو، آخرت میں تو اسے سزا سے بچانے والا کوئی نظر نہ آئے گا۔ ہمارا معاملہ کہیں بھی خلافِ حق نہیں ہونا چاہئے۔

**شہادت:** ابلیس کا یہ کہنا کہ وہ سب کو بہکائے گا، سوائے مخلصین کے، مجرمین کے بارے میں سچ ثابت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا (۳۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ اور بے شک ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا، تو انہوں نے اس کی پیروی کی، سوائے مومنین کے فریق کے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰

اور جب ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ یہ جنوں سے تھا، تو اس نے اپنے رب کے امر سے فسق کیا۔ تو کیا اس کو اور اُس کی ذریّت کو میرے مقابل دوست ٹھہراتے ہو، اور وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کو کیا ہی برا بدل ملا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے فرشتوں پر واضح فرما دیا تھا، کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا جائے گا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دی جانے والی توفیق دیکھتے ہوئے یہ کہا کہ اس سے تو زمین میں ناحق خون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ 'مجھے خوب علم ہے، تمہیں علم نہیں۔' (۲:۳۰) جب فرشتوں کو امر دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا۔ ابلیس بھی امر الٰہی کا سننے والا تھا مگر اس نے سجدہ نہ کیا۔ یہ جنوں سے تھا۔ اس نے حکمِ الٰہی کو سنا، مگر تعمیل کی بجائے اپنی پسند کو اہمیت دی۔ یہ پہلی منافقت تھی۔ یہ پہلا فسق تھا۔ جب ابلیس کو رجیم قرار دیا گیا اور وہ مردود ٹھہرایا گیا تو اس نے کہا کہ مجھے مہلت ملی تو آدم علیہ السلام کی اولاد کو پیس ڈالوں گا۔ ابلیس کی انسان دشمنی کے بارے میں کبھی غافل نہ ہونا چاہئے۔ اگر حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دی جائے گی، تو یہ اللہ کے مقابل ابلیس اور اس کی اولاد کو دوست بنانے والی بات ہوگی۔ اس کا انجام خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ رحم کرنے والا، محبت کرنے والا ہے۔ اس کے مقابل جس نے ہم سے دشمنی کو مقصدِ حیات بنا لیا ہے، اس کی دوستی سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ یہ بہترین کے مقابل بدترین کو اپنانے والی بات ہے۔ ظالموں کے لئے کیا ہی بُرا بدل ہے۔

**حاصل:** حق کو ماننا ضروری ہے۔ حکم کے سننے کے بعد صرف تعمیلِ حکم کا وقت ہوتا ہے۔ حکمِ حق میں اپنی پسند کو داخل کرنا فسق ہے۔ یہ اللہ کے مقابل شیطان کی دوستی کو پسند کرنے والی بات ہے، بہترین کے مقابل بدترین کا انتخاب ہے اور انتہائی ظلم ہے۔

مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

نہ میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر شاہد بنایا تھا نہ خود ان کی اپنی تخلیق پر، اور میں وہ نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنالوں۔

اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آسمانوں اور زمین کا مقصدِ تخلیق پہلے متعین کیا گیا، بعد میں ان کی تخلیق ہوئی۔ خود حضرت انسان کا مقصدِ تخلیق پہلے متعین ہوا، تخلیق بعد میں ہوئی۔ کس کو یہ دعویٰ ہے کہ اسے تخلیق کے عمل میں شریک کیا گیا ہے یا اسے مشیر کار بنایا گیا ہے۔ جب یہ دعویٰ ہی کسی کے بس کی بات نہیں تو پھر اللہ کے شریک ٹھہرانے کی صورت کیسے پیدا ہو جائے گی۔ حق کی راہ دکھانے والے اور حق کی راہ سے بہکانے والے برابر نہیں ہوتے۔ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہوتے۔ ناپاک کو اللہ کا ساتھ نصیب ہو یہ ناممکن ہے۔ پاک لوگوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے، ناپاک لوگوں کو اللہ کی رضا سے کراہت ہوتی ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے خلاف کرتے ہیں، لوگوں کو حق کی راہ سے بہکاتے ہیں، انہیں قربِ الٰہی کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔

**حاصل:** کسی شے کو اسی مقصد کے مطابق استعمال کرنا چاہئے جس کے لئے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو کبھی مدد نہیں دینی چاہئے۔ ان سے کبھی مدد لینی بھی نہیں چاہئے۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف رکھنا لازم ہے۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

اور جس دن فرمائے گا، پکارو میرے شریکوں کو جن کا تمہیں زعم تھا، تو وہ انہیں پکاریں گے، پھر وہ انہیں جواب نہ دیں گے، اور ہم ان کے مابین ہلاکت کی خلیج ٹھہرادیں گے۔

جزا کے دن، منکرینِ حق سے فرمایا جائے گا، جن کے بارے میں تمہیں زعم تھا کہ وہ اللہ کے شریک ہیں، اس وقت انہیں پکارو۔ مشرک اپنے معبودوں کو پکاریں گے، مگر انہیں جواب نہیں ملے گا۔ اس دن تو کسی کی مجال ہی نہ ہوگی کہ وہ اپنے معبود ہونے کا دعویٰ کرے۔ مشرک اپنے معبودوں کو پکار کر ان سے اپنے تعلق کو تسلیم کریں گے، ان کے معبود جواب نہ دے کر اس تعلق کی نفی کرنے کی راہ لے رہے ہوں گے۔ مشرکین اور ان کے معبود جس رفاقت کو بڑی اہمیت دیتے تھے، وہ رفاقت بے حقیقت ہو جائے گی، اور ان دونوں کے مابین ہلاکت کی خلیج حائل ہو جائے گی۔ انسان جب بھی خلافِ حق کرتا ہے تو اسے اپنے اختیار اور اقتدار کا زعم ہوتا ہے، حالانکہ اللہ کی عطا یہ دیکھنے کے لئے ہوتی ہے کہ بندہ کون سا رُخ اختیار کرتا ہے۔ جو رُخ اختیار کرے اسی کی جزا پاتا ہے۔

**حاصل:** اپنے اختیار کو، اپنے اقتدار کو خلافِ حق استعمال کرنا، خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ جزا دینے والے کی قدرت ہر مقام پر محیط ہے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْۤا

اور مجرم آگ کو دیکھیں گے، تو سمجھیں گے کہ

اَنَّهُمۡ مُّوَاقِعُوۡهَا وَلَمۡ يَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا ۝۵۳ ع
انہیں اس میں گرنا ہے اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔

جزا کا دن مجرمین پر بھاری ہوگا۔ جب وہ جہنم کو دیکھیں گے تو انہیں سمجھ آ جائے گی کہ یہی جگہ ہے جس میں انہیں گرنا ہے، اور اسی جگہ کے متعلق مرسلین نے آگاہ کیا تھا۔ یہاں سے راستہ بدل کر نکل جانا ممکن نہ ہوگا۔ متوقع سزا سامنے ہو، بچ جانا ناممکن ہو، تو سزا کے وارد ہونے سے پہلے بھی جو دکھ پہنچتا ہے اس کو کسی پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔

**حاصل:** جزا کا یقین نہ ہو تو اپنے رویئے میں احتیاط کہاں سے آئے گی۔ ایسا انسان جزا کو سامنے پا کر اور بچ جانے کو ناممکن دیکھ کر بڑے دکھ میں پڑتا ہے۔ جو راستہ بھی اختیار کیا جائے، اس کے درست ہونے کا یقین ہونا چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (۲۸) میں ارشاد فرمایا ہے۔ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝ جو نیکی لائے، اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور جو بدی لائے تو بدکاروں کو بدلہ نہ ملے گا مگر جو انہوں نے کیا تھا۔

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ اَكۡثَرَ شَىۡءٍ جَدَلًا ۝۵۴
اور بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال طرح طرح سے بیان فرمائی۔ اور انسان سب چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔

علم الٰہی سے بڑا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے انسانی بھلائی کے لئے اللہ سے بڑی بات کسی کی نہیں ہو سکتی۔ حضرت انسان اللہ کے فرمان کو اہمیت نہ دینے سے الجھتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اجتماعی فساد، انسانی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ تب انسان کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ انسان کے پاس، اس کے گمان سے پیدا ہونے والے علوم کی روشنی میں، انسانی زندگی کے مسائل خصوصاً اجتماعی مسائل کا حل نہیں ہے۔ تب وہ علم الٰہی کو مانے گا۔ پھر ایسے مانے گا، جیسے ماننے کا حق ہے۔ خالقِ کُل کو انسان سے کتنا پیار ہے، انسان کو اپنے تجربات کے حوالے سے اس کا کچھ بھی علم ہو جائے تو رضائے الٰہی کے خلاف کرنے سے اسے ہمیشہ کراہت ہو۔ خطا کے بعد جو فوراً گرفت نہیں کرتا، بچ جانے کی مہلت بھی دیتا ہے، مہربانی اور رحم بھی کرتا ہے، اس سے بڑا انسان کا دوست اور بہی خواہ کوئی نہیں ہے۔ جو ہمارے عمل کی طرف نہ دیکھے، اپنے کرم کی طرف ہی دیکھے، اس سے بڑا کریم کوئی نہیں ہے۔ انسان جب بھی اپنے علم کے حوالے سے، اپنی پسند کے حوالے سے حق کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ جھگڑا کرتا ہے۔ انسان کے لئے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ کا ہر حکم علم مطلق سے ہے۔ انسان اسے جاننے کی کوشش جتنی بھی کرے الجھتا ہی چلا جائے گا، اور بے یقینی وسیع ہوتی جائے گی۔ حق کو ماننے سے جو پتہ چلے گا، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہے۔ انسان اپنے علم کے پیمانے سے حق کو جانچنے کی کوشش کرے، تو یہ بڑی بے سمجھی کی بات ہے۔ یہی بے سمجھی جھگڑے کی جان ہوتی ہے اور انسان اپنی اس بے سمجھی کو اپنا کمال جانتا ہے۔

**حاصل:** اللہ کی بیان کردہ ہر مثال میں حکمت موجود ہوتی ہے، علم موجود ہوتا ہے۔ حق کو ماننے سے ہی حکمت و علم

کو پانا ممکن ہوتا ہے۔ کبھی اپنے گمان کو، حق کے جانچنے کے لئے پیمانہ نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ جھگڑے کی بنیاد معلوم ہو تو جھگڑا ختم ہوسکتا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

اور کس نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ہدایت ان کے پاس آئی کہ وہ اپنے رب سے استغفار کرتے، مگر یہ کہ پہلوں کا دستور آئے یا عذاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو۔

لوگوں کو اس بات پر حیرت ہوتی رہی ہے کہ بشر کیسے رسول ہوسکتا ہے، بشریت کے تقاضے اللہ کی بندگی کے ساتھ میل نہیں کھاتے۔ مگر پہلے بھی بشر ہی رسول ہوتے رہے ہیں۔ بشر ہی انسانوں کے لئے کامل نمونہ ہوسکتا ہے۔ ہدایت کا انسان کی زندگی میں لانا، اللہ کی شان ہے۔ اللہ سے بخشش طلب کرتے ہوئے اس ہدایت سے فیض پانا بندے کا کام ہے۔ اگر لوگ غفلت کا مظاہرہ کریں تو پھر وہ اسی انتظار میں ہیں کہ جو پہلے منکرین حق کے ساتھ ہو چکا ہے، وہ ان کے ساتھ بھی ہو۔ یا عذاب کے انتظار میں ہیں، جو ان کے سامنے آ کھڑا ہو اور انہیں اپنی حیثیت کا پتہ لگ جائے۔ مگر اس وقت حق کو ماننا فائدہ نہ دے گا۔ نفس کا مزاج یہی ہے کہ انسان کو انعام کی طرف جانے نہیں دیتا، خواہشات میں الجھائے رکھتا ہے۔ اگر انعام کا مقام اسے آتا دکھائی دے، تو بڑے انعام سے روکتا ہے، چھوٹے کی طرف رُخ کرتا ہے۔ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ بڑے فائدے کے حصول کے لئے چھوٹے فائدے کو قربان کر دیا جائے۔ لوگوں کو حق کی عظمت کا پتہ حق والوں سے ہی لگ سکتا ہے، اس لئے کہ حق والے کبھی اپنی بات نہیں کرتے۔ ان کا کردار، ان کا اخلاق اپنے شاہد کے حوالے سے ہوتا ہے۔

**حاصل:** ہدایت کا لوگوں کے سامنے لانا، اللہ کی شان ہے۔ بخشش طلب کرتے ہوئے، اس سے استفادہ کرنا بندوں کا کام ہے۔ غفلت کے معنی یہی ہیں کہ خاتمہ بالخیر نہ ہو۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

اور ہم مرسلین کو بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے ہی بنا کر بھیجتے ہیں۔ اور کفر کرنے والے باطل کے حوالے سے جھگڑتے ہیں، کہ اس سے حق کو ہٹا دیں۔ اور انہوں نے میری آیات اور جو ڈر انہیں سنائے گئے، کا مذاق اڑایا۔

مرسلین ہمیشہ حق پر قائم رہنے والوں کو ان کے نیک انجام کی بشارت دیتے رہے ہیں، خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے برے انجام سے ڈراتے رہے ہیں۔ کافروں کا جھگڑنا باطل دلائل کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ باطل کی تکرار سے حق کو ڈگمگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جس انجام سے اُنہیں ڈرایا جاتا ہے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذاق اڑانے سے حقائق بدل نہیں جاتے، مذاق اڑانے والے ضرور اپنے غیر سنجیدہ رویئے کی وجہ سے خسارے کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

حاصل: مرسلین کی بات سند ہوتی ہے۔ کافروں کے دلائل ہمیشہ بے سند ہوتے ہیں۔ مذاق اڑانے سے حقائق بدل نہیں جاتے۔ ہمیں اپنے رویے کو اس آئینے میں دیکھنا چاہئے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون، جس کے سامنے اس کے رب کی آیات کا ذکر کیا جائے تو وہ ان سے اعراض کرے، اور اسے بھول جائے جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ بے شک ہم نے ان کے قلوب پر غلاف ٹھہرا دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

خلاف حق کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔ اللہ کی آیات کا مذاق اڑانے والا اور انذار کا استہزاء کرنے والا اظلم ہوتا ہے۔ ظالم سے ہی اظلم بنتا ہے۔ جب اس کے سامنے اس کے رب کی آیات کا ذکر ہو تو وہ اعراض کرتا ہے۔ جزا کے انکار کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اُسے اپنا کیا ہوا بھول جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے قلوب پر غلاف ٹھہرا دیئے جاتے ہیں۔ وہ حق سے کراہت کرنے کی وجہ سے صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ حق کو سننا بھی انہیں پسند نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا جائے تو وہ کبھی ہدایت نہیں پاتے۔ جو فاسق ہو جائے اسے ہدایت دینا ناممکن ہوتا ہے۔ ہدایت سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، جسے فلاح کی طلب ہو۔

حاصل: اپنے رب کی آیات کو سن کر ان سے اعراض کرنے والا اور اپنے کیے کے انجام سے غافل رہنے والا اظلم ہوتا ہے۔ جو قلب سمجھ سے عاری ہو جائے، جو کان حق کو سننے سے انکاری ہو جائے، ان سے صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کبھی مدد نہیں ملتی۔ اپنے قلب اور کان کی حفاظت کرنی چاہئے کہ یہ حق سے مانوس رہیں۔

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾

اور تمہارا ربّ بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔ اگر وہ انہیں ان کے کسبوں پر پکڑتا تو انہیں جلد عذاب کرتا۔ بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ ہے، جس کے سامنے کوئی پناہ نہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی خطاؤں پر جلدی نہیں پکڑتا، بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے۔ اس مہلت میں وہ تدبّر کر سکتے ہیں، تفکر کر سکتے ہیں۔ دیکھ سکتے ہیں، انہیں کیا کرنا چاہئے تھا اور انہوں نے کیا کیا ہے۔ اگر وہ تلاوت الوجود سے اپنی خطاؤں پر نادم ہوں، بخشش کے طالب ہوں، تو اللہ ان کو بخش دیتا ہے اور انہیں اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ اگر کوئی خلاف حق کرنے کو اپنا معمول بنا لے، تو عذاب میں تاخیر ایک معین وعدہ تک ہوتی ہے۔ کسی مجرم کی یہ مجال نہیں کہ سزا کا وقت آنے سے پہلے اِدھر اُدھر ہو جائے، یا کہیں پناہ پکڑ لے۔ عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا

نفع نہیں دیتا۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا نہیں ہوتا، اور عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو تو سچا ثابت ہونا ناممکن ہوتا ہے، اس لئے ایسے وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

**حاصل:** لوگوں کی خطاؤں پر گرفت کرنے میں اللہ کی سنت کو معیارِ مطلق جاننا چاہیے۔ جلد بازی اللہ کو پسند نہیں۔ خطا کے بعد جو اصلاح حال کی طرف آجائے اسے معاف بھی کرنا چاہیے، ممکن سہولت بھی دینی چاہیے۔ اللہ کی گرفت سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا، اور یہ گرفت ہمیشہ اتمامِ حجت کے بعد ہوتی ہے۔

وَتِلْكَ الْقُرَىٰٓ أَهْلَكْنَٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا۟ وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع ۸/۶/۲۰

اور یہ بستیاں ہم نے ان کے ظلم کی بدولت ہی ہلاک کیں، اور ہم نے ان کی ہلاکت کا وعدہ ٹھہرا رکھا تھا۔

خلافِ حق کرنا ظلم ہے۔ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جس بستی میں ظلم لوگوں کا معمول ہو جائے وہ ہلاکت کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاکت کے وعدے سے پہلے اتمامِ حجت ضرور کیا جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے کسی بستی کی حیثیت ہی کیا ہے۔

**حاصل:** خلافِ حق کرنے کو باعثِ ہلاکت جاننا چاہیے۔ بستی کی اجتماعی بھلائی سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں ظلم ہوگا، وہاں ہلاکت کا وعدہ بھی پورا ہوگا۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء (۲۶) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٢٠٩﴾ اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہ کی، جسے ڈرسنانے والے نہ ہوں۔ نصیحت کے لئے۔ اور ہم ظلم نہیں کرتے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَىٰهُ لَآ أَبْرَحُ حَتَّىٰٓ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِىَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے فرمایا، میں مجمع البحرین پر پہنچے بغیر نہ رہوں گا چاہے مدتوں چلنا پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ فرما دیا گیا تھا کہ جن صاحب سے آپ ملنا چاہتے ہیں ان سے آپ کی ملاقات دو دریاؤں کے سنگھم پر ہوگی۔ آپ نے اپنے خادم کو مذکورہ مقام پر پہنچنے کے لئے اپنے ارادے کے متعلق بتایا اور اسے احساس دلایا کہ یہ سفر بہت طویل بھی ہو سکتا ہے۔ مدتوں چلنا پڑے تو بھی حصولِ مقصد کے لئے چلنا ہے۔ جو ساتھی سفر کی صعوبت کے پیشِ نظر کم ہمتی کا مظاہرہ کرے، اس کی ہمراہی خلاف حکمت ہوتی ہے۔

**حاصل:** سفر میں ساتھی کا ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ساتھی کو سفر کی طوالت اور صعوبت کے بارے میں آگاہ کرنا ضروری ہے۔ ہمراہی کو اپنے صاحب کے ساتھ سکھ دینے کے ارادے سے رہنا چاہیے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

پھر جب دونوں، دریاؤں کے ملاپ کے مقام پر پہنچے اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے دریا میں سرنگ بناتے ہوئے راہ لی۔

مقام مطلوب پر پہنچنے کے لئے جو نشانی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان ساتھی کو بتائی تھی وہ دو دریاؤں کے ملنے کا مقام تھا، اور یہ مقام بھی وسیع علاقے پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ دوسری نشانی کا جو علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھا، آپ کے خادم کو نہیں تھا۔ مچھلی کا دھیان رکھنے کی بات اس نے ضرور سنی تھی۔ خادم نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے سامنے مچھلی، جو وہ بطور خوراک اپنے ساتھ رکھتے تھے، زندہ ہوگئی اور دریا میں اچھل کر گری اور پانی میں اپنا راستہ بناتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ واقعہ بہت عجیب تھا۔ خادم اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا، مگر بھول گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استراحت سے بیداری کے بعد مستعد خادم نے سفر کو معمول کے مطابق شروع کرنے میں دیر نہیں کی، اور مچھلی کے دریا میں چلے جانے کا واقعہ بیان کرنا اسے یاد نہ رہا۔

**حاصل:** ساتھی کو اپنے صاحب کے سامنے اپنے مشاہدات کو بیان کرتے رہنا چاہئے۔ جو علم صاحب کو ہوتا ہے وہ ساتھی کو نہیں ہوتا۔ خدمت کرنے والے کو، اپنے صاحب کی نظر سے دیکھنے کا علم نہ ہو تو کوتاہی ضرور ہوتی ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

پھر جب وہاں سے گزر گئے تو آپؑ نے اپنے خادم سے فرمایا، ہمارا کھانا لاؤ، بے شک ہمیں اپنے اس سفر میں تکلیف کا سامنا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی مدد اتنے طریقوں سے کی جاتی ہے، کہ ان سب کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پر بھوک کا احساس اور تھکن کا احساس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بہت بڑی مدد تھی۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا، بھوک بھی ہے، تھکان بھی محسوس ہو رہی ہے، یہاں کھانا کھانے کے لئے رک جانا چاہئے۔

**حاصل:** اللہ جتنے علم سے بندے کی مدد کرتا ہے، وہ علم کسی دوسرے کو ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے اللہ کی مدد سے بڑی کوئی مدد نہیں ہوتی۔ حال پر اللہ کی مدد سے فائدہ اٹھانا بندے کا کام ہوتا ہے۔ سفر میں ساتھی اور سامان سفر لازم ہیں۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

عرض کرنے لگا، دیکھئے جب ہم چٹان کے پاس رُکے تھے، تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا، اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ اس کے بارے میں آپ سے عرض کروں، اور عجیب بات ہے کہ اس نے دریا میں اپنی راہ لی۔

کھانا لانے کے حکم کو سن کر خادم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے معذرت پیش کی اور یہ کہا حضرت جب ہم چٹان کے پاس

رکے تھے، اور آپ کو یاد ہے وہ کیسی جگہ تھی، وہیں یہ عجیب واقعہ میرے مشاہدے میں آیا، کہ مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی۔ مجھے اس واقعہ کا آپ سے ذکر کرنا تھا، میں بھول گیا۔ مجھے شیطان ہی نے اس واقعے کا آپ کی خدمت میں عرض کرنا بھلا دیا۔

**حاصل:** خادم کو اپنے معمول کے کاموں کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جو اہم واقعات اس کے سامنے آئیں، ان کا ذکر اپنے مخدوم سے اولین فرصت میں کرے، منشاء حصولِ علم ہونا چاہئے۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

فرمایا یہی تو ہم چاہتے تھے۔ تو وہ اپنے قدموں کے آثار پر پیچھے پلٹے۔

مچھلی کے بارے میں خادم کی بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، یہی تو ہمارے لئے حصول مقصد کی علامت ہے۔ جہاں یہ عجیب واقعہ تمہارے دیکھنے میں آیا ہے، وہیں ہماری ملاقات ان صاحب سے ہوگی جن کی طلب ہمیں یہاں لائی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے قدموں کے نشانات کو دیکھتے ہوئے واپس ہوئے، اور احتیاط سے اسی مقام پر آئے جہاں مچھلی نے پانی میں راہ لی تھی۔

**حاصل:** مطلوبہ مقام کی علامت کو یاد رکھنا چاہئے۔ جب یہ یقین ہو کہ وہ مقام پیچھے رہ گیا ہے تو احتیاط سے اس مقام پر واپس جانا چاہئے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾

پھر ہمارے عباد سے ایک عبد کو پایا، جسے ہم نے اپنی رحمت اور علم لدنی سے نوازا تھا۔

یہ صاحب جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے کی طلب تھی، حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اللہ نے ان کو اپنے بندوں میں سے ایک بندہ فرمایا ہے۔ یہ حضرت اللہ کی رحمت اور علم لدنی سے نوازے گئے تھے۔ اللہ کی رحمت یہ ہے کہ اشیاء کو یہ انتظار ہو کہ اللہ کا بندہ انہیں استعمال میں لائے گا، بندے کو یہ اطمینان ہو کہ جو کچھ موجود ہے، ضرورت اس کے مقابل میں بہت ہی کم ہے۔ علم لدنی وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جسے چاہے عطا فرماتا ہے، اور جہاں اللہ چاہے وہ اس علم کا استعمال کرتے ہیں۔ اس علم سے جو عنوان رکھ دیا جائے، وہ ہمیشہ پورا رہتا ہے۔

**حاصل:** حضرت خضر علیہ السلام کی شان یہ ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے بندوں سے ایک بندہ فرمایا ہے۔ دو انعامات سے ان کو نوازا گیا ہے: اللہ کی رحمت اور علم لدُنی۔ ان کے بارے میں ان کا مقام متعین کرنے کی باتیں غیر ضروری ہیں۔ ایسے حضرات کے متعلق یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ ان کے کام میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہوتا، وہ جو کرتے ہیں حکمِ الٰہی سے کرتے ہیں۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے آپ سے کہا، کیا میں آپ کا اتباع کروں، اس پر کہ آپ مجھے تعلیم فرما دیں گے جو علم رشد آپ کو عطا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے بعد، اپنی آمد کا منشاء بیان کیا۔ مقصد حصول علم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس علم رشد کے قدردان تھے اور اس علم کے حصول کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کی پیروی کے لئے تیار تھے۔ جس سے علم حاصل کرنا مقصود ہو، اس کی پیروی کرنا لازم ہوتا ہے۔

**حاصل:** کسی صاحبِ علم کے پاس حاضری کا شرف حاصل ہو، تو حصولِ علم کی درخواست کرنی چاہئے۔ سیکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سکھانے والے کی پیروی کی جائے۔

**قَالَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿٦٧﴾** جواب دیا، آپ کے لئے میری معیّت میں صبر کے ساتھ رہنا مشکل ہوگا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا، اس علم کے حصول کی طلب یقیناً آپ نے ظاہر کی ہے، مگر میرے ساتھ رہتے ہوئے آپ کے مشاہدے میں ایسے امور آئیں گے جہاں آپ کو میرا عمل کہیں حق کے مطابق نظر آئے گا، کہیں حق کے خلاف نظر آئے گا۔ جہاں آپ کو میرا عمل خلافِ حق معلوم ہو وہاں سکوت اختیار کرنا آپ کے لئے بہت مشکل ہوگا، اس لئے کہ آپ کا منصب ہی ایسا ہے۔

**حاصل:** جو خلافِ حق امور کو روکنے پر مامور ہو، اس کے لئے کسی واجب الاحترام کے بظاہر خلافِ حق عمل کو دیکھ کر بھی سکوت اختیار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ عہدے کا اثر مزاج پر ہوتا ہے۔

**وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿٦٨﴾** اور اس بات پر کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ علم میں نہیں ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مرتبے کے حوالے سے انہیں کسی فرد یا جماعت کی بظاہر حق تلفی کو دیکھ کر حدودِ شرعی کے مطابق بات کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا واسطہ ہی بہت کم لوگوں سے ہوتا ہے۔ وہ جو بھی کرتے ہیں، امرِ الٰہی سے کرتے ہیں۔ حکمت اس میں ضرور ہوتی ہے۔ اس حکمت کا پتہ ابتداً اسی کو لگ سکتا ہے، جس کو اللہ پتہ دینا چاہے۔ کسی واقعہ پر بندے کا ردِ عمل، اس کے موجودہ علم کے حوالے سے ہی ہوتا ہے۔

**حاصل:** اپنے علم کے حوالے سے بات کرتے ہوئے یہ کہنا چاہئے، کہ اللہ سب سے بڑا جاننے والا ہے، اور بندہ صرف وہی جانتا ہے جس کی اسے توفیق دی گئی ہے۔

**قَالَ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِىۡ لَكَ اَمۡرًا ﴿٦٩﴾** کہا عنقریب انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی امر کے خلاف نہ کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا، آپ کے ساتھ صبر سے رہنا یقیناً آسان نہیں ہے، اللہ نے چاہا تو میں اپنے صبر کا ثبوت دوں گا اور آپ کے کسی امر کے خلاف نہیں کروں گا۔ آدابِ معیت یہ ہیں کہ حق کا طالب اپنے مطلوب کے پاس پہنچنے تک متحرک رہے۔ مطلوب کے پاس پہنچ کر اس کی پسند سا کن ہو جائے۔ مطلوب کی بات اس کی سمجھ میں آجائے تو شکر کرے، نہ آئے تو صبر کرے۔ اور

اس صبر کے معنی یہ ہوں کہ بات مخلص کی ہے، اس لئے خلاف حق نہیں ہو سکتی، مجھ پر واضح ہونے کا مقام آئے گا تو واضح ہو جائے گی۔ اپنے مطلوب کے امر کے خلاف کرنا، ادب کے منافی ہے، اور ادب حصول علم کے لئے لازم ہے۔

حاصل: مطلوب کی معیت میں رہنے کے آداب یہ ہیں، کہ اس کی بات سمجھ میں آجائے تو شکر کیا جائے، سمجھ میں نہ آئے تو صبر کیا جائے اور ادب سے اس کے احکام کو مانا جائے۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝۷۰ ع ۱۱ ۲۱

کہا، اگر آپ میرا اتباع کرتے ہیں تو کسی شے کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کیجئے، حتیٰ کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کروں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا، اگر آپ میرے ساتھ رہنے پر مصر ہیں تو یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ کسی شے کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کیجئے، دیکھتے چلے جایئے۔ جب میں آپ سے کسی شے کا ذکر کروں تو یقیناً وہ وقت ہوگا جب آپ مزید وضاحت کے لئے سوال کر سکتے ہیں۔

حاصل: سکھانے والا جب عمل کر رہا ہو، تو اس کو دیکھتے رہنا چاہئے۔ سوال اسی وقت کرنا چاہئے جب سکھانے والا خود اس بات کا ذکر کرے جس کو جاننا مطلوب ہو۔ عمل میں بولنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ اور بے شک ہم نے اس قرآنِ پاک میں ہر قسم کی مثال بیان فرمائی کہ کسی طرح وہ نصیحت مانیں۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ۝۷۱

اب دونوں چلے، حتیٰ کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، جس میں اس بندے نے شگاف کر دیا۔ کہنے لگے کیا آپ نے اس میں اس لئے شگاف ڈالا ہے کہ اس کے اہل کو غرق کر دیں، بے شک یہ تو بڑی سخت حرکت ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر شروع ہوا۔ آدابِ معیت واضح ہو چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اتباع کے عزم کے ساتھ سفر شروع کرتے وقت یہ نہیں پوچھا کہ حضرت ہم کس منزل کی طرف جا رہے ہیں، کتنی دیر کا سفر ہوگا، یا جو بھی ممکن سوالات ہو سکتے تھے۔ آپ نے اپنے عہد کے مطابق کوئی سوال نہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی میں شگاف ڈال دیا جس میں آپ سوار ہوئے۔ اس کشتی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کچھ دوسرے لوگ بھی سوار تھے، یہ سب اہلِ کشتی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عمل سے اس قدر تکلیف ہوئی کہ آپ بول اٹھے، یہ کیا حرکت ہے، اس سے تو لوگوں کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منصب ہی ایسا تھا کہ وہ لوگوں کو احسان کی تعلیم دیتے تھے، خلافِ حق کرنے سے روکتے تھے۔ اچانک ایک ناگوار عمل کو دیکھ کر آپ بول اٹھے

اور وہ عہد جو خاموش رہنے کے حوالے سے آپ نے کیا تھا، یاد نہ رہا۔

**حاصل:** سفر میں امامِ سفر کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ جو امیر ہو، حاکم ہو، اس کے حکم کی اطاعت میں اپنی پسند کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔ خلافِ حق عمل کو دیکھ کر خاموش رہنا اسی وقت گناہ ہے، جب عامل کے مخلص ہونے کا یقین نہ ہو، اور یہ احساس بھی ہو کہ خاموش رہنے کی وجہ سے دیکھنے والا بھی اس عمل میں شریک ہو گیا ہے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾

کہا، کیا میں نے نہ کہا تھا کہ آپ کو میری معیت میں صبر کی استطاعت نہ ہو گی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبصرے کے جواب میں صرف یہ کہا، کہ میں نے تو یہی کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر سے رہنا آپ کے لئے مشکل ہو گا۔ جس کے خلوص کا اعتراف ہو، حال پر اس کا عمل خلاف حق بھی نظر آئے تو یہی کہنا درست ہوتا ہے، کہ یہ مقام میرے احاطۂ علم سے باہر ہے اس لئے اس مقام پر خاموش رہنا بہتر ہے۔

**حاصل:** اگر ساتھی کو صبر کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہو، تو اسے یاد دلانا چاہئے کہ موجودہ صورتِ حال کے بارے میں اس کو آگاہ کر دیا گیا تھا۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

کہا، میری بھول پر مواخذہ نہ کیجئے، اور میرے کام کو مشکل نہ بنائیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا عہد یاد آیا تو فوراً آپ نے یہ کہا، میری بھول پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے کام کو مشکل نہ بنائیے۔ سکھانے والے کی مہربانی سے ہی ساتھ کو نباہنا ممکن ہوتا ہے۔

**حاصل:** بھول ہو جائے تو اعتراف میں دیر نہیں کرنی چاہئے اور طالب علم کو آسانی کے لئے درخواست بھی کرنی چاہئے۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

پھر دونوں چلے، حتیٰ کہ ایک لڑکے سے ملے۔ اس بندہ نے اسے قتل کر دیا۔ کہا، کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دیا ہے، بیشک آپ نے ممنوعہ کام کیا ہے۔

کشتی کے واقعہ کے بعد پھر دونوں حضرات چلے، اور ایک لڑکے سے ملے۔ حضرت خضر علیہ السلام تو جیسے اس لڑکے کی تلاش میں تھے، آپ نے اس لڑکے کو مار دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے، یہ آپ نے کیا کیا ہے۔ اس لڑکے کو بغیر کسی جواز کے قتل کر دینا

یقیناً بری بات ہے۔ ظلم یہ ہے کہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے خلافِ حق کیا جائے۔ ظلم کی بہت سی مثالیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشاہدے میں آ چکی تھیں اس لئے ماضی کا علم آپ کی زبان پر آ گیا۔

حاصل: خلافِ حق کرنا اور اپنے نفس کی خوشی کے لئے کوئی کام کرنا، پاک بندوں کی شان کے منافی ہوتا ہے۔

الجزء ۱۶

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

کہا، کیا میں نے نہ کہا تھا کہ آپ کو ہرگز میری معیت میں صبر کی استطاعت نہ ہوگی۔

لڑکے کے قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبصرے کے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کہا، کہ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ میرے ساتھ صبر سے رہنا آپ کے لئے بہت مشکل ہوگا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کا عہد یاد نہیں دلایا، اپنا بیان یاد دلایا ہے۔

حاصل: جس کی حسنِ نیت کا یقین ہو اس کے رویئے میں تضاد ثابت کرنا خلافِ ادب ہے۔ اپنے بیان کے حوالے سے بات کر لی جائے تو یہ خلافِ ادب نہیں ہے، اور اس سے منشاء بھی پورا ہو جاتا ہے۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

کہنے لگے، اس کے بعد کسی شے کے بارے میں آپ سے سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیئے، بیشک میری طرف سے آپ کا عذر پورا ہو چکا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، دو بار بھول ہو چکی ہے، آپ نے مہربانی فرمائی ہے، اس کے بعد اگر کسی شے کے بارے میں آپ سے سوال کروں تو میرا آپ کا ساتھ ختم ہو جائے گا، آپ کی طرف سے بات پوری ہو جائے گی۔

حاصل: اگر طے کردہ اصول معیت کو نباہنا مشکل ہو رہا ہو، تو پھر یہی کہہ کر مزید ساتھ کی درخواست کی جا سکتی ہے کہ اس کے بعد اگر طے کردہ اصول کی خلاف ورزی ہو تو یہ معیت ختم ہو جائے گی۔

فَانْطَلَقَا ۗ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۣ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

پھر دونوں چلے، حتیٰ کہ اہلِ قریہ کے پاس آئے۔ چاہا کہ ان لوگوں کے ہاں کھائیں، تو انہوں نے ضیافت دینا پسند نہ کیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی کہ گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے قائم کر دیا۔ کہنے لگے، اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر پھر شروع ہوا، اور آپ حضرات چلتے چلتے ایک گاؤں میں آئے۔ کھانے کی طلب ہوئی۔ گاؤں والوں نے یہ محسوس کرنے کے باوجود کہ مسافر مہمان کھانے کی طلب رکھتے ہیں، ضیافت دینا پسند نہ کیا۔ یہ یقیناً گاؤں والوں کے بے مروّت ہونے کا ثبوت تھا۔ اسی گاؤں میں ان حضرات نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو اس طرح درست کیا کہ وہ قائم ہوگئی اور اس کے گرنے کا خطرہ نہ رہا۔ اس میں وقت بھی لگا، قوت بھی خرچ ہوئی، کچھ سامانِ مرمت بھی استعمال ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہلِ قریہ کا تکلیف دہ روّیہ بھی سامنے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے، صاحب اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے لیتے، ایسے بے مروّت لوگوں کی خدمت بلا اجرت عجیب لگتی ہے۔

**حاصل:** یہ نہیں دیکھنا چاہئے لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھنا چاہئے کہ رضائے الٰہی کے حوالے سے ہمیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَ بَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

کہا، یہ میرے اور آپ کے مابین فراق ہو گیا۔ اب میں آپ کو ان باتوں کی تاویل بتائے دیتا ہوں جن پر آپ کو صبر کی استطاعت نہ ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے تبصرے پر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا، یہ میرے اور آپ کے مابین فراق کا لمحہ آ گیا ہے۔ ساتھ کی بات پوری ہو چکی ہے۔ اب ان امور کے بارے میں آپ کو بتانے کا وقت ہے جن پر صبر کرنا آپ کے لئے مشکل ہوا۔

**حاصل:** ساتھ کی بات پوری ہو جائے تو ساتھی کو رخصت کرنے سے پہلے ان باتوں کی وضاحت کر دینی چاہئے جہاں اسے ساتھ نباہنے میں مشکل پیش آئی۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

وہ جو کشتی تھی وہ کچھ مساکین کی تھی جو دریا میں محنت کرتے تھے، تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں، اور ان سے پرے ایک بادشاہ تھا کہ ہر کشتی کو غصب کر لیتا تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے واقعہ کی وضاحت فرمائی کہ جس کشتی کو عیب دار کرنے کا عمل کیا گیا وہ کشتی مساکین کی تھی اور یہ لوگ دریا میں محنت مشقت کر کے وقت گزار رہے تھے۔ جس طرف کو یہ کشتی جا رہی تھی وہاں ایک بادشاہ تھا جو اچھی کشتیوں کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ یوں اس کشتی کو دیکھنے والوں کی نظر میں عیب دار کر کے اس لائق نہ رہنے دیا گیا کہ چھیننے والے اس کی طرف مائل ہوں۔

**حاصل:** محنت کش مساکین کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ انہیں غاصبوں سے بچانے کی تدبیر کرنا بہت بڑا کام ہے۔ جس کے محسن ہونے کا یقین ہو، اس کے ہر عمل میں بھلائی کا یقین موجود ہوتا ہے۔

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ﴿۸۰﴾

اور وہ جو لڑکا تھا، اس کے والدین مومن تھے، تو ہمیں ڈر ہوا کہ یہ سرکشی اور کفر سے انہیں تنگ کرے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا، اس کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے۔ وہ اپنے بیٹے سے کیسا تعلق رکھتے تھے اور بیٹا اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ کیسا تعلق رکھتا تھا، یہ حضرت خضر علیہ السلام پر روشن کر دیا گیا تھا۔ یہ خدشہ والدین کو بھی تھا کہ ان کا بیٹا انہیں تنگ کرے گا۔ وہ اس کا رخ تو دیکھ رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو محسوس کیا، وہی احساس ان مومن والدین کا بھی تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو کیا، امرِ الٰہی سے کیا۔ اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے، اس لئے کسی بھی مقام پر پورا علم ہوتا ہی اللہ کو ہے۔ اللہ کبھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے ساتھ مہربانی اور رحم کو اپنی شان کے لائق جانتا ہے۔ کس کو کس قدر توفیق دینی ہے، کہاں تک مہلت دینی ہے، کہاں پر پکڑنا ہے، کس کو ہدایت دینی ہے، کس کو گمراہ کرنا ہے، اللہ کا ہر ہر کام بڑے علم اور بڑی حکمت سے ہوتا ہے۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ کا علم ہی علم مطلق ہے۔ تعلق مع اللہ سے جو آگاہی ہو سکتی ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہوتی۔ ہمیں والدین کی خدمت اس طرح کرنی چاہئے کہ وہ بندگی کا حق بہتر طور پر ادا کر سکیں۔

فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

تو ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں اس سے بہتر بدلہ دے جو پاکیزگی اور شفقت میں قریب تر ہو۔

مقتول کے والدین کو جو دکھ پہنچا، وہ حضرت خضر علیہ السلام سے مخفی نہ تھا۔ اس کے بعد جو انعام ان والدین کو ملنے والا تھا اس سے بھی آپ آگاہ تھے۔ آپ نے دعا کی یا اللہ ان حضرات کو ایسی اولاد عطا کر جو ان سے حسن و احسان کے ساتھ پیش آئے، اور ہر مقام پر ان کی سہولت کو اپنی سہولت پر ترجیح دے۔

**حاصل:** اپنی اولاد کی خواہشات کو کبھی بڑھاوا نہیں دینا چاہئے۔ جو اولاد والدین سے حسن و احسان کے ساتھ پیش آئے، اور ہر مقام پر والدین کی سہولت کو اپنی سہولت پر ترجیح دے، وہ بڑی مبارک اولاد ہے۔

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ﴿۸۲﴾ ع ۱۰

رہی وہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ اور ان کا باپ صالح تھا۔ تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، آپ کے رب کی رحمت سے۔ اور میں نے کچھ بھی اپنے امر سے نہیں کیا۔ یہ تاویل ہے ان باتوں کی جن پر آپ کو صبر کی استطاعت نہ ہوئی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کی مرمت والے واقعہ کی وضاحت یوں فرمائی، کہ یہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس میں ان کا خزانہ چھپایا گیا تھا۔ ان لڑکوں کا باپ نیک آدمی تھا۔ اسے اپنے بچوں کے لئے مال کی حفاظت کی یہی صورت نظر آئی۔ اللہ سے مدد طلب کرتے رہنا تو نیک لوگوں کی طریقت ہوتی ہے، اس صالح آدمی نے بھی دعا کی۔ آپ کے رب نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے جوان ہو جائیں، اپنے مال کو محفوظ رکھنے کی قدرت پالیں اور اسے درست مقامات پر استعمال کرنے کا علم حاصل کر لیں، پھر یہ خزانہ ان کے کام آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ خضر علیہ السلام نے کیا۔ کہیں اپنی سوچ سے نہیں کیا۔ یہ ہے ان باتوں کی تاویل جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حدودِ شرعی کے حوالے سے بات کرنے میں دیر نہیں کی، اور یوں آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی معیت میں صبر کی استطاعت نہ ہوئی۔

**حاصل:** اپنی اولاد کو اور ان کے لئے رکھے گئے مال کو صالحین کے سپرد کرنا باعثِ راحت ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہ ہو تو پھر اللہ سے دعا کرتے ہوئے جو مناسب نظر آئے وہ کرنا چاہئے۔ اللہ جو مدد دے سکتا ہے وہ اسی کی شان کے لائق ہوتی ہے۔ جوانی میں مال کو محفوظ رکھنے کی قدرت اور مال کے صحیح مقامات پر استعمال کی اہلیت شعور کی موجودگی میں ہی ممکن ہوتی ہے۔ خدمتِ خلق میں اپنی پسند کو ساکن رکھنا چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۲۲) میں ارشاد فرمایا ہے: وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَمۡلَيۡتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذۡتُهَا‌ ۚ وَاِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ ۝۴۸ اور کتنی ہی بستیاں کہ ہم نے انہیں مہلت دی اس حال پر کہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انہیں پکڑا، اور میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِى الۡقَرۡنَيۡنِ‌ ؕ قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡهُ ذِكۡرًا ؕ‏ ۝۸۳

اور آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے، میں ابھی تم پر اس کے متعلق تلاوت کرتا ہوں۔

سوال کرنے والے وہ لوگ تھے جن کو ذوالقرنین کے بارے میں اپنے اجداد سے بہت کچھ معلوم ہوا تھا، اور ان کی مذہبی کتابوں میں اس کا تذکرہ تھا۔ سوال خاتم النبیین کے حضور پیش کیا گیا تو جواب میں یہی فرمایا گیا، کہ میں ابھی تمہیں اس کے متعلق بتاتا ہوں۔ جب جواب علم الٰہی سے ہو تو پھر اس سے بہتر جواب کوئی نہیں ہو سکتا جو سند سے ماضی کے متعلق مطلوبہ روشنی عطا کرے۔

**حاصل:** ذوالقرنین (دو سینگوں والا) کے بارے میں سوال کرنے والے جو کچھ جانتے تھے، وہ کچھ کتاب کے حوالے سے تھا کچھ شنید کے حوالے سے تھا۔ خاتم النبیین کی بات ان حوالوں سے نہ تھی۔ جو یقین اللہ کے عطا کردہ علم میں ہوتا ہے وہ کسی علوم میں ہو ہی نہیں سکتا۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الۡاَرۡضِ وَاٰتَيۡنٰهُ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ سَبَبًا ۙ‏ ۝۸۴

ہم نے اس کو زمین میں جما دیا، اور اسے ہر قسم کے اسباب و وسائل عطا کئے۔

زمین میں جماؤ کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے، وہ سب اللہ ہی جانتا ہے، وہی عطا کرتا ہے۔ بادشاہ کا ایک تعلق اپنی رعایا سے ہوتا ہے، اور اگر رعایا کو بادشاہ رحمتِ خداوندی معلوم ہو تو اس سے بڑا جماؤ، اس سے بڑا اقتدار اور کیا ہوگا۔ ایک تعلق ان قوتوں سے بھی ہوتا ہے جو بادشاہ کے اقتدار

کے لئے خطرہ بن سکتی ہوں۔ایسی قوتوں کو مرعوب رکھنے کے لئے جو اسباب ووسائل درکار ہوتے ہیں، یہ سب ذوالقرنین کو عطا کیے گئے۔

**حاصل:** زمین میں جماؤ مطلوب ہو تو اللہ سے اس کی دعا کرنی چاہئے۔ اسباب و وسائل کا مالک بھی اللہ ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو کچھ اللہ عطا کرسکتا ہے وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔

**فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾**

تو اس نے ایک سبب سے کام لیا۔

حضرت ذوالقرنین نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اسباب و وسائل کو استعمال بھی کیا۔ وہ مغرب کی طرف چلے، اور مطلوبہ مقام تک پہنچنے کے لئے رخ کو درست رکھتے ہوئے چلتے گئے۔ سبب کو سواری سمجھا جائے تو اللہ سے تعلق ٹھیک رہتا ہے۔ سبب کو مقصود بنا لیا جائے، تو پھر اپنی خواہشات کو اہمیت دینے سے بچنا، نفس کی شح سے بچنا، ممکن نہیں رہتا۔

**حاصل:** سبب کو اللہ کی عطا کردہ سواری جانتے ہوئے، اسے استعمال کیا جائے تو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔ سبب کو کبھی مقصود نہیں بنانا چاہئے۔ سبب کی اہمیت یہ ہے کہ وہ حال پر اللہ نے عطا کیا ہے، ایک وقت کے لئے ہے اور ایک خدمت کے لئے ہے۔

**حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ۬ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾**

حتیٰ کہ وہ غروبِ آفتاب کے مقام پر پہنچا، اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا پایا، اور اسے ایک قوم ملی۔ ہم نے فرمایا، اے ذوالقرنین یا تو انہیں سزا دے یا ان میں بھلائی رکھ۔

مغرب کی طرف سفر کرتے کرتے حضرت ذوالقرنین غروبِ آفتاب کے مقام تک پہنچے۔ راستے میں جو مشکلات بھی پیش آئیں، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے حضرت ذوالقرنین انہیں دور کرتے ہوئے بڑھتے رہے۔ انتہاء مغرب میں آپ نے سورج کو ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا پایا۔ وہاں آپ کو ایک قوم ملی جس کے بارے میں اللہ نے آپ سے فرمایا، اس قوم کے رویئے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو سزا بھی دی جاسکتی ہے ان لوگوں کے ساتھ بھلائی بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ ماضی کے رویئے میں ان لوگوں پر جو دباؤ تھے ان کی موجودگی میں ان کا عمل کیسا ہونا چاہئے تھا اور وہ کیسے تھا، یہ دیکھا جائے تو مہربانی کرنے کا رخ سامنے آتا ہے۔

**حاصل:** غلبہ کامل تائید ایزدی سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ مفتوح قوم کی مجبوریوں کو دیکھا جائے تو ان پر مہربانی کرنا ممکن ہوتا ہے۔ سزا دی جائے یا معاف کیا جائے، مقصود اللہ کی رضا ہونی چاہئے۔

**قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾**

عرض کی کہ وہ جس نے ظلم کیا، اسے ہم جلد ہی سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف پھیرا جائے گا تو وہ اسے عذاب دے گا، بڑا عذاب۔

حق کو جاننے کے بعد خلافِ حق کرنا ظلم ہے۔ جو لوگ ظلم کریں گے انہیں سزا دی جائے گی۔ یہ سزا دنیا میں ہوگی۔ ظالم کو اس دنیا سے جب لے جایا جاتا ہے تب بھی اسے مار کر اس کی جان نکالی جاتی ہے، اور آخرت میں تو ظالم اپنے کیے کی پوری پوری جزا پائے گا۔ جو عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا وہ سخت ترین عذاب ہوگا، کہ ظالم کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کی بھی اسے جزا دی جائے گی۔ اس دن توبہ قابلِ سماعت نہ ہوگی، بھاگ جانا ممکن نہ ہوگا، سب زعم باطل ہو جائیں گے اور ظالم اپنے کیے ہوئے کو اپنے سامنے پائے گا۔ ظالم کا عمل ہی اس کا احاطہ کرے گا۔ اس سے بُری مار اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

**حاصل:** حق کو جاننے کے بعد جو خلافِ حق کرے وہ ظالم ہے۔ اس کو سزا دینی چاہئے، مگر اتنی ہی جتنی حق کے حوالے سے دی جانی چاہئے۔ پوری پوری سزا اللہ ہی دے سکتا ہے، وہی مقرر وقت پر ظالم کو سزا دے گا۔ جلانے کی سزا دینا، بندے کا حق ہی نہیں ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

اور جو ایمان لایا اور صالح عمل کیے، تو اس کی جزا بھلائی ہے۔ اور عنقریب ہم اسے آسانی دیں گے۔

اور جس نے حق کو مان لیا، مان لینے کے بعد صالح اعمال سے اپنے ایمان کی شہادت دی، تو وہ سچا ثابت ہو گیا۔ اس کی جزا یقیناً بھلائی ہوگی۔ اس کی ماضی کی کوتاہیوں کا ذکر پھر کیوں ہوگا۔ اس کو ان لوگوں سے الگ کر دیا جائے گا جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح اسے بہت سہولت مل جائے گی اور اس کا کہا ہوا درست مان لیا جائے گا۔

**حاصل:** ایمان کا دعویٰ ہو تو صالح اعمال کی شہادت سے یہ دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ سچا ثابت ہو جانے والے کو ناقابل اعتماد لوگوں سے الگ کر دینا چاہئے۔ جس کی صداقت کو تسلیم کر لیا جائے اسے بہت آسانی حاصل ہو جاتی ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾

پھر ایک سبب سے کام لیا۔

کسی سبب کا بہترین استعمال یہی ہے کہ اسے مسبب الاسباب کی عطا مانا جائے، اور اسے معطیٰ مطلق کی رضا کے حوالے سے برتا جائے۔

**حاصل:** سبب کو عطائے الٰہی جان کر، اللہ کی رضا کے حوالے سے استعمال کیا جائے تو اس سے کما حقہٗ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

حتیٰ کہ طلوعِ آفتاب کے مقام پر پہنچے، اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا جن کے لئے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں رکھی۔

مشرق کی طرف کا عزم کر کے حضرت ذوالقرنین روانہ ہوئے، تو انتہائے مشرق تک پہنچے۔ اظہارِ حق کا وہ طریقہ اختیار کیا جو اللہ کے

نزدیک پسندیدہ تھا۔ تائید ایزدی شاملِ حال تھی۔ مطلوبہ مقام پر پہنچ کر آپ نے ایک قوم کو دیکھا۔ یہ لوگ حدت کو برداشت کرنے کی بڑی صلاحیت رکھتے تھے۔ اللہ کی مخلوق کی بھلائی مقصود ہو تو حصولِ مقصد کے لئے جس طرح کوشش کی جاتی ہے، خواہش اور غرض وغایت والے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

**حاصل:** حق کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے جہاں تک پہنچا جا سکتا ہے، شوقِ فتوحات میں وہاں تک پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔

**كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾**

بات یہی ہے۔ اور جو کچھ اسے حاصل تھا، ہمیں اس کا پتہ ہے۔

انتہاءِ مغرب سے انتہاءِ مشرق تک تمام مقامات پر غلبہ، بہت بڑی بات ہے۔ سامانِ سفر، آلاتِ حرب اور جو کچھ بھی حضرت ذوالقرنین کو حاصل تھا، اس کی اہمیت اپنی جگہ مگر تائید ایزدی کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ جس مقام پر جو کچھ انہیں عطا فرمایا گیا، انہوں نے اس سے کما حقہٗ استفادہ کیا۔

**حاصل:** اپنی کارکردگی کو تائید ایزدی کی بدولت جاننا چاہئے۔ سبب ہمیشہ مسبّب کے حکم کے تابع رہتا ہے۔

**ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾**

پھر ایک سبب سے کام لیا۔

مغرب کی طرف پہلا سفر تھا، مشرق کی طرف دوسرا سفر تھا۔ ان سفروں کی ابتدا ان کے صدر مقام سے ہی ہوتی تھی۔ یہ تیسرا سفر ہے جو شمال کی جانب تھا۔ سفر سے پہلے، متوقع امور کے پیشِ نظر تیاری بھی ضروری ہوتی ہے۔ حق کی بات لوگوں تک تبھی پہنچ پاتی ہے، جب وہ اپنے لاینحل مسائل سے چھٹکارا حاصل کر لیں، اس لئے تبلیغِ حق کرنے والے کو لوگوں کے مسائل سے آگاہی حاصل کرنی چاہئے۔ منشاء انہیں آسانی مہیا کرنا ہو تو یقیناً اللہ کی رضا مقصود ہوگی، موجود ہوگی۔

**حاصل:** مقصد کا واضح ہونا، حصولِ مقصد کے لئے موزوں تیاری اور لوگوں کو آسانی مہیا کرنے کا عزم یہ سب سفر سے پہلے روشن ہونے چاہئیں۔

**حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾**

حتیٰ کہ دو پہاڑوں کے بیچ میں پہنچے۔ ان کے سامنے ایک قوم کو پایا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے۔

شمال کی طرف سفر کی انتہا یہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے۔ وہاں آپ نے ایک قوم کو دیکھا، کہ وہ لوگ ان کی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ حضرت ذوالقرنین کا لاؤ لشکر، ان کی بادشاہت کا پتہ دیتا تھا۔ پھر یہ لوگ آپ کے بارے میں پہلے بھی کچھ سن چکے تھے۔ جو بات حضرت ذوالقرنین ان پر واضح کرنا چاہتے تھے، وہ اللہ کی بات تھی۔ اس کے سوا کسی کو معبود نہ ماننے کی بات تھی۔ جزا پر یقین

رکھنے کی بات تھی۔ راہِ ہدایت کو اختیار کرنے کی بات تھی۔ جسم کی زبان سے اس بات کا سمجھانا بھی مشکل ہے سمجھنا تو مشکل ہوتا ہی ہے۔ ترجمان سننے والے اور سنانے والے، دونوں کی زبانیں جانتے ہیں۔ جو قوم اپنے عقائد کے علاوہ کچھ جانتی ہی نہ ہو، اس کے لئے حق کی بات کو سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔ پہاڑوں سے رزق تلاش کرنے والے اور اپنا بیشتر وقت تلاشِ معاش میں لگانے والے، تدبر کے لئے وقت بھی کتنا نکالتے ہیں۔ علم کی طلب ہو تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

**حاصل:** مقصدِ سفر رضائے الٰہی ہو تو منزل کی دوری کا احساس بھی نہیں ہوتا، مشکلات بھی پریشان نہیں کرتیں۔ مصروفیات جتنی بھی ہوں، اپنے منشاء حیات پر غور کرنا چاہئے، راہِ عمل کے درست ہونے کا یقین حاصل کرنا چاہئے۔ علم کی طلب ہو تو اس کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

عرض کرنے لگے، اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج، ماجوج زمین میں فساد کرتے ہیں، تو کیا ہم آپ کے لئے خراج ٹھہرا دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے مابین ایک دیوار بنا دیں۔

کوہستانی لوگ حضرت ذوالقرنین کی قوت کا مشاہدہ تو کر ہی چکے تھے، وہ آپ کی بات تو پوری طرح سمجھ نہیں رہے تھے مگر اپنی بات یقیناً سمجھا سکتے تھے۔ انہوں نے حضرت ذوالقرنین سے یہ عرض کی، کہ یاجوج ماجوج زمین میں بہت فساد مچاتے ہیں۔ یہ قوت اور تعداد میں ایسے ہیں کہ ان سے مقابلہ ممکن نہیں ہوتا۔ آپ کے پاس وسائل کی وہ صورت نظر آرہی ہے کہ آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے جو خرچ ہوگا وہ ہم برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ مدد یہ درکار ہے کہ جس درے سے یاجوج ماجوج آکر بربادی پھیلاتے ہیں اس کو آپ بند کر دیں۔ یہ ہمارے اور ان کے مابین دیوار ہو جائے گی۔ آپ یقیناً ایسی دیوار بنا سکتے ہیں، جس کو عبور کرنا یاجوج ماجوج کے لئے ممکن نہ ہو۔

**حاصل:** سیدھے لوگ اپنے مسائل کو بھی جانتے ہیں وسائل کو بھی جانتے ہیں، اپنی مشکل کے دور کرنے والے کو اس کی جاہ وحشمت کے حوالے سے پہچاننے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور اپنی سمجھ کے مطابق موزوں الفاظ میں اس کے سامنے درخواست بھی پیش کر دیتے ہیں۔

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾

جواب دیا، مجھے میرے ربّ نے جو مقدور دیا ہے، وہ بہتر ہے۔ تو قوت کے ساتھ مجھے مدد دو، میں تمہارے اور ان کے مابین مضبوط رکاوٹ بنا دوں گا۔

حضرت ذوالقرنین نے کوہستانی لوگوں کی درخواست کے جواب میں یہ کہا، کہ جو کچھ میرے رب نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جس کی تم پیش کش کر رہے ہو۔ تمہاری محنت ضرور درکار ہوگی، اور اس سے تمہارا منشاء پورا ہو جائے گا۔ حضرت ذوالقرنین نے ان کی درخواست کے ساتھ ہی مذکورہ دیوار کے بارے میں وقت، سامانِ تعمیر اور محنت کی ضرورت کو دیکھ لیا تھا، اس لئے آپ نے ان لوگوں کو محنت

کے دائرے میں اشتراک کی دعوت دی۔ یہ محنت ان کے لئے باعثِ راحت بھی تھی کہ ان کی مطلوبہ دیوار کی مضبوطی کا جو شعور انہیں اس محنت سے ہو سکتا تھا، وہ کسی دوسری صورت میں نہ ہو سکتا تھا۔

**حاصل:** اجتماعی بھلائی کے کاموں میں لوگوں کو معاشی دباؤ سے بچانا بڑی خدمت ہے۔ محنت کے دائرے میں لوگوں کو شامل کرنا ان کے لئے باعثِ راحت ہوتا ہے کہ ان کی مطلوبہ شے وجود میں آ رہی ہوتی ہے۔

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾

مجھے لوہے کے تختے لا دو۔ حتیٰ کہ جب اسے دونوں پہاڑوں کے کناروں کے برابر کر دیا، حکم دیا دھونکو۔ حتیٰ کہ جب اسے آگ کی طرح کر دیا حکم دیا، میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ اس پر ڈالوں۔

حضرت ذوالقرنین کے فرمان کے مطابق، کوہستانی لوگ محنت کرنے کے لئے حاضر ہو گئے۔ سامانِ تعمیر پہلے اکٹھا کیا گیا جن میں لوہے کے تختے تھے، تانبا تھا اور آگ جلانے کا سامان تھا۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان جو درّہ تھا، اس میں دیوار کی بنیاد کھدوا کر، حضرت ذوالقرنین نے فرمایا: لاؤ، اب لوہے کے تختوں سے اس دیوار کو چنا جائے۔ موٹے لوہے کے تختوں سے دونوں طرف دیواریں بنا دی گئیں جن کا باہم ربط تھا۔ ان دیواروں کو آگ دینے کا بندوبست کر کے، دھونکنے کا حکم دیا گیا۔ یہ بہت بڑا کام تھا۔ لوہے کی دیواروں کو گرم کرنے کا بندوبست، تانبے کو گرم کر کے لوہے کے تختوں سے بنائی گئی دیوار کی خلائیں پُر کرنے کا اہتمام، اتنے بڑے کام میں لوگوں کے درمیان ربط وضبط کو قائم رکھنا کہ ہر مقام پر توازن قائم رہے اور ہر گروہ وہی کرے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور جہاں اسے روکا جائے رک جائے، بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جب لوہے کے تختوں سے بنی ہوئی دیواریں دھونکتے دھونکتے آگ کی طرح سرخ ہو گئیں، تو ان کے درمیان پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا۔ اور یوں یہ ایک بلند دیوار بن گئی، اور جو لوگ یاجوج ماجوج کے فساد سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے سلامتی اور عافیت محسوس کرنے لگے۔

**حاصل:** اجتماعی بھلائی کے کام بڑے فہم وفراست والے صاحبان کے حکم کے تحت ہونے چاہئیں۔ کام کرنے والوں کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہ کر کام کرنا چاہئے۔ اپنی سوچ کو ساکن رکھنا چاہئے۔ کام کروانے والے کی نظر جہاں تک جاتی ہے کام کرنے والے کی وہاں تک نہیں جا سکتی۔ جس محنت کا نتیجہ اجتماعی سلامتی کی صورت میں نظر آ رہا ہو، اس محنت میں تھکن کا احساس کم ہی ہوتا ہے۔

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

تو وہ اس پر نہ چڑھ سکے، اور نہ انہیں نقب لگانے کی استطاعت ہی ہوئی۔

یاجوج ماجوج کے فساد سے خوف زدہ لوگوں نے جس محنتِ شاقہ سے حفاظتی دیوار کی تعمیر میں حصہ لیا تھا، وہ کام اپنی مثال آپ تھا۔ مگر انہیں ایک ڈر بھی تھا، کہ اس دیوار پر کہیں وہ چڑھ نہ جائیں یا اس میں سوراخ کرنے کی کوئی صورت نہ نکال لیں۔ جب یاجوج ماجوج دیوار پر چڑھنے کی ہر کوشش میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے اس میں نقب لگانے کی کوشش کی۔ اور جب وہ نقب لگانے میں بھی ناکام ہو گئے تو کوہستانی لوگوں کو جس عافیت کا احساس ہوا، اس کا پہلے تصور بھی نہ تھا۔ جن لوگوں کو یہ حفاظتی دیوار مطلوب تھی ان کے سامنے اس دیوار کا پورا پورا امتحان ہو گیا۔

حاصل: مطلوبہ شے وجود میں آجانے کے بعد مقصدِ تعمیر کے حوالے سے پاس ہوجائے، تو طالبین کو اس سے جو راحت حاصل ہوتی ہے، اسے محسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ حفاظتی تدابیر، دشمن کی تعداد اور قوت کے حوالے سے دیکھی جاتی ہیں۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

کہا یہ میرے ربّ کی رحمت ہے، تو جب میرے رب کا وعدہ آئے گا اسے پاش پاش کردے گا، اور میرے رب کا وعدہ حق ہے۔

کوہستانی لوگوں نے حضرت ذوالقرنین کا شکریہ صرف زبان سے ادا نہیں کیا، وہ اپنے جسم کی ہر حرکت سے شکریہ ادا کر رہے تھے، کہ حضرت ذوالقرنین نے ان کو اور ان کی آئندہ نسلوں کو یاجوج ماجوج کے فساد سے بچانے کا موثر اہتمام کیا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نے بہ کمالِ عجز یہ کہا کہ جو کچھ بھی بنا ہے، یہ میرے رب کی رحمت سے بنا ہے۔ سامانِ تعمیر بھی اسی کا ہے، بنانے والوں کو توفیق بھی اسی نے دی ہے، وقتِ تعمیر ماحول کو سازگار بھی اسی نے رکھا ہے۔ حضرت ذوالقرنین نے قیامت کا ذکر کرتے ہوئے یہ واضح کیا: کہ جب میرے ربّ کا وعدہ آئے گا تو یہ دیوار اپنی مضبوطی کھودے گی، ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی اور میرے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، اس کے وقوع کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

حاصل: اپنی کارکردگی کے بارے میں تعریفی کلمات سننا نصیب ہوں تو جواب میں یہی کہنا چاہئے: یہ میرے ربّ کی رحمت ہے، ہر تعمیر قیامت کے دن پاش پاش ہوجائے گی۔ آخرت کا یقین ہوجائے تو اسے حال پر بندے کے عمل میں نظر آنا چاہئے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

اور اس دن ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ وہ موج کی طرح ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے آئیں گے، اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو جمع کرلائیں گے۔

قیامت کی علامات سے متعلق یہ ارشاد ہے: کہ یاجوج ماجوج کو روک رکھنے کی صورت ختم ہوجائے گی تو وہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی موجوں کی طرح آئیں گے۔ اس کے ساتھ ہی عمل کے لئے دیا گیا وقت بھی ختم ہوجائے گا۔ اور جزا کے وقت کا اعلان ایسا نہیں ہوگا کہ جس مقام پر اللہ لوگوں کو جمع کرنا چاہتا ہے وہاں لوگ اپنی مرضی سے آئیں، بلکہ لوگ امرِ الٰہی کے تحت اس مقام کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔

حاصل: حال پر ملی ہوئی مہلت سے استفادہ کرنا چاہئے۔ حق کو ماننے کے لئے ظہورِ قیامت کی نشانیوں کا انتظار کرنا بڑی بے سمجھی ہے۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾

اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے۔

عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد زینتِ حیاتِ دنیا کی شکل بدل جائے گی۔ یہ سب کچھ اب جو جلوت ہے خلوت ہو جائے گا، اور جو کچھ اب خلوت ہے جلوت میں آجائے گا۔ وہ جہنم جس کو کافر ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ناقابلِ تردید صورت میں ان کے سامنے ہوگی۔ مگر اس وقت حق کو ماننا نفع نہ دے گا۔

حاصل: توفیق بھی اللہ نے دی ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ جزا کا یقین اصلاحِ حال کے لئے لازم ہے۔

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع ۱۱/۱۹/۲

جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا تھا، اور انہیں سننے کی استطاعت بھی نہ تھی۔

جو آنکھیں حق کو دیکھ لیں، جن آنکھوں کو قدرتِ الٰہی کا مشاہدہ ہو جائے، ان آنکھوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے احترام کو ملحوظ رکھیں اور لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج میں خسارے کو دیکھیں۔ ورنہ ان پر پردہ پڑتا جائے گا اور وہ لوگ جزا کے عدم یقین میں الجھ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو پھر حق کب سنائی دیتا ہے۔

حاصل: قدرتِ الٰہی کے مشاہدے کے بعد، انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے نظام کو اہمیت دی جائے تو حق کو دیکھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی چلی جائے گی۔ آنکھیں حق شناس نہ رہیں تو کان حق کو سننے کی استطاعت کہاں سے لائیں گے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف میں ارشاد فرمایا ہے: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ فرما دیجئے کہ ہم تمہیں بتا دیں، کہ سب سے بڑھ کر خسارے میں کن کے اعمال ہیں۔ وہ لوگ جن کی پوری سعی حیاتِ دنیا میں گم ہوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ خوب کام کر رہے ہیں۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾

تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے سامنے میرے بندوں کو حمایتی بنالیں گے۔ ہم نے جہنم کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کیا ہے۔

اللہ کے پاک بندے کسی مقام پر اپنی پسند کو اہمیت نہیں دیتے، اللہ کے فرمان کو مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہے۔ اللہ کے پاک بندوں سے عقیدت رکھنے والے خودسر نہیں ہوسکتے۔ عقیدت مند کی بات سے اس کے شاہد کا پتہ لگتا ہے۔ اس کی محبت سے اس کے شاہد کی شان معلوم ہوتی ہے۔ اگر کوئی اللہ کے پاک بندوں کا نام لے کر ان کی تعلیمات کے خلاف کرتا رہے، تو وہ ان کے قریب ہونے کی بجائے ان سے دور ہوتا جائے گا۔ حمایت تو ساتھی کو متوقع ہوتی ہے۔ جو عملاً ساتھ ہی نہیں ہے، اس کے بارے میں تعلق کی شہادت نہیں دی جاسکتی۔ جو لوگ نام اللہ کے پاک بندوں کا لیتے ہیں کام خلافِ حق کرتے ہیں، یہ کافر ہیں، اور ان کے لئے ان کے اعمال کی جزا بصورتِ جہنم تیار ہے۔

حاصل: اللہ کے پاک بندے صرف اسی کے دوست ہوتے ہیں، جسے حق مطلوب ہو۔ خلافِ حق کرنے والے نام

کسی کا بھی لیس کرتے صرف من مانی ہیں۔ان کے اعمال کی جزا بصورتِ جہنم تیار ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ فرما دیجئے کیا ہم تمہیں بتائیں کہ سب سے بڑھ کر خسارے میں کن کے اعمال ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے کہ اس نے فلاح پانے والوں کی صفات بھی بیان فرمائی ہیں، اس نے خسارے والوں کی صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔اتمامِ حجت کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔جب یہ معلوم ہو جائے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے، پھر صراطِ مستقیم کی باتیں کرتے رہنے سے راستہ طے نہیں ہو جاتا۔راستہ تو چلنے سے طے ہوتا ہے۔

**حاصل:** جس کو ہماری بھلائی عزیز ہو، اس کے ارشاد کی قدر کرنی چاہئے، اسے ماننا چاہئے۔جاننا، ماننے کے بعد آئے تو درست ہوتا ہے، ورنہ لوگ باتوں کو ہی علم سمجھتے رہتے ہیں۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ وہ لوگ جن کی سعی حیاتِ دنیا میں گم ہوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ خوب کام کر رہے ہیں۔

حیاتِ دنیا میں حق کے مقابل لوگوں سے داد طلب کرنے والے اپنا سب کچھ اسی رخ پر لگا دیتے ہیں۔لوگوں نے انہیں اچھا کہہ دیا تو وہ اپنے کام کو خوب کہنے لگے۔اسی میں انہیں فرحت ملتی ہے، اور اسی فرحت کو وہ مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں۔جزا کا انکار ان کے اعمال میں بہرحال نظر آتا ہے۔

**حاصل:** جو لوگ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو بصورتِ وقت، قوت اور اموال لوگوں سے داد طلب کرنے میں صرف کر رہے ہیں، وہ جزا کا عملاً انکار کرتے ہیں۔ان کا اپنے کام کو خوب سمجھنا قطعاً بے حقیقت ہوتا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ یہی ہیں وہ جنہوں نے اپنے ربّ کی آیات اور اس کے ملنے سے انکار کیا۔تو ان کے اعمال اکارت ہوئے۔پھر ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن نہ قائم کریں گے۔

جن کی ساری کوشش حیاتِ دنیا میں گم ہوگئی ہو، وہ اپنے رب کی آیات کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتے ہوں تو عملاً وہ اپنے رب کی آیات کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔جزا کا انکار ہو تو لوگوں کی خوشی مطلوب ہوگی۔جب اعمال بالکلیہ خلافِ حق ہوں گے، تو ان کی ظاہری صورت کچھ بھی ہو وہ اکارت ہو جائیں گے۔ایسے اعمال کا اس عصمت سے کوئی تعلق نہ ہوگا، جس کے ساتھ انسان کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اور جس معیار کی نسبت سے اعمال کا وزن ہو سکتا ہے۔جن لوگوں کے اعمال بالکلیہ ضائع ہوگئے، ان کے پاس قابلِ وزن کچھ رہ ہی نہیں جاتا۔قیامت کے دن ان کے لئے کسی وزن کا قائم کرنا ناممکن ہے۔

**حاصل:** اگر اعمال بالکلیہ خلافِ حق ہوں تو اپنے ربّ کی آیات کا بھی انکار ہوگا، جزا کا بھی انکار ہوگا۔جو اعمال

اکارت ہو جائیں گے ان کے لئے قیامت کے دن کسی وزن کو قائم کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

یہ ان کی جزا ہے جہنم، اس پر کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسل کی ہنسی بنائی۔

جن لوگوں کی ساری کوشش حیاتِ دنیا میں گم ہوگئی، ان کی جزا جہنم ہے۔ حیاتِ دنیا میں ان کا رویہ یہ رہا، کہ انہوں نے ہمیشہ حق کا انکار کیا۔ خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنایا۔ اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑایا۔ اللہ کے رسولوں کا مذاق اڑایا۔ لوگوں کی بنائی ہوئی بے سند باتوں کو ایسی وقعت دی کہ اللہ کی دی ہوئی توفیق کو اسی میں گنوا دیا۔

حاصل: جزا دینے والے کی قدرت کا احاطہ اتنا وسیع ہے کہ سب جزا پانے والے اس کے اندر ہیں۔ جہنم کی صورت میں جزا پانے والے پہلے حق کا انکار کرتے ہیں، پھر اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور انتہا پر ظلمات سے نور کی طرف لانے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان کے لئے جنّت الفردوس کی مہمانی ہے۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے اس کو حال پر اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے، آخرت میں جنت الفردوس عطا ہوگی۔ پاک ثابت ہونے والے کو یہ انعام ملیں گے۔ حال پر پاک لوگوں کا ساتھ ہو، آخرت میں پاک لوگوں کا ساتھ ہو، اس سے بڑی راحت کوئی نہیں ہو سکتی۔

حاصل: جو لوگ پاکیزگی کے دعوے میں سچے ثابت ہو جائیں، سنت الٰہی کے مطابق ان کی ہمیشہ عزت افزائی کرنی چاہئے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، وہاں سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔

جنت فردوس کے رہنے والے ہمیشہ وہاں رہیں گے، اور وہاں سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔ جگہ بدلنا اسے مطلوب ہوتا ہے جو موجودہ جگہ کے مقابل بہتر جگہ کا طالب ہو۔ اور جو عنایاتِ الٰہی کو اس کے فضل کی بدولت دیکھتا ہو، وہ اللہ کا فضل ہی مانگتا ہے کہ اس کے مانگنے کا حکم ہے۔

حاصل: ربِّ وَدود کی عطا کو اس کا فضل جاننے والے، اسے بہترین مانتے ہیں۔ معیتِ شاہد میں جو راحت ہے وہ طلب کو پورا کر دیتی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ

فرما دیجئے، اگر بحر میرے رب کے کلمات کے لئے

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

سیاہی ہو جائے، یقیناً بحر میرے ربّ کے کلمات سے قبل ختم ہو جائے گا، اگرچہ اسی کی مثل اس کی مدد کو ہم اور لے آئیں۔

اللہ کے فرمان کے حق ہونے کی آفاق وانفس میں پائی جانے والی نشانیاں بیان کی جائیں، تو یہ میرے رب سے متعلق کلمات ہیں۔ یہ کلمات اتنے ہیں کہ ان کے لکھنے کے لئے سمندر بھی سیاہی بن جائے، تو یہ سیاہی کافی نہ ہوگی۔ اتنی سیاہی اور بھی مل جائے تب بھی کافی نہ ہوگی۔ اللہ کی توحید کی نشانیاں جب اپنے مشاہدے کے حوالے سے بیان کی جائیں تو اس کے لئے کیا کچھ درکار ہوگا، حصولِ ہدایت کے لئے رسالت کی اہمیت کو بیان کیا جائے تو یہ کلماتِ ربی کس قدر ہوں گے، قدرتِ خداوندی کے احاطے کا ذکر کیا جائے تو یہ کلماتِ ربی کس قدر ہوں گے، معاد، بعث بعد الموت، قیامت، جزا یہ سب ایک ہی موضوع ہے۔ انسان کے مشاہدے میں اس کی کس قدر اسناد آتی ہیں، ان کو بھی شمار کرنا ممکن نہیں۔ ربوبیت اتنا بڑا کام ہے، اتنی وسعت سے ہو رہا ہے، صفاتِ الٰہی سے پالنے کے اس عمل میں کس کس مقام پر کیا کیا مدد مل رہی ہے، یہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتا۔ اپنے مقصدِ حیات کی طرف نظر جائے تو رخ سیدھا ہوگا۔ رخ سیدھا ہوگا، تو وہ کچھ نظر آنے لگے گا جو پہلے نظر نہیں آتا تھا۔

**حاصل:** ہدایت کی طلب ہو تو میرے ربّ کے کلمات کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مان لیا جائے کہ اللہ کا فرمان حق ہے، تو ماننے والے کے ادراک کے حوالے سے اس کے اندر اصلاحِ حال کا ثبوت بھی ہونا چاہئے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲

فرما دیجئے، میں تمہاری مثل بشر ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود الٰہ واحد ہے۔ تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ صالح عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

رسول بشر ہو تو وہ ہر مقام پر قول وفعل سے بشر کے لئے معیارِ حق کو روشن کر سکتا ہے، ورنہ انسان اپنے گمان کے دائرے سے نکل نہیں سکتا، اور گمان کے دائرے میں ہدایت کا حصول ناممکن ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں۔ تمہارے لئے یہ ایک سند ہے کہ تم میرا اتباع کرو گے تو اپنے مقصدِ حیات کو حسن وخوبی کے ساتھ پورا کرو گے۔ رسول کی شان یہ ہے کہ اس کی اپنی بات کوئی نہیں ہوتی، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے، اس لئے سب سے بڑی بات ہوتی ہے۔ معبود کو ایک ماننا عملاً یکسوئی سے ثابت ہوگا۔ اپنے رب سے ملنے کی صورت یہ نہیں ہوگی، کہ اس وقت اللہ تعین سے پاک ہے اور آخرت میں یہ بات نہ ہوگی۔ حیاتِ دنیا میں حق کو ماننے کے لئے طاغوت کا انکار ضروری ہوتا ہے، وہاں حق کو ماننے میں کوئی صورت حائل نہ ہو سکے گی۔ جزا کا یقین ہو تو عمل کو صالح ہو جانا چاہئے۔ صالح عمل والے کبھی اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ اتباعِ رسول ہی شرک سے بچنے کی طریقت ہے، جہاں اس میں کوتاہی ہوئی شرک کا امکان ہو جائے گا۔

**حاصل:** رسول کی زبان پاک سے یہ فرمان کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں، عرفانِ حق کے حوالے سے ہماری اہلیت کی سند ہے۔اس کے مقابل ہمیں کبھی یہ نہ کہنا چاہئے کہ ہم رسول کی مثل بشر ہیں، کہ یہ بات خلافِ تعظیم ہوگی، خلافِ توقیر ہوگی۔ایک معبود کو ماننے والے ہر مقام پر رضائے الٰہی کو مقصود جانتے ہیں۔جزا کا یقین ہو تو عمل کی اصلاح ہونی چاہئے، اور عمل صالح ہو تو صالحین کا اتباع بھی ہوگا۔صالحین کا اتباع ہو تو شرک نہیں ہوگا۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا (۳۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ اور ہم نے تو آپ کو سب لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، بشارت دینے کے لئے اور ڈر سنانے کے لئے، ولیکن اکثر لوگ لاعلم ہیں۔

آیاتہا ٩٨ — سُوْرَۃُ مَرْیَمَ — رکوعاتہا ٦

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کٓہٰیٰعٓصٓ ① حروفِ مقطعات

حروفِ مقطعات کی تلاوت کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے، ملا کر نہیں پڑھا جاتا۔ ان حروف کی وضاحت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی ہے، اس لئے یہ خاموش رہنے کا مقام ہے۔

حاصل: بولنا بھی علم کے ساتھ ہونا چاہئے، خاموشی بھی علم کے ساتھ ہونی چاہئے۔

ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ② یہ تیرے ربّ کی رحمت کا ذکر ہے، جو اس نے اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر فرمائی۔

رحمتِ ربی مطلوب ہو، تو اللہ کے ان بندوں کی صفاتِ مبارکہ کو اپنانا چاہئے، جن کو رحمتِ ربی سے نوازا جاتا ہے۔ یہاں حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ اللہ کے بندے تھے، ان پر رحمت فرمائی گئی۔ پاکیزگی اللہ کو پسند ہے۔ خلوت وجلوت میں پاک رہنے والے کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

حاصل: پاک لوگوں کو رحمتِ ربی سے نوازا جاتا ہے۔ اس لئے خلوت وجلوت میں پاک رہنا چاہئے۔

اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ③ جب آپ نے اپنے رب کو ندائے خفی سے پکارا۔

جب دعا اپنی ذات سے متعلق ہو تو اسے خفی ہونا چاہئے، جب جماعت کے لئے دعا کی جارہی ہو تو بلند آواز سے ہو تا کہ اجتماعی شعور کو رفعت ملے۔ ذاتی دعا میں ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اللہ کا فضل مانگا جاتا ہے۔ نفس کی خوشی کو اہمیت نہ دی جائے، اللہ سے اس کا فضل مانگا جائے کہ یہ اس کا حکم ہے، اور پکارنے والا صاحبِ علم ہو تو پھر وہ ندائے خفی سے ہی اپنے رب کو پکارتا ہے۔

حاصل: دعا اپنی ذات کے لئے ہو تو اس کو ندائے خفی سے اپنے ربّ کے حضور پیش کرنا چاہئے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَہَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ④ عرض کی، اے میرے ربّ میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے، اور میرے سر سے بڑھاپا ظاہر ہو رہا ہے، میرے ربّ تجھ سے دعا کر کے میں کبھی محروم نہیں رہا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی شانِ عبدیت ملاحظہ ہو، کہ دعا کی ابتدا اظہار حال سے کر رہے ہیں۔ پہلی بات آپ نے یہ کی ہے، کہ ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔ جسم کی وہ حالت نہیں ہے، جو پہلے تھی۔ وقت کے ساتھ اعضاء کے افعال متاثر ہوتے ہیں۔ بڑھاپا سر کے بالوں سے

ظاہر ہو رہا ہے۔ اس کیفیت کے باوجود دربارِ الٰہی کی بے مثل شان پیش نظر ہے۔ اس دربار پاک میں اپنے عجز کو ظاہر کرتا رہتا ہوں، مدد کا طلب گار رہتا ہوں، ایسی مدد ملتی ہے جو میرے حال کو سنوار دیتی ہے، یہاں سے کبھی محرومی نہیں ہوئی۔

**حاصل:** دعا کرنے سے پہلے اپنا حال بیان کرنا چاہئے، اپنا عجز ظاہر کرنا چاہئے۔ قادرِ مطلق کے حضور دعا کرتے وقت ماضی میں اس کی عنایات کو دیکھنا چاہئے، یہ یقین ہونا چاہئے کہ جو اللہ کر سکتا ہے وہ کوئی دوسرا سوچ بھی نہیں سکتا۔

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝٥

اور مجھے اپنے پیچھے اپنے والی سے خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، تو مجھے اپنے پاس سے ولی عطا فرما دے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے قرابت داروں کے بارے میں اپنا احساس بیان کیا، کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنی پسند کو اہمیت دینے سے باز نہیں آتے۔ میرے بعد ان کے پاس زینتِ حیاتِ دنیا بھی بہت ہوگی، من مانی کرنے سے روکنے والا بھی نہ ہوگا، یوں یہ وسائل خلافِ حق استعمال ہوں گے۔ میری کمزوری اور بڑھاپا تو اپنی جگہ، میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ اولاد کے ہونے کے لئے جو اسباب ظاہر میں ہوتے ہیں، ان کی کیفیت بیان کر کے، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی عرض پیش کی: یا اللہ نہ ہونے کو ہونے میں بدل دینا تیرے لئے کیا مشکل ہے۔ مجھے اپنے فضل سے اس طرح نواز دے، کہ مجھے میرا کام سنبھالنے والا عطا فرما دے۔

**حاصل:** حدود اللہ کے احترام کو انتہائی اہمیت دینی چاہئے۔ اسی کے اختیار کو بڑھانا چاہئے، جو حق کے مقابل اپنی پسند کی بات نہ کرے۔ اسباب کی شکل جو بھی ہو، اللہ کی قدرت نتیجے کو اپنی مشیت کے مطابق بنا سکتی ہے، اس لئے اللہ سے دعا کرتے وقت حق کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ اسباب اپنے اندر نتیجہ پیدا کرنے کی کوئی ضمانت نہیں رکھتے۔

یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝٦

وہ میرا وارث ہو اور آلِ یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے ربّ تیرا پسندیدہ ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ جو بچہ عطا ہو، وہ ان کا وارث ہو، آلِ یعقوب کا وارث ہو، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو۔ بھلائی کا رخ رکھنے والا بھلے کا وارث ہوتا ہے۔ اجداد کی صفاتِ مبارکہ رکھنے والا، لوگوں کے لئے باعثِ رحمت ہوتا ہے۔ اور اللہ جس سے راضی ہو سند کا درجہ وہی رکھتا ہے۔ اسی کی اطاعت سے فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ حسنِ طلب کی کیا روشن مثال بیان فرمائی گئی ہے۔

**حاصل:** جو اللہ کی مخلوق کو سکھ دیتا ہو اس کا وارث وہی ہوگا جو اس کی طرح اللہ کی مخلوق کو سکھ دے۔ اجداد کی فضیلت کا لوگوں کو اعتراف ہو تو ان کی اولاد میں لوگ ان کی صفات کو دیکھتے ہیں۔ لائقِ اطاعت ہونے کا مرتبہ اسی کو حاصل ہوتا ہے، اللہ جس سے راضی ہو۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝۷

اے زکریا (علیہ السلام) ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی (علیہ السلام) ہے۔ہم نے اس نام کا اس سے قبل نہیں کیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، اور آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دی گئی۔اس کا نام یحیٰی علیہ السلام بتایا گیا، اور اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی فرمائی گئی کہ یہ نام پہلی بار رکھا گیا ہے۔

حاصل: قبولیتِ دعا کا پتہ تعلق مع اللہ کے حوالے سے لگتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنوان پہلے رکھا جاتا ہے، بشارت بعد میں دی جاتی ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝۸

عرض کی اے میرے ربّ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، عورت میری بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کو پہنچ کر سوکھ گیا ہوں۔

دعا کرنے والے کو اپنی حیثیت کا پتہ ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا علم ہے۔بیٹے کی بشارت ملنے پر یہ عرض کیا جا رہا ہے: جس کے ہاں بیٹے کی پیدائش کی بشارت ملی ہے وہ بانجھ ہے، میری حالت یہ ہے کہ بڑھاپے کی اس حد پر ہوں کہ جسم کمزور ہو کر سوکھ گیا ہے، بیٹے کی پیدائش سے پہلے ماں اور باپ دونوں کی حالت بدلے گی یا اسی حالت میں بیٹا عطا ہوگا۔

حاصل: جس کی بات ہو اس کے حوالے سے دیکھا جائے، تو معنی درست ہوں گے۔قدرتِ خداوندی کا اعتراف کرنے والی زبان بہرحال پاک ہوتی ہے۔نظر آنے والے اسباب کے دائرے میں رہنے والی زبان کبھی وہ درجہ نہیں رکھتی۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝۹

فرمایا، ایسے ہی ہوگا۔آپ کے ربّ کا فرمان ہے کہ وہ مجھے آسان ہے، اور اس سے قبل جب آپ کچھ بھی نہ تھے، میں نے ہی آپ کو پیدا کیا۔

جواب دیا گیا، موجودہ حالات میں ہی بیٹا ہوگا۔اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کیا مشکل ہے۔آپ کے وجود کے اندر بھی اللہ کی قدرت کی سند موجود ہے۔آپ کو اللہ نے نہ ہونے سے بنایا ہے۔اس تخلیق کے مقابل بانجھ بیوی اور بوڑھے شوہر سے اولاد کا پیدا کرنا مشکل نہیں ہے۔

حاصل: خالقِ کل کی شان ہے کہ وہ نہ ہونے کا ہونا بنا سکتا ہے، بقاءِ نسل کے لئے ناکارہ اعضا کو درست کر دینا اسے کیا مشکل ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩

عرض کی اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی ٹھہرا دے۔ فرمایا، آپ کے لئے نشانی یہ ہے کہ تندرستی کے باوجود تین رات دن آپ لوگوں سے کلام نہ کر پائیں گے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے جس یقین سے دربارِ الٰہی میں دعا کی تھی، اس کی موجودگی میں کوئی منفی خیال آپ کے دل میں نہیں آسکتا تھا۔ نشانی یہ مطلوب تھی کہ استقرارِ حمل کا تعین ہو سکے۔ ارشاد فرمایا گیا، نشانی یہ ہے، کہ آپ صحت وتندرستی کے باوجود لوگوں سے تین رات دن کلام نہیں کر پائیں گے۔ بولنے کی قدرت عبادت کی ادائیگی میں کام آئے گی، حقوق العباد میں تین رات دن یہ قدرت کام نہیں آئے گی۔ یہ نشانی ظاہر کرے گی کہ بقاء نسل کی ابتداء ہو چکی ہے۔

**حاصل:** نشانی طلب کرنے کا منشاء بقاء نسل کی ابتدا کو جاننا تھا۔ نشانی ایسی دی گئی، کہ وہ اعضاء جن کے افعال بندے کی مرضی کے تابع ہیں، وہاں بھی اللہ ایسی تبدیلی لا سکتا ہے جس کی وضاحت سے بندہ عاجز ہو۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ⑪

تو اپنی قوم پر محراب سے تشریف لا کر انہیں اشارے سے صبح وشام تسبیح کرنے کی تاکید کی۔

اللہ کے فرمان کے مطابق جب وہ نشانی آپ کا حال بن گئی، تو آپ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ لوگوں سے ان ایام میں بات کرنی ممکن نہ تھی۔ آپ نے اپنے منصب کے حوالے سے اپنی قوم کو صبح وشام تسبیح کرنے کی اور اللہ کو یاد کرنے کی تاکید کی۔ اشارات سے ہی یہ کام ہوا۔ جب پورا جسم شکرِ الٰہی بجا لا رہا ہو تو بات لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔

**حاصل:** تبلیغ حق کے حوالے سے جن کے بارے میں پوچھ ہونی ہے، انہیں تسبیح کی تاکید کرنی چاہئے۔ بولنے سے یہ کام ممکن نہ ہو تو اشارات سے لوگوں کو صبح وشام تسبیح کی تاکید کرنی چاہئے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ⑫

اے یحییٰ (علیہ السلام) کتاب کو قوت سے تھامئے۔ اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی حکم عطا فرمایا۔

قرآنِ پاک کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں کوئی لفظ زائد از ضرورت نہیں ہے۔ کلامِ بشر ایسے موقع پر جب بات عام عادت کے خلاف ہو، طویل ہو جاتا ہے۔ وہ بچہ جو بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے پیدا ہو، بشر اس کے بارے میں بات کو اس کی معلوم جزیات کے ساتھ بیان کرنا چاہے گا۔ کلامِ الٰہی کی شان ملاحظہ ہو کہ ایک لفظ زاید از ضرورت نہیں ہے۔ یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ شعوری زندگی کی ابتدا میں ہی آپ کو صاحب حکم بنا دیا گیا۔ آپ کی دانائی اور فراست کو لوگ مانتے تھے۔ انہیں یہ بچہ حضرت زکریا علیہ السلام کا وارث نظر آتا تھا، آلِ یعقوب علیہ السلام کا وارث نظر آتا تھا، اور اللہ کی رضا کا کامل نمونہ نظر آتا تھا۔ اس حوالے سے آپ کو یہ حکم دیا گیا، کہ توریت کو فرمان خداوندی ماننے کا اظہار یوں ہو کہ حکم خداوندی کو احسن طریقے سے ماننے کا نمونہ آپ بنیں اور کبھی انسان کے بنائے ہوئے رسم ورواج کو سہارا نہ دیں۔

**حاصل:** قوت کے ساتھ کتابِ الٰہی کو تھامنا اور لوگوں کے بنائے ہوئے رواج کو اہمیت نہ دینا، اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ سے فہم وفراست کی دعا کرنی چاہئے اور فہم وفراست جہاں نظر آئے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ اور اپنی طرف سے مہربانی اور پاکیزگی دی اور وہ متقی تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت نرم دلی اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ حسنِ نیت کو دیکھا جائے تو لوگوں کے قول وفعل پر گرفت کرنے کا رویہ نرم دلی میں بدل جاتا ہے۔ لوگوں کے قول وفعل کو اس حق کی ادائیگی پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے جو بندے پر عائد ہوتا ہے تو اس پاکیزگی کو قربِ الٰہی کی سند ماننا چاہئے۔ جس کو اللہ سے محبت ہوگی اسے اللہ کا ڈر بھی ہوگا۔ اللہ کی عنایات بے پایاں ہوں تو سب کی سب اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنے کا عزم رکھنے کے باوجود کوتاہی کا ڈر رہتا ہے۔

**حاصل:** نرم دلی اور پاکیزگی پاک لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔ اللہ سے محبت کا ثبوت یہی ہے کہ ہر حال میں اسکا ڈر رہے۔

وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ اور اپنے والدین سے خوش سلوک تھے اور جباری اور نافرمانی آپ میں نام کو نہ تھی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفاتِ مبارکہ کا ذکر ہے۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک یہ ہے کہ ان کے احکامات کو ادب سے مانا جائے۔ یہ احساس ہو کہ حکم دینے والے کو وہ علم بھی ہے جو ماننے والے کو ہے اور وہ علم بھی ہے جو ماننے والے کو نہیں ہے تو بہتر جاننے والے کی بات کو ماننا آسان ہو جاتا ہے۔ والدین کو سکھ دیا جائے تو وہ جسمانی اور روحانی راحت کا زبان سے ذکر کرتے ہیں، عملاً اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ والدین سے اپنے مطالبات کو زور دے کر منوانا، جباری ہے اور اپنی پسند کے خلاف بات ہو تو اسے ماننے سے انکار کر دینا نافرمانی ہے۔ یہ باتیں حضرت یحییٰ علیہ السلام میں بالکل نہ تھیں۔

**حاصل:** والدین کو سکھ دینا اللہ کے نزدیک بڑی پسندیدہ بات ہے۔ مطالبات کو زور دے کر منوانا اور اپنی پسند کے حوالے سے ان کے احکام کو ماننا قطعاً ناپسندیدہ بات ہے۔

وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ ع آپ پر سلامتی ہے پیدائش کے دن، موت کے دن اور جس دن اٹھائے جائیں گے۔

رحمِ مادر سے باہر آ کر سانس لینے کا دن پیدائش کا دن ہے۔ یہ پہلا انتقال ہے۔ حیاتِ دنیا کو پورا کر کے اس دارِ عمل سے رخصت ہونے کا دن موت کا دن ہے۔ یہ دوسرا انتقال ہے۔ اور جزا کے لئے اٹھائے جانے کا دن یومِ بعث ہے اور یہ تیسرا انتقال ہے۔ سلامتی اور کرم کی احتیاج انتقال کے وقت انتہا پر ہوتی ہے، اور جس کو یہ سلامتی نصیب ہو اس کے مرتبے کو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے قرب کو، واجب التکریم ماننا چاہئے۔ جہاں قادرِ مطلق کی طرف سے سلامتی شاملِ حال ہو، وہاں کسی دوسری قوت کا اثر ہی کیا ہو سکتا ہے۔

حاصل: پیدائش کے دن اور موت کے دن وہی کرنا چاہئے جو مخلصین کی طریقت ہے۔ جو حال پر پاک ہے، مستقبل میں وہی فلاح پائے گا۔ جو سلامتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو اس سے بڑی کوئی سلامتی ہو ہی نہیں سکتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۲۲) میں ارشاد فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾ اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو، اور اپنے رب کی بندگی کرو اور خیر کے کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

وقف لازم

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾

اور کتاب میں مریم (علیہا السلام) کا ذکر کیجئے، جب وہ اپنے اہل سے ایک مشرقی مقام کی طرف الگ ہوگئیں۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام، حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں۔ آپ نے جو جگہ بی بی صاحبہ کے لئے بنائی تھی وہاں ایسے رزق کو دیکھ کر جس کا اہتمام موجودہ ذرائع سے نہیں ہو سکتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا یہ کہاں سے آیا۔ بی بی صاحبہ نے جواب دیا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اللہ کی طرف سے ہے۔ (۳:۳۷) یہیں آپ نے پاک اولاد کے لئے دعا کی تھی۔ حضرت بی بی مریم علیہا السلام اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر بیٹھ گئیں۔ جس جگہ وہ الگ ہو کر بیٹھیں وہ مشرقی جانب تھی۔ الگ ہو کر بیٹھنے کی ضرورت جسمانی اور روحانی حوالے سے تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے حضرت بی بی مریم کا ذکر جس سند کے ساتھ ہو رہا ہے، وہ سند کوئی ایسی نہیں ہے جس کا انکار ممکن ہو۔

حاصل: بیان کے منشاء کو واضح ہونا چاہئے تبھی بیان پورا ہوتا ہے۔ عنوان کو ملحوظ رکھ کر بات شروع کرنی چاہئے، اور عنوان کے حوالے سے بات کو پورا کرنا چاہئے۔ جسمانی اور روحانی ضرورت کے حوالے سے عورتوں کو اپنے گھر والوں سے بھی ایک وقت کے لئے الگ ہونا چاہئے۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾

تو ان سے پرے ہو کر پردہ کر لیا۔ پھر ہم نے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا، جو تندرست بشر کی صورت میں ظاہر ہوا۔

گھر والوں سے الگ ہونے کی ضرورت کا احساس ایک جسمانی کیفیت کے حوالے سے تھا۔ پردے کا اہتمام اس طرح کیا گیا کہ کسی کو خلوت میں آنے کا موقع نہ ملے۔ وہاں فرشتہ، بی بی صاحبہ کے سامنے ایک صحت مند بشر کی صورت میں حاضر ہوا۔ پردے کا اتنا اہتمام ہو کہ گھر والوں سے بھی علیحدگی ہو، اور وہاں پردہ باقی نہ رہے تو اس سے بڑی حیرت اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل: اپنی ذاتی سلامتی کے لئے عورتوں کو خلوت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ پردہ عورت کی ضرورت ہے اور اس کا حق ہے۔ اپنے گھر میں بھی عورتوں کے اس حق کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾

کہا، میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو ہے اللہ کا ڈر رکھنے والا۔

حضرت بی بی مریم نے اپنے سامنے نظر آنے والی صورت سے یہ کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ جس نے تجھے قدرت دی ہے، اس کی قدرت کے سامنے اس قدرت کا کوئی مقام نہیں ہے جو اس وقت تمہیں حاصل ہے۔ رحمٰن کی پناہ پاک دامنی کا مقام ہے۔ جنسِ مخالف کو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے احترام کی طرف مائل کرنا اور قدرتِ خداوندی کے بڑے یقین کے ساتھ اپنا حال بیان کرنا بہت بڑی بات ہے۔

**حاصل:** اللہ کی مدد کا یقین ہو تو خلافِ حق کرنے والے سے مرعوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾

جواب دیا، میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں، کہ آپ کو ایک پاک بیٹا دوں۔

فرشتے نے حضرت بی بی مریم علیہا السلام سے کہا: جس رب اور رحمٰن کی پناہ آپ کو مطلوب ہے میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں، اور اس بشارت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں کہ آپ کے ہاں ایک پاک بیٹا ہوگا۔

**حاصل:** بھیجنے والا حق کا علم رکھتا ہو تو بھیجے ہوئے کا قول اور فعل بھیجنے والے کی منشاء کے مطابق ہونا چاہئے۔

قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾

کہا، میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا اور میں برائی کے رخ پر نہیں ہوں۔

فرشتے کی اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بی بی نے کہا، کہ میرے ہاں لڑکا ہونے کی بات بڑی عجیب ہے۔ مجھے کسی بشر نے چھوا ہی نہیں اور میرا رُخ بھی بُرائی کا نہیں۔ بقاءِ نسل کی یہی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، کہ مرد عورت کے قریب آئے یا عورت اس کے قریب جائے، یہاں یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں۔

**حاصل:** حیرت کا اظہار یہ جاننے کے لئے تھا کہ عطاءِ الٰہی کی صورت کیا ہوگی۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ تو بی بی صاحبہ کو ہوتا ہی رہتا تھا اس لئے بے یقینی کی بات آپ کی زبانِ پاک پر نہیں آ سکتی تھی۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ﴿۲۱﴾

جواب دیا، اسی طرح ہے۔ آپ کے رب نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے، اور اس لئے کہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرائیں اور اپنی طرف سے رحمت، اور یہ امر ہو چکا ہے۔

فرشتے نے بی بی مریم علیہا السلام کو جواب دیا، کہ حالات یہی رہیں گے۔ انہی حالات میں آپ کے ہاں بیٹا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے بغیر باپ کے آپ کو بیٹا عطا کرنا آسان ہے۔ اور اللہ نے اس کو لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرانے کا ارادہ فرمایا ہے اور یہ بیٹا اللہ کی طرف سے رحمت ہوگا۔ یہ عنوان اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا جا چکا ہے۔ آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا گیا، بی بی حوا علیہا السلام کو بغیر ماں کے پیدا کیا گیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا۔ خالق کل کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔ اس کی قدرت کی نشانیاں قطعاً واضح ہیں، مگر ہدایت تو اسے ہی ہو سکتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔

**حاصل:** خالقِ کل، علیمِ مطلق ہے۔ وہ جو چاہے، وہی ہوتا ہے۔ اسے کبھی مشکل پیش نہیں آتی۔ جسے اللہ لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرائے، جو لوگوں کے لئے باعثِ قربِ الٰہی ہو، وہ یقیناً اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔ امرِ الٰہی کے ہونے کے ساتھ ہی ہر شے اپنے خالق کی منشاء کے مطابق رُخ اختیار کر لیتی ہے۔

**فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾**

تو آپ حاملہ ہو گئیں پھر اسے لئے ہوئے آپ دور جگہ پر چلی گئیں۔

فرشتے کے اس پیغام کے بعد کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا، وہ بیٹا اللہ تعالیٰ کی نشانی ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہوگا، بی بی مریم علیہا السلام پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ احساسِ حمل کے ساتھ ہی آنے والے حالات کی طرف نظر گئی۔ قوم کی سوچ اور رویہ آپ کے سامنے تھا۔ وہ ایام جن میں جسم یہ بتا دیتا ہے کہ اس جسم سے ایک اور جسم پیدا ہونے والا ہے، آپ کے لئے بڑے تکلیف دہ تھے۔ آپ ان دنوں میں اپنی عبادت گاہ سے دور ایک مقام پر چلی گئیں، جہاں خلوت کے اعتبار سے بہتر سہولت موجود تھی۔ عام حالات میں زچگی کے وقت، تجربہ کار خواتین سے مدد لی جاتی ہے اور ان کا قرب باعث اطمینان ہوتا ہے، بی بی مریم علیہا السلام کی کیفیت بالکل دوسری تھی۔

**حاصل:** عطائے الٰہی کی اہمیت معلوم ہو تو بھی اس کے اظہار کے لئے موزوں وقت کو دیکھنا چاہئے۔ لوگ کسی حال پر تبصرہ کرتے وقت اپنے ماضی کے تجربات کے حوالے سے ہی بات کرتے ہیں۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم کا مقام ملحوظ رکھنا چاہئے۔

**فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا ﴿۲۳﴾**

تو زچگی کا درد آپ کو کھجور کی جڑ کی طرف لایا۔ کہنے لگیں، ہائے میں اس سے قبل ہی مر گئی ہوتی اور بھلا دی گئی ہوتی۔

زچگی کا درد عجیب کیفیت رکھتا ہے۔ کبھی چلنے کو جی چاہتا ہے، کبھی بیٹھنے کو۔ بی بی مریم علیہا السلام اسی کیفیت میں تھیں۔ کھجور کے درخت کے نیچے آکر بیٹھ گئیں۔ مستقبل قریب میں اپنی ذات سے متعلق ہونے والی باتوں پر نظر گئی تو کہنے لگیں، ہائے اس سے پہلے میں مر گئی ہوتی اور آج کسی کو یاد بھی نہ ہوتی۔

**حاصل:** زچگی کے وقت کی ضروریات کا اہتمام بڑے علم سے ہونا چاہئے۔ کسی پاک خاتون کے لئے اس سے بڑی

تکلیف کوئی نہیں ہوسکتی کہ اسے ناپاک سمجھ کر اس سے بات کی جائے۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

تو آپ کے نیچے سے ندا دی گئی کہ حزن نہ کیجئے، آپ کے ربّ نے آپ کے نیچے چشمہ بہادیا ہے۔

زچگی کے درد میں پیاس لگتی ہے۔ پیاس کا اظہار ہوا۔ پانی کے قریب نہ ہونے کا علم بی بی مریم علیہا السلام کو تھا۔ پیاس کے احساس کے ساتھ ہی آپ کو پکار کر کہا گیا: غم نہ کیجئے، آپ کے ربّ نے آپ کے لئے چشمہ بہادیا ہے۔ یہاں کسی کا نظر آنا بی بی صاحبہ کے لئے تکلیف دہ ہوسکتا تھا، اس لئے صرف آواز سے مدد دی گئی۔

**حاصل:** پاک دامنی دائمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں مدد کی جاتی ہے کہ جو کچھ درکار ہوتا ہے، قریب کردیا جاتا ہے، مشقت معاف ہوجاتی ہے۔

وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلایئے، آپ پر پکی کھجوریں گریں گی۔

غم کے دائرے سے نکلنے کے لئے عملاً کچھ کرنا چاہئے۔ بی بی مریم علیہا السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ کھجور کے درخت کو پکڑ کر ہلایئے، آپ پر پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ اللہ کی قدرت سے بی بی صاحبہ کو کھجوریں بغیر کوشش کئے بھی مل سکتی تھیں، مگر اس کوشش کے بغیر آپ دکھ سے نہیں نکل سکتی تھیں۔ اللہ کی مدد بڑے علم سے ہوتی ہے۔

**حاصل:** زچگی کے وقت کی بہترین خوراک کھجور ہے۔ تازہ کھجوریں مل سکتی ہوں تو وہ کھلانی چاہئیں ورنہ جو میسر آسکیں وہی کھلانی چاہئیں۔ یہ خوراک زچہ کے لئے تو مفید ہے ہی بچہ کے لئے ماں کے دودھ کے حوالے سے ضروری ہوتی ہے۔

فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ ﴿۲۶﴾

تو کھایئے اور پیجئے اور آنکھ ٹھنڈی رکھیئے، پھر اگر آپ کسی بشر کو دیکھیں تو کہہ دیجئے، میں نے روزہ رحمٰن کی نذر کیا ہے تو آج کسی آدمی سے کلام نہ کروں گی۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام کی تسکین کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا: کہ کھایئے اور پیجئے، آپ کے لئے اہتمام کردیا گیا ہے۔ گریہ نہ کیجئے، جو صورت بھی پیش آئے گی اللہ کا فضل شامل حال ہوگا۔ اگر کسی بشر سے واسطہ ہو تو اسے کہہ دیجئے کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھا ہوا ہے، اس لئے آج کسی سے کلام نہیں کروں گی۔ اس کے سب سوالات کا جواب خاموشی ہوگی۔ خلوت سے جلوت میں آنے کا کام بڑا بھاری ہوتا ہے۔ جلوت میں آنے کے بعد ایک وقت تک خاموشی کو قائم رکھنے سے جسمانی فائدہ بھی پہنچتا ہے روحانی فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اس طرح خاموش رہنے والے کے اندر اس ماحول میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے، جو خلوت میں پیدا نہیں ہوسکتی اور یوں اللہ کے فضل سے اس کا کام آسان کردیا جاتا ہے۔

حاصل: غم کے دائرے سے کسی کو نکالنا اور کسی کی پاکیزگی کی قدر کرتے ہوئے اس کو مدد دینا، اللہ کی سنت ہے۔ اس میں کھلانے پلانے کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ خلوت کے بعد جلوت کا مقام آتا ہے۔ جلوت میں آنے کے بعد کچھ وقت خاموشی کے ساتھ گزارنا چاہئے۔ پوری اور بہتر بات اسی طرح ہو سکتی ہے۔

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـًٔـا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾

تو بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ کہنے لگے اے مریم (علیہا السلام) بے شک آپ نے بہت برا کیا ہے۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام جب بچے کو گود میں لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے آپ کی پاکیزگی کو کالعدم جان کر آپ سے بات کی، اور کہا اے مریم علیہا السلام بے شک آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے۔ لوگوں کو برائی یہ نظر آئی، کہ بی بی صاحبہ کی گود میں بچہ آپ کی ازدواجی زندگی کا ثبوت ہے اور آپ کی ازدواجی زندگی کسی کے علم میں نہیں ہے۔ لہٰذا ناپاکی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا۔

حاصل: جو اپنے حال کو بیان کر سکتا ہو، اس کے بارے میں فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اس سے پوچھ لینا ضروری ہوتا ہے۔ وضاحت کا موقع دیئے بغیر کسی کے بارے میں فیصلہ صادر کر دینا ظلم ہے۔

يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖۚ ﴿۲۸﴾

اے ہارون کی بہن، آپ کا باپ تو برا نہ تھا اور نہ آپ کی ماں ہی بری تھی۔

قوم کے لوگوں نے کہا یہ سب آپ کے قریبی عزیز ہیں۔ نیکی اور تقوے میں یہ اپنے اپنے مقام پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کے بھائی جناب ہارون کی پاک دامنی سے آپ کے عمل کو کیا نسبت ہے۔ آپ کے باپ کی پاکیزگی اور طہارت سے آپ کے عمل کو کیا نسبت ہے اور آپ کی ماں کی شرافت کا تو آپ پر سایہ بھی نہیں پڑا۔ خاندان کی اتنی روشن اور پاک مثالوں کو دیکھ کر بھی آپ نے اپنی پاک دامنی کو قائم نہیں رکھا۔

حاصل: پاک لوگوں سے تعلق ہو تو حسنِ عمل ہی اس تعلق کا ثبوت ہوتا ہے۔ بلا تحقیق فیصلہ صادر کر دینا پاک لوگوں کی طریقت نہیں ہے۔

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

تو آپ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ کہنے لگے ہم بچے سے کیسے کلام کریں جو گود میں ہے۔

بھائی کی پاکیزگی، باپ کی نیک نامی اور ماں کی شرافت کا ذکر کر کے قوم کے لوگوں نے بی بی مریم علیہا السلام کو طعنہ دیا، تو آپ نے بچے کی طرف اشارہ کر کے جسم کی زبان سے کہا کہ اس بچے کی وجہ سے تم لوگوں کو میری پاکیزگی پر شک ہوا ہے، اسی سے میری پاکیزگی کے بارے میں پوچھ لو۔ اس پر انہیں حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا اس بچے سے کیسے بات کی جا سکتی ہے، یہ تو ابھی کچھ بتا سکنے کی عمر میں نہیں ہے۔

حاصل: جس سبب کی وجہ سے لوگ شک میں پڑ رہے ہوں، انہیں اس کی حقیقت کی طرف راغب کرنا چاہئے۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ﴿۳۰﴾

بچے نے کہا، بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی ٹھہرایا ہے۔

بی بی مریم علیہا السلام کی پاکیزگی پر شک کرنے والوں کو آپ کے بچے سے کچھ پوچھنے کی بات عجیب لگتی تھی، کہ بچہ تو مولود تھا اور بولنے کے مقام پر نہیں تھا۔ بچے نے اس حال پر جس طرح بات شروع کی وہ یوں ہے کہ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اور صاحب کتاب نبی ہوں۔ ناپاکی کا جو خیال لوگوں کے ذہن میں تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس کلام سے غلط ثابت ہو گیا۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ جس طرح مدد کرتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ پاک بندے کا بیان شہادت اظہارِ عبدیت سے شروع ہوتا ہے۔

وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪ۖ﴿۳۱﴾

اور اس نے مجھے برکت والا کیا ہے، جہاں بھی ہوں، اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے جب تک حیات ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے تعارف میں یہ فرما رہے ہیں، کہ اللہ نے مجھے برکت والا کیا ہے، جہاں بھی ہوں۔ آپ نے بتایا کہ حصولِ برکت کے طلب گار یاد رکھیں کہ مجھ سے برکت حاصل کی جا سکتی ہے اور ہر مقام پر کی جا سکتی ہے۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے بارے میں اللہ کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں کام تا حیات جاری رہیں گے۔ اظہارِ عبدیت دائمی ہوگا، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ معاملے میں پاکیزگی دائمی ہوگی۔ یوں حیاتِ دنیا میں جس کو حُسنِ قول سیکھنا ہو اس کے لئے بھی میں سند ہوں اور جس کو حُسنِ عمل سیکھنا ہو اس کے لئے بھی میں سند ہوں۔

**حاصل:** اللہ کے بندوں سے حصول برکت، اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔ حُسنِ قول بھی برکت والوں سے ہی سیکھا جا سکتا ہے، حُسنِ عمل بھی۔

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾

اور اپنی والدہ سے حُسنِ سلوک کرنے والا۔ اور اس نے مجھے جبار اور شقی نہیں ٹھہرایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی پاکیزگی کا ایسا ثبوت دے رہے ہیں، کہ جو بذاتہٖ معجزہ بھی ہے، حق بھی ہے۔ اپنے تعارف میں آپ نے یہ فرمایا کہ میں صرف ماں سے ہی حُسنِ سلوک کرنے والا ہوں، کہ مجھے اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ ماں سے حُسنِ سلوک یہ ہے کہ اس کے فرمان کو حق کے حوالے سے بڑے ادب کے ساتھ مانا جائے۔ جباری اور زبردستی یہ ہے کہ والدہ کے سامنے اپنی پسند کو اس طرح رکھ دیا جائے کہ اس کی فرماں برداری کا موقع ہی نہ رہے۔ شقی اور بدبخت ہونا یہ ہے کہ ماں کی فرماں برداری کی بجائے، اس کو اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے پر مجبور کیا جائے۔ زبردستی اور بدبختی پاک لوگوں کے طریق زندگی کا حصہ کبھی نہیں ہوتی۔

**حاصل:** والدہ سے حُسنِ سلوک برکت والے لوگوں کی نشانی ہے۔ زبردستی اور بدبختی سے بچتے رہنے کو حق جاننا چاہئے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میری ولادت ہوئی اور جس دن میری موت ہوگی اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر جس سلام کا ذکر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، زبانِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس سلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس سلام کا ذکر تین مقامات سے تعلق رکھتا ہے، یوم ولادت، یومِ موت اور یوم بعث بعد الموت۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سلامتی سے تعلق رکھتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سلامتی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور قیامت کے دن آپ کا اٹھایا جانا سلامتی سے تعلق رکھتا ہے۔ سلامتی پانے والے کو، سلامتی عطا کرنے والے کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے کتنی بے ہودہ بات کرتے ہیں۔

**حاصل:** جن پاک لوگوں کی شان دائمی سلامتی کے ساتھ بیان کی گئی ہے ان کے ساتھ کسی خلافِ حق بات کو منسوب کرنا قطعاً خلافِ ادب ہے۔ جہاں یہ بے ادبی ہو وہاں ایمان نہیں ہوسکتا۔

ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ قولِ حق جس میں لوگ جھگڑتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ بندگی، کتاب، نبوت، برکت، صلوٰۃ و زکوٰۃ پر تاحیات عمل اور ماں سے حُسنِ سلوک یہ آپ کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ جباری اور بدبختی آپ کی ذات میں بالکل نہ تھی۔ ان کی ولادت، موت اور بعث بعد الموت کا سلامتی سے تعلق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس بیانِ حق کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہ کلمۃ اللہ ہیں۔ وہ خدا نہیں ہیں کہ خدا پیدا نہیں ہوتا۔ وہ خدا کے بیٹے نہیں ہیں، کہ اللہ کی مثل کوئی نہیں ہے اور بیٹا باپ کی مثل ہوتا ہے۔ جس نے آپ کو جبار اور شقی کہا اس نے غلط کہا۔ جس نے آپ کے نسب پر طعن کی وہ کذاب و مفتری ہے۔ حق معلوم ہو جائے تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

**حاصل:** جب بات حق کے حوالے سے ہو تو وہ مستند ہوتی ہے۔ بات سند سے ہو تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ؕ﴿۳۵﴾

اولاد اللہ کی شان کے لائق نہیں، وہ پاک ہے۔ جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا! پھر وہ ہو جاتا ہے۔

اولاد، والد کی مثل ہوتی ہے اور اللہ کی کوئی مثل نہیں۔ اولاد عبد کی ہوتی ہے معبود کی نہیں۔ اولاد کا ہونا احتیاج کو ثابت کرتا ہے اور احتیاج اللہ کی شان کے لائق نہیں۔ وہ اس سے بہت بلند ہے۔ وہ اس سے پاک ہے۔ جب اللہ کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو اس کے لئے کچھ مشکلات نہیں ہوتیں۔ عنوان اس کی طرف سے رکھ دیا جاتا ہے تو اسباب اس عنوان کے مطابق رُخ اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جو وقت طبعی طور پر اس کام کے ہونے کا اللہ نے رکھا ہوا ہے، وہ بھی حکمت سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ کی قدرت کا دائرہ ہر شے پر محیط ہے۔

**حاصل:** عبد کبھی معبود نہیں ہوسکتا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیا جاتا ہے تو اس کا عنوان

رکھ دیا جاتا ہے، پھر وہ ہو جاتا ہے۔ اسباب ہمیشہ مسبب کی مرضی کے مطابق رہتے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے، تو اسی کی بندگی کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات اظہارِ عبدیت سے شروع ہوئی تھی، اظہارِ عبدیت پر ختم ہو رہی ہے۔ آپ نے سامعین سے یہ کہا کہ اللہ ہی میرا رب ہے، وہی تمہارا رب ہے کہ وہی رب العالمین ہے۔ بندگی کی ابتدا پاکیزگی سے ہوتی ہے۔ پاکیزگی خلوت میں پہلے ہوتی ہے، جلوت میں اس کے بعد آتی ہے۔ خلوت کی پاکیزگی پر اللہ شاہد ہوتا ہے، جلوت کی پاکیزگی پر اللہ کا بندہ شاہد ہوتا ہے۔ یوں خلوت اور جلوت ایک دوسرے کی مصدق ہو جاتی ہیں، یہ صراطِ مستقیم ہے۔ حال پر فلاح کے لئے اس سے چھوٹا راستہ اور کوئی نہیں۔

**حاصل:** اللہ کی بندگی سے بات شروع کرنی چاہئے، اللہ کی بندگی پر بات ختم کرنی چاہئے۔ صراطِ مستقیم کا تعین کرنا پاک لوگوں کی شان ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

پھر ان جماعتوں کے مابین اختلاف ہو گیا، تو کافروں کے لئے خرابی ہے ایک بڑے دن کی حاضری سے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانِ پاک سے روشن بیان سن کر لوگوں نے وہ رُخ اختیار نہیں کیا، جسے آپ نے صراطِ مستقیم کہہ کر لوگوں کے سامنے رکھا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کے مابین اختلاف ان کی اپنی توضیحات کی وجہ سے ہوا۔ مختلف گروہوں نے اپنے اپنے گمان کے مطابق بات کی، اور آپ کو عبد ماننے سے انکار کیا۔ حق پر وہی گروہ تھا جس نے حضرت کو عبد اللہ مانا۔ جن لوگوں نے آپ کو عبد اللہ ماننے سے انکار کیا، قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے بارے میں یہ شہادت دیں گے۔ ”میں نے ان سے صرف وہی کہا جس کا تو نے مجھے امر دیا تھا، کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے، تمہارا بھی رب ہے۔“ (۵:۱۱۷) اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود ٹھہرانے والوں کے لئے خرابی ہوگی۔

**حاصل:** حق میں اپنی پسند کو شامل کرنے سے ہمیشہ اختلاف پیدا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ خرابی ہی ہوتا ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام شہادت دیں گے کہ میں نے لوگوں کو اللہ کی بندگی کی تاکید کی تھی، تو انہیں معبود ٹھہرانے والوں کے پاس کیا رہ جائے گا۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

جس دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے بہت سنتے اور خوب دیکھتے ہوں گے، مگر آج ظالم صریحاً بہک رہے ہیں۔

ہدایت و گمراہی کا تعلق حال سے ہے۔ جو حق کو سنتا ہے، اس میں تدبر کرتا ہے اور فلاح کی طلب کے ساتھ پاک اور ناپاک کے فرق کو

دیکھتا ہے، اسے ہدایت ہوتی ہے۔ جو حق کو سن کر ان سنا کر دیتا ہے، جو پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم کو دیکھنے کے باوجود اپنے نفس کی خوشی کے لئے ناپاکی کی طرف ہی جاتا ہے، وہ بہک جاتا ہے۔ حال پر سننا اور دیکھنا نافع ہوتا ہے کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت موجود ہوتی ہے۔ آخرت میں ظالموں کے لئے حسرت کا دن ہوگا۔ اس دن خوب سننا اور خوب دیکھنا انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا، کہ عملاً اپنی صداقت کو ثابت کرنے کا ان کے پاس وقت ہی نہ ہوگا۔

**حاصل:** سننے اور دیکھنے کی صلاحیت کا استعمال باعثِ ہدایت ہونا چاہئے۔ ظالم حق کو سن کر خلافِ حق کرتا ہے، مخلصین کے عمل کو دیکھ کر اس کے خلاف کرتا ہے، یوں وہ گمراہی کو خود خریدتا ہے۔

وقف لازم

**وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾**

اور ڈر سنا دیجئے انہیں حسرت کے دن کا جب کام ہو چکے گا۔ اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ مانتے نہیں۔

جن لوگوں کے اعمال کی بنیاد آخرت کے انکار پر رکھی جاتی ہے، ان کے لئے جزا کا دن، حسرت کا دن ہوگا۔ انہیں افسوس ہوگا کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ نہیں کرنا چاہئے تھا، اور حق کے مطابق جو کچھ کرنا چاہئے اس کا اب وقت نہیں ہے۔ خدائی فیصلے کی شان نظر آئے گی۔ اپنا عجز بھی سامنے ہوگا۔ اس دن کے افسوس کو کسی دوسرے افسوس سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، مگر لوگ ہیں کہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ مقصدِ حیات پر نظر نہیں کرتے۔ یہ مانتے ہی نہیں کہ اللہ نے کسی شے کو بے مقصد نہیں پیدا کیا۔

**حاصل:** یہ حسرت کی انتہا ہے کہ اصلاح باعثِ فلاح نظر آئے اور اسے اختیار کرنا ممکن نہ ہو۔ اپنے مقصدِ حیات کو دیکھنا چاہئے ورنہ غفلت کے دائرے سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔

**اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾** ع ۲ ۲۵ ۵

بے شک ہم زمین اور جو کچھ اس پر ہے کے وارث ہوں گے، اور وہ ہماری طرف لوٹ آئیں گے۔

قیامت کے دن زمین اور جو کچھ اس پر ہے کی ملکیت کا دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ جس مالک نے اسے پیدا کیا ہے وہ حال پر بھی اس کا مالک ہے، مستقبل میں بھی اس کا مالک ہوگا۔ دارِ عمل میں حضرت انسان کو ایک توفیق کے ساتھ زمین پر رہنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر وہ یاد رکھے کہ اسے بھیجنے والے کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو وہ مالکِ حقیقی کے ساتھ اپنے تعلق کو اس کی رضا کے حوالے سے درست رکھے گا، ورنہ من مانی کرتے ہوئے وہ توفیق اور مہلت کو ضائع کرلے گا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ہمارا آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں جانا بھی ہے۔

**حاصل:** مہلت اور توفیق کو اللہ کی عطا جاننا چاہئے۔ ہمارا آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں جانا بھی ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: **يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾** جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے، جو کچھ وہ کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾

اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بے شک وہ صدیق تھے، نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ نبی ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہو یا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنے تعلق کو بیان کر کے سب لوگ راحت پاتے ہیں۔ یوں آپ کا ذکرِ خیر سامعین کے لئے باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے۔ اس سے انہیں رجوع الی اللہ ہونے میں مدد ملتی ہے۔ یہاں ان کی دو صفات بیان فرمائی گئی ہیں، صدیقیت اور نبوت۔ حق کو بیان کرنا، اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنا، رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے ہمہ وقت مستعد رہنا اور جس قربانی کے لئے مالکِ حقیقی کی طرف سے آگاہی ملے اس قربانی کو بصد احترام پیش کرنا، یہ صدیق کی شان ہے۔ نبی، اللہ کی بات کرتا ہے، اللہ کے علم سے بولتا ہے، بشارت و انذار کے حوالے سے شاہد ہوتا ہے، کبھی لوگوں کی پسند کو اہمیت دے کر حق کو ان کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتا، نبی کا اجر رب العالمین پر ہوتا ہے۔

**حاصل:** اس سے بڑی برکت کیا ہو سکتی ہے کہ لوگ اللہ کے دوست کو اپنا دوست بنا لیں۔ جس سے محبت کا دعویٰ ہو اس کی صفات کا پرتو محبّین میں نظر آنا چاہئے۔ جو باتیں شانِ صدیقیت کے خلاف ہوں، شانِ نبوت کے منافی ہوں ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرنا خلافِ ادب ہے، خلافِ حق ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾

جب اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ، آپ اس کی بندگی کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے اعمال کا ایک وقت تک مشاہدہ کیا۔ مشاہدے کے لئے جو قرب درکار ہوتا ہے وہ تو آپ کو حاصل تھا۔ باپ کے ساتھ بات کرنے میں موزوں وقت، موزوں مقام اور آدابِ کلام یہ سب باتیں آپ کی نظر میں تھیں۔ آپ نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ، میں آپ کو اس کی بندگی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں جو آپ کی دعاؤں کو سنتا ہی نہیں، جو آپ کے حال کو دیکھتا ہی نہیں، اور آپ کے کسی کام نہیں آتا اور آپ ہیں کہ اس کی بندگی کئے جا رہے ہیں۔ عبد کا معبود سے یہ تعلق ہوتا ہے کہ عبد اپنی احتیاج کو اپنے معبود کے سامنے اس یقین کے ساتھ بیان کرتا ہے، کہ اس کا معبود اس کی احتیاج کو اپنے علم اور اپنی قدرت سے اس طرح پورا کرے گا کہ اس سے بہتر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے خالق کے مقابل اپنی گھڑی ہوئی چیز کو معبود بنا لینا خلافِ عقل ہے۔

**حاصل:** باپ کے ساتھ بات کرنے میں آدابِ کلام، موزوں وقت اور موزوں مقام کو دیکھنا چاہئے۔ بات اگر ایسے ماحول میں ہو کہ ابتدا میں ہی سننے والے کے اندر حدت پیدا ہو جائے، تو سننا ممکن ہی نہ رہے گا۔ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ ہر مقام پر اپنے عبد کی دعا کو سنتا ہے، ہر مقام پر اپنے عبد کو دیکھتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾

اے میرے باپ بے شک مجھے ایک علم عطا ہوا ہے، جو آپ کو نہیں ملا۔ تو میرا اتباع کیجئے، میں آپ کو سیدھی راہ دکھا دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے اپنے علم کے بارے میں یہ کہا، کہ مجھے ایک علم عطا فرمایا گیا ہے، اور یہ علم آپ کو نہیں ہے۔ مقصود اللہ کی رضا ہو تو وہ راستہ اختیار کرنا چاہئے جس راستے پر چل کر اللہ کی رضا کے حصول کا یقین ہو۔ میری پیروی سے آپ کو خوف وحزن سے نجات مل جائے گی، اطمینانِ قلب مل جائے گا۔ اس طرح آپ کو وہ مل جائے گا جو آپ کی سعی بسیار کے باوجود آپ کو نہیں ملا۔

**حاصل:** اپنے علم کا اظہار ہوگا تو سامعین کو پیروی کے لئے کہا جاسکے گا، خوف وحزن سے نجات کی راہ دکھائی جاسکے گی۔ علم حقیقی تو ہوتا ہی خدمتِ خلق کے لئے ہے، اس لئے اس کا اظہار کبھی استکبار کی علامت نہیں ہوسکتا۔

يَآ أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۖ إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾

اے میرے باپ، شیطان کی بندگی نہ کیجئے، بیشک شیطان، الرحمٰن کا نافرمان ہے۔

اللہ کا فرمان لوگوں کی بھلائی کے لئے ہوتا ہے۔ جب اس کے مقابل اپنی خواہش اور تجویز کو زیادہ وقعت دی جائے تو یہ شیطان کی بندگی ہوگی۔ اگر کوئی شیطان کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کرے تو اسے دیکھنا چاہئے، کہ نافرمان کا ساتھ صاحبِ فرمان سے دوری کا باعث ہی بن سکتا ہے۔

**حاصل:** اپنی خواہش اور تجویز کو اللہ کے فرمان کے مقابل زیادہ وقعت دینا، شیطان کی بندگی ہے۔ مردود کا ساتھ قربِ الٰہی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

يَآ أَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾

اے میرے باپ مجھے خوف ہے کہ آپ کو الرحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب پہنچے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

الرحمٰن کی شان ہے کہ وہ عذاب اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ چکھا کر بندے کو اصلاحِ حال کی طرف آنے میں مدد دیتا ہے۔ اللہ کا یہ عذاب بندے کے باطل عقیدے کی نفی کر دیتا ہے۔ اسے یہ نظر آنے لگتا ہے کہ جو راستہ اس نے اختیار کر رکھا ہے وہ سلامتی کا راستہ نہیں ہے، فلاح کا راستہ نہیں ہے۔ ان حالات میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ اگر اس مقام پر بھی وہ حق سے اعراض کرے تو پھر اس کی پسند کے مقابل اسے کچھ اہم نظر نہیں آتا اور وہ شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے۔

**حاصل:** خلافِ حق کرنے والوں کو فوراً نہیں پکڑ لیا جاتا، انہیں اصلاحِ حال کی مہلت دی جاتی ہے۔ اتمامِ حجت کے باوجود وہ حق سے اعراض کو اپنا معمول بنالیں، تو پھر وہ شیطان کے ساتھی ہو جاتے ہیں۔ من مانی کرتے چلے جانے سے بڑھ کر بے ہودگی کیا ہوسکتی ہے۔

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَآ إِبْرٰهِيمُ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٦﴾

کہنے لگا، اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم میرے معبودوں سے منہ پھیرتے ہو۔ اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تمہیں سنگسار کر دوں گا، اور مجھ سے ایک عرصے کے لئے ہجرت کر جاؤ۔

باپ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی باتیں سن کر یہ کہا، کیا تمہیں یہ جرات ہوگئی ہے کہ تم میرے معبودوں کی شان میں گستاخی کررہے ہو۔ اگر تم اپنے رویئے پر ندامت کا اظہار کرو تو اس قصور کو معاف کیا جاسکتا ہے، اور اگر تمہاری یہ روش جاری رہے تو پھر یقیناً تمہاری سزا سنگساری ہوگی۔ تمہارا باپ ان معبودوں سے منہ پھیرنے کی سزا تمہیں خود دے گا۔ میرے نزدیک ان معبودوں کے مقابل تمہارا کیا مقام ہے، واضح کردیا گیا ہے۔ اب میرے پاس رہنے کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔ تم ایک لمبے عرصے کے لئے یہاں سے چلے جاؤ۔ اس عرصے میں تمہیں یہ احساس ہوجائے کہ میرے پاس رہنا تمہاری ضرورت ہے، تو ان معبودوں کے ساتھ تمہیں اسی طرح پیش آنا ہوگا جس طرح میں آتا ہوں۔

حاصل: اپنی سوچ کو سند کا درجہ دینا اور اسی کے حوالے سے فیصلے کرتے چلے جانا، خوف و حزن کو بڑھا دیتا ہے۔ حق کے جواب میں انتہائی دھمکی بھی یہی ثابت کرتی ہے، کہ دھمکی دینے والے کے پاس اپنے عقائد کے درست ہونے کی کوئی قابل ذکر سند نہیں ہے۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾

فرمایا، آپ کو سلام ہے۔ جلد ہی میں آپ کے لئے اپنے ربّ سے استغفار کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کی باتوں کے جواب میں فرمایا: آپ کو سلام ہے۔ میں اپنے رب سے آپ کے لئے معافی طلب کروں گا، بخشش طلب کروں گا، میرے رب کی مجھ پر بہت عنایات ہیں۔ یہ وعدۂ استغفار اس وقت کیا گیا جب آپ نے اپنے باپ سے اس کے حکم کے مطابق الگ ہونے کا رخ اختیار کیا۔ جب آپ نے یہ دیکھ لیا کہ باپ اللہ کا دشمن ہو چکا ہے، پھر آپ نے باپ کے لئے بخشش طلب کرنا خلافِ حق جانا۔

حاصل: جب تک باپ کی اللہ سے دشمنی عملاً نظر نہ آجائے، نیک اولاد کو اس کے لئے دعاءِ خیر کا وعدہ کرنا چاہئے اور دعاءِ خیر کرنی چاہئے۔

وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾

اور میں آپ سے اور جن کو آپ اللہ کے مقابل پکارتے ہیں، کنارہ کش ہوجاؤں گا۔ اور اپنے ربّ کو پکاروں گا، امید یہی ہے کہ میرا ربّ مجھے محروم نہیں رکھے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے اس حکم کے جواب میں کہ بتوں سے منہ پھیرنے کی سزا سنگساری ہوگی، اور انہیں وہاں سے چلے جانا چاہئے، یہ کہا: اے میرے باپ میں آپ سے کنارہ کش ہوتا ہوں اور ان خداؤں سے بھی کنارہ کش ہوتا ہوں جن کو آپ اللہ کے مقابل پکارتے ہیں۔ اس کنارہ کشی کے اعلان کے ساتھ ہی آپ نے اس طریقت کو بیان کیا جو آپ کے سامنے تھی، اور وہ یہ تھی کہ رب کی بندگی ہوگی اور اس سے دعا ہوگی کہ وہ ہر مقام پر پورا رکھے اور امید یہی ہے کہ وہ مجھے محروم نہیں رکھے گا۔

حاصل: برائی کرنے والے سے کنارہ کشی تبھی ہوگی، جب اس کی بُری صفات سے کنارہ کشی ہوگی۔ کسی کے طریق زندگی

کو غلط کہنے کے ساتھ اپنے طریق زندگی کو بیان کرنا چاہیے، تا کہ ناحق کے مقابل حق کا پتہ چلے۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾

تو آپ ان سے اور جن کو وہ اللہ کے مقابل معبود ٹھہراتے تھے الگ ہو گئے، اور ہم نے آپ کو اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) عطا کیے، اور ہر ایک کو نبی ٹھہرایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وعدے کے مطابق اپنے باپ سے اور جن کو وہاں اللہ کے مقابل پوجا جاتا تھا الگ ہو گئے۔ اس کنارہ کشی کے لئے جس مدد کی ضرورت تھی، وہ مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی۔ اللہ سے بڑا مدد دینے والا کوئی نہیں۔ ایک ماحول جس میں آپ کو ناپاکی کا احساس ہو گیا تھا، اس کو چھوڑ دینے کا انعام یہ دیا گیا کہ ایک پاک اور منور ماحول عطا فرما دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام عطا ہوئے۔ اس نبی بیٹے کی اولاد سے حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے بنی اسرائیل کا سلسلہ شروع ہوا۔

حاصل: ناپاک ماحول سے کنارہ کشی کا عزم ہو تو اللہ کی مہربانی سے یہ مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔ ناپاک ماحول سے کنارہ کشی کا جو انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہوتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی اور ان کے لئے سچی بلند ناموری ٹھہرائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس طرح رحمتِ الٰہی سے نوازا گیا، وہ ان کی صداقت کا انعام تھا۔ اللہ سے بڑا انعام کوئی نہیں دے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام مبارک پاکی کے ساتھ باقی ہے، اور عباداتِ الٰہی کی طریقت میں رکن کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ سچی اور بلند ناموری ہے۔

حاصل: جو صداقت عند اللہ مقبول ہو جائے اس کی شان بہت بلند ہوتی ہے۔ مجاز کے 'سچے' کی یہ صفت ہے کہ اس میں ڈالی جانے والے شے اپنی شکل 'سچے' کے مطابق بنا لیتی ہے، حقیقت کے سچے کی شان تو بہت ارفع ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ اے ایمان والو شیطان کی پیروی نہ کرو۔ اور جو اس کی پیروی کرے تو یقیناً وہ اسے بے حیائی اور برائی کا ہی امر کرے گا۔ (۲۴:۲۱)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور کتاب میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بیشک وہ مخلص تھے اور رسول تھے نبی تھے۔

حکمِ خداوندی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، اسرائیلی روایات کو ان اسناد کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے۔آپ کی تین صفات کو یہاں بیان فرمایا گیا ہے۔آپ مخلص تھے، رسول تھے اور نبی تھے۔کلیم اللہ ہونے کا مرتبہ آپ کی شان کو واضح کرتا ہے۔یہ شان اس قرب کو روشن کرتی ہے جو اللہ کے نزدیک آپ کو حاصل تھا۔رسول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہد بنا کر بھیجا جاتا ہے، منشاء یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے بندے کو اکمل نمونہ جان کر اس سے محبت رکھیں، اس کی اطاعت و اتباع میں راحت پائیں اور فلاح پا جائیں۔نبی کا کام ہوتا ہے دعوتِ خیر دینا، ماضی سے درسِ عبرت دینا اور مستقبل سے آگاہ کرنا، تاکہ لوگ صراطِ مستقیم کو پالیں۔کوئی ایسی بات جو مخلص، رسول اور نبی کی شان کے منافی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کا منسوب کرنا خلافِ حق ہوگا۔اسرائیلی روایات کو اس کسوٹی پر دیکھا جائے تو حقائق روشن ہو جائیں گے اور بے سند باتیں مٹ جائیں گی۔

**حاصل:** تصدیق حق کے حوالے سے ہونی چاہئے اور حال پر ہونی چاہئے۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

اور ہم نے آپ کو طور کی مبارک جانب سے ندا دی اور آپ کو راز کے لئے قریب کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف تشریف لا رہے تھے۔طور کا پہاڑ راستے کے قریب تھا۔جس مقام کو اللہ نے انعام عطا کرنے کے لئے پسند کیا وہ یقیناً مبارک مقام ہے۔اس مقام سے ندا دی گئی اور فرمایا گیا: اے موسیٰ علیہ السلام میں ہی اللہ ہوں، رب العالمین ہوں۔یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال کو بیان کرنے کے لئے کہی گئی ہے۔وہ اللہ کو پانے کی کس قدر طلب رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ندا اس کا جواب ہے۔راز وہ حقائق ہوتے ہیں، جو ایک وقت سے پہلے خواہش پرستوں کو معلوم ہو جائیں تو وہ مخلوق کو دُکھ دینے لگتے ہیں، مخلص کو معلوم ہو جائیں تو وہ مخلوق کی علم سے مدد کرنے لگتے ہیں۔راز اسے بتایا جاتا ہے جو راز کو پانے کا حق جانتا ہو، راز کے حق کو ادا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور یکسوئی کے ساتھ عمل کرتا ہو۔

**حاصل:** جس مقام سے حق عطا ہو، انعام عطا ہو وہ مبارک مقام ہوتا ہے۔راز کے لئے قرب شرط ہے۔راز کو راز عطا کرنے والے کے علم کے مطابق مخلوق کے لئے باعث برکت بنانا، راز پانے والے کی شانِ عبدیت ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

اور اپنی رحمت سے آپ کو ہارون نبی بھائی بخشا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے میرے اللہ میرے سینے کو کھول دے، میرے کام کو آسان کردے، میری زبان کے عقدے کو حل فرمادے کہ میری بات انہیں سمجھ میں آئے اور میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر بنادے۔اللہ نے اپنی رحمت سے ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدد دی۔اللہ سے بڑا مددگار کوئی نہیں ہو سکتا، اور اللہ نے مومنین کی مدد کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

**حاصل:** مدد وہی ہوتی ہے جو حق کے حوالے سے ہو۔پاک بھائی کے ساتھ کو اللہ کی رحمت جاننا چاہئے اور اس کی قدر کرنی چاہئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ﴿۵۴﴾

اور کتاب میں اسمٰعیل (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بیشک وہ وعدے کے صادق تھے، رسول تھے، نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ایک سلسلہ تو حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے، جن کا ایک نام اسرائیل بھی ہے شروع ہوتا ہے، اور نبوت بنی اسرائیل کی عالمین پر فضیلت کی ایک سند معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔ یوں اس سلسلے میں آپ پہلے نبی ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کو وعدے کا سچا فرمایا گیا ہے۔ وعدے کا سچا ہونا ہر پاک بندے کے لئے ضروری ہے، انبیاء کی شان تو بہت بلند ہوتی ہے۔ وعدے کا سچا ہونا جس طرح آپ کی حیاتِ طیبہ میں نظر آتا ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کہتے ہیں، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں آپ کو ذبح کر رہا ہوں، تو بتایئے آپ نے کیا دیکھا ہے۔ بیٹے کا جواب یہ ہے، آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو امر ہوا ہے، انشاء اللہ مجھے آپ صابر پائیں گے۔ دربارِ الٰہی میں سربسجود قربانی کے لئے پیش ہو جاتے ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ والدِ محترم نے جو خواب میں دیکھا ہے وہی امرِ الٰہی ہے۔ وعدے کا پورا کرنا بڑی شان ہے، اور اس شان کے رکھنے والوں میں آپ ارفع ہیں۔ رسالت و نبوت آپ کو عطا فرمائی گئی۔ اس تناظر میں کسی منفی صفت کو آپ کی ذات پاک سے منسوب کرنا قطعاً خلافِ حق ہوگا۔

حاصل: پاک لوگوں کا ذِکرِ خیر اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے۔ وعدہ پورا کرنے میں ارفع مقام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ہے۔ رسالت و نبوت اللہ کی عطا ہے۔ اللہ کے چنے ہوئے کو چن لینے سے سب مراحل آسان ہو جاتے ہیں۔

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اور اپنے اہل کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا امر دینے والے اور اپنے ربّ کی مرضی پر رہنے والے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صفات بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ آپ اپنے اہل کو نماز کا حکم دیتے تھے، زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے، اور رضاءِ الٰہی ہر مقام پر آپ کا مقصود ہوتا تھا۔ نماز پڑھنے والا، بُرائی اور بے حیائی سے رک جاتا ہے۔ پاکیزگی اس کا حال بن جاتی ہے۔ زکوٰۃ دینے والا عملاً پاک مال کو استعمال کرتا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے کا عمل اس کے قول پر شاہد ہوتا ہے، اس لئے وہ سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ جس کا مقصود اللہ کی رضا ہو، وہ اللہ کی مرضی میں راحت پاتا ہے۔ لوگوں کی رائے اس کے لئے کوئی جاذبیّت نہیں رکھتی۔

حاصل: اپنے اہل کو نماز کا امر دینا چاہئے، زکوٰۃ کا امر دینا چاہئے، اور انہیں رضاءِ الٰہی کو مقصود بنانے کی تربیت دینی چاہئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۙ﴿۵٦﴾

اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذِکر کیجئے، بے شک وہ صدیق تھے، نبی تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی اسرائیلی روایات نے حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآنِ پاک نے ان کی

توصیف کے ساتھ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مماثل قرار دیا ہے۔ صدیق حق کی اس طرح تصدیق کرتا ہے کہ طالبینِ حق کو سلامتی سے ان کے مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔ کسی قربانی کو رضاء الٰہی کے حوالے سے بڑا کہنا صدیق کی شان کے منافی ہے۔ نبی لوگوں کو اللہ سے واصل کرنے کا علم رکھتا ہے۔ نبی کے اتباع کو قبول کرنے والے واصل باللہ ہو جاتے ہیں۔ اسرائیلی روایات میں جو کچھ بھی ہے، ان حقائق کی روشنی میں اسے دیکھا جائے تو پتہ لگ جائے گا کہ حق کیا ہے اور اس میں لوگوں نے اپنی پسند سے کیا کیا ملا دیا ہے۔

حاصل: صدیق سے محبت رکھنے والے کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ اس کے محبوب کی زبان سے نکلا ہوا، ہر ہر لفظ اس کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ حسنِ کلام یہ ہے کہ بیان کی سند قرآن پاک سے ہو۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اور ہم نے آپ کو مقامِ اعلیٰ پر رفعت دی۔

مقامِ اعلیٰ پر حضرت ادریس علیہ السلام کو جو رفعت دی گئی، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام تھا۔ حُسنِ صداقت صدیق کی شان کا مظہر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے تائید حاصل ہوتی ہے بلندی حاصل ہوتی ہے، مخالف قوتوں کو اس فضیلت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

حاصل: تائیدِ ایزدی بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ السجدة ٥

یہ لوگ ہیں انبیاء کرام سے آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور ان میں سے جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ سوار کیا تھا اور اولادِ ابراہیم سے اور اولاد اسرائیل سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب ان پر الرحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو سجدے میں گر پڑتے ہیں روتے ہوئے۔

یہ انبیاء کرام جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، سبھی انعام یافتہ ہیں۔ سبھی اپنے اپنے حال پر قربِ الٰہی کا ذریعہ تھے۔ وہ لوگ جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیے گئے وہ آپ سے محبت رکھنے والے لوگ تھے اور انعام یافتہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام انعام یافتہ تھے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ سب انعام یافتہ تھے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے اپنے علم سے نوازا، ان کے بارے میں سند نازل فرمائی کہ وہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں، تاکہ فلاح کے طالب ان کو دوست بنالیں۔ فلاح کی طلب رکھنے والے اس طرح اظہارِ بندگی کرتے ہیں، کہ جب ان پر الرحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ یہ حضرات عطاء الٰہی کے حوالے سے اپنے عمل کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں: یا اللہ ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو، اپنے کرم کی طرف دیکھیو۔

حاصل: انعام یافتہ حضرات کی صفاتِ مبارکہ موجود ہوں تو یہ ان کے ساتھ کا ثبوت ہوتا ہے۔ خلوت و جلوت میں

پاکیزگی موجود ہو تو یہ دائمی پاک دامنی کی سند ہے۔ انعام یافتہ بندے عطاء الٰہی کے حوالے سے اپنے عمل کو چھوٹا دیکھتے ہیں اور ہمیشہ یہ کہتے ہیں، یا اللہ اپنے کرم کی طرف دیکھیو ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

پھر ان کے بعد وہ ناخلف آئے جنہوں نے اپنی نمازوں کو ضائع کرلیا اور شہوات کی پیروی کی، تو آگے گمراہی کو دیکھ لیں گے۔

جو فرد یا جماعت پاکی کے راستے کو چھوڑ دے، اس کو ناخلف جاننا چاہئے۔ ناخلف کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ نمازوں کو ضائع کر لیتے ہیں اور اپنی شہوات کی پیروی کرتے ہیں، آگے اپنے اعمال کا انجام پالیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز میں اللہ سے پاک رہنے کا عہد کیا جاتا ہے۔ نماز کے بعد اس عہد کو پورا کرنے کی سعی کی جائے اور اپنی مرضی کرنے کی بجائے اللہ کی رضا کو مقصود بنایا جائے تو نماز قائم ہو جائے گی۔ جب نمازیں ضائع ہو جائیں گی تو من مانی کرنے سے رک جانا ناممکن ہو گا، شہوات کی پیروی حال ہو جائے گی، یہ اللہ کی راہ سے بہک جانے کی سند ہے۔ حدود اللہ کے احترام سے بغاوت کرنے والے اپنے اعمال کے انجام کو عنقریب دیکھ لیں گے۔

**حاصل:** نمازوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔ شہوات کی پیروی کو باعث عذاب الٰہی جاننا چاہئے۔ جس کا حال خلافِ حق ہوگا، وہ مستقبل میں عذاب پائے گا۔ اللہ کی رضا مطلوب ہو تو انجام جنت ہوگا، اپنی مرضی کی جائے تو انجام جہنم ہوگا۔

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡئًا ﴿۶۰﴾

مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور صالح عمل کیے، تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔

اتمام حجت کے تقاضے پورے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کا مقام آتا ہے۔ اللہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ گنہگار ہونے کا احساس ہو جائے تو توبہ کے دروازے کی طرف آنا چاہئے۔ تائب ہونے والا ایمان کی تجدید کرتا ہے، اس تجدید ایمان پر کسی پاک بندے کو شاہد بناتا ہے، اور اپنے ایمان کی صداقت کا ثبوت صالح اعمال سے دیتا ہے۔ اس کو ہدایت عطا ہو جاتی ہے، اطمینانِ قلب مل جاتا ہے۔ آخرت میں وہ جنت میں داخل ہوگا، اور وہ گناہ جو اس نے توبہ سے پہلے کیے تھے، ان کی نفی کر دی جائے گی، اور ان گناہوں کے حوالے سے جنتی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تو رحم کرتا ہے، فضل کرتا ہے۔ ظلم اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔

**حاصل:** احساس ہو جائے کہ ہم نے خلافِ حق کیا ہے، تو فوراً توبہ کرنی چاہئے، تجدیدِ ایمان پر اللہ کے پاک بندے کو شاہد بنانا چاہئے، صالح اعمال سے اپنے ایمان کی صداقت کا ثبوت دینا چاہئے۔ فلاح پا جانے والے کو اس کے گناہوں کے حوالے سے کچھ نقصان نہیں دیا جائے گا۔ جنت مقامِ ظلم نہیں ہے۔ دوزخ والے اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾

بسنے کے باغ جن کا الرحمٰن نے اپنے بندوں سے بالغیب وعدہ فرما رکھا ہے۔ بیشک وہ وعدہ آنے والا ہے۔

اللہ کے پاک بندے خلوت میں اپنے رب کے ساتھ پاک رہتے ہیں، جلوت میں اللہ کے رسول کے ساتھ پاک رہتے ہیں۔ ان کا لوگوں سے معاملہ حق کے حوالے سے ہوتا ہے۔ ان بندوں نے جنت کو دیکھ کر اپنے حال کی اصلاح نہیں کی ہوتی، بلکہ یہ لوگ مخلصین کی صداقت کو مانتے ہیں۔ ان کے طریق زندگی میں فلاح کا یقین رکھتے ہیں۔ جزا کا یقین ان کے اعمال میں جلوہ گر رہتا ہے۔

**حاصل:** خلوت و جلوت میں پاک رہنا، اللہ کے بندوں کی طریقت ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے، ہمارا وعدہ بھی سچا ہو تو اللہ کو ماننے کا ثبوت ملے گا۔ جزا کا یقین ہمارے ہر ہر عمل میں نظر آنا چاہئے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾

وہ وہاں سلام سنیں گے، کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اور ان کے لئے اس میں صبح و شام رزق ہے۔

فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ بے ہودہ بات سے ان کو کراہت ہوتی ہے۔ جنت میں کوئی لغو بات نہ ہوگی۔ لغو بات کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔ جنت میں سلام ہوگا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر راحت ہوگی اور ملائکہ کی طرف سے بھی جنتیوں پر سلام ہوگا۔ سورج کے طلوع و غروب سے صبح و شام کا جو تعلق ہے وہ سورج کا کام ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ وقت کا تعین بھی ایک اہمیت رکھتا ہے، وہاں اللہ اپنی قدرت سے وقت کا تعین کرنے کے لئے ایک نظام بنا دے گا۔ رزق جسمانی اور روحانی ضرورتوں کے لئے ہوتا ہے۔ رزق صبح و شام لیا جائے تو اس سے جسمانی اور روحانی راحت حاصل ہوتی ہے۔

**حاصل:** پاک مقامات کی شان یہ ہے کہ وہاں لغو بات نہ ہو، سلام ہو، تحیت ہو، مبارک باد ہو اور کلام کی سب صورتیں ہوں جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ رزق کا صبح و شام لیا جانا، جسمانی اعتبار سے بھی مفید ہوتا ہے روحانی اعتبار سے بھی۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

یہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے ان بندوں کو کریں گے جو متقی ہیں۔

متقی اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہیں۔ بولتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا کلام سننے والوں کے لئے مفید ہو، اس میں کچھ لغو نہ ہو، اس میں کچھ استکبار نہ ہو۔ عمل کرتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ جزا کا یقین ہمارے عمل میں نظر آئے۔ یہ پاک لوگ جنت کے وارث ہوں گے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاک وارث ہوں گے۔

**حاصل:** متقی لوگوں کی قدر کرنا لازم ہے کہ اللہ ان کی قدر کرتا ہے۔ وہ تقسیم جو علم الٰہی کے حوالے سے ہو یقیناً بہترین تقسیم ہے۔ پاک کا وارث ہونے کے لئے پاکیزگی لازم ہے۔

وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ۚ

اور ہم آپ کے رب کے امر سے ہی نازل ہوتے ہیں۔اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے مابین ہے۔اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

ملائکہ نے اپنے مقام و مرتبہ کے تعارف میں یہ کہا ہے، اپنی حرکات و سکنات کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ہمارا نزول امرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ہم وہی کرتے ہیں جس کا ہمیں امر دیا جاتا ہے اور اتنا کرتے ہیں جتنا ہمیں امر دیا جاتا ہے۔ہمیں علم ہے کہ ماضی کا مالک بھی اللہ ہے، مستقبل کا مالک بھی اللہ ہے اور ماضی، مستقبل کے درمیان جو حال ہے اس کا مالک بھی اللہ ہے۔ہم صرف امرِ الٰہی کو دیکھتے ہیں۔اللہ ہر حال کو ہر مقام کو دیکھتا ہے۔اس کا بھول جانا ناممکن ہے۔دعا کا منشاء اظہارِ عبدیت ہوتا ہے۔عالمین کی ربوبیت میں بھول جانے کا کوئی مقام نہیں ہوسکتا، ورنہ اس کائنات کا نظام درہم برہم ہوجائے۔ملائکہ کا اپنے تعارف میں یہ کلام بھی امرِ الٰہی سے ہے۔ان کی نظر اس کی حکمت کی طرف کیوں جائے گی۔

**حاصل:** تائیدِ ایزدی، اللہ کے علم سے ہوتی ہے، اللہ کے امر سے ہوتی ہے۔امرِ الٰہی کی تعمیل میں اپنی پسند کو ساکن رکھنا ضروری ہوتا ہے۔دعا اظہارِ عبدیت کے لئے ہوتی ہے۔علم مطلق تو ہے ہی اللہ کی شان کے لائق۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع ۴ ۱۵

وہ ربّ ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے۔تو اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت رہو۔کیا اس کے نام کا کوئی دوسرا تمہارے علم میں ہے۔

آسمانوں میں سب کا پالنے والا، اللہ ہے۔زمین میں سب کا پالنے والا، اللہ ہے۔آسمانوں اور زمین کے مابین سب کا پالنے والا اللہ ہے۔اور کسی کو ربوبیت کے لوازمات بھی معلوم نہیں۔اللہ کی بندگی یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کرنے والے کے ساتھ ہوجاؤ۔جو عنداللہ مقبول ہے اس کے ساتھ ہوجاؤ گے تو تم بھی مقبول ہوجاؤ گے۔ثابت قدمی یہ ہے کہ اللہ کے پاک بندے کا اتباع کرنے میں اپنے جاننے کو اہمیت نہ دو، ورنہ یک سوئی نہ رہے گی۔اللہ کے لاشریک ہونے کا مقام اتنا روشن ہے کہ اس کے نام کا کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔جس کو صفت دی گئی ہو، جس کی صفت ایک وقت کے لئے ہو، جس کی احتیاج پر اس کی اپنی ذات گواہ ہو، اس کو آسمانوں اور زمین کے رب کے برابر ٹھہرانا بڑی بے علمی کی بات ہے۔

**حاصل:** رب العالمین کے کرم کو دیکھنا چاہئے۔اللہ کی بندگی تبھی ہوگی، جب اللہ کی بندگی کرنے والے مخلص بندے کا ساتھ ہوگا۔ثابت قدمی یہ ہے کہ جہاں محبوب کا قدم ہو وہاں محبّ کا سر ہو۔’اللہ‘ نام کا دوسرا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

**شہادت:** سورۃ الاسراء (۱۷) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ فرمادیجئے اگر اس کے ساتھ اور معبود ہوتے، جیسے یہ کہتے ہیں، تب تو وہ ضرور عرش کے مالک کی طرف راہ ڈھونڈ نکالتے۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور انسان کہتا ہے، کیا جب میں مر جاؤں گا تو عنقریب زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔

حیات بعد الموت کی بات کو ماننا، انسان کی ایک مشکل رہی ہے۔ اس کے مشاہدے میں یہ آتا ہے کہ موت کے بعد انسان کے وجود میں ایسی تبدیلیاں آتی ہیں کہ ایک وقت کے بعد جسم مٹی کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس مٹی سے اس وجود کا دوبارہ بن جانا اسے محال نظر آتا ہے۔ یہ بات تمام انبیاء کرام کی زبان پاک سے بیان ہوتی چلی آرہی ہے کہ حیاتِ دنیا کے بعد حیاتِ آخرت ہوگی اور انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ جن کیمیاوی تبدیلیوں سے انسان کا جسم مٹی ہو جاتا ہے وہ بھی اللہ کے حکم کے تحت ہیں۔ جسم کے منتشر اجزاء کو جمع کر کے زندہ کرنا مذکورہ کیمیاوی تبدیلیوں کو لوٹانے کی صورت ہے۔ قادرِ مطلق کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔

حاصل: اصلاحِ حال کے لئے حیات بعد الموت کا یقین ضروری ہے، اس لئے انسان اس سے گریز کرتا رہتا ہے۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

اور کیا انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس سے قبل اسے خلق فرمایا، اور وہ کوئی شے نہ تھا۔

انسان کو اس بات پر ضرور غور کرنا چاہئے کہ اس کی تخلیق کیسے ہوئی، کس کے علم سے ہوئی، منشاء تخلیق کیا ہے، انسان کے لئے جو وقتِ حیات رکھا گیا ہے اس کا تعلق کس ذات سے ہے۔ انسان کبھی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ تخلیق کے عمل کو وہ صرف ایک حد تک ہی جان سکتا ہے۔ اس حد کو نطفہ کہہ لیجئے، اس حد سے آگے انسان کیا جان سکتا ہے۔ نطفے سے پہلے بھی تخلیق کا عمل جاری تھا۔ جب یہ نظر آتا ہے کہ اللہ معدوم سے موجود کرتا ہے تو موت کے بعد انسان کے منتشر اجزا معدوم تو نہیں ہوں گے۔ ان اجزا کو جمع کر کے اس جسم کو زندہ کر دینا خلق اول کے مقابلے میں چھوٹا کام ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کام کے کرنے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا اور اللہ کے لئے یہ قطعاً آسان ہے۔

حاصل: انسان کو اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہئے۔ خلق اول میں معدوم سے موجود ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ موت کے بعد منتشر اجزا کو جمع کر کے زندہ کر دینا معدوم سے موجود کر دینے کے مقابل چھوٹا کام ہے۔ موت کے بعد اٹھائے جانے کو مان لیا جائے تو پھر من مانی کرنا ممکن نہیں رہتا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

آپ کے رب کی قسم ہم ضرور انہیں اور ان کے شیاطین کو اکٹھا کریں گے، پھر انہیں جہنم کے پاس حاضر کریں گے، گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔

منکرین بعث بعد الموت کو ان شیاطین کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا، جنہوں نے انہیں گمراہ کیا۔ ہمارا پالنے والا ہمیں جس قدر جانتا ہے اس قدر کوئی دوسرا جان ہی نہیں سکتا۔ اس لئے جب اس کے فرمان کی خلاف ورزی ہو، اور اس خلاف ورزی کو معمول بنا لیا جائے تو حزب الشیطان میں شمار ہو جاتا ہے۔ حال پر جن کے ساتھ میل جول ہوگا، مستقبل میں انہی کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا۔ موت کے بعد اٹھائے جانے کا انکار

کرنے والے جہنم کے پاس حاضر کیے جائیں گے تو اس وقت یہ مجرم گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ وہ انجام ان کے سامنے ہوگا، جس سے ان کو ڈرایا جاتا تھا اور یہ اس کو جھٹلاتے تھے۔ اس وقت توبہ قبول نہ ہوگی، بھاگ جانا ممکن نہ ہوگا اور سزا سامنے نظر آرہی ہوگی۔

**حاصل:** ہمیں اپنے رب کے فرمان کو اس یقین کے ساتھ ماننا چاہئے کہ اس میں ہماری بھلائی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے جہنم کی طرف جارہے ہیں۔ سزا کا یقین مجرم کو گھٹنوں کے بل گرادیتا ہے۔

**ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾**

پھر ہم ہر گروہ سے اسے نکالیں گے جو الرحمٰن کی سرکشی کرنے میں اشد ہوگا۔

منکرینِ آخرت میں سے جو لوگ دوسروں کو برائی کی ترغیب دیتے رہے ہوں گے، یہ سرکشی میں، اللہ کے فرمان کے خلاف کرنے میں مجرمین کے قائد ہوں گے۔ اس لئے ان مجرم گروں کو ہر گروہ سے نکال لیا جائے گا۔ اس دن مجرمین کی قیادت سرکشی سکھانے والوں کو بہت تکلیف دہ نظر آئے گی۔ مگر یہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہوگا، جس سے بچ جانا ممکن نہ ہوگا۔

**حاصل:** سزا کے وقت مجرمین کے قائدین کو آگے لانا چاہئے۔ بُرائی پر اکسانے والے سرکشی سکھاتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے میں یہ لوگ بڑی شدت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

**ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾**

پھر ہمیں بڑا علم ہے کہ ان میں کون ہیں جن کو پہلے داخل کرنا ہے۔

جہنم کی آگ، انسان کے اعمال کی جزا ہوگی۔ اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینا اللہ کی شان ہے۔ جس علم سے یہ سزا دی جائے گی وہ علم اللہ کی شان کے لائق ہے، اس لئے آگ کے ساتھ سزا دینے کا حق بندے کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ سرکشی میں آگے ہوتے ہیں، وہ سزا میں بھی آگے رکھے جائیں گے۔ جزا دینے والے علیمِ مطلق سے بڑا کوئی جاننے والا نہیں کہ کون کس سزا کا مستحق ہے۔

**حاصل:** سرکشی میں آگے رہنے والوں کو سزا کے وقت آگے رکھنا چاہئے، تاکہ سزا جرم کے حوالے سے ہو۔

**وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾**

اور تم میں کوئی نہیں جو اس پر نہ گزرے۔ یہ حتمی فیصلہ تمہارے رب کا ہے۔

حیاتِ دنیا میں جو لوگ بولتے وقت لغو سے اعراض کرتے ہیں، معاملہ کرتے وقت اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کی طریقت یہی ہوتی ہے کہ احسان کرنے والے کے ساتھ احسان کرتے ہیں، اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو باذنِ اللہ جان کر مخالفت کرنے والے کے خلاف نہیں ہوتے۔ یہ ہے شانِ مروت۔ حیاتِ دنیا میں یہ دوزخ پر سے گزرنے والی بات ہے۔ آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے والے، جلوت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاک رہنے والے بھی اسی راستے سے گزریں گے اور خلافِ حق کرنے والے بھی اسی راستے سے گزارے جائیں گے۔ سلامتی کے ساتھ گزرنا تو پاک لوگوں کو ہی نصیب ہوگا۔

**حاصل:** مروت جس کا طریقِ زندگی ہے وہ خوف وحزن سے بچ جاتا ہے، آخرت میں وہ دوزخ سے بچ جائے گا۔ مخالفت کرنے والوں سے سابقہ ضرور پڑتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں اس مقام سے گزرنا ضروری ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ان کے مقام سے یعنی جہنم پر سے گزرنا ضروری ہے۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

پھر تقویٰ کرنیوالے لوگوں کو نجات دیں گے اور ظالمین کو اس میں اوندھے گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حال پر بھی مدد دی جاتی ہے، آخرت میں بھی مدد دی جائے گی۔ دوزخ پر سے سلامتی کے ساتھ گزارنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعتراف ہو کہ حق کی کماحقہٗ ادائیگی میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اس طرح نظرِ بصیرت عطا ہو جاتی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے ظالم ہیں۔ وہ یہاں بھی بے بصیرت ہیں وہاں بھی بے بصیرت ہوں گے۔ ان لوگوں کو بھی گزارا اسی راستے سے جائے گا جس راستے سے متقی لوگ گزارے جائیں گے، مگر ان ظالموں کو وہ آسرا نصیب نہیں ہوگا جو سلامتی کے ساتھ گزر جانے کے لئے ضروری ہوگا۔ اس طرح یہ دوزخ میں اوندھے گرے ہوئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔

**حاصل:** دوزخ سے نجات کی اہلیت تقویٰ ہے۔ نجات دینے والا اللہ ہے۔ ظالم خلافِ حق کرنے کی وجہ سے بے بصیرت ہو جاتا ہے۔ ظالمین کو وہ آسرا نصیب نہیں ہوگا، جو دوزخ پر سے سلامتی کے ساتھ گزر جانے کے لئے ضروری ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾

اور جب ان پر ہماری روشن آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو کفر کرنے والے ایمان والوں سے کہتے ہیں، فریقین میں سے کس کا مقام بہتر ہے اور مجلس کس کی احسن ہے۔

دوزخ میں گرنے والوں کی نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جب ان پر اللہ کی روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ ایمان والوں سے بطور استہزاء کہتے ہیں، فریقین میں سے کس کا مقام بہتر ہے، لوگوں سے میل جول کے اعتبار سے مجلس کس کی احسن ہے۔ کافروں کو اپنی برتری دو مقامات پر نظر آتی ہے۔ ان کی رہائش ایمان والوں کے مقابل بڑی سہولتوں کے ساتھ آراستہ دکھائی دیتی ہے، اور ان کی مجلس میں آنے والے بڑے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں نشانیاں کبھی بھی ہدایت یافتہ ہونے کی سند نہیں تھیں۔ ایمان والوں کا رد یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی عطا کو جزا کا یقین رکھتے ہوئے، اس کی رضا کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ کافر عطاء الٰہی کو اپنی کاوش کی بدولت جانتے ہوئے اور جزا کا انکار کرتے ہوئے، من مانی کرتے ہیں۔ فریقین کے مقام کو دیکھئے، مومن کسی کو اپنی کاوش سے مرعوب نہیں کرتا، کافر کی کوشش اسی رخ پر ہوتی ہے کہ اس کے مقام سے لوگ مرعوب ہوں۔ مومن کی مجلس میں بات حق کے حوالے سے ہوتی ہے، اور بات کرنے والا اظہارِ بندگی سے بات شروع کر کے مدعا بیان کرنے کے بعد اظہارِ بندگی پر بات ختم کرتا ہے۔ کافر کی مجلس میں بات ذاتی تفاخر کے لئے ہوتی ہے اور بات کرنے والا دوسروں سے اپنی برتری منوانے کی طلب میں مبتلا رہتا ہے۔

**حاصل:** جب بات حق کے حوالے سے ہو تو جواب بڑے علم سے دینا چاہئے۔ مقام و مجلس وہی بہتر ہے جو باعثِ قربِ الٰہی ہوں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾

اور ان سے قبل ہم نے کتنے ہی قرن ہلاک کیے، جو ان سے اثاثے اور نمود میں برتر تھے۔

جن لوگوں کو یہ فخر ہو کہ ان کی رہائش اور ان کی مجلس ایمان والوں سے بہت بہتر ہے، ان پر واضح فرمایا گیا ہے کہ تم سے قبل بڑے اثاثے والے لوگ اور بڑی نمود والے لوگ ہوئے ہیں، جن کو اللہ نے ان کے ظلم کی بدولت ہلاک کیا ہے، اور یہ ایک بار نہیں ہوا۔ اللہ کی قدرت پر نظر ہو تو یہ دیکھنا چاہیے، کہ ہلاکت سے بچنے کی صورت کیا ہے، اور جس بات پر فخر کیا جا رہا ہے، جس مقام و مجلس پر فخر کیا جا رہا ہے، کیا یہ حسنِ انجام کی سند ہے۔

**حاصل:** اثاثے بڑے ہوں، نام و نمود بڑا ہو تو یہ حسنِ انجام کے لئے سند نہیں ہو سکتے۔ جس قدر توفیق بڑی ہو گی، اسی قدر حق بھی بڑا عائد ہو گا۔ توفیقِ ایزدی کو عند اللہ اپنا درجہ قرار دینا بڑی بے سمجھی ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

فرما دیجئے کہ جو گمراہی میں ہو تو الرحمٰن اسے بڑی مہلت دیتا ہے، حتیٰ کہ وہ دیکھیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے، یا تو عذاب اور یا ساعت۔ تو جلد ہی انہیں علم ہو جائے گا کہ کس کا درجہ برا ہے اور کس کی فوج زیادہ ضعیف ہے۔

اتمامِ حجت کے لئے جس علم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اللہ کی شان کے لائق ہے۔ جس کا علم، علم مطلق ہے۔ جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے، ان کا مالک بھی اللہ ہے۔ جس قدرت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بھی قادرِ مطلق کے پاس ہے۔ اور جس فضل و کرم کے ساتھ اتمامِ حجت بطریقِ احسن ہو سکتا ہے، وہ فضل و کرم بھی اللہ کی شان ہے۔ اس لئے کسی کو مہلت دینا، ڈھیل دینا، اللہ کے علم سے، اس کی قدرت سے اور اس کے فضل سے ہوتا ہے۔ نہ اس سے بہتر کا تصور کیا جا سکتا ہے، نہ اس سے بڑھ کر کچھ ہو سکتا ہے۔ گمراہی کا تسلسل قائم رکھا جائے تو پھر دو طرح کے عذاب دیکھنے کا موقع آ سکتا ہے۔ عذابِ ادنیٰ ہو گا، یا عذابِ اکبر۔ عذابِ ادنیٰ کے بعد پھر مہلت مل سکتی ہے، عذابِ اکبر کے بعد مہلت نہیں ہو گی۔ عذابِ الٰہی کی گرفت میں آنے کے بعد منکرینِ حق کو فوراً علم ہو جائے گا، کہ کس کا درجہ بُرا ہے کس کا بہتر ہے۔ حق کو ماننے والوں کی شان بھی روشن ہو جائے گی، منکرینِ حق کی قوت بھی معلوم ہو جائے گی۔

**حاصل:** اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے، اس کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آ جائے تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کس کا درجہ برا ہے کس کا جتھہ کمزور ہے۔ اس کے بعد اصلاحِ حال کے لئے وقت ہو یا نہ ہو یہ اللہ جانتا ہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور ہدایت پانے والوں کو اللہ مزید سوجھ عطا فرماتا ہے۔ اور باقی رہنے والی صالحات تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بہتر ہیں اور انجام میں بہتر ہیں۔

ہدایت کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانا لازم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے میں شاہد کا درجہ رکھتا ہو، اس کا اتباع کرنے کا حکم ہے۔ رجوع الی اللہ ہونے کی یہی طریقت معیار ہے۔ جو ہدایت یافتہ سے محبت کا رشتہ استوار کر لے اسے سوجھ عطا ہو جاتی ہے۔ صحیح اور بروقت فیصلہ کرنے کی توفیق بہت بڑا انعام ہے۔ جو اعمال صالح ہوں، اور رضائے الٰہی کے لئے ہوں وہ عبدِ منیب کی پیروی میں ہوں گے۔ وہ حال پر باعثِ اطمینان قلب ہوں گے آخرت میں باعثِ راحت ہوں گے۔ ثواب کی بہتری یہ ہے کہ فانی اشیاء کے درست استعمال سے دائمی انعام ملتا ہے۔ انجام کی بہتری یہ ہے کہ جس نے ایک دانہ فی سبیل اللہ بویا ہے اس کو سات سو دانے اور اللہ چاہے تو اور بھی زیادہ دے گا۔

**حاصل:** ہدایت یافتہ سے محبت ہو تو مزید سوجھ عطا ہوتی ہے۔ باقی رہنے والی نیکیاں وہی ہوتی ہیں جو رضاء الٰہی کے لئے ہوں۔ ثواب اور انجام کی بہتری ملحوظ ہو تو پھر ناقص اعمال سے اجتناب بھی ہونا چاہیئے۔

**اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾**

کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیات سے کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد عطا ہوں گے۔

اللہ کی آیات کا انکار کرنے والا، اپنی پسند کو حق کے مقابل بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اس کا معبود بھی اس کی تجویز سے بنتا ہے اور اس کی پسند کے تابع ہوتا ہے۔ اس کی عبادت بھی اس کی پسند کے تابع ہوتی ہے۔ اور کہتا یہ ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد عطا ہوں گے۔ یعنی نتیجہ وہی ہوگا، جو اس کو پسند ہے۔ عمل خلافِ حق ہو اور نتیجہ اس کا بھلائی ہو یہ ناممکن ہے۔ نتائج مشیتِ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔

**حاصل:** سرکشی کی انتہا ہے یہ کہ حق کے انکار کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق نتائج کے حصول کا دعویٰ کیا جائے۔ پاک زبان سے یہ الفاظ کبھی نہیں نکل سکتے۔

**اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾**

کیا غیب سے مطلع ہوا ہے، یا الرحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔

معطیٰ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ باقی سب دینے والے، لیتے ہیں پھر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک ہے۔ وہ سب کو دیتا ہی ہے اور احتیاج سے پاک ہے۔ دینے والے کی ذات اقدس لاشریک ہو، اور اس کے بارے میں یہ دعویٰ کر دیا جائے کہ وہ ضرور عطا کرے گا، تو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ معطیٰ مطلق کے فیصلے کا علامات کے ظہور سے پہلے علم ہو جائے دوسرے یہ کہ لینے والے کے پاس اس مالکِ حقیقی کا کوئی وعدہ ہو۔ یہ دونوں صورتیں پاکیزگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ دعویٰ کرنے والا پاکیزگی کے خلاف ہو، تو اس کا یہ دعویٰ بے حقیقت ثابت ہو جائے گا۔

**حاصل:** بات سند سے ہوتی ہے۔ جس کا دعویٰ بے حقیقت ثابت ہو جائے، وہ اپنی وقعت کو قائم نہیں رکھ سکتا۔

**كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾**

ہرگز نہیں۔ ابھی ہم اس کے قول کو لکھ رکھیں گے اور اسے لمبا عذاب دیں گے۔

خلافِ حق دعویٰ کرنے والے کی کذب بیانی واضح کر دینے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ عطاء الٰہی کے بارے میں بے ہودہ باتیں کرنے والا یاد رکھے کہ اس کے قول کو لکھ کر رکھا جائے گا، اور کاذب کا قول اس کے لئے باعثِ عذاب بنے گا۔

**حاصل:** زبان کو احتیاط سے کھولنا چاہئے۔ بے ہودہ بات، انسان کو لمبے دکھ میں مبتلا کر دیتی ہے۔

**وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾** اور ہم ہی وارث ہوں گے جو یہ کہتا ہے اور ہمارے پاس فرداً آئے گا۔

انسان کی پیدائش فرد کی صورت سے ہوتی ہے، واپسی بھی فرد کی صورت سے ہوتی ہے، بعث بعد الموت بھی اسی طرح ہوگی۔ جس نے دارِ عمل میں حزب اللہ ہونے کی سعادت حاصل نہ کی ہوگی، وہ اس دن فرد کی صورت سے حاضر کیا جائے گا۔ جو کچھ اسے حاصل تھا وہ یہ دیکھنے کے لئے تھا کہ وہ کون سا رخ اختیار کرتا ہے۔ حیاتِ دنیا کے پورے ہونے کے ساتھ ہی یہ واضح ہو جائے گا کہ اس نے کیا کیا ہے، اور فلاح کے حوالے سے اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ متاعِ حیاتِ دنیا پہلے بھی مالکِ حقیقی کی تھی بعد میں بھی اسی کی ہوگی۔ جو من مانی کرتا ہے وہ یہاں بھی اکیلا ہوتا ہے وہاں بھی اکیلا ہوگا۔ تعلق وہی حقیقی ہوتا ہے جو تقویٰ پر قائم ہو۔

**حاصل:** مالکِ حقیقی ہی وارثِ حقیقی ہوتا ہے۔ جزا دینے والے کے سامنے حاضری سے بچ جانا ناممکن ہے۔ فرد کی صورت سے حاضری کا مطلب یہ ہے کہ حیاتِ دنیا میں عامل نے راہِ فلاح اختیار نہیں کی تھی۔

**وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾** اور اللہ کے مقابل معبود ٹھہرا لئے ہیں کہ وہ انہیں عزت دیں۔

مشرکین کو جزا کا یقین نہیں ہوتا۔ وہ اپنی خواہشات کو معبود بنا لیتے ہیں۔ انہیں گمان ہوتا ہے کہ جن کی وہ بندگی کر رہے ہیں وہ ان کی مدد کریں گے، انہیں سہارا دیں گے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جنہیں معبود مانا جا رہا ہے، ان کا مقام کیا ہے، ان کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا ان کی تعلیم کسی کے لئے خوف و حزن سے نجات کا ذریعہ بنی ہے۔ کیا ان سے ہدایت ملتی ہے اور وہ ہدایت باعثِ اطمینانِ قلب ہوتی ہے۔ اگر یہ نہیں دیکھا جاتا تو پھر رخ یقیناً نور سے ظلمات کی طرف ہے اور اس کا انجام خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔

**حاصل:** اللہ کے مقابل جن کو معبود بنا لیا جاتا ہے، اگر وہ پاک ہستیاں ہیں تو کسی کو خلافِ حق مدد دینا حال پر ان کی شان کے خلاف ہے، آخرت میں اس کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

**كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ ع** ہرگز نہیں، جلد ہی یہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہوں گے۔

مشرکین کو جن ہستیوں کے متعلق یہ گمان ہوگا کہ وہ انہیں سہارا دیں گے، ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم ہوتا ہے۔ پاک بندے خلافِ حق کرنے والوں سے تعلق کا انکار کریں گے۔ جو رضائے الٰہی کے

حصول کو مقصد حیات بنانے والے ہوں، وہ کبھی خلافِ حق کرنے والوں کو دوست نہیں بناتے۔

**حاصل:** مشرکین کا زعم قطعاً غلط ہے۔ جو پاک لوگوں کی طریقت کے خلاف ہے، وہ ان سے دور ہے اور آخرت میں بھی دور ہی رہے گا۔ جو تعلق حق کے حوالے سے نہ ہو وہ یہاں بھی خسارے کا باعث ہوتا ہے، آخرت میں بھی خسارے کا باعث ہوگا۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (۱۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک کیں۔ کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہو یا ان میں سے کسی کی بھنک سنتے ہو۔

**أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿۸۳﴾** کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافرین پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں کہ انہیں خوب ابھارتے ہیں۔

جو خلافِ حق کرے، یادِ الٰہی سے غافل ہو جائے، شیطان کو اس کے ہاں آنے کی دعوت مل جاتی ہے۔ شیطان کو جہاں آنے کی دعوت مل جائے وہاں وہ مسلط ہو جاتا ہے۔ کافر لوگوں کو ان کے اعمال مزین کر کے دکھانا شیطان کو خوب آتا ہے، اس طرح وہ ان کو بُرائی پر ابھارتا رہتا ہے۔ متاعِ حیات کی موجودگی کو اس بات کا ثبوت جاننا کہ فلاح کے لئے جس حُسنِ عمل کی ضرورت ہے وہ موجود ہے، یہ گمان انسان کے رویئے میں کجی کا باعث بن جاتا ہے۔ پھر نظر اس بات پر نہیں رہتی کہ ہمیں کس معیار کے حوالے سے دیکھا جائے گا، اور جس ذاتِ بابرکات کا اسوۂ حسنہ عنداللہ معیار ہے ہمیں اس سے کیا نسبت ہے۔

**حاصل:** انسان خلافِ حق کر کے شیطان کو دعوت دیتا ہے۔ شیطان اپنے کام کو جانتا بھی ہے اور کرتا بھی پوری قوت سے ہے، اور شیطان کا کام ہے انسان دشمنی۔

**فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾** تو ان پر جلدی نہ کرو۔ ہم ان کی بڑی گنتی کرتے ہیں۔

حق کو ماننے والا اگر کافر کو اس کے خلافِ حق رویئے کی وجہ سے ناقابلِ برداشت جانے اور یہ چاہے کہ کافر جلد اپنے انجام کو پہنچے تو یہ بات اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ اتمامِ حجت اللہ کی شان ہے۔ اس کے لئے کئی ارکان کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ ہر رکن کی اپنی ایک مقدار یا تعداد ہوتی ہے۔ مثلاً وقت کتنا دینا ہے، کن کن تجربات سے گزارنا ہے، سبق سیکھنے کی مہلت کو کہاں ختم کرنا ہے، توفیق کو کہاں کم یا زیادہ کرنا ہے، اور ایسی کتنی ہی باتیں ہیں، جن کی اللہ کے ہاں بڑی گنتی ہوتی ہے۔ توبہ کا دروازہ کسی فرد کے لئے یا کسی جماعت کے لئے کب تک کھلا رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کہاں ہوگی، سب کچھ اللہ کے سامنے ہے۔ خلافِ حق کرنے والے کے ساتھ اگر معاملہ حق کے حوالے سے ہے تو وہ رضائے الٰہی کے لیے ہوتا ہے، ورنہ کسی پر لیبل لگانے والا اپنے نفس کی شح سے کب بچتا ہے۔ نادان کی اصلاح میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، وہ ہر مقام پر ایک جیسی نہیں ہوتیں، ایک جتنی نہیں ہوتیں۔ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصلاح کو ترک کر دینا اللہ کے بندے کو رضائے الٰہی کے خلاف نظر آنا چاہئے۔ خاتم النبیین کی طریقت یہی ہے کہ اپنی قوم کے لئے ہدایت کی دعا کرتے ہوئے ان کی لاعلمی پر گواہی دی جائے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والے کے رویئے کو دیکھ کر نظر اس طرف جانی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت کا مقام جاری ہے، اور اس سلسلے کے ایک ایک رکن کو بڑے علم سے پورا کیا جارہا ہے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ جس دن ہم متقین کو الرحمٰن کی طرف وفد کی صورت سے جمع کریں گے۔

جو تعلق تقویٰ کی بنا پر قائم ہے، وہ قیامت کے دن بھی قائم رہے گا۔ باقی سب دوستیاں قیامت کے دن بے حقیقت ثابت ہوجائیں گی۔ متقی حضرات کو بڑی عزت کے ساتھ خدائی مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ وہ لوگ جو الرحمٰن کی طرف عزت کے ساتھ جمع کئے جائیں گے، ان کی عزت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے منشاء حیات کو رضاء الٰہی کے حوالے سے پورا کیا ہے۔ اپنی منوانے کی بجائے، اللہ کے پیاروں کی مانی ہے۔ اپنے قول کے سدید ہونے کی تصدیق کے ساتھ اپنے حُسنِ عمل پر بھی ان کو شاہد بنایا ہے۔

حاصل: متقین عزت والے لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کو عزت کے ساتھ خدائی مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ ہمیں الرحمٰن کی بندگی کا ثبوت متقین کی عزت افزائی سے بھی دینا چاہئے۔

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ اور مجرمین کو جہنم کی طرف ہانکیں گے، پیاسے۔

وقف لازم

جو لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں، جو یہ یقین نہیں رکھتے کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق اس منشاءِ حیات کو پورا کرنے کے لئے ہے جو عند اللہ ان کا مقصدِ حیات ہے، وہ حق کو سن کر اس کے خلاف کرنے کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ یہ مجرم لوگ ہیں۔ قیامت کا دن ان پر بہت بھاری ہوگا۔ پیاس بڑی شدید ہوگی۔ اور جس گھاٹ کی طرف ان کو چلایا جائے گا وہ جہنم ہے۔ سزا کا یقین ہو جائے تو اس کے واقع ہونے تک کا وقت عذابِ خفی کا درجہ رکھتا ہے، جہنم میں انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ جس نے سب کچھ کیا ہی اپنی خوشی کے لئے ہوگا، وہ جان لے گا کہ اس کے اعمال کی جزا اسے اپنے احاطے میں لینے کے لئے تیار ہے۔

حاصل: مجرمین کے ساتھ سے بچنا چاہئے کہ یہ ساتھ دونوں جہان کے خسارے کا باعث ہوتا ہے۔

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ شفاعت کا حق انہی کو ہے، جن کے پاس الرحمٰن کا عہد ہے۔

وقف لازم

جو پاک ہو اور پاکی طلب کرنے والوں کو تزکیہ عطا کرنے کا شرف رکھتا ہو، اس کی بات اللہ تعالیٰ کے ہاں حال پر بھی مانی جاتی ہے، آخرت میں بھی مانی جائے گی۔ جو صاحب کسی کو تزکیہ عطا کرے وہ اس کا شاہد ہوتا ہے۔ تزکیہ عطا کرنے والے کو پہلے تزکیہ عطا ہو چکا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلۂ پاکیزگی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتا ہے اور اللہ اپنے نبی کی پاکیزگی کی شہادت دیتا ہے۔ پاک ہونے والا، پاک کرنے والے سے محبت رکھتا ہے۔ اس محبت کی بدولت اس کے وجود میں حسنات داخل ہوتی رہتی ہیں اور برائیاں خارج ہوتی رہتی ہیں۔ اس کا رُخ بھلائی کا ہوتا ہے۔ اس سے کوتاہی ہو جائے، اس سے خطا ہو جائے، اس سے بھول ہو جائے تو شاہد اس کی حُسنِ نیت کی شہادت دینے کا حق رکھتا ہے یہ شفاعت ہے اور عند اللہ مقبول ہے۔ اللہ کے سامنے خلافِ حق بات کی ہی نہیں جا سکتی کہ وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے اور

پاک لوگ وہی بات کرتے ہیں جو حق ہو۔اس لئے شفاعت کے متعلق بے سند باتیں کرنا گناہ ہے۔

**حاصل:** شفاعت کا حق ان پاک بندوں کو ہوتا ہے، جو پاکی طلب کرنے والوں کو تزکیہ عطا کرنے کا شرف رکھتے ہوں۔اس خیال سے خلافِ حق کرنا کہ شفاعت سے بخشش مل جائے گی، بڑی بے ہودگی ہے۔

**وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾** اور کہتے ہیں الرحمٰن اولاد رکھتا ہے۔

جولوگ یہ کہتے ہیں، کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا کہتے ہیں عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، انہیں یہ دیکھنا چاہئے، کہ اولاد والدین کے مثل ہوتی ہے اور اللہ بے مثل ہے۔جب یہ دعویٰ ہی کہیں موجود نہیں کہ کسی نے اپنے آپ کو اللہ کی اولاد کہا ہو، تو پھر یہ بات منکرینِ حق کی گھڑی ہوئی ہے۔مجرمین نے شفاعت کے حوالے سے جو نظریہ قائم کیا ہے، اس کو سہارا دینے کے لئے یہ کہا ہے کہ الرحمٰن اولاد رکھتا ہے اور وہ اولاد شفاعت کر کے مجرمین کو ان کی جزا سے بچا لے گی۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ ایک ہے اور لاشریک ہے، وہ یوم الدین کا مالک ہے، نہ اس کی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ بے سند بات نہیں کرنی چاہئے۔

**لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾** بے شک تم بہت ہی بھاری بات لائے۔

الرحمٰن کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اولاد رکھتا ہے، بہت بڑی گستاخی ہے کہ اس سے معبود کی شان کو عبد کے برابر لانے کی بات کی جاتی ہے، معطیٔ مطلق کو محتاج ثابت کرنے کی بات کی جاتی ہے، اللہ کے بے مثل ہونے کا انکار کیا جاتا ہے۔انسان کا منشاءِ تخلیق، اس کے لئے نورِ ہدایت کا اہتمام اور عطاءِ الٰہی کی سب صورتیں اللہ کی شانِ صمدیّت کو واضح کرتی ہیں۔اس گستاخانہ کلام کے معنی اللہ کی صمدیّت کا انکار ہے۔

**حاصل:** زبان کو احتیاط سے کھولنا بہت ضروری ہے۔بے احتیاطی سے باتیں کرنے والے ہی انتہائی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔معبود کو عبد کے برابر قرار دینا انتہائی گستاخی ہے۔

**تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾** بعید نہیں کہ آسمان اس سے ٹکڑے ہو کر پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔

آسمان سے زمین پر رہنے والوں کو بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں۔زمین پر رہنے والے زمین سے ضروریاتِ زندگی حاصل کرتے ہیں۔پہاڑوں سے بھی زمین کے مکینوں کو بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔یہ بڑے بڑے مقامات ہیں جن کا یہاں نام لیا گیا ہے۔یہ مقامات جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں، امرِ الٰہی سے دے رہے ہیں۔علیم مطلق کے علاوہ کوئی یہ دعویٰ ہی نہیں کر سکتا کہ آسمان، زمین اور پہاڑ کس وقت کیا خدمت کر رہے ہیں۔مخدوم انسان ہے، اور ظلمِ عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔اس کے ظلمِ عظیم سے آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے، پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں، مگر اللہ لوگوں پر فضل ہی کرتا ہے، لیکن اکثر لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

**حاصل:** کلماتِ شرک کی سزا اتنی بڑی ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔بولنے کی توفیق اللہ نے دے رکھی ہے، اس توفیق کو کبھی شانِ خداوندی میں گستاخی کے لئے استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ اس پر کہ الرحمٰن کے لئے اولاد بتاتے ہیں۔

الرحمٰن خالقِ کل ہے۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ وہ کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اولاد رکھنے والے کے لئے حیات وموت لازم ہیں اور یہ اللہ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ شفاعت کے بارے میں ایک بے حقیقت نظریئے کو تقویت دینے کے لئے یہ بات کافروں کی طرف سے گھڑی گئی ہے۔ ایسی بات کرنے والے جب اللہ کی طرف لوٹ کر جائیں گے تو انہیں اپنا انجام بڑا بھیانک نظر آئے گا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کو ایک اور لاشریک ماننے کا ثبوت ہماری زندگی میں نظر آنا چاہئے۔ شانِ عبدیت یہ ہے کہ مقصود ہر مقام پر اللہ کی رضا ہو۔

وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اور الرحمٰن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔

الرحمٰن کی شان یہ ہے کہ وہ معبود ہے، بے مثل ہے، مالکِ کُل ہے، غنئ مطلق ہے۔ اولاد کا ہونا اس کی شان کے منافی ہے۔

حاصل: جو بات مقامِ عبدیت کے منافی ہو، اس سے بچنا بندے کے لئے لازم ہے۔

اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿۹۳﴾ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، سب الرحمٰن کے حضور بندگی کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

یوم الدین کے مالک کی طرف سے یہ فرمایا جارہا ہے کہ جزا کے دن الرحمٰن کے حضور سب کی حاضری بندگی کے ساتھ ہوگی۔ معبود صرف اللہ ہوگا۔ وہاں کوئی یہ دعویٰ ہی نہیں کرے گا، کہ اس کی حیثیت اللہ کی بندگی کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ اس لئے مستقبل کے متعلق اس حقیقت کو جان لینا اصلاحِ حال میں بڑی مدد دیتا ہے۔ بندے کی حیثیت سے اللہ کے سامنے حاضری اس کے منشاءِ تخلیق کے حوالے سے ہوگی اور اس توفیق کے حوالے سے ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دی گئی ہوگی۔

حاصل: انجام سے آگاہی ہو جائے تو اصلاحِ حال سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ بندہ اللہ کا ہو کر رہے، تو پھر اس کا قول وفعل عبادت ہے۔

لَقَدۡ اَحۡصٰٮهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ﴿۹۴﴾ بے شک اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہیں شمار کر رکھا ہے۔

خلافِ حق باتیں گھڑنے والوں پر واضح کیا جارہا ہے، کہ وہ اللہ کے احاطے میں ہیں۔ کہیں بھاگ کر نہیں جاسکتے۔ اور اللہ نے انہیں شمار کر رکھا ہے۔ اسے ان کی خلوت وجلوت کا پورا پورا علم ہے، اس لئے اللہ کی گرفت سے بچ جانا ممکن نہیں۔ اتمامِ حجت کے لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے، وہ معیارِ مطلق ہے۔

حاصل: جزا دینے والے قادرِ مطلق کی قدرت کا احاطہ حال پر موجود ہے، مستقبل میں بھی ہوگا۔ جن اعمال کی جزا

سے بچنا مطلوب ہو ان اعمال کو ترک کر دینا چاہئے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اور ان میں ہر ایک قیامت کے دن فرداً حاضر ہو گا۔

اللہ نے سب کچھ بندے کے لئے بنایا ہے، بندے کو اپنے لئے بنایا ہے۔ جب بندہ اللہ کی رضا کے مقابل اپنی غرض وغایت کو اہمیت دینے لگتا ہے، تو اس کے سب تعلق غیر حقیقی ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف اپنی خواہشات سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ وہ جو بھی کرے اس کی حقیقت معصیت ہی ہوتی ہے۔ ایسے فرد کو زعم جو بھی ہو، باطل ہی ہوتا ہے۔ جب یہ فرد دربارِ الٰہی میں حاضر ہو گا، تو اسے نظر آئے گا، کہ جو عطا اس کے لئے باعثِ فلاح ہو سکتی تھی، اس کو اس نے حیاتِ دنیا میں ضائع کر دیا تھا۔

حاصل: پاک جماعت میں شمار ہونا، حزب اللہ کے ساتھ ہونا ہے۔ جو اپنی غرض وغایت کے دائرے سے نہ نکلے وہ پاک جماعت میں شمار نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، عنقریب الرحمٰن ان کے لئے محبت ٹھہرا دے گا۔

ناصحین سے محبت ہو تو ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے اسے بہتر جاننے والوں کی بات کرنے میں راحت محسوس ہوتی ہے۔ اسے بہتر جاننے والوں کا عمل ہر مقام پر سند نظر آنے لگتا ہے۔ اپنی ذات کی نمائش سے بچنا اس کا معمول ہو جاتا ہے۔ اللہ کی مخلوق اس بندے کو عبدالرحمٰن دیکھنے لگتی ہے اور اس سے عافیت محسوس کرنے لگتی ہے۔ جس کی بات میں اس کی غرض وغایت نہ ہو اور جس کی بات میں اپنی بھلائی نظر آئے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہ الرحمٰن کی عطا ہے کہ لوگ اس کے بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جس سے لوگ محبت کرنے لگیں اسے الرحمٰن کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

حاصل: ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت ہو جائے، تو بندہ عبدالرحمٰن ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو اس کی موجودگی باعث عافیت نظر آتی ہے اور لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ تو ہم نے اسے آپ کی زبان میں آسان کر دیا، کہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑا کرنے والوں کو اس سے ڈر سنائیں۔

قرآنِ پاک کو فرمانِ خداوندی مانتے ہوئے اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے کا عزم ہو تو یہ آسان ہو جاتا ہے، کہ اس طرح اپنی پسند اللہ کے فرمان کے تابع ہو جاتی ہے۔ اتباع اس کا کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہو۔ انعام یافتہ پر لازم ہے کہ وہ انعام کو تقسیم کرے کہ عطاء الٰہی کا شکر یہ اسی طرح ادا ہوتا ہے۔ صورت یہ ہے کہ متقین کو فلاحِ دارین کی بشارت دی جائے، اور جو لوگ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں ان کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے۔

حاصل: جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو، وہ متقین کو بشارت دے سکتا ہے اور جھگڑا کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرا سکتا ہے۔

وَ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿۹۸﴾ ع

اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قرن ہلاک کیے۔ کیا آپ ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہیں، یا کسی کی بھنک بھی سنتے ہیں۔

النصف ع ۶ ۱۶ ۹

ماضی میں جن لوگوں نے ہلاکت کی راہ کو اختیار کیا، وہ کبھی لاعلمی میں نہیں مارے گئے۔ اتمامِ حجت کے بعد ان کو پکڑا گیا۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو خلافِ حق استعمال کرنے والے، ہٹ دھرم اور ضدی لوگ تکبر کرتے تھے، اور پاک لوگوں سے یہ کہتے تھے کہ تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ، ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ پاک لوگوں نے ہمیشہ کافروں کی ملت میں لوٹ کر جانے سے کراہت کا اظہار کیا ہے۔ منکرینِ حق ہمیشہ ہلاک ہوتے رہے ہیں، اور پاک لوگ ہمیشہ فلاح پاتے رہے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والے اس طرح مٹا دیئے جاتے ہیں جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ ہلاکت کی راہ کو اختیار کرنے والے اس انجام کو پہنچیں گے، جس انجام کو پہلے ہلاک ہونے والے پہنچ چکے ہیں۔ آج اگر وہ کہیں محسوس نہیں ہوتے، کہیں ان کی بھنک بھی نہیں سنی جاتی، تو حال پر حق کا انکار کرنے والوں کا انجام بھی وہی ہوگا۔

**حاصل:** خلافِ حق کرنے والے اس طرح مٹا دیئے جاتے ہیں جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ دیکھنا چاہیے، جس راہ کو ہم نے اختیار کیا ہے یہ راہِ فلاح ہے یا راہِ ہلاکت۔ راہِ ہلاکت کو چھوڑ دینا تقاضاءِ عقل ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (۱۰) میں فرمایا ہے۔ اولیاء اللہ کو خوف وحزن نہیں ہوتا۔ ایمان اور تقویٰ ان کی صفات بتائی گئی ہیں: لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۴﴾ ان کے لئے حیاتِ دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔ اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اٰیاتھا ۱۳۵ | سُورَۃُ طٰہٰ | رکوعاتھا ۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰہٰ ﴿۱﴾ حروفِ مقطعات

حروفِ مقطعات کی تلاوت الگ الگ حروف کی صورت میں ہوتی ہے۔ ان کے معنوں کا تعین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے قدم بڑھانے والی بات ہوگی، اور یہ بات اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ یہ حروف شانِ رسالت کی اسناد ہیں۔

**حاصل:** انسان کو بیان کا علم اللہ نے عطا کیا ہے۔ بندے کی شان یہی ہے کہ اس کا بیان اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق ہو۔

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ﴿۲﴾ ہم نے آپ پر قرآن پاک اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

جس کے پاس رحمت ہو اور نورِ ہدایت ہو، اس کے لئے اس عطاءِ الٰہی کو تقسیم کرنے میں بڑی راحت ہوتی ہے۔ طالبِ ہدایت کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی جاتی۔ مشقت کا مقام وہاں آتا ہے کہ جب حق کے متعلق بات سننے والے دل سے نہیں سنتے، طلب ہدایت کو اپنی پسند سے الگ نہیں کرتے۔ دینے والا مائل بہ کرم ہو اور لینے والا غفلت برت رہا ہو، تو دینے والے کو دکھ پہنچتا ہے۔ اللہ کی شان ملاحظہ ہو، کہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا بندہ مشقت میں پڑے۔

**حاصل:** طالبینِ ہدایت کو آسانیاں مہیا کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ طلبِ ہدایت کے نام پر جہالت کی باتیں شروع ہو جائیں تو پھر نورِ ہدایت کے قاسم کو مشقت میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ﴿۳﴾ مگر نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے۔

جس پاکیزگی کے ساتھ حضرت انسان دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، اسی پاکیزگی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو سبحان اللہ۔ یہ فلاح کی نشانی ہے۔ تذکرہ اور نصیحت اسی لئے ہے کہ یاد رہے کہ قیامت کے دن پاکیزگی کے حوالے سے بات ہوگی۔ نورِ ہدایت سے استفادہ کرنے والا اللہ سے ڈرتا ہے۔ جزا کا یقین ہو تو اس معیار کی تعظیم و توقیر بھی لازم ہے جس کی شہادت عند اللہ مقبول ہوگی۔ جس کا رُخ یہ ہوگا اسے نصیحت ضرور فائدہ دے گی۔

**حاصل:** اللہ سے ڈرنے والا، حق کے تذکرے سے، نصیحت سے، ہدایت، رحمت اور شفا پاتا ہے۔ جس کا رُخ درست ہوگا فلاح اسی کو حاصل ہوگی۔

تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ﴿۴﴾ یہ اس کا نازل فرمایا ہوا ہے، جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو خلق فرمایا۔

زمین ہمارا مسکن ہے۔ آسمان سے ہمارے لئے روشنی آتی ہے۔ سورج کی روشنی، چاند کی روشنی اور ستاروں کی روشنی کا اپنا اپنا کام ہے۔ ہر روشنی بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر انسان کے فائدے کے لئے ہے۔ آسمان سے انسان کے لئے کیا کیا اترتا ہے، اس کا شعور کامل ہوتو اللہ کی ناشکری ممکن نہیں ہوسکتی۔ زمین سے ہمیں رزق ملتا ہے اور انواع واقسام کی چیزیں ملتی ہیں۔ زمین اور بلند آسمانوں کے خالق نے ہم پر یہ کرم کیا ہے کہ اس نے اپنا بے مثل کلام نازل فرمایا ہے۔ منشاء یہ ہے کہ حکم اللہ کا مانو، اسوۂ حسنہ اس کے رسول کا اپناؤ۔ دنیا میں اس سے حزن وملال نہیں ہوگا، آخرت میں پاک لوگوں کا ساتھ نصیب ہوگا۔

**حاصل:** جس کی عطا کے ساتھ ہمارا سب کچھ ہورہا ہے، اسی کے فرمان کو بڑے ادب سے ماننا چاہئے۔ اسوۂ حسنہ اس کے عبد اور رسول کا سامنے ہوتو جزا دینے والا راضی ہوجائے گا۔

**اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝٥** الرحمٰن نے عرش پر استویٰ فرمایا۔

زمین اور آسمانوں کی تخلیق کے بعد اس کائنات کے نظام کو متوازن رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عرش پر استویٰ فرمایا۔ عرش وہ مقام ہے جو اس کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مقام کا خالق بھی اللہ ہے۔ استویٰ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ کی قدرت اس طرح محیط ہے کہ کسی کے وہاں تک پہنچنے کا امکان ہی نہیں ہے۔ شرک کی نفی کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے، کہ ''الوہیت میں اللہ کے ساتھ اور بھی ہوتے تو وہ ضرور صاحبِ عرش کی طرف راہ ڈھونڈ نکالتے''۔ (۱۷:۴۲) صفاتِ الٰہی کی معرفت ایک حد تک ہی ہوسکتی ہے، کہ وہ بے مثل ہے۔ اس کی صفات کو تعین کے دائرے میں دیکھنا ناممکن ہے۔ تعلق مع اللہ سے جو شان بندے کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی صفات بندے میں جلوہ گری کرنے لگتی ہیں۔ عبد اپنے معبود کی صفات کا مظہر تو ہوسکتا ہے، ہوتا ہے اور ہونا چاہئے، مگر عبد کبھی معبود نہیں ہوسکتا۔

**حاصل:** نظامِ کائنات میں اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ حال پر جس کی قدرت ہمیں احاطہ کیے ہوئے ہے، آخرت میں اس کی قدرت کا انکار خلافِ عقل ہے۔

**لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ۝٦** اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور ان کے مابین ہے اور جو کچھ اس گیلی مٹی کے تحت ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے، مالک ہے، رب العالمین ہے۔ آسمان ہوں، زمین ہو، آسمان اور زمین کے مابین کوئی مقام ہو اور زمین کے نیچے جو بھی ہے، سب اللہ کا ہے۔ انسان کا واسطہ انہی مقامات سے ہوسکتا ہے۔ انسان عطاء الٰہی کو امانتِ الٰہی جان کر استعمال کرے گا، اللہ کی رضا کے مطابق تصرف کرے گا، تو اسے وہ راحت ہوگی جس کا کوئی بدل نہیں۔ یہ دائمی پاک دامنی بہت بڑا انعام ہے۔ عطاء الٰہی کا خلافِ حق استعمال خوف وحزن کا باعث ہوتا ہے۔ افراد کے مابین تعلقات میں وقت، قوت اور سرمایہ شکوک وشبہات میں ضائع ہونے لگتا ہے اور اجتماعی زندگی میں دکھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

**حاصل:** مقام کوئی ہو، عطاء الٰہی کو اللہ کے پاک بندوں کی طریقت کے مطابق استعمال کیا جائے تو بندگی ہوگی، ورنہ نام کوئی رکھ لیا جائے ہوگا وہ کارِ نفس۔

وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى ⑦

اور اگر تم پکار کر بات کرو، تو اسے سر کا بھی علم ہے اور زیادہ مخفی کا بھی۔

جب بلند آواز سے بات کی جائے تو اس کے پیچھے ایک منشاء ضرور ہوتا ہے اور یہ منشاء چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ہر ظاہر کے ساتھ ایک باطن ہوتا ہے، ہر جلوت کے ساتھ ایک خلوت ہوتی ہے۔ نیت زیادہ چھپی ہوئی ہوتی ہے، مگر اللہ سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ بندہ علم الٰہی کی وسعت کا یقین رکھتا ہو، تو حُسنِ نیت سے کسی کام کی ابتدا کرے گا۔ نیت درست ہوگی تو رُخ درست ہوگا، رُخ درست ہوگا تو اعمال صالح ہوں گے۔

حاصل: بندے کو علم الٰہی کی وسعت کا یقین ہو، قدرتِ الٰہی کا یقین ہو، تو حُسنِ نیت سے ہر کام کی ابتدا ہوگی۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ⑧

اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسماء حسنیٰ اس کے ہیں۔

اللہ کو معبود ماننے کا دعویٰ ہو تو پھر اپنی خواہش کی پیروی کا کہیں ذکر بھی نہیں ہونا چاہئے۔ معبود سے عبد کا تعلق یہ ہونا چاہئے، کہ عبد کو معبود کی رضا کے علاوہ کچھ مطلوب نہ ہو۔ معبود کی قدرت، اس کا علم، اس کا حلم اور سب پاک صفات اس کے ایک اور لاشریک ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔ راہِ خیر پر رہنے والے کو جو بھی درکار ہو وہ صرف اللہ ہی عطا کر سکتا ہے۔ اس لئے بندے کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس مقام پر ہے اور اسے اللہ کی پاک صفت سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جس صفت سے بھی واسطہ ہو وہاں عبداللہ ہونے کا حق ادا کرنا چاہئے۔

حاصل: ہمارے عمل سے اس بات کا ثبوت ملنا چاہئے، کہ ہم صرف اللہ کو معبود مانتے ہیں۔ ہم جو بھی کرتے ہوں عبدیّت کے دائرے میں ہماری احتیاج کو اللہ ہی پورا کر سکتا ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨ وقف لازم

اور کیا تم کو موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر آئی۔

طالبِ ہدایت کو مثال سے بڑی مدد ملتی ہے۔ پاک بندے کی عملی زندگی کی مثال سامنے ہو، بیان شک سے پاک ہو، تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کو بہت آسانیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ شکر کرنے کا مقام نظر آتا ہے، ناشکری سے بچنے کی ترغیب ملتی ہے۔ مشکل مقامات پر صبر کی صورت نظر آتی ہے۔ بے صبری کا انجام نظر آتا ہے۔ اپنا حال درست رکھنے کے لئے ماضی کی شہادت بہت مفید ہوتی ہے۔

حاصل: پاک بندے کے حال کی خبر کو دعوتِ فلاح جاننا چاہئے۔ عملی زندگی کی مثال سے جو فائدہ پہنچتا ہے وہ کسی دوسری صورت سے نہیں پہنچتا۔

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩

جب آپ نے ایک آگ دیکھی تو اپنے اہل سے کہا: تم ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے، میں اس میں سے تمہارے لئے سلگا کر لاؤں یا آگ پر راستہ پاؤں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف تشریف لا رہے تھے، آپ کے اہل بیت ہمراہ تھے، آگ کی ضرورت تھی، آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا: تم یہیں ٹھہرو، مجھے ایک شعلہ نظر آیا ہے، میں اس کی طرف جاتا ہوں، وہاں سے تمہارے لئے آگ سلگا کر لاؤں گا، یا آگ کے حصول کے لئے راستہ ملے گا۔

حاصل: اجتماعی زندگی میں نظم قائم رہنا چاہئے۔ ایک حکم دینے والا ہو، باقی سب ماننے والے ہوں۔ امیر کو اپنے ساتھیوں کی جسمانی اور روحانی حفاظت کرنی چاہئے۔ آگ کبھی بے بدل نعمت بھی ہوتی ہے۔ اندھیرے میں روشنی کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ وہاں سے مقصود ملے گا یا مقصود کا راستہ ملے گا۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ﴿۱۱﴾ پھر جب آگ کے پاس پہنچے، ندا آئی اے موسیٰ (علیہ السلام)!

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی طرف چلتے ہوئے جب اس کے قریب پہنچے، وہاں آپ کو آپ کے نام سے پکارا گیا۔ یہ بڑا عجیب تجربہ تھا۔ پکارنے والے کا علم، پہچان، مودت سب کچھ واضح تھا، مگر پکارنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔

حاصل: جب کوئی صاحب اپنے اہلِ بیت کے ساتھ سفر میں ہو تو اسے پکارنا مناسب نہیں ہوتا۔ ماننے والوں کو اپنے امیر کے امر سے آگے نہیں دیکھنا چاہئے، ورنہ اس کے امر کی اطاعت میں کوتاہی ہو جائے گی۔

اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۲﴾ میں ہوں آپ کا رب، تو اپنی جوتیاں اُتار دیجئے، آپ مقدس وادیٔ طویٰ میں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نام سن کر پکارنے والے کے بارے میں جاننا مطلوب تھا۔ اس آواز میں محبت تھی، ماحول پر نور تھا، موسیٰ علیہ السلام طالب حق تھے۔ جواب ملا، ''میں ہوں آپ کا رب۔'' اس جواب کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر سے بھی لبیک کی آواز آئی، زبان سے تو لبیک کہا ہی جا رہا تھا۔ حکم ملا، جوتیاں اتار دیجئے، آپ مقدس وادی طویٰ میں ہیں۔ اس جگہ کی شان تقدس کے حوالے سے ہے اور تقدس انوارِ الٰہی کے حوالے سے ہے۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف رکھنا ضروری ہے۔

حاصل: کسی بھی جگہ کی شان اس کے تقدس کے حوالے سے ہوتی ہے۔ مقدس مقام پر جوتے اتار دینا اظہارِ ادب کے لئے بھی ضروری ہے، حصولِ قرب میں بھی اس سے مدد ملتی ہے۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿۱۳﴾ اور میں نے آپ کو پسند کیا تو سنئے جو آپ کو وحی ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو برگزیدہ ہونے کی سند عطا فرمائی گئی، نبوت کے مقام پر فائز کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے شرف کلام سے نوازا اور وحی الٰہی کو سننے کا حکم ہوا۔ کامل توجہ سے سننا، ہمہ تن گوش ہونا ہے۔ حکمِ الٰہی کو نافذ کرنے والا، خود اس حکم پر پورا رہ کر دکھاتا ہے تو دوسروں کو ماننے کی طریقت معلوم ہوتی ہے۔ جسے فلاح مطلوب ہوتی ہے وہ موصوف کی صفت کو پالیتا ہے۔ صفت کو پانے سے نور ہدایت حاصل ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ کے برگزیدہ بندے کو مان لینے میں فلاح ہے۔ اس کی بات کو اللہ کی بات جاننا چاہئے۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری بندگی کیجیے اور میرے ذکر کے لئے نماز قائم کیجیے۔

وحی میں سب سے پہلا یہ ارشاد ہوا، کہ الوہیت صرف اللہ کی شان کے لائق ہے، کوئی دوسرا اس کا شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر بندگی کا حکم ملا۔ جب یہ مان لیا جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر اس کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ حسنِ نیت موجود ہو، حسن عمل موجود ہو اور نتائج کو باذن اللہ مانا جائے۔ جو اپنے ساتھ بیتے اس کو باذنِ اللہ مانا جائے اور جو خود کیا جائے، وہ حق کی احسن ادائیگی کے لئے ہو، اجر کا سوال رب العالمین سے ہو، یہ سب بندگی کے ارکان ہیں۔ ذکر الٰہی کے لئے نماز کو قائم رکھنا سب سے اہم بات ہے۔ نماز کی صفت یہ ہے، کہ عبد کو معبود کے قریب رہنے میں مدد دیتی ہے۔ جسم کو نماز میں مصروف کرنا، پاکیزگی کے عہد کو دہرانا، قیام کرنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، یہ سب روح کے لئے بھی باعث راحت ہوتا ہے۔ قربِ الٰہی مقصود ہو تو نماز سے غفلت ناممکن ہے، اور نماز سے غفلت ہو تو قربِ الٰہی کا دعویٰ بے دلیل ہوگا۔

**حاصل:** اللہ کو معبود ماننے کا ثبوت حسنِ سیرت میں نظر آئے تو بات پوری ہوگی۔ بندگی پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے۔ نماز کا قائم کرنا بندے کو عبداللہ بناتا ہے۔ نماز وقت پر پڑھی جائے، نہ بلند آواز سے ہو نہ بالکل خفی، اس کے درمیان کی راہ اختیار کی جائے اور پاک لوگوں کی معیت ملحوظ ہو تو جسمانی اور روحانی طور پر وہ راحت ہوتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

بے شک ساعت آنے والی ہے، قریب تھا کہ میں اسے مخفی رکھوں کہ ہر نفس اپنی سعی کی جزا پائے۔

توحید، عبدیت اور نماز قائم کرنے کی بات ہو چکی ہے۔ یہاں قیامت کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ وہ یقیناً آنے والی ہے۔ اس کے مخفی رکھنے میں بڑی حکمت ہے۔ ہر نفس اپنی سعی کا رُخ متعین کرنے میں با اختیار ہے۔ اگر قیامت کو مخفی نہ رکھا جاتا تو نفس کی سعی کبھی واضح نہ ہوتی۔ جزا دینے والے مالکِ کُل کو یہ بالکل پسند نہیں ہے، کہ کسی کو جبر کے ساتھ خیر کی طرف لایا جائے۔

**حاصل:** قیامت کے آنے کا یقین ہمارے عمل میں نظر آئے تو ہماری سعی ہمیشہ صحیح رُخ پر ہوگی۔ اپنی زندگی میں رخ کا تعین کرنے کا اختیار بندے کو دیا گیا ہے۔ اس اختیار کو چھیننا خلافِ حق ہے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

تو ہرگز وہ آپ کو اس سے روک نہ دے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کا اتباع کرتا ہے، کہ یہ ہلاکت کی صورت ہوگی۔

اللہ کے چنے ہوئے بندے مخلص ہوتے ہیں، اور مخلص کو بہکانا شیطان کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ حکم فرد کے لئے ہو یا جماعت کے لئے،

نزول تو اسی ذات بابرکات پر ہونا تھا، جہاں سے اس حکم کو نافذ ہونا تھا۔ جو جزا پر یقین نہیں رکھتا وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ یہ لازم و ملزوم ہے۔ جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے، وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہلاکت و خسارے کی صورت ہے۔ بچنے کی طریقت یہ ہے، کہ خواہش کی پیروی کرنے والے کو اس کی غرض و غایت کے حوالے سے پہچانا جائے اور اس کے زیر اثر آنے سے کراہت کا اظہار کیا جائے۔

**حاصل:** جزا کے منکر کو اس کی خواہش کے حوالے سے پہچاننا چاہئے۔ جب وہ ملّتِ کفر میں لوٹ آنے کی دعوت دے تو اس سے کراہت کا اظہار کرنا چاہئے۔ بے ایمان کا ساتھ باعثِ ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔

**وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿١٧﴾**

اور اے موسیٰ (علیہ السلام) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔

معبودِ لاشریک ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ علیمِ مطلق کا پوچھنا علم مطلق سے تھا۔ سوال یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ جو چیز آپ کے ہاتھ میں تھی، اس پر نظر کرنے سے آپ کو اس کے حال اور ماضی کے سب مقامات دکھائی دیئے۔

**حاصل:** سوال کرنے والا بڑے علم والا ہو، تو اس کا سوال علم عطا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ عصا کو دائیں ہاتھ میں پکڑنا بہتر ہے۔

**قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿١٨﴾**

عرض کی، یہ میرا عصا ہے، اس پر ٹیک لگا لیتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑ لیتا ہوں اور میرے اس میں اور کام بھی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمہ تن گوش ہونے میں جو راحت پائی وہ بیان میں کب آسکتی ہے۔ جواب میں آپ نے عرض کیا: یہ میرا عصا ہے، اس پر ٹیک لگا لیتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑ لیتا ہوں، اور یہ عصا اور کاموں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لاٹھی کے اور کام دشمن سے مدافعت، جانوروں کی حفاظت، کسی جگہ پانی کی گہرائی معلوم کرنا، کسی چیز کی لمبائی کا اندازہ کرنا ہیں۔ کہیں لاٹھی آلہ ضرب کے طور پر استعمال ہوگی تو کہیں پیمانے کے طور پر۔ کہیں لاٹھی کھونٹی کے طور پر بھی استعمال ہوگی۔ حال پر وہ جس ضرورت میں استعمال ہو سکتی ہے اس کا فیصلہ کرنا صاحبِ عصا کا کام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کی شان دیکھئے، آپ نے اپنے عصا کے محل استعمال بیان کئے ہیں، سوال یہی تھا آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔

**حاصل:** سوال کرنے والے کی شان ملحوظ ہو تو جواب درست ہوگا۔ جواب دینے والا اگر پوچھنے والے کے علم پر نگاہ نہیں رکھے گا تو جواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔

**قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى ﴿١٩﴾**

حکم ہوا، اسے رکھ دیجئے، اے موسیٰ (علیہ السلام)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ پاک سے عصا کے منافع سننے کے بعد حکمِ الٰہی ہوا کہ اس عصا کو زمین پر رکھ دیجئے۔ جو صفات حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ پاک سے عصا کے متعلق بیان ہوئیں، وہ اس وقت تک تھیں جب عصا ان کے ہاتھ میں تھا۔ رکھ دینے کا حکم دیا گیا کہ اس عصا میں جو تبدیلی قدرتِ الٰہی سے آئے وہ آپ کے مبارک وجود سے فاصلے پر ہو اور آپ کی نظر کے سامنے ہو۔

**حاصل:** اپنے دوست کی شہادت کو بڑی وقعت دینی چاہیے۔ علم الٰہی کی شان کا کوئی جواب نہیں۔

**فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾**　　تو آپ نے اسے رکھ دیا، پھر جبھی وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا۔

عصا کو زمین پر رکھنے کی دیر تھی کہ وہ بصورتِ اژدہا نظر آنے لگا، اور اس میں تیزی ایسی تھی جیسے سریع الحرکت سانپ میں ہوتی ہے۔ قدرتِ الٰہی کے اس مقام کو معجزہ کہتے ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی وضاحت میں بندہ اپنے عجز کا اظہار کرتا ہے۔ عصا، سانپ کیسے بن گیا، یہی کہنا حق ہے کہ اللہ جو چاہے کرتا ہے، اس کے "کن" فرمانے سے "فیکون" ہو جاتا ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت بھی موجود ہوتی ہے، علم بھی موجود ہوتا ہے۔

**حاصل:** اللہ کا پیارا جب عطاءِ الٰہی کی شان دیکھتا ہے تو اسے اس عطا کے بے مثال ہونے کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ معجزہ اللہ عطا کرتا ہے۔

**قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾**　　حکم ہوا، اسے پکڑ لیجئے اور خوف نہ کھائیے، ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہا دیکھا جو زمین پر تیزی سے دوڑ رہا تھا اور ایک لمحہ پہلے وہ آپ کے ہاتھ میں بصورت عصا تھا، آپ قدرتِ خداوندی کو دیکھ کر ڈرے۔ حکم ہوا، اسے پھر پکڑ لیجئے، جس کے امر سے یہ عصا، اژدہا بنا ہے اسی کے امر سے یہ اژدہا، عصا بن جائے گا۔ آپ کے ہاتھ کو یہ شرف عطا فرما دیا گیا ہے، کہ اس کا لمس اس کو لکڑی کا عصا بنا دے گا، ویسے یہ اژدہا ہو گا۔ امرِ الٰہی کی اطاعت میں جو راحت تھی، سانپ کا ڈر اس کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔ ایک تبدیلی آپ دیکھ چکے تھے، اس تبدیلی کا لوٹایا جانا بھی بہت بڑی بات تھی، اور اس سے آپ کو آگاہ فرمایا گیا تھا۔ آپ نے اس سانپ کو ہاتھ لگایا تو وہ آپ کا سابقہ عصا بن گیا۔

**حاصل:** ذاتی حفاظت کا بھی حکم ہے۔ جب قادرِ مطلق کوئی حکم دے رہا ہو، تو اللہ کی تائید سے بڑی مدد ملتی ہے۔ تعمیلِ ارشاد کے عزم کے ساتھ حرکت کرنا بندے کا کام ہے، انعامات سے نوازنا اللہ کی شان ہے۔

**وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾**　　اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل سے ملائیے، خوب سفید نکلے گا بغیر کسی نقص کے، یہ ایک اور نشانی ہے۔

عصا کے اژدہا بننے کو آپ نے دیکھا، اژدہا کے عصا بننے کو آپ نے دیکھا۔ قدرتِ الٰہی کے اس مشاہدے کے بعد آپ کو اپنے وجود مبارک کی طرف متوجہ کیا گیا۔ حکم ہوا اپنے ہاتھ کو اپنی بغل سے ملائیے، جب آپ اس کو نکالیں گے خوب سفید ہو گا۔ یہ سفیدی اس کی شان کو ظاہر کرے گی، یہ سفیدی کوئی نقص نہ ہو گی۔ یہ نشانی بھی آپ کے ساتھ رہے گی۔ آپ نے فرمانِ الٰہی کی تعمیل کی۔ ہاتھ تو آپ کا تھا مگر اس میں نورِ الٰہی کو جلوہ گر دیکھ کر جو راحت آپ کو ہوئی وہ انعاماتِ الٰہی کا شکر یہ ادا کرنے والوں کو ہوتی ہے۔ جیسے اندھیرے میں چیزوں کے مقامات کا پتہ روشنی سے لگتا ہے، خواہشات کے اندھیرے میں رضائے الٰہی کا علم امین ہاتھ کی بدولت ہوتا ہے۔ ہاتھ امین ہو تو سب حق داروں کا حق

روشن ہو جاتا ہے۔ ہاتھ امین نہ ہو تو دل کبھی پاک نہیں ہو سکتا اور فلاح پانے کے لئے دل کا پاک ہونا ضروری ہے۔

**حاصل:** ہمارے ہاتھ کو امین رہنا چاہئے۔ ہاتھ امین ہو تو دل پاک ہوتا ہے، اور دل پاک ہو تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔ اپنے دوستوں کی مدد بڑے علم سے کرنی چاہئے۔

**لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۚ﴿٢٣﴾** تاکہ ہم آپ کو اپنی بڑی نشانیوں سے کچھ دکھائیں۔

مذکورہ دو معجزات اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی عطا تھے، کہ ان سے اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے والوں نے بہت کچھ پایا۔ بڑی نشانی وہ ہوتی ہے، جہاں حق کی عظمت کا اعتراف لوگوں کی زبان سے ہی نہیں ان کی ہر ہر حرکت سے ہو رہا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر مشکل مقام پر اللہ کی عطا کو اس طرح دیکھا کہ اس کے مقابل کسی فرد یا جماعت کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔

**حاصل:** اللہ کی عطا کے بارے میں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس کی شان ہر مقام پر ارفع ثابت ہوگی۔

ع ٢٤ **اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۧ﴿٢٤﴾** فرعون کے پاس جائیے، بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انعامات سے نوازنے کے بعد، فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا اور یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ اس نے سرکشی کی حد کر دی ہے۔ اتمامِ حجت میں شان الٰہی کو سجدہ کیجئے، ماننے والے کے لئے وہ سب آسانیاں مہیا کر دی گئی ہیں، جو اسے درکار ہو سکتی ہیں۔ رسالت کا حق ادا کرنے والے کے پاس وہ سب کچھ ہے، جو حق کے غالب ہونے کے لئے بصورتِ یقین اس کے پاس ہونا چاہئے۔ سب سے بڑے سرکش کی طرف بھیجا جا رہا ہے، کیونکہ منکرین کے سردار کی اصلاح سے جو تبلیغ ہو سکتی ہے وہ دوسری کسی صورت میں نہیں ہوتی۔ اجتماعی وسائل کو شوکتِ نفس کے لئے استعمال کرنے والے حق کو مان لیں تو وہ لوگوں کی حق تلفی کرنے سے رک جاتے ہیں۔ مفاد عامہ کے لئے اس کی اہمیت واضح ہے۔ اگر سرکشی کرنے والے حق کی روشن نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی سرکشی سے باز نہ آئیں تو ان کے قریبی ساتھی ان کی غرض وغایت کو جان جاتے ہیں۔ اس سے انہیں حق کے پہچاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

**حاصل:** عطاءِ الٰہی تقسیم کے لئے ہوتی ہے۔ اجتماعی وسائل کو شوکتِ نفس کے لئے استعمال کرنے والے سرکش ہوتے ہیں۔ ان کا سردار حق کو مان لے تو تبلیغ بہت آسان ہو جاتی ہے، نہ مانے تو اس کی ضد چھپی نہیں رہتی۔ تبلیغ کی ابتدا سرداروں سے ہو تو تائید ایزدی شامل حال ہوگی۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (١٦) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لئے نازل فرمائی ہے، کہ آپ لوگوں پر واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اور ہدایت ورحمت ایمان والوں کے لئے ہے۔

**قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ۙ﴿٢٥﴾** دعا کی، اے میرے رب، میرے سینے کو کھول دے۔

اظہارِ عبدیّت میں دعا بڑا مقام رکھتی ہے۔ رسالت چنے ہوئے بندوں کو عطا کی جاتی ہے۔ اہلیت کو اللہ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔ مگر بندے کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ سے مدد مانگے، تبلیغِ حق میں جب مخالفت کا سامنا ہو تو اس مخالفت کے پیچھے مخالف کی لاعلمی نظر آئے۔ اس صورت میں اس کی بھلائی کے لئے مزید کوشش کرنے کا راستہ کھلا رہتا ہے اور سینے میں تنگی کا احساس نہیں ہوتا۔

**حاصل:** تبلیغِ حق سے پہلے مذکورہ دعا کرنی چاہئے۔ حق کی مخالفت کا لاعلمی سے بڑا تعلق ہوتا ہے۔ یہ بات پیشِ نظر رہے تو منکرین حق کے رویئے کو دیکھ کر گھٹن نہیں محسوس ہوتی۔

**وَيَسِّرۡ لِيۡۤ اَمۡرِيۡ ۟ۙ﴿۲۶﴾** اور میرے کام کو آسان کر دے۔

فرعون کی سرکشی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں تھی۔ سرکشوں کو حق کی طرف بلانے کا کام کتنا صبر آزما ہوتا ہے، یہ بھی آپ کو معلوم تھا۔ اس لئے شرح صدر کی دعا کے ساتھ آپ نے آسانی کے لئے بھی دعا کی۔ جب کام کو اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے اور پیش آنے والی مشکلات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانا جائے، تو کام آسان معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر امر پر غالب ہے۔ جو اس کی معیت میں رہے، اس کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دعا تائیدِ ایزدی کے لئے ہوتی ہے۔

**حاصل:** معیتِ الٰہی میں رہنے کا عزم ہو تو یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے رب میرے کام کو آسان کُر دے۔

**وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِيۡ ۟ۙ﴿۲۷﴾** اور میری زبان کے عقدے کو حل کر دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا، کہ فرعون اور اس کے درباری بڑی فصاحت سے بولتے ہیں۔ جب خطابت ہی لوگوں تک اپنے عقائد کو پہنچانے کا ذریعہ ہو، تو زورِ خطابت میں کمال حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں ہوتی اور پھر بادشاہی میں تو ایسے لوگ بادشاہ کی ضرورت بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ میری زبان تبلیغِ حق میں اس طرح کام کرے، جس طرح رضائے الٰہی کے مطابق اسے کرنا چاہئے۔

**حاصل:** جن لوگوں سے بات کرنی ہو، ان کی زبان خوب آتی ہو تو بات ان لوگوں تک آسانی سے پہنچائی جا سکتی ہے۔

**يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِيۡ ۟﴿۲۸﴾** کہ وہ میری بات سمجھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ عزیز تھا کہ بات فرعون اور آل فرعون کی سمجھ میں آئے اور خوب جان کر وہ اس کے بارے میں اپنے احساس کو بیان کریں۔ جو حق کی تصدیق کرے وہ صادق ہو جاتا ہے، جو تردید کرے وہ کاذب ہو جاتا ہے۔ شعوری کوشش دونوں صورتوں میں نظر آتی ہے۔

**حاصل:** تبلیغِ حق میں مقصود یہ ہونا چاہئے، کہ بات سننے والوں کی سمجھ میں آئے۔ وہ جو بھی رخ اختیار کریں، شعور کے ساتھ اختیار کریں۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ اور میرے لئے میرے اہل سے ایک وزیر ٹھہرا دے۔

فرعون اور آلِ فرعون کی مزاج شناسی کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو بھی جانتے تھے۔ آپ کو تائید کرنے والے کی، ساتھ دینے والے کی ضرورت یقیناً تھی۔ آپ نے دعا کی، یا اللہ میرے گھر والوں میں سے ایک کو میرا اس طرح کا ساتھی بنا دے، کہ تیرا فضل اس کے شاملِ حال رہے اور خلوت وجلوت میں وہ میرا مددگار ہو۔

حاصل: اپنے اہل کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ گھر والوں میں سے کوئی تبلیغِ حق میں ساتھی بن جائے تو اس سے بڑا سہارا ملتا ہے۔

هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ ہارون (علیہ السلام) کہ میرے بھائی ہیں۔

پہلے آپ نے اپنے اہل سے ایک کے وزیر بنائے جانے کی درخواست کی۔ پھر آپ نے نام لے کر اپنا پسندیدہ وزیر بتایا۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کو جانتے تھے۔ ان کی فصاحت کے معترف تھے۔ ان کی پاک دامنی آپ کے علم میں تھی۔ تبلیغِ حق میں حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ضرور بنتے مگر وہ بات جو اللہ کے بنانے سے بنتی ہے کسی اور طرح بن ہی نہیں سکتی۔

حاصل: جو صورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوتی۔

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ ان سے میری کمر کو مضبوط کیجئے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے وزیر بنائے جانے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی کمر کی مضبوطی دیکھا۔ آپ کے لئے یہ بات باعثِ اطمینان تھی، کہ مخالفینِ حق کے سامنے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی شہادت دیں گے۔ خلوت میں بھی ان سے پوچھا جائے گا، تو ان کا بیان وہی ہوگا جو جلوت میں ہوگا۔

حاصل: اپنے بھائی کی صداقت کا یقین ہو، تو خلوت وجلوت میں اس کی پاکیزگی کی شہادت دینی چاہئے۔

وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ اور ان کو میرے کام میں شریک کر دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کام کے بارے میں جو عرفان تھا، اس کے حوالے سے آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے یہ دعا کی کہ ان کو کارِ نبوت میں شریک بنا دیا جائے۔ ساتھی صاحب مقام ہو، اور مقام اللہ نے عطا کیا ہو، تو اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ ہر مقام پر اپنا حق دیکھ کر اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

حاصل: ہمیں تبلیغ حق کرنے والوں کی مدد کرنے کا شرف حاصل ہو تو بالکل ان کی منشاء کے مطابق کام کرنا چاہئے۔

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ کہ ہم تیری کثیر تسبیح کریں۔

یہ تسبیح اجتماعی نوعیت کا عمل ہے، اظہارِ عبدیت کی ایک صورت ہے، کارِ نبوت کا حصہ ہے۔ اپنے عمل سے اللہ کو ایک اور لاشریک ثابت کرتے رہنا ہے۔ حسنِ عمل کا وہ معیار ہے جس کی طرف لوگوں کو بلائے جانے سے انہیں نورِ ہدایت حاصل ہوتا ہے۔

**حاصل:** اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کی رضا کے مطابق استعمال ہو تو تسبیح کا حق ادا ہوتا ہے، اور بیشتر وقت اسی تسبیح میں لگے تو تسبیح کثیر ہوتی ہے۔

**وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾** اور تیرا کثیر ذِکر کریں۔

نماز کا قائم کرنا بھی ذِکر کی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کا بار بار پڑھنا بھی ذکر ہے۔ ذاتی زندگی میں معیت الٰہی کا حق ادا کرتے رہنا بھی ذکر ہے۔ جلوت وخلوت لازم وملزوم ہوتی ہیں، اسی طرح تسبیح و ذِکر بھی لازم وملزوم ہوتے ہیں۔

**حاصل:** تبلیغ حق کرنے والوں کو ذاتی زندگی میں کثرت سے ذکر کرتے رہنا چاہئے۔

**اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾** بے شک تو ہمیں دیکھتا ہے۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پوری ہو رہی ہے۔ آپ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اللہ ہر مقام کو دیکھ رہا ہے۔ جو کچھ مانگا گیا ہے وہ حق کی احسن ادائیگی میں کتنا مفید ہوگا، مانگنے والے کے قلب میں کیا ہے، جن لوگوں سے واسطہ ہوگا وہ کیسے ہیں، حق کو سن کر وہ کیا رخ اختیار کریں گے، سب اللہ دیکھ رہا ہے۔ جو کچھ مانگا گیا ہے، یہ بندے کے علم سے ہے، جو کچھ دیا جائے گا وہ علیمِ مطلق کے علم سے ہوگا۔

**حاصل:** ہمیں اپنی دعا کے ساتھ یہ کہنا چاہئے: ہماری دعا ہمارے علم سے ہے، یا اللہ تیری عطا تیرے علم سے ہے جس سے بڑا کوئی علم نہیں، اس لئے اس عطا سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔

**قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾** فرمایا، اے موسیٰ (علیہ السلام) جو آپ نے مانگا، آپ کو عطا ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرحِ صدر کے لئے، کام کے آسان بنائے جانے کے لئے، زبان کے عقدے کے حل کے لئے، بات سمجھانے کی اہلیت کے لئے دعا کی۔ اپنے اہل سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے وزیر بنائے جانے کے لئے کہ ان سے مدد ملے وہ شریکِ کار بنیں، دعا کی۔ اظہارِ عبدیت میں کثیر تسبیح اور کثیر ذِکر کرنے کا شرف پانے کے لئے آپ نے دعا کی۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا: یا اللہ تو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ بندے کا سوال اس کے علم سے ہوتا ہے، علیمِ مطلق کی عطا اس کے علم سے ہوتی ہے، جو تو عطا فرمائے گا وہی بہتر ہوگا۔ حکم ہوا، اے موسیٰ علیہ السلام جو آپ نے مانگا، بلا استثناء آپ کو عطا ہوا۔

**حاصل:** حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ مانگا جائے، حُسنِ طلب اس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ جو عطا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ ہمیشہ بے خطا ہوتی ہے۔

**وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ﴿۳۷﴾** اور بے شک ہم نے آپ پر اور بھی احسان فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشنے کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا، کہ اب ہی نہیں پہلے بھی اللہ نے آپ کو اپنے فضل سے نوازا ہے۔ دعا کرنا اظہارِ بندگی ہے، اظہارِ عاجزی ہے۔ جو بندہ عجز سے خالی ہو وہ بے حقیقت ہوتا ہے۔ شعور کے ساتھ بندہ جو طلب کرتا ہے وہ دعا ہے، اور دعا کرنے والے کو مقامِ شعور تک پہنچانے کے لئے جن مراحل سے گزارا جاتا ہے، اس میں اللہ کا فضل شاملِ حال رہتا ہے۔

**حاصل:** پیدائش سے پہلے جو لوازماتِ حیات کا اہتمام کر دیتا ہے، اس کے فضل کے کیا کہنے۔ احساس سود و زیاں

کے بیدار ہونے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرتا ہے۔

اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾

جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، بیٹیوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔ اس وقت آپ کی والدہ محترمہ پر غم کی انتہائی کیفیت تھی۔ اس کیفیت میں حکم دیا گیا، جو دیا جانا چاہئے تھا۔ اس طرح ماں اور بچہ سلامت رہے۔ سب سے بڑے بچانے والے کی تائید سے بڑی مدد کوئی نہیں ہوسکتی۔

**حاصل:** حالات کچھ بھی ہوں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ بڑی شان رکھتا ہے۔

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۗ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿٣٩﴾

وقف لازم

کہ انہیں تابوت میں رکھیئے، پھر اس تابوت کو دریا میں ڈالئے کہ دریا انہیں ساحل پر پہنچائے، اٹھائے ان کو میرا دشمن اور ان کا دشمن۔ اور میں نے آپ پر اپنی محبت ڈالی، کہ آپ میری نگاہ کے سامنے پلیں بڑھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ پر غم کی انتہائی کیفیت تھی۔ اللہ نے مدد فرمائی، راستہ دکھایا۔ مائی صاحبہ کو سمجھ دی کہ بچے کو تابوت میں رکھ کر دریا کی لہروں کے سپرد کیجئے۔ دریا اللہ کے حکم سے وہاں پہنچائے گا کہ اللہ کا دشمن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن وہاں سے انہیں اٹھائے گا، آپ کے رُخ پُرنور پر محبت الٰہی کی جلوہ گری ہوگی، جو دیکھے گا محبت سے دیکھے گا، پھر دیکھنے کی طلب ہوگی، یوں آپ کی پرورش موزوں ترین مقام پر ہوگی۔

**حاصل:** اللہ مشکل میں راستہ دکھا دے تو اس سے بڑی کوئی مدد نہیں ہوسکتی۔ دشمن کے گھر میں پرورش کروانے کی قدرت اللہ کی شان ہے۔ جس رُخ پُرنور پر محبت الٰہی کی جلوہ گری ہو، اسے محبت سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾

جب آپ کی بہن چلی تو اس نے کہا، کیا میں آپ کو اس کی کفالت کرنے والوں کا پتہ دوں۔ تو ہم آپ کو آپ کی ماں کے پاس لوٹا لائے کہ اس کی آنکھ کو قرار ہو اور وہ غم نہ کرے۔ اور آپ نے ایک نفس کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو غم سے نجات دی، اور آپ کو خوب دیکھ لیا جو دیکھنا تھا۔ پھر آپ کئی سال اہلِ مدین میں رہے، پھر تقدیر سے آپ یہاں آئے اے موسیٰ (علیہ السلام)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے حکم کے مطابق بہن کو تابوت پر نظر رکھنی تھی۔ وہ ماں کی تعلیم کے مطابق تابوت پر نظر رکھتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئی، جہاں فرعون اور اس کے اہل نے تابوت کو پکڑ لیا، اور وہ بچے کو محبت سے دیکھنے لگے۔ دودھ پلانے والیوں کو بلایا گیا۔ جب آپ کسی طرف مائل نہ ہوئے، تو بی بی کہنے لگی: میں آپ کی پریشانی کو دیکھ رہی ہوں، میں بتا سکتی ہوں ایک پاک بی بی، وہ بہت پارسا لوگ ہیں، وہ اگر اس بچے کی کفالت کا ذمہ لیں تو آپ کی پریشانی دور ہو سکتی ہے۔ سرکاری بندوبست کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پاس لائے گئے۔ ماں کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملی، دل کو سکون ہوا۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔ پھر یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار ایک جان کو مار ڈالا۔ مظلوم کی مدد کرتے ہوئے ظالم کو ظلم سے روکنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی عمل میں ظالم مارا گیا۔ آپ کو بہت غم ہوا، کہ ظلم کو روکنے میں زیادتی ہوئی ہے۔ اللہ نے آپ کو اس غم سے نجات دی۔ یہ بھی اللہ کا احسان تھا۔ پھر کئی مقامات پر تائید ایزدی آپ کو نصیب ہوئی، یہ بھی اللہ کا فضل تھا۔ پھر کئی سال آپ کوہ طور پر اس مقدس مقام پر اللہ کے سامنے حاضر ہوتے رہے، ان تمام مقامات پر آپ کی حفاظت، آپ کی مدد اور آپ کی تائید اللہ کے فضل سے ہوتی رہی۔

**حاصل:** اللہ کا فضل ماضی میں دیکھا جائے تو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ بہتر جاننے والوں کا کہنا ماننا سب گھر والوں کے لئے باعثِ راحت ہوتا ہے۔ اللہ کی مہربانی سے وہ کچھ ہو جاتا ہے جو بندے کے تصور میں بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کے فضل و احسان کا احساس، اظہارِ عبدیت کی جان ہے۔

**وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾** اور میں نے آپ کو اپنے لئے بنایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے معبود کے کلام کے ہر ہر کلمے سے راحت ملی، مگر اس کلمے سے جو عطا ہوا، وہ عطا کرنے والا جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جسے عطا ہوا۔ بندے کو قرب الٰہی کی اس سے بڑی سند کیا مل سکتی ہے۔ اس مقام پر بندہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اسے جس مقام سے بھی گزارا گیا ہے، علم عطا کرنے کے لئے گزارا گیا ہے، آئندہ بھی جو پیش آئے گا وہ بھی علم عطا کرنے کے لئے ہوگا۔

**حاصل:** اللہ جس سے کام لینا چاہتا ہے، اس کو اپنے منشاء کے مطابق بنا لیتا ہے۔

**اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾** آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جائیں اور میرے ذکر میں سستی نہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مقبول ہوئی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے ساتھ شریک کار بنا دیا گیا۔ دونوں حضرات کو اللہ کی دی ہوئی نشانیوں کے ساتھ تبلیغ کے لئے جانے کا حکم ہوا۔ ذکر میں سستی نہ کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ تبلیغِ حق میں جب مخالف سے واسطہ ہوتا ہے، تو وہ حق کے مقابل اپنی پسند کی باتیں کرتا ہے۔ تبلیغِ حق کرنے والے کی شان یہی ہے کہ مخالفین کی بے ہودہ باتوں کو ان کی لاعلمی کے حوالے سے دیکھے اور اللہ کی رضا کے مطابق اپنے حق کو ادا کرتا چلا جائے۔ جب مخالفین کی بے ہودگی کے پیچھے ان کی لاعلمی کو نہ دیکھا جائے تو سستی ضرور پیدا ہوتی ہے۔

**حاصل:** مخالفین حق کے رویئے میں بے ہودگی کو ان کی لاعلمی کی بدولت جاننا چاہئے، ورنہ تبلیغِ حق میں تھکن محسوس ہونے لگتی ہے اور سستی ہو جاتی ہے۔

اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فرعون کی طرف جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔

وادی طویٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ دعا آپ نے یہ کی تھی، کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا شریک کار بنا دیا جائے۔ قبولیت کی سند عطا فرمانے کے بعد حکم ہی یہ دیا گیا: آپ دونوں فرعون کی طرف جائیں، بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔ سرکشی کے بعد فرعون کو فوراً سزا نہیں دی گئی، بلکہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں اسے عرفانِ حق میں، اتمامِ حجت میں، پوری پوری مدد دی گئی۔

**حاصل:** سنتِ الٰہی یہی ہے کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کی جاتی۔ سرکشی یہ ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی میں تغافل ہو، اور استکبار معمول بن جائے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ تو اس سے نرم لہجہ اختیار کیجئے کہ وہ نصیحت مانے یا ڈرے۔

یہ طریقِ خطاب کے متعلق ہدایت ہے۔ جب سننے والا، سنانے والے کو اپنا محسن جانتا ہو، تو سنانے والے کے لہجے کی سختی بھی سننے والے کے لئے مفید ہوتی ہے۔ اور اگر سننے والا، سنانے والے کو حقیر جانتا ہو مگر اس کے اندر طلبِ صداقت ہو، تو وہ حق سنانے والے کی بات کے ساتھ روشن اسناد کو دیکھ لیتا ہے اور نصیحت اسے فائدہ دیتی ہے۔ اگر سننے والے کا استکبار اس قدر بڑھ چکا ہو کہ حق کو پانے کی طلب اس کے اندر بہت ہی کم ہو جائے، تو پھر وہ اپنی سلامتی کو خطرے میں دیکھ کر ڈرتا ہے، یہ ڈرنا بھی اس کے رویئے کو تبدیل کر دیتا ہے۔

**حاصل:** حق کو پانے کی طلب ہو تو نصیحت فائدہ دیتی ہے۔ یہ طلب نہ ہو تو انسان اپنی سلامتی کو خطرے میں دیکھ کر ڈرتا ہے۔ یہ ڈر بھی اسے سننے کے مقام پر لے آتا ہے۔

قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ کہنے لگے، اے ہمارے رب ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا، یا سرکشی پر اتر آئے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی کیفیت اپنے رب کے سامنے اس لئے رکھی کہ اللہ کے فرمان سے مستقبل روشن ہو جائے گا۔ فرعون کے رویئے میں دو امکان ان کو نظر آئے، ایک یہ کہ وہ ان حضرات کی بات سن کر ان پر ہاتھ ڈال دے اور زیادتی کرے، دوسرے یہ کہ وہ بنی اسرائیل پر اپنے قہر کو بڑھا دے۔ پہلی صورت میں ڈر اس بات کا تھا کہ حق کو جس طرح واضح ہونا چاہئے اس میں کمی نہ رہ جائے، دوسری صورت میں ڈر یہ تھا کہ بنی اسرائیل بالکل ہی پس کر نہ رہ جائیں۔

**حاصل:** اپنے رب کے سامنے اپنے احساس کو بیان کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے، یہ بھی دعا کی ایک صورت ہے۔ پاک لوگوں کی نظر دو باتوں پر ہوتی ہے، ایک یہ کہ حق کو واضح کیا جائے، دوسرے یہ کہ مظلوموں کو مدد دی جائے، سہارا دیا جائے۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

فرمایا، خوف نہ کیجئے، میں آپ کے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے اطمینان کے لئے یہ فرمایا گیا، ڈریئے نہیں، میں آپ کے ساتھ ہوں، ہر آواز کو سنتا ہوں، ہر حال کو دیکھتا ہوں۔ وہ جو بھی کرے گا میرے سامنے ہوگا۔ کس مقام پر آپ حضرات کو کیا مدد دینی ہے، اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ آپ کے ساتھ ہے۔

**حاصل:** جس کا مقصود تبلیغِ حق ہو، اس کو تقویّت دینی چاہئے اور اس کے یا ان کے خوف کو دور کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

تو اس کے پاس جایئے اور کہئے کہ ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ کر دیجئے، اور انہیں عذاب نہ دیجئے۔ بے شک ہم آپ کے ربّ کی طرف سے نشانی لائے ہیں۔ اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا اور یہ کہنے کا حکم ہوا، کہ ہم آپ کے رب کے رسول ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ کا رب ہدایت کے لئے رسول بھیجتا رہا ہے، اسی نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ اب ان سے جبراً کوئی خدمت نہ لی جائے، انہیں مزید کوئی سزا نہ دی جائے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ہونے کی سند بھی موجود ہے اور وہ سند آپ کے رب کی عطا کردہ ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جو ہدایت کا طالب ہو اور اللہ کے رسول کی پیروی کرے، وہ دنیا و آخرت میں سلامتی سے نوازا جائے گا۔

**حاصل:** حق کی بات حق کے حوالے سے ہونی چاہئے۔ مجبور لوگوں کی آزادی کے لئے آواز بلند کرنا، ان پر مظالم کو بند کروانا، اللہ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ دعویٰ ہمیشہ سند کے ساتھ ہونا چاہئے۔ راہِ ہدایت اختیار کرنے والے کو دنیا و آخرت میں سلامتی سے نوازا جاتا ہے۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

بے شک ہماری طرف وحی فرمائی گئی ہے کہ عذاب اس پر ہے جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے۔

دنیا و آخرت میں سلامتی، اتباعِ ہدایت سے تعلق رکھتی ہے۔ دونوں حضرات نے یہ شہادت بشارت کی صورت میں پہلے دی، پھر یہ بتایا کہ ان کی طرف وحی فرمائی گئی ہے، اور یہ وحی قادرِ مطلق کا حکم ہے، جس کے حکم کو ٹالنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ حکم یہ ملا ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ حق کو جھٹلانے والے اور اس سے منہ پھیرنے والے کو عذابِ الٰہی پکڑ لے گا، اور اللہ کے عذاب سے آگاہی ہو جائے تو اس سے بچنے کی سعی کرنا ضروری ہے۔

حاصل: اصول کو بیان کرنے سے سننے والے کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی۔ عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا یہی طریقہ ہونا چاہئے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ کہنے لگا، کون ہے تم دونوں کا رب اے موسیٰ (علیہ السلام)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے پیغام کو سننے کے بعد فرعون نے ان سے سوال کیا، تم دونوں کا رب کون ہے۔ ان حضرات نے فرعون سے یہ کہا تھا، کہ ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ جواب میں اسے یہ پوچھنا چاہئے تھا، کہ میرا رب کون ہے۔ اگر وہ یہ کہتا، تو وہ طالبِ ہدایت ہوتا۔ اسے اس کے رب کو پہچاننے میں دیر ہی کیا لگنی تھی۔ مگر اس نے یہ کہا، کہ تم دونوں کا رب کون ہے۔ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طلب کیا گیا۔

حاصل: متکبر کی بات میں طلبِ ہدایت نہیں ہوتی۔ انانیت اس کا سب سے بڑا مسئلہ ہوتی ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی، پھر اسے راہ سجھائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے تعارف میں یہ فرمایا، کہ ہر شے کا خالق ہمارا رب ہے۔ مقصدِ تخلیق کا تعین اس کے علم سے ہوتا ہے۔ ہر تخلیق کے حوالے سے جو کچھ درکار ہوتا ہے، اس کا اہتمام اسی کے علم سے ہوتا ہے۔ ہر شے کا دائرۂ کار بھی اُسی نے رکھا ہے۔ کائنات میں اس نے کوئی شے بے مقصد نہیں بنائی۔ فرعون کو یہ احساس دلانا کہ وہ اور جو کچھ اسے حاصل ہے، سب اللہ کی تخلیق ہے اور ان سب مقامات پر ربوبیت اسی کے علم سے ہو رہی ہے، بڑی حکمت والی بات ہے۔

حاصل: علمِ حقیقی رکھنے والوں کی شان یہی ہے، کہ ان کی طرف سے دیا گیا جواب ہمیشہ سوال کے مطابق ہوتا ہے، سند سے ہوتا ہے، ناقابل تردید ہوتا ہے اور اس میں دعوتِ فکر ونظر موجود ہوتی ہے۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ کہنے لگا، قرونِ اولیٰ کا حال کیسا ہے۔

فرعون نے پہلا سوال تو یہ کیا تھا، کہ تمہارا رب کون ہے۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ واضح کیا تھا کہ جو ہر شے کو اس کے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے پیدا کرتا ہے، اور ہر شے کو اس کے دائرۂ کار میں اس کی نوعیت کے مطابق جو کچھ درکار ہوتا ہے، عطا کرتا ہے۔ کسی دوسرے کی یہ مجال نہیں کہ وہ خالقِ کُل ہونے کا دعویٰ کرے، علیمِ مطلق ہونے کا دعویٰ کرے۔ فرعون کہنے لگا، قرونِ اولیٰ والوں نے بھی وہی کیا تھا جو ہم کر رہے ہیں، وہ اب کس حال میں ہیں۔ بعث بعد الموت کے انکار میں اور جزا کے انکار میں اس نے یہ راہ اختیار کی۔

حاصل: بعث بعد الموت کا انکار کیا جائے تو خلافِ حق کرنے کی راہ نظر آتی ہے۔ اصلاحِ حال سے غافل لوگوں کا طریقِ زندگی جزا کے انکار سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ فرمایا ان کا علم میرے ربّ کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا ربّ نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

قرونِ اولیٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ ان کا علم میرے رب کے پاس ہے، جو ان کو ان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ ان کی انفرادی زندگی کا ہر ہر عمل اس کتاب میں لکھا ہوا ہے، ان کی اجتماعی زندگی کا ہر ہر پہلو اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اور میرا رب، جو جزا دینے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ خطا اور نسیان سے بلند ہے۔ اس لئے ہر عامل کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے، وہ اس کے سامنے ضرور آئے گا۔ فلاح تو اسی کو حاصل ہوگی جو خلوت وجلوت میں پاک رہے گا۔

حاصل: بڑائی کا دعویٰ کرنے والے کو عرفانِ نفس میں مدد دینا بہت بڑا کام ہے۔ حقائق کا علم ہو تو یہ کام ممکن ہوتا ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّ سَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ط فَاَخْرَجْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾

وہ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا ٹھہرایا، اور اس میں تمہارے لئے راہیں چلا دیں، اور آسمان سے پانی نازل فرمایا۔ تو ہم نے اس سے نباتات کے طرح طرح کے جوڑے نکالے۔

یہ رب کے تعارف میں بیان کی جانے والی حقیقت ہے۔ زمین کو بچھونا ٹھہرانا، اللہ کی شان ہے۔ اس سے لوگوں کو جو حاصل ہوتا ہے اس پر نظر ہو تو مالکِ حقیقی کا شکریہ ادا کرنا اظہار بندگی کے لئے ضروری ہے۔ زمین پر رہنے والوں کو ایک دوسرے سے ملنے کے لئے، ایک آبادی کو دوسری آبادی سے رابطہ رکھنے کے لئے، اللہ نے زمین میں راستے بنا دیئے ہیں۔ راستوں کی اہمیت کا احساس ہو تو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ بنائے کس نے ہیں۔ زمین میں اُگانے کی صلاحیت اللہ نے رکھی ہے۔ جب یہ صلاحیت کم ہو جاتی ہے تو آسمان سے پانی نازل فرما کر اللہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ پھر اس زمین سے نباتات کے انواع واقسام کے جوڑے نکلتے ہیں، جو لوگوں کی ضرورت ہیں۔ لوگوں کی ضروریات کا علم ان کے رب کو ہے۔ وہی ان ضروریات کو مہیا کرتا ہے۔

حاصل: زمین کو بچھونا ٹھہرانا، اس میں راہیں رکھنا، آسمانوں سے پانی برسانا، زمین سے نباتات کا اگانا، یہ سب اللہ کی شان ہے۔ وہ لوگوں کی ضروریات کا جاننے والا ہے، اور لوگوں کو آسانیاں عطا کرنے والا ہے۔

کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی ﴿۵۴﴾ ع

کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

نباتات سے انسانوں کو بھی رزق ملتا ہے، جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے۔ رزق کا پیدا کرنا رب کی شان ہے۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں کہ رزق ضروریات زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور رزق عطا کرنے والا معطی مطلق ہے۔ کسی شے کی تخلیق سے پہلے اس کی پرورش کا پورا اہتمام کرنا رب العالمین کی شان ہے۔ وہ ہر شے کو پالتا ہے، اور علم سے پالتا ہے۔

حاصل: اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھانے والے عقل مند ہیں۔ بندہ رب الناس ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، رب العالمین ہونا تو انتہائی ارفع ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات راہیں بنائیں، اور ہم خلق سے غافل نہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

ہم نے تمہیں اسی زمین سے خلق کیا، اسی میں تمہیں لوٹائیں گے، اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا۔ پھر اس کے لئے بقاء نسل کی صورت رکھی۔ پھر حیاتِ دنیا کی صورت میں دیئے گئے وقت کے پورا ہونے کے بعد اسی زمین میں لوٹا دینا بھی اللہ کا کام ہے۔ اور جس نے پہلے بنایا ہے، اسی نے جزا کے لئے دوبارہ اٹھانے کا وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ رب کے تعارف میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے، وہ اس کے لاشریک ہونے کی سند ہے۔ عقل والوں کو اس سے روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ زمین کی حقیقت مٹی ہے۔ بندے کی حقیقت مٹنا ہے۔ بندہ مولیٰ کے نام پر مٹ جائے، تو وہ روشن ہو جاتا ہے۔ شاہد کا ساتھ اسے جلوت میں عطا ہو جاتا ہے، اللہ کا ساتھ اسے خلوت میں حاصل ہو جاتا ہے۔ دونوں مقامات پر پاکیزگی اس کا حال ہو جاتی ہے۔ تعلق مع اللہ سے جو نور ملتا ہے، اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ فرعون کو خلق ہونے کا علم تھا، وہ موت کا بھی انکار نہیں کر سکتا تھا، بعث بعد الموت بھی اللہ کی قدرت ہے وہ اس کے انکار میں کوئی سند نہیں پیش کر سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جس نرمی کے ساتھ حق کو بیان کیا وہ ایک معیار ہے، جس کو ملحوظ رکھنے میں بڑی برکات ہیں۔

حاصل: پیدائش، موت اور بعث بعد الموت، ان سب مقامات پر اللہ کی قدرت کو ماننا چاہئے۔ مولیٰ کے نام پر مٹ جانا بندے کا کام ہے، انعامات سے نوازنا اللہ کی شان ہے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

اور بے شک ہم نے اسے سبھی نشانیاں دکھائیں تو اس نے تکذیب ہی کی اور انکار ہی کیا۔

اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے۔ اللہ نے فرعون کو وہ سب کچھ دکھایا، جو حق کو ماننے میں اسے مدد دے سکتا تھا۔ حق کو ماننے کے لئے ایک وقت ہوتا ہے، اسی وقت میں ماننے کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔ اس وقت کے پورا ہو جانے کے بعد ماننا نفع نہیں دیتا۔ فرعون نے دیکھا سب کچھ، مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی تکذیب ہی کرتا رہا، اور حق کا انکار ہی کرتا رہا۔

حاصل: حق کو نہ ماننے والا، خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔ خواہشِ نفس کی پیروی ہو تو گمراہی سے بچ جانا ممکن نہیں۔ ہمیں اپنا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، یہ اللہ کی بندگی کا ثبوت ہے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾

کہنے لگا اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تم اپنے سحر کے ذریعے ہمیں ہمارے ملک سے نکالنے کے لئے آئے ہو۔

حق کو سننے کے بعد، اس کی صداقت کے ثبوت دیکھنے کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ کیا آپ اپنے جادو کی طاقت

سے شکست دے کر، ہمیں یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں اور یوں اس ملک پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ فرعون نے اپنے ساتھیوں کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی، کہ موسیٰ علیہ السلام ایک قوت رکھتے ہیں، اور یہ قوت ان لوگوں کے خلاف استعمال ہوگی جو بنی اسرائیل کو دکھ دیتے رہے ہیں۔

**حاصل:** ظالم اپنے ساتھیوں کو حق کی طرف مائل ہوتا دیکھ لے تو انہیں یہ احساس دلانے کی کوشش کرتا ہے، کہ دعوتِ حق دینے والا غالب ہوگیا تو کیا خطرات پیش آسکتے ہیں۔

**فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾**

تو ضرور ہم بھی تمہارے سامنے اسی طرح کا جادو لائیں گے، تو ہمارے اور اپنے مابین ایک وعدہ ٹھہرا دو، جس کے نہ ہم خلاف کریں، نہ آپ، جگہ ہموار ہو۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان کو سننے کے بعد، ان کی زبان سے رب کے بارے میں اس کی قدرت کا ذکر سننے کے بعد، ان کی صداقت کی نشانیوں کے دیکھنے کے بعد یہی کہا کہ جو جادو آپ نے دکھایا ہے اس جادو کا مقابلہ کر کے دکھایا جائے گا۔ کھیل تماشہ پسند کرنے والوں کے لئے اس بات میں بہت کشش تھی۔ فرعون لوگوں کے مزاج کو جانتا تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ مقابلے کا دن مقرر کر دیں، طرفین پابند رہیں کہ وعدہ خلافی نہ ہوگی، جگہ ہموار ہوتا کہ دونوں طرف کے لوگ اس میں پوری طرح شامل ہوسکیں اور یہ مقابلہ دیکھ سکیں۔

**حاصل:** فرعون صفت لوگ، انسانوں کو ان کی خواہشات کے جال میں پھانسنے کی ترکیبیں جانتے ہیں۔ فرعون حق کی صداقت کی نشانیاں دیکھ چکا تھا، اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کے مقابل اپنے علم کا نقص نظر آرہا تھا اور اس سے متعلق خطرات بھی اس کو محسوس ہورہے تھے۔

**قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾**

فرمایا، آپ لوگوں کا وعدہ یومِ زینت کا ہے اور لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ رہے تھے، کہ اظہارِ حق کے لئے وہ دن موزوں ہے جس دن لوگ کام کاج سے فارغ ہوں اور وہ دن قریب بھی تھا۔ اس دن کو لوگ زینت کا اہتمام کرتے تھے، گویا وہ میلے اور خوشی کا دن تھا۔ وقت آپ نے دن چڑھے کا رکھا، کہ لوگ اپنے معمولات سے فارغ ہو کر آئیں گے اور کچھ وقت کے لئے پوری توجہ سے سن سکیں گے اور دیکھ سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ حق کے مقابل باطل کس انجام کو پہنچتا ہے۔ آپ نے اللہ کے عطا کردہ علم سے سب فیصلے کیے۔

**حاصل:** اظہارِ حق کے لئے وہ دن موزوں ہوتا ہے جس دن لوگ سہولت سے اکٹھے ہو جائیں۔ وقت چاشت کا موزوں ہوتا ہے، کہ لوگ اپنے مشاہدات پر مطمئن ہوں اور وہ روشنی میں ہی اپنے اپنے مقامات کی طرف جا بھی سکیں۔

**فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾** تو فرعون مڑا پھرا اپنے سارے داؤ جمع کیے، پھر آیا۔

فرعون کو یومِ زینت بھی پسند آیا اور وقتِ چاشت بھی۔ وقت اور دن کے تعین سے پہلے بھی اس کے ذہن میں یہ تھا کہ مقابلے میں اہتمام کیسے کرنا ہے۔ اب اس نے اپنی پوری قوت اس کام پر مرکوز کردی کہ بہترین جادوگر بمعہ ان کی مطلوبہ اشیاء کے جمع کیے جائیں۔ اجتماعی وسائل پر قابض لوگوں کے لئے ایسے کام کیا مشکل ہوتے ہیں۔ فرعون نے یہ سب کام وقت مقررہ کے حوالے سے کیے، اور وہ اپنی پوری تیاری کے ساتھ میدان میں آیا۔

**حاصل:** فرعون صفت لوگ، حق کے ساتھ مقابلے میں پورا پورا زور لگاتے ہیں۔ ان کی نظر اس طرف نہیں جاتی کہ اسباب کی حیثیت مسبّب الاسباب کے سامنے کچھ نہیں۔

**قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾**

موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا، تمہیں خرابی ہو، اللہ پر کذب سے افتریٰ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کردے گا۔ اور بے شک نامراد ہوا جس نے افتریٰ باندھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے کا اہتمام کرنے والوں سے اور جادوگروں سے یہ کہا: کہ تم خرابی کا راستہ اختیار کر رہے ہو اور تم پر حق کو روشن نشانیوں کے ساتھ واضح کردیا گیا ہے، تو اس کو ماننے کی بجائے اپنی خود ساختہ باتوں کو اللہ سے منسوب کر رہے ہو، یہ اللہ پر افتریٰ باندھنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ عذاب الٰہی تمہیں ہلاک کردے گا۔ اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والے نامراد ہی ہوتے ہیں۔ یہ بیان ان سب لوگوں نے سنا جو وہاں موجود تھے اور جنہیں یہ بتایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کے دو حضرات جادو کے زور سے آلِ فرعون کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔

**حاصل:** منکرینِ حق کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا، پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والے نامراد ہوتے ہیں۔

**فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾**

تو اپنے کام میں باہم تنازعہ کیا، اور چھپ کر مشورہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پاک سے نکلے ہوئے الفاظ اظہارِ حق کے لئے تھے۔ جادوگر کبھی حق کو روشن کرنے والے نہیں ہوتے۔ جادوگر تو اپنے فنون کا مظاہرہ کرنے کے لئے آئے تھے، حق کی بات سن کر وہ عذابِ الٰہی سے ڈرے۔ حاضرین میں سے بھی کچھ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ جادوگروں کا مقابلہ دکھانے کے لئے انہیں اکٹھا کیا گیا ہے، حکومت جادوگروں کو جمع کرلائی ہے، مگر جن لوگوں سے مقابلے کی کوشش ہو رہی ہے وہ اللہ والے ہیں، اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حق ادا کر رہے ہیں۔ تنازعہ کی اس صورت میں فرعون نے یہ مناسب سمجھا کہ اختلاف کرنے والوں کو خلوت میں اکٹھا کیا جائے اور وہاں مشورہ کیا جائے۔ خلوت میں چند لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانا اسے آسان نظر آتا تھا، اور بڑے اجتماع میں یہ کام ناممکن تھا۔

**حاصل:** ظاہر کی گئی بات، حقیقت سے بہت دور ہو، تو تنازعہ کی صورت بن جاتی ہے۔ منکرینِ حق جانتے ہیں کہ خلوت میں ہی چند لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

کہنے لگے، یہ دونوں یقیناً ساحر ہیں، ان کا ارادہ یہی ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اپنے سحر کے زور سے، اور تمہاری عمدہ تہذیب کو ختم کر دیں۔

چھپ کر مشورہ کرتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے متاثر ہونے والوں سے یہ کہا گیا، کہ یہ نبی نہیں ہیں، جادوگر ہیں۔ جادو کے زور سے اس ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اور تمہاری عمدہ روایات کو مٹانا چاہتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی ضرورت کے حوالے سے اور ان کی ثقافت کے حوالے سے بات سمجھائی گئی تو تنازعہ کم ہوا۔ اسی سے یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ اس معاشرے میں حقائق کو جاننے کی طلب کس قدر تھی۔ حقائق کو جاننے کی طلب کم ہو تو عمدہ روایات کہاں سے آئیں گی۔

**حاصل:** حقائق کو جاننے کی طلب انسانی تہذیب میں بڑا مقام رکھتی ہے۔ جو لوگوں کو الجھانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے ارادوں کو واضح کرنا بہت بڑی بات ہے۔ صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں لوگوں کو مدد دینا بڑی خدمت ہے۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

تو اپنا داؤ جوڑ لو، پھر صف باندھ کر آؤ۔ اور آج کے دن جو کامیاب ہے وہی غالب ہے۔

مشورے میں لوگوں کو قائل کرنے کے بعد یہ طریقہ بتایا گیا، کہ جو جادوان دو حضرات کے مقابل دکھایا جائے اس میں ربط ہونا چاہئے۔ ایک اصول طے کر لیا جائے، ذاتی وقار کو اس وقت مسئلہ نہ بنایا جائے، اجتماعی وقار کو اہمیت دی جائے اور پوری طرح متحد ہو کر اپنی قوت کا مظاہرہ کیا جائے۔ آج کے دن جو کامیاب ہوگا، اسی کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ مغلوب قوم کی روایات بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔

**حاصل:** حق کی مخالفت کرنے والے اپنی تنظیم اور صف بندی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ علمی برتری ثابت ہو جائے تو غالب قوم کی روایات مغلوب قوم کی روایات پر چھا جاتی ہیں۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾

انہوں نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) یا تو آپ ڈالئے یا ہم پہلے ڈالیں۔

جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اب مقابلہ ضرور ہوگا، اب باتوں کا وقت نہیں ہے۔ مقابلے میں آپ پہل کریں، یا ہمیں پہل کرنے کی اجازت دیں۔ ان لوگوں کو اپنے علم سحر پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنے غالب رہنے کا یقین رکھتے تھے۔

**حاصل:** منکرینِ حق مقابلے میں پہل کرنے کی دعوت بھی دیں تو اس کے ساتھ ہی پہل کرنے کی اجازت بھی مانگ لیتے ہیں۔

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾

فرمایا تم ہی ڈالو۔ تو جبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت تو پہل کرنے کی دے ہی دینی ہے، یہ بات جادوگروں کو معلوم تھی، اور وہ اپنے کرتب دکھانے کے لئے اس طرح تیار تھے، کہ اجازت ملتے ہی انہوں نے عظیم جادو دکھا دیا۔ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جو حکومت وقت کی تائید سے جمع کی گئی تھیں، دوڑتے ہوئے سانپوں کی طرح نظر آنے لگیں۔ اتنا بڑا اہتمام اور اچانک اس میں ایسی تحریک کہ لوگ اس کا تصور بھی نہ کرسکیں۔ ناظرین میں اکثریت آل فرعون کی تھی۔ حکومت بھی ان کی تھی۔ رائے عامہ کا وزن انہیں کہاں تک پہنچا سکتا تھا، یہ سب باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تھیں۔

**حاصل:** منکرینِ حق جب بھی حق کے مقابل آتے ہیں، تو ان کی تیاری ان کے یقین کے مطابق بالکل پوری ہوتی ہے۔ اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے میں وہ دیر نہیں کرتے۔

**فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ﴿۶۷﴾** تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے اندر خوف محسوس کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل تھی، اس لئے یہ خوف ان کی ذات کے حوالے سے نہیں تھا۔ جلد بازی انسانی کمزوری ہے، سحرِ عظیم سے متاثر لوگ کہیں معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی جادوگروں کے غلبے کو نہ مان لیں، یہ خوف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اندر محسوس ہوا۔

**حاصل:** نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی سے بچنا ضروری ہے۔ حق کا غلبہ بہرحال عزیز ہونا چاہئے، یہ پاک لوگوں کی نشانی ہے۔

**قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿۶۸﴾** ہم نے فرمایا، ڈریئے نہیں! بے شک آپ ہی غالب ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق کا غلبہ مطلوب تھا، ڈر یہ تھا کہ لوگ جادوگروں کے کمالات کو دیکھ کر فوراً ہی ان کے غلبے کو نہ مان لیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اطمینان عطا فرمایا گیا، کہ ڈریئے نہیں، غلبہ تو آپ کو ہی حاصل ہوگا۔ تائید ایزدی سے جو مدد ملتی ہے وہ بھی اللہ کے لاشریک ہونے کی ایک سند ہے۔

**حاصل:** اللہ کی مدد اللہ کے علم سے ہوتی ہے، یہی سب سے بڑی مدد ہوتی ہے۔

**وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾** اور ڈال دیجئے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ ان کی بناوٹوں کو نگل جائے گا۔ بے شک جو انہوں نے بنایا ہے وہ ساحر کا فریب ہے۔ اور ساحر کبھی فلاح نہیں پاتا، جہاں بھی ہو۔

امر الٰہی ہوا، کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں عصا ہے، اسے زمین پر ڈال دیجئے، یہ آپ کے دیکھتے دیکھتے ان کی بناوٹوں کو نگل جائے گا۔ جو جادو یہ لوگ دکھا رہے ہیں، یہ تو فریب نظر ہے اور جادو اس سے آگے کوئی حقیقت تو ہے ہی نہیں۔ جادوگر کبھی فلاح نہیں پاتا، کسی مقام پر ہو، کسی درجے کا علم رکھتا ہو۔ معجزے کے ظہور سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو اطمینان عطا فرمایا گیا، یہ ہے شانِ رسالت۔

**حاصل:** جادو کے مقابلے میں حق کی شان ہمیشہ بلند ہوتی ہے۔ جادوگر کسی مقام پر ہو، اس کا بھلا نہیں ہوتا۔ حق کے انکار سے خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾

تو جادوگر سجدے میں پڑ گئے اور پکارنے لگے، ہم ہارون (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے رب پر ایمان لائے۔

آلِ فرعون میں عوام، خواص، درباری اور خود فرعون ایک طرف ہیں، بنی اسرائیل دوسری طرف ہیں۔ فرعون کے بلائے ہوئے جادوگر جو بڑی تعداد میں ہیں اور ملک کے عظیم جادوگر ہیں، میدان میں اپنی پسند کے کرتب دکھا رہے ہیں جس کے لئے حکومت وقت نے انہیں سب کچھ مہیا کیا ہے۔ ان کے سامنے دو حضرات ہیں۔ ان کے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دیکھنے والے، جادوگروں کے جادو سے اتنے متاثر ہیں کہ انہوں نے یہ سوچ لیا ہے کہ اس مقابلے میں جادوگر ہی غالب رہیں گے کہ انہوں نے سب کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو زمین پر پھینکتے ہیں۔ وہ اژدہا بن کر جادوگروں کی سب بناوٹوں کو نگل جاتا ہے، اور لوگ سحر کی حیثیت کو بھی دیکھ لیتے ہیں، معجزہ بھی انہیں نظر آتا ہے۔ جادوگر مان لیتے ہیں، کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہ جادو نہیں ہے۔ وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور سب کے سب یہ پکارنے لگتے ہیں، کہ ہم ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ فیصلہ ناظرین کی زبان سے بیان نہیں ہو رہا، جادوگروں کی زبان حق کو ماننے کا اعلان کر رہی ہے، اور یہ اعلان ان کی طرف سے بیک زبان ہو رہا ہے۔ یہ منظر اللہ کی قدرت کے ماننے والوں کو ہدایت عطا کرتا ہے۔

**حاصل:** حق کا اعتراف ہو، سجدۂ شکر کے ساتھ ہو اور جلوت میں ہو تو انعامات کی بارش ہونے لگتی ہے۔ جن کے حوالے سے حق کو پانے کا شرف ہو، ان کی توقیر، ان کی تعظیم ماننے والوں کے عمل میں نظر آتی ہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾

فرعون نے کہا، کیا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے، جس نے تمہیں سحر کا علم سکھایا ہے۔ تو مجھے قسم ہے، ضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں قطع کروں گا، اور تمہیں کھجور کے تنے پر سولی دوں گا، اور تمہیں معلوم ہو جائے گا ہم میں سے کس کا عذاب اشد ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

جادوگروں کے ایمان لانے کا اعلان سن کر فرعون بہت پریشان ہوا۔ ناظرین نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ لیا تھا اس کو بھلا دینا ممکن نہ تھا، اور لوگوں کو الجھائے بغیر فرعون کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے لوگوں کو الجھانے کے لئے یہ کیا، کہ جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد ثابت کیا جائے، اور یہ جو کچھ لوگوں کے مشاہدے میں آچکا ہے اسے استاد اور شاگردوں کی ملی بھگت ثابت کیا جائے، اور

اس کارروائی کو حکومت کے خلاف سازش قرار دیا جائے۔ فرعون نے اپنے دبدبے کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہا، کہ تم لوگوں کو میری اجازت سے قبل موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی جرات کیسے ہوئی۔ میں اس سازش کو جان چکا ہوں۔ یہ تمہارا استاد ہے۔ اسی نے تمہیں جادو کا علم سکھایا ہے، اور تم نے اس کی بڑائی کو تسلیم کرنا ہی تھا۔ اس سازش کی سزا تمہیں یہ دی جائے گی، کہ تمہارے ایک طرف کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں گے، اور کھجور کے تنے پر تمہیں سولی دی جائے گی، کہ حکومت کے خلاف سازش کرنے والے لوگوں کو دور سے نظر آئیں اور لوگ ان کے انجام سے عبرت لیں۔ ایک سزا وہ تھی جس سے بچنے کے لئے تم اس سازش میں شریک ہوئے ہو، اور ایک سزا یہ ہوگی۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا، کہ کونسی سزا زیادہ شدید اور دیرپا ہے۔

**حاصل:** ہدایت کی طلب نہ ہو، تو راہ راست نہیں ملتی۔ اپنے کئے ہوئے سب انتظامات، دشمن کی چال نظر آنے لگیں تو انتظامیہ کی ناکامی ثابت ہو جاتی ہے۔ حکومت ناکامی کو انا کا مسئلہ بنالے تو پھر اسے اپنا غیظ وغضب دکھانا ہی ہوتا ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ﴿۷۲﴾

کہنے لگے: ہم ہرگز تمہیں ترجیح نہ دیں گے، ان روشن نشانیوں پر جو ہمارے پاس آئیں اور جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو جو تمہیں کرنا ہے کر گزرو، تم اسی حیات دنیا میں ہی کر سکو گے۔

ان حضرات نے فرعون کو یہ جواب دیا، کہ جو کچھ ہمارے مشاہدے میں آیا ہے، اس کو ہم نے مانا ہے۔ ہم نے نشانیاں دیکھ کر مانا ہے، اور ان انبیاء کرام کی بدولت ہمیں اپنے رب کا وصال نصیب ہوا ہے۔ اس عطا کے مقابل کسی مقام کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ سزا کا اعلان ہم سن چکے ہیں، ہم سزا کے لئے تیار ہیں۔ تمہیں جو کرنا ہے کر گزرو۔ یہ سزا تو حیاتِ دنیا ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ آخرت کی سزا جو تمہیں ترجیح دینے کی صورت میں یقیناً ہوگی، اشد ہوگی اور باقی رہنے والی ہوگی۔ ہم اس سزا سے جو آخرت میں ہوگی ڈرتے ہیں اور اس سزا سے جو حیاتِ دنیا میں تم سنا رہے ہو نہیں ڈرتے۔

**حاصل:** ایمان والے اللہ سے ڈرتے ہیں۔ حق کے مقابل ناحق کو ترجیح دینا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کو حیاتِ دنیا کی سزا، انسان کی طرف سے ہو، تو اللہ کا فضل ان کے شامل حال ہوتا ہے جو انسان کی طرف سے دی گئی سزا کی شدت کو بہت کم کر دیتا ہے۔ منکرینِ حق کو جو سزا آخرت میں ملے گی وہ بڑی شدید ہوگی اور بڑی دیرپا ہوگی۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے، کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے، اور وہ جو تو نے ہمیں سحر پر مجبور کیا۔ اور اللہ خیر ہے اور باقی ہے۔

فرعون کی دھمکیاں سن کر ان ایمان والوں نے یہ کہا: کہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو

بخش دے۔ ہم سے یہ بڑا قصور ہوا ہے، کہ ہم نے اللہ کے نبیوں سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی باتیں سننے کے بعد ان سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے، مگر تمہارے جبر کی وجہ سے ہم اس کام کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر اب وہ کیفیت نہیں ہے۔ اب جو کچھ ہمیں مل گیا ہے، وہ ہمیں اتنا عزیز ہے، کہ ہمیں کسی جبر کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ اللہ کے ساتھ سے بہتر کوئی ساتھ نہیں ہے اور اسی کے انعامات باقی رہنے والے ہیں۔

**حاصل:** حق کو مان لیا جائے تو پھر کسی کا جبر ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ مجبور کرنے والوں کے سامنے یہ کہنا کہ ہم اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں، اس کے ساتھ سے بہتر کوئی ساتھ نہیں ہے اور ہمیشہ رہنے والے کے مقابل ظلم کرنے والے کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، بہت بڑی بات ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾

بے شک جو اپنے رب کے سامنے مجرم ہو کر آئے، تو اس کے لئے جہنم ہے۔ نہ اس میں مرے اور نہ جیئے۔

دنیا کی زندگی میں جو لوگ حق کو جاننے کے باوجود، خلافِ حق کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے ماننے والوں سے دشمنی کرتے ہیں، یہ لوگ مجرم ہیں۔ جس نے توفیق دی ہے، جس نے مقصدِ حیات کا تعین کیا ہے، جو صداقت و کذب کا فیصلہ بندے کے اعمال کو دیکھ کر کرتا ہے، اس نے جہنم کو مجرموں کے لئے ٹھہرایا ہے۔ یہ ایسا مقام ہے، جس میں مجرم دکھ سے مر بھی نہ سکے گا، اسے زندگی بھی عزیز نہ ہوگی۔ جو دوام حق کی مخالفت کی صورت میں اس کا طریقِ زندگی تھا، دائمی سزا کی صورت میں وہی اس کو گھیرے ہوئے ہوگا۔

**حاصل:** جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف جانا بھی ہوگا۔ جو خلافِ حق کرتا ہوا اس دنیا سے جائے گا، اس کے لئے جہنم ہے، جس میں دائمی سزا ہوگی۔ جو جزا دینے کی قدرت رکھتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ﴿۷۵﴾

اور جو مومن ہو کر آئے کہ اس نے صالح اعمال کئے ہوں، تو ان کے درجات بلند ہیں۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ پاکیزگی مطلوب ہو، تو صالحین کی معیت میں جو راحت ہوتی ہے، وہ کسی دوسرے مقام پر نظر نہیں آتی۔ حیاتِ دنیا میں خوف وحُزن سے نجات حاصل ہو تو یہ بلند مقام ہے، آخرت میں تو اس کی شان بہت بڑی ہوگی۔

**حاصل:** ہمارے دعویٰ ایمان کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت موجود ہو، تو صالحین کی معیت سے بڑھ کر ہماری کوئی شان نہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ ع

بسنے کے باغ ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ جزا ہے اس کی جو پاک ہوا۔

ع ۲ / ۲۲ / ۱۲

پاکیزگی کی جزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو مقام پاک لوگوں کو نصیب ہوگا، وہ ایسے باغ ہوں گے جن کی سرسبزی دائمی ہوگی، کہ زیرِ زمین پانی کی سطح ایسی ہوگی کہ آبیاری کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ لوگ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاک رہنے کا انعام پائیں گے۔ دائمی پاک دامنی کا انعام بھی دائمی نوعیت کا ہوگا۔

**حاصل:** پاک لوگوں کی معیت کا دعویٰ ہو، تو ہمیں ان کی صفات مبارکہ کا مظہر ہونا چاہئے۔ دائمی پاک دامنی کے حصول کی دعا کرنی چاہئے، کہ یہ اللہ کا بڑا انعام ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۲۲) میں ارشاد فرمایا ہے: يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۷۷﴾ اے ایمان والو، رکوع کرو اور سجدہ کرو، اور اپنے رب کی بندگی کرو، اور بھلائی کے کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴿۷۷﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی کی، کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیے، پھر ان کے لئے دریا میں سوکھا راستہ بنائیے، تعاقب کا خوف نہ رکھیئے اور ڈوب جانے کا ڈر بھی دور کیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد فرعون نے بنی اسرائیل کو مزید اذیتیں دیں، تو انہوں نے اللہ کے نبی کی خدمت میں اپنا ماضی اور حال بیان کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی کہ قریب ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں اس زمین کا وارث بنا دے، پھر دیکھے تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ اس میں بنی اسرائیل کے اندر حال پر اللہ کی قدرت کو دیکھنے کا رخ واضح کرنا مقصود تھا۔ اصلاحِ حال کی تاکید مقصود تھی۔ نجات کی بشارت تو وہ لوگ آپ کی زبان پاک سے سن چکے تھے، اس لئے تیاری کا مرحلہ بھی گزر چکا تھا، حکم کا انتظار تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا، تو اس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ کس وقت چلنا ہے، کس راستے کو اختیار کرنا ہے، دریا پر پہنچ کر عصا کو پانی پر مارنا ہے اللہ کی قدرت سے دریا میں خشک راستہ مل جائے گا، فرعون کے تعاقب سے خائف نہیں ہونا، ڈوب جانے کے اندیشے کو بھی دور رکھنا ہے۔ اللہ کی مدد کتنی بڑی شان رکھتی ہے، سبحان اللہ، سبحان اللہ!

**حاصل:** مظلومین کو ہجرت میں مدد دینا بڑی نیکی ہے۔ اللہ کی مدد شاملِ حال ہو تو نہ پیچھے سے خوف ہوتا ہے، نہ آگے کا ڈر ہوتا ہے۔ امام کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی حفاظت کرے، ساتھیوں کا حق یہ ہے کہ وہ ادب سے اس کی اطاعت کریں۔

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾

تو فرعون نے ان کا پیچھا کیا اپنے لشکروں کے ساتھ، پھر دریا نے ان کو ڈھانپ لیا، جیسے ڈھانپ لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے گزر چکے تھے۔ فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں بڑی سرعت

کے ساتھ روانہ ہوا۔ جلد ہی وہ دریا پر پہنچ گیا، اور اس نے دیکھ لیا کہ دریا میں ان کے لئے خشک راستہ موجود ہے۔ یہ اس کے لئے اللہ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی تھی۔ مگر وہ اپنی قوت کے نشے میں بدمست تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کو سزا دینے کے لئے اسی راستے سے گزرنے کا فیصلہ کیا، اور وہ اپنے لشکروں سمیت اسی راستے پر چل پڑا جو اللہ کی قدرت سے بنی اسرائیل کے لئے بنا ہوا تھا۔ عمل کے لئے اسے دی گئی مہلت ختم ہو گئی تھی، دریا کے پانی نے اس کو مع اس کے لشکروں کے اس طرح ڈھانپ لیا، کہ وہ کچھ بھی نہ کر سکا اور انہیں ٹھنڈا ہونے میں دیر نہیں لگی۔

**حاصل:** پاک لوگوں کو دیا گیا انعام، ناپاک لوگوں کے لئے گرفت کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ اللہ سے مقابلہ کرنا خسارے میں ہی ڈالتا ہے۔

**وَ اَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَ مَا هَدٰى ﴿۷۹﴾** اور فرعون نے اپنی قوم کو بہکایا اور انہیں راہ نہ دکھائی۔

قوم کی قیادت بھی فرعون کی ایک ذمے داری تھی۔ اس میں بھی وہ خیانت کا مرتکب ہوا۔ اس کے سامنے حق اپنی اسناد کے ساتھ بالکل واضح تھا، وہ اپنی غرض و غایت میں پڑ گیا۔ اس نے اپنی قوم کو ہمیشہ یہ بتایا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا نتیجہ یہی ہو گا کہ آلِ فرعون کا نام بھی باقی نہ رہے گا۔ راہ دکھانے کا حق اس طرح ادا ہو سکتا تھا کہ وہ لوگوں کو مقصدِ حیات پر غور و فکر کرنے کے لئے کہتا، اپنے طریقِ زندگی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریقِ زندگی سے موازنہ کرنے کو کہتا۔ اجتماعی بھلائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کے حوالے سے ممکن تھی اس کے امکانات کا جائزہ لینے کی تاکید کرتا۔ اس طرح انسان کے قیاسی علم سے وجود میں آنے والی تہذیب کا علمِ الٰہی سے بننے والی تہذیب سے تقابل ہو جاتا، اور صحیح راستے کے انتخاب میں کسی کو مشکل نہ پیش آتی۔

**حاصل:** اپنی قوم کی راہ نمائی بہت بڑا حق ہے۔ اس حق میں کوتاہی ہو تو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ قائد کی شان یہی ہے کہ وہ لوگوں کو حقائق کے حوالے سے صحیح نتائج پر پہنچنے میں مدد دے، اور اجتماعی بھلائی کے لئے کام کرنے والوں کو ذاتی غرض و غایت سے بلند رہنے کی تربیت دے۔

**یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ قَدۡ اَنۡجَیۡنٰكُمۡ مِّنۡ عَدُوِّكُمۡ وَ وٰعَدۡنٰكُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡكُمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰی ﴿۸۰﴾**

اے بنی اسرائیل بے شک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی، اور تمہیں طور کی دائیں جانب کا وعدہ دیا، اور تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا۔

فرعون کو اس کے لشکروں سمیت دریا میں غرق کر دیا گیا، اور بنی اسرائیل کو دشمن لوگوں سے نجات مل گئی۔ محکوم لوگ اس زمین کے شرق و غرب کے وارث بنا دئے گئے۔ کتاب ہدایت عطا کرنے کے لئے مقامِ عطا کے بارے میں وعدہ دیا گیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا کرم تھا۔ خوراک کے لئے من و سلویٰ کا اتارنا بھی اللہ کا بڑا کرم تھا۔ روحانی ضروریات کے ساتھ جسمانی ضروریات کو علمِ مطلق سے پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر بہت بڑا احسان تھا۔ بندگی کا حق بہ طریقِ احسن ادا کرنے کے لئے جو کچھ بنی اسرائیل کو درکار تھا، سب عطا کیا گیا۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ کے کرم کو ماضی میں دیکھنا چاہئے، حال پر بھی دیکھنا چاہئے۔ بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے جو کچھ درکار رہتا ہے وہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾

کھاؤ طیّبات سے جو تمہیں رزق دیا ہے، اور اس میں زیادتی نہ کرو کہ تم پر میرا غضب پڑے، اور جس پر میرا غضب پڑے تو بے شک وہ گرتا ہے۔

طیّبات کا تعین علم الٰہی سے ہوا ہے۔ علم الٰہی لوگوں تک مرسلین کے ذریعے سے پہنچتا رہا ہے، شاہدین کے ذریعے سے پہنچتا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پاک کے ذریعے حکمِ خداوندی بنی اسرائیل کو ملا، کہ جو رزق تمہیں دیا گیا ہے اس کے استعمال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع لازم ہے۔ طغیان وعصیان کا راستہ، اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہوگی۔ اللہ کا غضب جس پر بھی پڑے وہ گر جاتا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

**حاصل:** رزق کو عطاءِ الٰہی جاننا چاہئے۔ اسے رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ سرکشی اللہ کے غضب کو دعوت دیتی ہے۔ اللہ کا غضب جس پر بھی پڑے وہ گر جاتا ہے۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

اور بے شک میں اس کے لئے ضرور غفار ہوں، جو تائب ہو اور ایمان لائے اور صالح عمل کرے، پھر ہدایت پر رہے۔

جو خطا کے بعد یہ دیکھ لے کہ اس کا رخ غلط ہے، خلافِ حق ہے اور اس کا انجام خسارہ ہی ہوگا، وہ رک جاتا ہے۔ توبہ کرتا ہے، من مانی کرنے کو بڑا گناہ سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور اس دعوے کو صالح اعمال سے سچا ثابت کرتا ہے۔ یہ بندہ کبھی اپنی پسند کو حق کے مقابل بیان نہیں کرتا۔ اس جرم سے بچنے والا ہی راہِ ہدایت پر رہ سکتا ہے۔

**حاصل:** خطا کے بعد توبہ ہو، ایمان کی تجدید ہو، صالح اعمال سے اس کی تصدیق ہو اور کبھی اپنی پسند کو حق کے مقابل بیان نہ کیا جائے، تو اللہ کی طرف سے بخشش سابقہ گناہوں کی نفی کر دیتی ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾

اور آپ نے اپنی قوم سے عجلت کیوں کی اے موسیٰ (علیہ السلام)!

حضرت موسیٰ علیہ السلام حکمِ الٰہی کے مطابق کوہِ طور پر اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حاضر ہونے کے لئے چلے۔ مقتدیوں نے کوتاہی کی اور امام کے ساتھ قدم ملا کر چلنے میں سستی کی، اس لئے وہ کچھ پیچھے رہ گئے۔ آپ شوقِ ملاقات میں سرشار تھے۔ آپ کی نظر پیچھے آنے والوں پر تھی، مگر جماعت کے ساتھ سے حفاظتِ جماعت کا حق بہتر طور پر ادا ہو سکتا تھا۔ اس لئے پوچھا گیا، آپ نے جلدی کیوں کی اے موسیٰ علیہ السلام!

**حاصل:** امام کے لئے جماعت کے ساتھ رہنا، حفاظتِ جماعت کے حق کی بطریقِ احسن ادائیگی کے لئے

ضروری ہے۔ آگے ہونا یا پیچھے ہونا حفاظت کے حوالے سے بھی ہوسکتا ہے۔ جماعت کو امام کے ساتھ رہنے میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔

قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلَىٰٓ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿٨٤﴾

عرض کی وہ یہ میرے پیچھے آرہے ہیں، اور اے میرے رب میں نے عجلت کی کہ تو راضی ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف دیکھتے ہوئے یہ کہا، اے میرے رب وہ لوگ میرے پیچھے آہی رہے ہیں، مجھے تیری رضا مطلوب تھی، شوق ملاقات میں سرشار ہونا بھی جلدی کا سبب ہوا۔

**حاصل:** رضائے الٰہی کے حصول کے لئے جلدی کرنا ادب ہے، مگر جماعت کی سلامتی کو ملحوظ رکھتے ہوئے، جماعت کے ساتھ رہنا بہتر ہے۔ جماعت کے ہر رکن کو امام کے ساتھ رہنا چاہئے۔

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنۢ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ ٱلسَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾

فرمایا، تو ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنے میں ڈالا اور انہیں سامری نے بہکایا۔

اللہ کی عطا کردہ توفیق کے استعمال میں جو رخ اختیار کیا جائے، اسی کی بندے کو جزا دی جاتی ہے۔ جو شعور کے ساتھ راہِ خیر پر ہو اور اس کے سامنے اس کی خواہشات اس طرح آجائیں، کہ وہ ان کی پیروی کے لئے ماحول کو سازگار پائے، تو یہ کیفیت اس کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ یہیں اس کی صداقت وکذب کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر وہ پاکیزگی کے عہد پر قائم رہتا ہے تو وہ صادق ہے، ورنہ کاذب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو تاکید کی تھی، اس میں ان کے لئے بڑی راہ نمائی تھی۔ اس ہدایت کو ایک طرف رکھ کے کسی دوسری راہ کی جستجو اصل گناہ تھا، اور سامری نے ان کی اس طلب کو استعمال کرتے ہوئے ان کو بہکایا۔ ہدایت وگمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، مگر سبب کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے جیسے یہاں سامری کے بہکانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

**حاصل:** اپنے عہد کو یاد رکھنا چاہئے۔ جب پاک لوگوں کے مقابلے میں ناپاک لوگوں کو بھی اتنی ہی اہمیت دی جائے گی جو پاک لوگوں کی شان کے لائق ہوتی ہے تو خرابی واقع ہو جائے گی۔ بھٹکنے والا، بھٹکنے کے لئے تیار ہو تو بہکانے والا اپنی کاروائی شروع کرسکتا ہے۔

فَرَجَعَ مُوسَىٰٓ إِلَىٰ قَوْمِهِۦ غَضْبَٰنَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ ٱلْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِى ﴿٨٦﴾

تو موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضب و افسوس کے ساتھ لوٹے۔ فرمایا: اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے احسن وعدہ نہ کیا تھا، یا تم پر عہد طویل ہو گیا تھا، یا تم نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب پڑے، تو تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتابِ ہدایت عطا ہونے کی خوشی بہت تھی، مگر جن کے لئے یہ انعام عطا ہوا تھا، ان کے رویئے کے بارے میں جان کر آپ کو بہت دکھ ہوا، اور آپ غصے اور افسوس کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ آپ نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا: کیا تمہارے رب سے بہتر کوئی ہدایت دینے والا ہو سکتا ہے۔ یہ اتنی طویل مدت بھی نہیں تھی، کہ تم ہدایت کا انتظار کرتے کرتے ناامید ہو گئے تھے۔ تیسری صورت یہی ہو سکتی ہے، کہ تم نے جان بوجھ کر میرے وعدے کے خلاف حرکت کی، ہارون علیہ السلام کی اطاعت کو چھوڑ کر سامری کا کہا مانا، اور اپنے رب کے غضب کو دعوت دی۔

**حاصل:** اپنی قوم کی گمراہی پر غصے اور افسوس کا اظہار، بھلائی چاہنے والے کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ گمراہی کے اسباب کا جائزہ لینا چاہئے۔ مثبت رخ کو پہلے دیکھنا چاہئے، منفی کو بعد میں۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

کہنے لگے ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی، ولیکن ہم سے اس قوم کی زینت کے بوجھ اٹھوائے گئے تھے، تو ہم نے انہیں ڈال دیا، پھر اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ان لوگوں سے پوچھا جو خلافِ حق کرنے کے مرتکب نظر آتے تھے، کہ انہوں نے پاک رہنے کے عہد کو کیوں توڑا۔ تو جواب یہ دیا گیا، کہ وہ تو اس میں تقریباً بے اختیار تھے۔ زیورات کی شکل میں لوگوں کی امانتوں کا بوجھ ان کے پاس تھا، لوگ سامری کے زیرِ اثر تھے، انہیں مجبور کرتے تھے کہ سامری کے حکم کے مطابق زیورات کو ڈال دو، جہاں وہ کہتا ہے۔ مجبوراً انہوں نے وہ زیورات ڈال دیئے، سامری نے جو کچھ کرنا تھا اس نے بھی کر دیا۔ یوں ان سے وعدہ خلافی کروائی گئی۔ وہ ایسا کرنے میں راضی نہ تھے۔

**حاصل:** قصور کا اعتراف، طالبِ ہدایت ہونے کی نشانی ہے، اس لئے اس میں کمزوری نہیں ہونی چاہئے۔ واقعات کو بیان کرتے وقت ٹھیک ٹھیک بیان کرنا چاہئے۔ کسی واقعے کی اہمیت کو گھٹانا، بڑھانا بیان کرنے والے کی ذمہ داری نہیں ہوتی، وہ فیصلہ کرنے والے کا حق ہے۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

تو اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا نکالا، جس کا دھڑ گائے کی طرح ڈکارتا، پھر کہنے لگے، یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود، تو بھول گئے۔

سامری نے ان زیورات کو پگھلا کر، بچھڑے کا بت بنایا۔ جب اس میں سے ہوا کا گزر ہوتا تھا، تو اس سے ڈکارنے کی آواز نکلتی تھی۔ سامری اس آواز کو اپنی منشاء کے مطابق معنی دے دیتا تھا۔ لوگ اس کی باتوں کو مان لیتے تھے۔ بت پرستی کی طرف مائل لوگوں کی یہ درخواست تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سن چکے تھے، کہ ہمیں بھی ایک بت بنا دیجئے کہ ہم اس کی پرستش کرتے رہیں۔ آپ نے ان لوگوں کی بیہودگی پر سخت سرزنش کی تھی۔ انہی لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت سے انکار کیا تھا۔ یہی سامری کے مددگار تھے۔ یہی کہنے

والے تھے، کہ یہ بچھڑا ہی معبود ہے۔ ہمارا بھی ہے، موسیٰ علیہ السلام کا بھی ہے۔ وہ اسے بھول کر کہیں چلے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا انکار ناممکن تھا، اس لئے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لینا بھی ضروری سمجھا۔ بے ہودگی ملاحظہ ہو، کہ جو شے ان کے ہاتھوں سے بن رہی ہے، اسے وہ اپنا معبود مان رہے ہیں۔

**حاصل:** شعبدہ باز لوگوں کو وقعت نہیں دینی چاہئے۔ بت کے ساتھ ہمیشہ بت بنانے والا اپنے علم کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ بندے کو توفیق دینے والا ہی بتا سکتا ہے کہ اس پر حق کیا عائد ہوتا ہے۔ جزا دینے والا بھی وہی لاشریک ہے۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ ع ۱۲

تو کیا دیکھتے نہیں کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا، اور ان کے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔

بنی اسرائیل کو ماضی قریب میں اجتماعی طور پر معبود لاشریک کی طرف سے بڑی مدد ملی تھی۔ انہیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے ظلم سے نجات دلانے والی قوت وہی تھی، جس کا کوئی شریک نہیں۔ چھوٹی سی بے سہارا جماعت کو ایک بڑی حکومت کے پنجۂ استبداد سے بچا لینا، اور ظالموں کو مظلوموں کے سامنے غرق کر دینا، مالکِ حقیقی کی شان ہے۔ ضرر اور نفع اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ نتیجے میں اللہ کی قدرت کا انکار ممکن ہی نہیں، اور جس بچھڑے کو یہ لوگ معبود بنا رہے تھے، وہ کسی شے پر بھی قادر نہیں تھا۔

**حاصل:** اپنے عقیدے کی صحت کو دیکھنا چاہئے۔ حق کا نازل فرمانے والا معبود ہے۔ ضرر اور نفع کا مالک معبود ہے۔ جس کی قدرت نتائج کو مرتب کرتی ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام (۷) میں ارشاد فرمایا ہے: ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی، کہ نعمت کو پورا کریں احسن کام کرنے والوں پر اور ہر شے کی تفصیل کے لئے اور ہدایت اور رحمت تا کہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر ایمان رکھیں۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

اور بے شک ہارون (علیہ السلام) نے اس سے قبل انہیں بتایا تھا، اے میری قوم! بے شک تم لوگ فتنے میں پڑے ہو اور بے شک الرحمٰن تمہارا رب ہے، تو میرا اتباع کرو اور میرے امر کی اطاعت کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حصولِ کتاب کے لئے کوہ طور پر جانے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کی قیادت کا فریضہ سونپا تھا، اور قوم کو ان کی اطاعت کی تاکید کی تھی۔ جب قوم بت پرستی میں مبتلا ہونے لگی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ تم لوگ فتنے میں پڑ گئے ہو۔ الرحمٰن ہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے، وہی تمہارا پالنے والا ہے، وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ جو

راستہ تم اختیار کر رہے ہو، یہ تمہیں خسارے میں مبتلا کر دے گا۔ فلاح اسی میں ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میرے امر کی اطاعت کرو۔ باقی سب راستے تمہارے لئے دکھ کا باعث بنیں گے۔

حاصل: راہ نمائی کرنے والے صحیح وقت پر راہ نمائی کر دیتے ہیں۔ فتنے کے وقت درست رخ معلوم ہو جائے تو یہ بڑی مدد ہوتی ہے۔ جس کا اتباع، جس کی اطاعت، خوف وحُزن سے نجات کی ضمانت دے وہی بہترین قیادت ہے۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾

کہنے لگے ہم تو اس پر آسن مارے بیٹھے رہیں گے حتیٰ کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہماری طرف لوٹ آئیں۔

بت پرستی میں مبتلا لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں یہ کہا، کہ آپ کا اتباع اور آپ کی اطاعت تو ہم کرتے نہیں، اور موجودہ طریقِ عبادت کو چھوڑنے پر بھی ہم تیار نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک تو یہی صورتِ حال رہے گی، ان کی تشریف آوری کے بعد دیکھا جائے گا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام، صاحبِ امر مقرر کر کے گئے تھے، اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام کے امر کو نہ ماننے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے دعوے میں جھوٹے تھے۔

حاصل: شاہد کی طرف سے جس کو امیرِ جماعت مقرر کر دیا جائے، اس کو بالکل شاہد کی صورت سے ماننا چاہئے۔ اس کے اتباع میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے، ورنہ جماعت کو بڑا نقصان پہنچ جاتا ہے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾

فرمایا، اے ہارون (علیہ السلام) تمہیں کس نے منع کیا تھا جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھ لیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی گمراہی سے آگاہ تھے۔ انہیں غصہ بھی تھا اور افسوس بھی تھا۔ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کو صاحبِ امر مقرر کر کے گئے تھے، اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام کی پاکیزگی کے یقین کے باوجود آپ نے یہ پوچھا کہ ان لوگوں کی گمراہی کو دیکھ لینے کے بعد، تمہیں ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ دینے سے کس چیز نے روکا۔ لوگوں کو ان کے ناقص اعمال کا احساس دلانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے، کہ شاہدین اپنے قربیٰ میں سے کسی کو نمونہ بنایا کرتے ہیں۔ اس وقت دعوتِ فکر کا وہ بہترین اسلوب ہوتا ہے۔

حاصل: پوچھنے کا حق اسی کو ہوتا ہے جس نے شرف عطا کیا ہو۔ امیرِ جماعت کی ذمے داری ایک حد تک ہوتی ہے۔ جب وہ لوگوں کو عملاً گمراہی میں دیکھ لے، تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ ﴿٩٣﴾

کہ میرے پیچھے آتے۔ تو کیا تم نے میرے امر کے خلاف کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے یہ کہا، کہ قوم کو گمراہی میں دیکھ لینے کے بعد تمہیں ان سے الگ ہو جانا چاہئے تھا اور میرے پیچھے آنا چاہئے تھا۔ ایسا تم نے کیا نہیں۔ تو کیا تم نے میری حکم عدولی کی ہے۔ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

وضاحت طلبی کے انداز میں کہی۔ دیکھنے والوں کے لئے یہ بہت بڑی نشانی تھی، کہ بھائی سے حق کی ادائیگی کے بارے میں پوچھا جارہا ہے۔

**حاصل:** جو جماعت کی قیادت کا ذمے دار ٹھہرایا گیا ہو، جماعت کے حوالے سے اس کو اپنے حال کی وضاحت بھی کرنی پڑتی ہے۔ پوچھ کا سلسلہ اپنے قربیٰ سے شروع کیا جائے تو اس سے جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَ لَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿٩٤﴾

عرض کی، اے میرے ماں جائے، نہ میری داڑھی پکڑیئے نہ سر کے بال، بے شک مجھے یہ ڈر تھا کہ آپ فرمائیں گے، کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات یاد نہ رکھی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بڑے ادب سے یہ گزارش کی، کہ حضرت آپ ناراض نہ ہوں، میں یہ عرض کرتا ہوں کہ بت پرستی کو دیکھ کر میں ان لوگوں سے الگ ہو جاتا تو حق کو ماننے والے میرے ساتھ ہو جاتے باقی پیچھے رہ جاتے۔ اس طرح تفرقہ واضح ہو جاتا، اور آپ نے تفرقے سے بچنے کا حکم دیا تھا۔ مجھے ڈر یہی تھا کہ آپ کی حکم عدولی نہ ہو۔ ساتھ نبھانے کی احسن صورت کو یہ لوگ چھوڑ چکے تھے، میری حکم عدولی کے ساتھ انہوں نے یہ کہا تھا کہ آپ کے انتظار میں یہ اپنی روش کو جاری رکھیں گے، پھر میں ساکن ہو گیا، یہی میرے عمل کی وضاحت ہے۔

**حاصل:** پوچھنے والا حق کے حوالے سے پوچھے تو جواب انتہائی ادب سے دینا چاہیے، اور اپنے حال کی وضاحت کرنی چاہیے۔ خلیفہ کو ماننا ہی شاہد کو ماننے کا ثبوت ہوتا ہے۔ تفرقے سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، کہ منکرینِ حق کے حوالے سے صاحبِ امر خود کو ساکن کر لے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾

فرمایا، اب تیری حقیقت کیا ہے اے سامری۔

سامری کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا، کہ اس نے بنی اسرائیل کو بہکایا ہے۔ پھر بھی آپ نے اس سے پوچھا، تمہاری حقیقت کیا ہے۔ مجرم کی بات سننے کے بعد، اس کے بارے میں جو فیصلہ کیا جائے وہ برمحل ہوتا ہے۔ اس کی بات سننے سے پہلے ہی فیصلہ کر دیا جائے، تو وہ بے محل ہوتا ہے۔ حق یہی ہے، کہ کسی خرابی کے واقع ہو جانے کے بعد جو کچھ بچایا جا سکتا ہو، اس کو پہلے بچایا جائے۔ خرابی کے سبب کا احاطہ کر لیا جائے تو اصلاح کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

**حاصل:** مجرم کو موقع دینا چاہیے، کہ وہ اپنی زبان سے اپنا حال اور حقیقت بیان کرے۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿٩٦﴾

عرض کرنے لگا، میں نے دیکھا جو دوسروں نے نہ دیکھا، تو میں نے بھیجے ہوئے کے قدم سے ایک مٹھی بھر لی پھر اسے ڈال دیا، اور میرے نفس کو یہی بھلا معلوم ہوا۔

سامری نے حقیقت بیان کرتے ہوئے، اپنے قصور کا اعتراف نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا، اے حضرت آپ کے فرمان کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کے اتباع میں میری بھلائی تھی، آپ پر ایمان کا دعوٰی رکھنے والے کو حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت کر کے اپنے دعوے کو سچا ثابت کرنا تھا، میں تو جھوٹا ثابت ہو گیا ہوں اور صریحاً خسارے میں پڑ گیا ہوں، آپ میری اصلاح کے لئے جو بھی فرمائیں وہ حق ہے۔ سامری نے اپنی بدعملی کی توجیہ بیان کی: '' کہ جو کچھ میں نے دیکھا، وہ دوسروں نے دیکھا ہی نہیں۔ اور اللہ کی قدرت کی جو نشانی میں نے دیکھی، اس کے قدم کے اثر کو لینے کے لئے میں نے وہاں سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی، پھر اس کو استعمال کیا، میرے نفس نے مجھ کو یہی سمجھایا۔'' جو جزا پر یقین رکھتا ہو، وہ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے۔ جزا پر یقین نہ رکھنے والا، کسی نشانی کو دیکھ بھی لے تو کھیل تماشے میں پڑ جاتا ہے۔ جس کو اپنی تجویز حق کے مقابلے میں اہم نظر آنے لگے وہ گمراہ ہوتا ہے، جو گمراہ کو قائد مان لے وہ بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔

**حاصل:** کبھی اپنی تجویز کو حق کے مقابل نہیں لانا چاہئے۔ جزا پر یقین رکھنا چاہئے۔ بات حق کے حوالے سے کرنی چاہئے۔ قصور ہو جائے تو واضح طور پر اس کا اعتراف کرنا چاہئے۔ مجرم کی سوچ درست نہیں ہوتی۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِى الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

فرمایا تو چلا جا، پھر حیات میں تیرے لئے یہی سزا ہے کہ تو پکارتا رہے کہ مجھے مس نہ کرنا، اور تیرے لئے ایک وعدہ ہے کہ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہوگا، اور اپنے معبود کی طرف نظر کر کہ جس پر دن بھر تو معتکف رہتا تھا، ہم اسے جلا ڈالیں گے، پھر اس کے ذرات کو دریا میں بہا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کے صانع، سامری کو سزا دی اور اسے جماعت سے الگ کر دیا۔ اس کے جسم میں ایسی کیفیت پیدا ہو گئی کہ وہ ہمہ وقت تکلیف میں رہتا تھا، مگر کسی کے مس کر جانے سے وہ تکلیف شدید ہو جاتی تھی۔ اس لئے وہ لوگوں سے بھی دور رہتا تھا، اور قریب سے گزرنے والوں کو مس نہ کرنے کی درخواست بھی کرتا تھا۔ یہ اتنی بڑی سزا ہے، کہ زندگی میں سرداری کے اس طالب کے لئے کوئی دوسری سزا اتنی رسوا کن نہیں ہو سکتی تھی۔ بت ساز کو یہ بھی بتایا گیا کہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے، ایک مہلت ہے، جس کو ضرور پورا ہونا ہے۔ اس مہلت کو کس طرح استعمال کرنا چاہئے، یہ سامری کو معلوم تھا۔ صانع کو سزا سنانے کے بعد آپ نے اس کی مصنوع کے بارے میں فرمایا: اپنے اس معبود کی طرف بھی دیکھ، یہی ہے نا جس پر تو دن بھر آسن مارے بیٹھا رہتا تھا۔ اس کو ہم جلائیں گے، یہ خود کو بچا نہیں سکے گا۔ پھر اسکو ریزہ ریزہ کریں گے، یہ اپنی ذات کو سلامت نہیں رکھ سکے گا۔ یہ ہے تمہارا جھوٹا معبود جو نابود ہو جائے گا۔

**حاصل:** جسے محبین کو انعام دینے کا شرف ہو، اسے فاسقین کو سزا دینے کا شرف بھی ہوتا ہے۔ سزا کو جرم کی نسبت سے ہونا چاہئے۔ مشرک کو سزا دینے کے ساتھ ساتھ شرک کے آثار کو بھی ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مشرک کو دکھا کر اس کے جھوٹے معبود کو ختم کرنے میں حکمت ہوتی ہے۔

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہی ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر شے پر اس کا علم وسیع ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہارا معبود، جس کی عبدیت میں تمہاری شان ہے، اللہ ہے۔ اس کی رضا کے مقابل تمہیں کسی کی رضا مطلوب نہیں ہونی چاہئے۔ اللہ کو لاشریک ماننے کا یہی طریق ہے۔ یہ کہنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، دعویٰ ہے۔ اس کے ساتھ عملاً یہ شہادت موجود ہونی چاہئے، کہ رضائے الٰہی کے خلاف کرنے سے کراہت ہو۔ اللہ کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔ اس لئے ہر شے کے استعمال میں اللہ کے حکم کو ماننا لازم ہے، کہ پوچھ اسی کے حوالے سے ہوگی۔

**حاصل:** اللہ کی بندگی میں ہی بندے کی شان ہے۔ ہر شے کے استعمال میں اللہ کی رضا کو مقصود ہونا چاہئے، یہی راہِ فلاح ہے۔

**كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾**

اور ہم ایسے ہی آپ پر سابقہ لوگوں کی خبریں بیان فرماتے ہیں۔ اور بیشک ہم نے آپ کو اپنے لَدُنّ سے ایک ذِکر عطا فرمایا۔

سابقہ لوگوں کے حوالے سے سبق لینا بڑی دانائی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کس مقام پر کیا کیا، اور حق کے حوالے سے انہیں کیا کرنا چاہئے تھا۔ شرک کی ابتدا ہمیشہ حق کے مقابل اپنی خواہشات کو وقعت دینے سے ہوتی ہے۔ مشرک یکسو نہیں ہوتا۔ سابقہ لوگوں کے احوال کے ساتھ قرآنِ پاک میں علم الٰہی سے دیا ہوا ذِکر بھی ہے۔ اس میں ہدایت کے طالبین کے لئے ایسی روشنی ہے، کہ وہ قول و فعل میں پورے رہتے ہیں۔ ان کی بات بھی حق کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتی ہے، ان کا عمل بھی حق کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ یوں یہ نور بڑھتا رہتا ہے۔ استفادہ تو وہی کر سکتا ہے جسے اس کی قدر ہو۔

**حاصل:** ہمیں سابقہ احوال سے سبق لینا چاہئے، حال پر اصلاح کو قبول کرنا چاہئے، اور قول و فعل میں اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔

**مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾**

جو اس سے اعراض کرے تو وہ قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا۔

منشاء حیات کو بطریقِ احسن پورا کرنے کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے فرمان کو ادب سے مانا جائے۔ جو حق سے اعراض کرے وہ ناحق سے بچ نہیں سکتا۔ جو خلافِ حق کرے گا، وہ اپنی خواہشات کی پیروی کی سزا بھی پائے گا۔ حیاتِ دنیا میں وہ خوف و حُزن کے احاطے میں رہے گا۔ اس کے اعمال کا بوجھ اس پر ہوتا ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت میں یہ بوجھ خفی ہوتا ہے، قیامت کے دن یہ بوجھ جلی ہوگا۔ اس بوجھ کے ہر ہر جز کے بارے میں بندے کو پتہ ہوگا، کہ اس نے کس حق کے خلاف کیا ہے اور کس قدر خلاف کیا ہے۔

**حاصل:** عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں اصلاح کو قبول کرنا ہی باعثِ فلاح ہے۔ جو بھی خلافِ حق کیا جائے اس کا بوجھ انسان کو اٹھانا پڑے گا۔

**خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾**

ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ ان کے لئے کیا ہی برا بوجھ ہوگا۔

اپنے اعمال کے نتائج سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ مجرم کا جرم لوگوں کو معلوم ہو جائے تو اسے ندامت ہوتی ہے۔ جزا دینے والا تو ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس پر ایمان ہو تو خلافِ حق کرنا بُرا لگتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے پر اس کے کئے کا بوجھ ہوتا ہے۔ یہ بوجھ قیامت کے دن بہت بُرا بوجھ ہوگا، کہ عنقریب وہ بوجھ انسان کے لئے باعثِ عذاب بننے والا ہوگا، اور اس کو اتار کر پھینک دینا اور اس سے الگ ہو جانا ممکن نہ ہوگا۔

**حاصل:** اپنے اعمال کے انجام سے بچنے کی طلب ہو تو راہِ خیر کو اختیار کرنا چاہیے، ورنہ قیامت کے دن انسان کے جلانے کا سامان انسان کے سر پر ہوگا، اور یہ بہت بُرا بوجھ ہوگا۔

**يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾** جس دن صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرمین کو اکٹھا کریں گے، نیلی آنکھوں والے۔

دارِ عمل کے خاتمے اور دارِ جزا کی ابتدا کے درمیان جو وقت ہوگا، اس میں یہ صور پھونکا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی جزا کا مقام انسان کے سامنے ہوگا۔ جس کو ناممکن کہہ کر جرم کا ارتکاب کیا جاتا تھا، وہ ناقابلِ تردید صورت میں سامنے ہوگا تو مجرم ندامت سے جھک جائے گا۔ مجرمین کو مقامِ عذاب کی طرف ہانکا جائے گا۔ اس دن ان کی نشانیوں میں خوف زدہ ہونے کی ایک نشانی یہ بھی ہوگی، کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ سامانِ عذاب کا بوجھ وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے، اس وقت راستہ بدل لینا ان کے بس میں نہ ہوگا، ان کا ہر قدم انہیں عذاب کے قریب کرے گا۔

**حاصل:** دارِ عمل اور دارِ جزا کے درمیان جو وقت ہے، اس میں صور پھونکا جائے گا۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنے اختیار کو دیکھتے رہنا چاہیے، ورنہ آنکھیں نیلی اور منہ کالے اور سامانِ عذاب کا بوجھ، یہ مجرمین کی نشانیاں ہیں، جن سے بچ جانا ممکن نہ ہوگا۔

**يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾** آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے، تم نہیں رہے مگر دس دن۔

جزا کا انکار کرنے والے جب جزا کو سامنے پائیں گے، تو انہیں حیاتِ دنیا کی صورت میں دی گئی مہلت بہت قلیل نظر آئے گی۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو بے ہودگی کے ساتھ ضائع کر دینے والے انجام کے وقت یہی کہتے ہیں، کہ وقت ہی بہت تھوڑا تھا۔

**حاصل:** عمل کے لئے دیا گیا وقت حال پر طویل نظر آتا ہے، آخرت میں یہ قلیل نظر آئے گا۔ نہ یہ طویل ہے نہ قلیل ہے۔ علیمِ مطلق نے اپنے علم سے مہلت دی ہے، اس لئے ہر ہر فرد کے لئے پوری ہے۔

**نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾** ع ۱۵ ہمیں خوب علم ہے جو وہ کہتے ہیں، جب ان میں مثالی طریقے والا کہے گا تم تو ایک ہی دن رہے ہو۔

اللہ سے تو کچھ مخفی نہیں ہوتا، اس لئے مجرموں کی خفی باتیں بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتیں۔ جو لوگ حیاتِ دنیا کو دس دن بتائیں گے، ان میں سے مثالی طریقے والا وہی ہوگا جس کی مثال کو حیاتِ دنیا میں قابلِ قدر سمجھا گیا اور جس کی پیروی میں مجرموں نے خوشی محسوس کی، وہ حیاتِ دنیا کی صورت میں دی گئی مہلت کو ایک دن بتائے گا۔ حق سے غفلت ہو تو عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو شمار کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ جب وقت کو اپنے نفس کی خوشی میں ہی ضائع کر دیا جائے، تو پھر احساس یہی ہوتا ہے، کہ وقت تھا ہی کم۔ جو جس قدر انجام سے غافل ہوگا، اسی قدر اس کو عمل کے لئے دیا گیا وقت کم نظر آئے گا۔

**حاصل:** مہلت دینے والا سب سے بڑے علم والا ہے۔ اتمامِ حجت میں کمی کرنا اللہ کی شان کے لائق ہی نہیں۔ انجام سے غفلت ہو تو عمل کے لئے دیا گیا وقت قلیل ہی نظر آتا ہے۔ دیکھنا چاہئے کیا ہمارا وقت حق کے مطابق گزر رہا ہے یا اس کے خلاف۔ اصلاح کو قبول کرنے کا وقت محدود ہی ہوتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے: وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ اور بے شک نامراد رہا جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔

**وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾**

اور آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تو آپ فرما دیجئے میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔

منکرینِ حق نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ سوال پیش کیا کہ قیامت کے دن پہاڑوں کا انجام کیا ہوگا، تو آپ نے اللہ کے فرمان کے مطابق یہ جواب دیا کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ پہاڑ کو استقامت کے حوالے سے بڑا معیار سمجھنے والے، اس طرف بھی دیکھ لیں کہ اس کا خالق کون ہے۔ جس قادرِ مطلق نے اسے پیدا کیا ہے، اس نے اس کے ذرات کو اکٹھا کیا ہے، اسی نے اس کے محلِ وقوع کا فیصلہ کیا ہے، اسی نے اپنے علم سے زمین کے خزانوں کو سنبھالا ہے۔ جس کی قدرت سے پہاڑ بنے ہیں، اسی کی قدرت سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ زینتِ زمین، حیاتِ دنیا کے لئے رکھی گئی ہے، جب یہ مہلت ختم ہو جائے گی، اسے ہٹا دیا جائے گا۔

**حاصل:** جس کی قدرت سے پہاڑ بنے ہیں، اسی کی قدرت سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اللہ کی قدرت پر نظر ہو تو رخ جہالت کی طرف نہیں ہو سکتا۔

**فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾**

تو زمین کو صاف، ہموار میدان کر چھوڑے گا۔

قیامت کے دن پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیا جائے گا، اور زمین بالکل ہموار، میدان ہو جائے گی۔ یہ حیاتِ دنیا کی انتہا ہوگی اور آخرت کی ابتدا ہوگی۔ زینتِ زمین کے ساتھ دل لگانے والے اور جزا کا انکار کرنے والے غور کریں کہ انہیں اپنے خالق کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جو انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔

**حاصل:** جس زینت کا اہتمام بھی کیا جائے، اس کا مقصود حق کی احسن ادائیگی کے لئے حسنِ اہتمام ہو تو یہ عطاء الٰہی کا شکریہ ادا کرنے کی صورت ہوگی۔

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ اور تم اس پر نہ کجی دیکھو گے نہ بلندی۔

حیاتِ دنیا میں اللہ نے زمین میں کہیں کجی رکھی ہے، کہیں بلندی رکھی ہے۔ اونچ نیچ سے ہر بندے کا گزر ہوتا ہے۔ کبھی شکر اللہ سے تعلق کا ثبوت ہوتا ہے، کبھی صبر اللہ سے تعلق کا ثبوت ہوتا ہے۔ ناشکری اور بے صبری تعلق مع اللہ کی نفی کی اسناد ہیں۔

**حاصل:** اللہ نے اونچ نیچ بڑے علم سے رکھی ہے۔ زمین میں اونچ نیچ کے خاتمے کی حقیقت یہ ہوگی، کہ عمل کے لئے دی گئی توفیق ختم ہو چکی ہوگی۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ اس دن پکارنے والے کے پیچھے دوڑیں گے، اس میں کجی نہ ہوگی، اور سب آوازیں الرحمٰن کے حضور پست ہو جائیں گی، پھر تم بہت آہستہ آواز ہی سنو گے۔

جس دن حضرت اسرافیل علیہ السلام دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے، تو لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور اللہ کے مقرر کردہ پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی اس پکارنے والے کے پیچھے نہ دوڑے۔ حیاتِ دنیا کے ساتھ جو توفیق دی گئی تھی، وہ تو ختم ہو چکی ہوگی، اس لئے حیاتِ آخرت میں اللہ کی طرف بلانے والے کے پیچھے دوڑنا مشکل نہیں ہوگا۔ اس دن سب آوازیں الرحمٰن کے سامنے پست ہوں گی۔ لوگوں کے چلنے کی آواز ہی ہوگی۔ جو دل سے حق کا اتباع کرتے ہیں، وہ حق کے سامنے اپنی رائے کے اظہار کو بے ادبی جانتے ہیں۔ ان کا کہنا یہی ہوتا ہے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ یہ پاک دل لوگ حیاتِ دنیا میں بھی خوف وحزن سے بچے رہتے ہیں، حیاتِ آخرت میں بھی یہی فلاح پانے والے ہوں گے۔

**حاصل:** حال پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی آواز کو اہمیت دینی چاہیئے۔ جو اللہ کی طرف رجوع لا رہا ہو اس کا اتباع کرنا چاہیئے۔ حق کو ادب سے سننا اور اس کی اطاعت کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ حیاتِ آخرت میں جو رویہ ہوگا اسے طبعی رویہ ماننا چاہیئے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ اس دن شفاعت نفع نہ دے گی سوائے اس کے جسے الرحمٰن اذن دے اور جس کے قول سے وہ راضی ہو۔

جزا کے دن جن حضرات کی شفاعت نفع دے گی، ان کی صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ صاحبان الرحمٰن کے اذن سے بات کرنے کا حق رکھتے ہوں گے اور الرحمٰن ان کی بات سے راضی ہوگا۔ جن کو الرحمٰن کا اذن حاصل نہ ہوگا اور جن کی بات سے وہ راضی نہ ہوگا، انہیں شفاعت کرنے کا حق ہی نہیں ہوگا۔ الرحمٰن کی طرف سے اذن ان کو ملے گا، جو خلوت میں پاک رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور جن کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتے۔ ان لوگوں کی بات کبھی خواہشِ نفس کے حوالے سے نہیں ہوتی، ہمیشہ حق کے حوالے سے ہوتی ہے اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مطابقت رکھتی ہے۔ ایسے قول سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

**حاصل:** جن حضرات کی شفاعت اللہ کے ہاں نفع دے گی، ان کی تلاش بڑے علم سے کرنی چاہیئے۔ میل اللہ کے فضل سے ہو جاتا ہے، میل ہو جائے تو ان کی بات کو ادب سے ماننا چاہیئے اور کبھی ان کو اپنی بات نہیں منوانی چاہیئے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور ان کا علم اسے احاطہ نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ مستقبل کا علم بھی رکھتا ہے، ماضی کا علم بھی رکھتا ہے۔ اس سے کسی کا حال مخفی نہیں ہے۔ خالقِ کُل کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ کوئی دوسرا یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اسکا علم ہر شے پر محیط ہے۔ خالقِ کُل کے علم کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ اس صورت میں شفاعت کا مقام یہ ہے کہ شاہدین اپنے تابعین کے بارے میں اذنِ الٰہی سے گواہی دیں گے۔ اور قیامت کے دن اشہاد تو کھڑے ہوں گے۔ (۵۱:۴۰) ظالمین بھی معذرت کریں گے مگر یہ معذرت نفع نہ دے گی۔

**حاصل:** جس کا علم ہر شے پر محیط ہے، اس کے ہر حکم کو ادب سے ماننے میں فلاح ہے۔ اللہ کو کسی شے کی احتیاج نہیں ہے، اس لئے اس کے کسی حکم میں اس کی کسی غرض کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور سب منہ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم کے سامنے جھک جائیں گے۔ اور بے شک نامراد رہا جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔

قیامت کے دن سب منہ اس ذاتِ اقدس کے حضور جھک جائیں گے جس کی طرف سے انہیں دنیا میں توفیق کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ معبودِ لاشریک کے دو اسماءِ حسنیٰ کا ذکر یہاں موجود ہے۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم وہ ہے جو سب کو زندگی عطا فرماتا ہے اور کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اَلْقَیُّوْم وہ ہے جو تمام اسباب کا مالک ہے اور خود کسی سبب کا محتاج نہیں ہے۔ جزا دینے والی ذاتِ اقدس اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم ہے۔ زندگی عطا کرنے والے کے حضور، اسباب دنیا عطا کرنے والے کے حضور حاضری ہوگی تو اس کا ڈر بہت ہوگا۔ پاک لوگوں کے منہ اس احساس سے جھکے ہوئے ہوں گے، کہ شاہدین کی معیت میں رہنے کا حق کما حقہٗ ادا نہیں ہوا۔ ظالموں کے منہ اس بوجھ کی وجہ سے جھکے ہوئے ہوں گے، جو انہوں نے اٹھایا ہوا ہوگا۔ خلافِ حق کرنے والے کے اعمال کا بوجھ اس کے سر پر ہوتا ہے، یہ نامرادی کی نشانی ہوگی آخرت میں۔

**حاصل:** حال پر اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم کے سامنے جھکنا شانِ عبدیت ہے۔ خلافِ حق کرنے والا ظالم ہوتا ہے، اس کے ظلم کا بوجھ اس کے سر پر ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں یہ بوجھ خفی ہوتا ہے، آخرت میں یہ جلی ہوگا۔ ظلم نامراد کی صفت ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

اور جو صالح عمل کرے اور ہو مومن تو اسے نہ ظلم کا خوف ہوگا، نہ نقصان کا۔

بامراد لوگوں کی صفات مذکور ہیں۔ ان کے اعمال صالح ہوتے ہیں، اور وہ اس طریقے سے اللہ کو مانتے ہیں جس کی اس نے سند نازل فرمائی ہے۔ صالح عمل وہ ہے جو مخلوق کی فلاح و بہبود کے لئے ہو اور جزا کے یقین کے ساتھ ہو۔ مومن جس حوالے سے اللہ کو مانتا ہے، اس کو اپنا شاہد جانتا ہے۔ اپنا حق ادا کرتا ہے اور نتائج کو باذن اللہ مان کر فارغ ہو جاتا ہے۔ وہ نہ کسی بوجھ سے ڈرتا ہے، نہ کسی نقصان سے ڈرتا ہے۔

**حاصل:** صالح اعمال کی قبولیت ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔ جو شاہدین کے ساتھ ہے، وہ بوجھ اور نقصان کے اندیشوں سے بچا ہوا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

اور اسی طرح ہم نے یہ قرآنِ عربی نازل فرمایا، اور اس میں طرح طرح کے وعید سے تصرف فرمایا، تا کہ وہ ڈریں یا اس بات سے انہیں نصیحت ہو۔

عربی زبان میں سورتوں کے اس مجموعے اور اس ترتیب کا نام قرآنِ مجید ہے، جس کی شہادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور شاہدین جس کی شہادت دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہ چھ ہزار دوصد اڑتیس آیات، ایک صد چودہ سورتوں اور سات منازل پر مشتمل کلام ہے۔ یہ کتاب مقدس آپ پر نازل فرمائی گئی۔ اس کا نازل فرمانے والا مالکِ کُل ہے۔ تراجم بندوں نے کیے ہیں، اس لئے ترجمے کو قرآنِ پاک کا ترجمہ ہی کہنا حق ہے۔ اس میں مقصدِ حیات کو بیان فرمایا گیا ہے، راہِ حق کو روشن فرمایا گیا ہے، ماننے والوں کو انجام کی بشارت دی گئی ہے، نہ ماننے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ سابقہ اقوام کے انجام سے سبق لیا جائے اور جس راہ پر چل کر وہ لوگ ہلاکت میں مبتلا ہوئے ہیں اس راہ کو چھوڑ دیا جائے، تو یہ عقل مندی ہوگی۔ حقائق نا قابلِ تردید ہوتے ہیں۔ جس مالکِ کُل کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی مالکِ کُل کی طرف جانا بھی ہوگا۔ جس کی بات ہے ہی ہماری بھلائی کے لئے، اس سے بہتر ہمارے لئے کوئی نصیحت نہیں ہوسکتی۔

حاصل: قرآنِ پاک عربی زبان میں سورتوں کے اس مجموعے اور اس ترتیب کا نام ہے، جس کی شہادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور شاہدین اس کی شہادت دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہ ۶۲۳۸ آیات، ۱۱۴ سورتوں، ۷ منازل پر مشتمل ہے۔ ہر بات جس کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، اس میں حکمت موجود ہے۔ قرآنِ پاک سے نصیحت لینا عقل مندی کی سند ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

تو سب سے اعلیٰ ہے وہ مالکِ حقیقی، اور قرآن میں تعجیل نہ کرو جب تک اس کا حکم تم پر پورا نہ ہو جائے، اور کہیئے اے رب میرے علم کو زیادہ کردے۔

خالقِ کُل سب سے اعلیٰ ہے سب سے بالا ہے، مالکِ حقیقی ہے، قادرِ مطلق ہے۔ اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ اس کا ہر حکم پورا ہے۔ پورے حکم کے کسی جز کو جو سامنے ہو لینے کی سعی کی جائے تو یہ تعجیل ہوگی، اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے: کہ اے رب میرے علم کو زیادہ کردے۔ علم بڑھے تو تعجیل ختم ہو جاتی ہے، اور علم بڑھانے والا اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل: سب سے اعلیٰ اور سب سے بالا کی بندگی بندے کی شان ہے۔ حکم کو پورا سن کر آگے بڑھنا چاہئے۔ علم بڑھے تو تعجیل ختم ہو جاتی ہے۔ دعا یہ کرتے رہنا چاہئے: اے رب میرے علم کو زیادہ کردے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۶/۱۱ ۱۵

اور بے شک اس سے قبل ہم نے آدم (علیہ السلام) کو ایک عہد دیا تھا، تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہ پایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اس شجر کے قریب نہ جانا، ورنہ شمار ظالموں میں ہو جائے گا۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا، کیا میں آپ کو دائمی زندگی کا سبب بننے والا درخت بتا دوں۔ آپ نے شیطان کی بات کو سنا، شیطان نے اسی شجر کا پھل کھانے کی ترغیب دی جس کے قریب جانے سے منع فرمایا گیا تھا۔ اپنی حفاظت کرنے کے عمل میں بھول ہوگئی۔ حکم خداوندی اور ترغیب شیطان کے درمیان وقف لازم کو نہ دیکھنا عزم کی کمی کو ثابت کرتا ہے۔

**حاصل:** امرِ الٰہی کے مقابل کسی امر کو وقعت دینا منع ہے۔ جو اپنی آپ حفاظت نہ کرے، اسے حق کا ماننا نفع نہیں دیتا۔ بھول جانا انسانی صفت ہے، اس کے بعد توبہ کا مقام رکھا گیا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے: فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، وہ نہ بھٹکے گا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾

اور جب ہم نے ملائکہ سے فرمایا، آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے جو نہ مانا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کروانا اللہ کو پسند ہوا۔ اس نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، آدمؑ علیہ السلام کی تعظیم بجا لاؤ۔ فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی، سجدۂ تعظیم بجالائے۔ ابلیس بھی قول کے اعتبار سے ان کے ساتھ تھا، کہ اللہ کی تسبیح کرتا تھا، عمل کے مقام پر یہ فرشتوں کے ساتھ نہ رہا، اس نے امرِ الٰہی کو نہ مانا، تعظیم نہ بجالایا۔

**حاصل:** قول کی حد تک پا کی مشکل نہیں ہوتی۔ عمل کی ابتداء، بڑے علم والے کی تعظیم سے ہوتی ہے۔ استکبار کرنے والا بڑے علم والے کی تعظیم نہ کر کے، علم اور لاعلمی کو برابر قرار دینے کی کوشش کرتا ہے، یہ پہلا شیطانی کام ہے۔

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

تو ہم نے فرمایا، اے آدم (علیہ السلام) یہ آپ کا اور آپ کی زوجہ کا دشمن ہے، کہیں جنت سے آپ کو نکلوا نہ دے پھر آپ مشقت میں پڑیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم نہ کر کے، شیطان نے خلافِ حق کیا۔ اس طرح دونوں رُخ متعین ہو گئے، اور عمل کرنے والوں پر واضح ہو گیا کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ کیا ہے اور ناپسندیدہ کیا ہے۔ اب عمل کرنے والا جس کے لئے سعی کرے گا اسی کی جزا پائے گا۔ آدم علیہ السلام کو آگاہ فرما دیا گیا کہ ابلیس ان کا اور ان کی زوجہ کا دشمن ہے، اور دشمن انہیں راحت میں دیکھ کر پریشان ہے۔ یہ دشمن راحت سے دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ راحت سے دوری کی حقیقت مشقت ہی ہوگی۔

**حاصل:** دوست اور دشمن کے درمیان وقف رکھنا لازم ہے۔ دوست کی زبان سے نکلی ہوئی بات باعثِ راحت ہوتی ہے۔ وہی بات دشمن کی زبان سے نکلے تو اس کو باعثِ راحت نہیں جاننا چاہئے۔ دشمن کی ترغیب کو ماننا ہی مشقت کو دعوت دینا ہے۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ بے شک جنت میں آپ کے لئے نہ بھوک ہے نہ کمی ءلباس۔

سامانِ راحت کے بنیادی ارکان چار ہیں: کھانا، پینا، لباس اور مسکن۔ یہ سب اگر بغیر مشقت کے مل رہے ہوں تو بندہ جنت میں ہے۔ اور ان کے حصول کے لئے بہت سا وقت اور بہت ساری قوت خرچ ہو جائے اور یہ معمول بن جائے تو یہ مشقت ہے۔ مشقت ہوگی تو اسی نسبت سے اظہارِ عبدیت میں کمی بھی ہوگی۔

**حاصل:** بنیادی سہولتوں کا اہتمام کر کے ناداروں کو سکھ دینا، صاحبانِ ثروت کو ضروری نظر آئے تو یہ دنیا جنت نظیر ہو سکتی ہے۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ اور یہ کہ نہ آپ کو اس میں پیاس لگے نہ دھوپ۔

جنت میں میسر آسائشوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، کہ اس میں آپ کو پیاس نہیں ستاتی، اس میں آپ کی سہولت کے لئے سائے کا موزوں اہتمام ہے، دھوپ آپ کے لئے تکلیف دہ نہیں ہے۔ آگاہی یہ فرمائی گئی ہے کہ مشقت میں مبتلا ہونے کی صورت میں بھوک کے دور کرنے کے لئے بھی زور لگانا پڑے گا، لباس کے حصول کے لئے بھی وقت اور قوت کا استعمال ہوگا، پیاس بھی ایک موزوں بندوبست کا تقاضا کرے گی، سایہ بھی اپنی اہمیت ثابت کرے گا اور اس کا حصول بھی ہوتے ہوتے ہی ہوگا۔

**حاصل:** پیاسوں کے لئے پانی کا اہتمام اور ستانے والوں کے لئے سائے کا انتظام، اللہ کی مخلوق کو سکھ دینے کی نیّت سے ہو تو یہ قربِ الٰہی کی سند ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ تو شیطان نے آپ کو وسوسہ دیا، کہنے لگا اے آدم (علیہ السلام)، کیا میں بتاؤں آپ کو شجرِ دوام اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس طلب کو کہ آپ مقامِ دوام اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہی کو پسند کرتے ہیں، نوٹ کر لیا تھا۔ اس لئے اس نے آپ کی طلب کے حوالے سے آپ کے سامنے یہ سوال رکھا، کہ آپ اس شجر کو جاننا چاہیں گے جو آپ کے لئے باعثِ تقویت ہو، اور آپ کو دوام عطا کرے، اور آپ کی زندگی سدا بہار ہو جائے۔ یہ بڑی نیک طلب تھی، مگر طلب کے ساتھ مشقت ہمیشہ جڑی رہتی ہے، اور وسوسہ دینے کے لئے شیطان بندے کی طلب کے حوالے سے اس کے قریب آتا ہے۔

**حاصل:** شیطان وسوسہ دینے کے لئے بندے کی طلب کے حوالے سے اس کے قریب آتا ہے۔ دیکھنا چاہئے، بھلائی چاہنے والے دوست کے لبادے میں کوئی دشمن تو ہمیں ترغیب نہیں دے رہا۔ یہ پہلے دیکھنا چاہئے، کون کہہ رہا ہے، یہ بعد میں دیکھنا چاہئے کیا کہہ رہا ہے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾

تو ان دونوں نے اس میں سے کھالیا، اب ان پر ان کے ستر کھل گئے، اور وہ جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے، اور آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کے فرمان کے مطابق نہ کیا تو بھٹکے۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو دائمی زندگی اور دائمی سلطنت کا طالب پایا، تو اس کے لئے اپنی تجویز ان کے سامنے رکھی کہ شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے سے ہی یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ اظہارِ عبدیت میں حضرت آدم علیہ السلام کو جو راحت حاصل تھی، آپ اس میں دوام کے طالب تھے۔ یہی طلب ان کے مشقت میں پڑنے کا باعث بنی۔ آپ نے شیطان کی ترغیب کے مطابق، اس شجر کے قریب جانے اور اس کا پھل کھانے کا ارادہ کرلیا۔ زوجہ بھی ساتھ تھیں۔ جب دونوں نے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھالیا، تو حلّۂ جنت کی ناشکری ہوگئی، اور یہ نعمت چھن گئی۔ اب بے ستر ہونے کا احساس ہوگیا، تو وہ جنت کے پتوں سے خود کو ڈھانپنے لگے۔ آدم علیہ السلام کو جس شجر کے قریب جانے سے منع فرمایا گیا تھا، اُس کی طرف بڑھنا ہی معصیت تھی۔ معصیت ہو تو بھٹکنے کا مقام آتا ہے۔

**حاصل:** طلب راحت میں اپنی حفاظت کے حق کو کبھی نظرانداز نہ کرنا چاہئے۔ جس نعمت کی ناشکری ہوگی وہ برقرار نہیں رہے گی۔ معصیت پہلے ہوتی ہے بھٹکنے کا مقام بعد میں آتا ہے۔ اپنے رُخ کو درست رکھنے کی ذمہ داری کا احساس بہرحال رہنا چاہئے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿١٢٢﴾

پھر آپ کے رب نے آپ کو نواز دیا، آپ پر توجہ فرمائی اور آپ کو راہ دی۔

خطا کے ارتکاب کے بعد فوراً حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ علیہا السلام کو معلوم ہوگیا کہ شیطان نے دوستی کے روپ میں ان سے بڑی دشمنی کی ہے اور انہیں مقامِ طاعت سے مقامِ معصیت پر گرا دیا ہے۔ دونوں نے گریئے کے ساتھ اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ دونوں نے یہ عزم کیا کہ آئندہ امرِ الٰہی کی اطاعت میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی، کبھی اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرنی۔ پھر آپ کے رب نے آپ کو نواز دیا، آپ کی توبہ قبول فرمائی اور قُربِ الٰہی کے حصول میں آپ کو آسانی عطا فرمائی۔

**حاصل:** خطا کے بعد، اس کے اعتراف میں یہ کہنا لازم ہے کہ مجھ سے خلافِ حق ہوا ہے، اور میں معصیت سے توبہ کرتا ہوں، اللہ کی توجہ کا طالب ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ مجھے قرب الٰہی کا راستہ دکھایا جائے۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

حکم ہوا یہاں سے اترو، اکٹھے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ تو جب تمہیں میری طرف سے ہدایت آئے، پھر جو اس ہدایت کا اتباع کرے، وہ نہ بھٹکے گا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ شیطان ان کا اور ان کی زوجہ کا دشمن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان کے کہنے پر دائمی راحت کی طلب میں شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیا، تو مشقت میں پڑ گئے۔ پھر آپ نے توبہ کی اللہ نے آپ کو اپنی توجہ سے نوازا اور آپ کی بدولت آپ کے بعد قیامت تک بھولنے والے اسی درِ توبہ سے گزرتے رہیں گے۔ اس کے بعد زمین پر آنے کا حکم ہوا۔ شیطان فرمانِ خداوندی کے منکر کی حیثیت سے یہاں آیا ہے، انسان پاک رہنے کے عزم کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ شیطان کبھی انسان دشمنی میں غفلت نہیں کرتا، انسان کو بھی اس دشمن کے پہچاننے میں پوری احتیاط کرنی چاہئے۔ آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت سے یہ فرمایا گیا کہ تمہیں اللہ کی طرف سے ہدایت آئے گی۔ وہ ہدایت یقیناً حال کے حوالے سے بے مثل ہوگی، اور اپنے ساتھ فلاح کی سند رکھتی ہوگی۔ اس ہدایت کی پیروی کرنے والے کو خوف وحزن سے نجات مل جائے گی۔ وہ نہ بھٹکے گا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔ حکم اللہ کا ہوگا، نمونہ اس کا رسول ہوگا، اس طرح تمام مقامات بڑی سلامتی کے ساتھ طے ہو جائیں گے۔

**حاصل:** شیطان کو دشمنِ انسان کی حیثیت سے پہچاننا، تہذیب وتمدن کا اہم رکن ہے۔ سلامتی اس میں ہے کہ اللہ کے فرمان کو بڑے ادب سے مانا جائے اور اس کے عبادِ مخلصین کے حوالے سے مانا جائے۔ گمراہی اور مشقت سے نجات کی یہی سند اللہ نے نازل فرمائی ہے۔

**وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾**

اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو بے شک اس کے لئے معیشت تنگ ہے اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

اللہ کے فرمان میں بندے کے لئے بھلائی رکھی گئی ہے۔ جو اس بھلائی سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ گمراہی اور مشقت کے دائروں میں پھنس جاتا ہے۔ خوف وحزن اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ ہمیشہ اسے ناکافی نظر آتا ہے۔ وہ زینتِ حیاتِ دنیا کی کثرت میں اطمینان تلاش کرتا ہے۔ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اسباب کے بڑھنے سے بے اطمینانی بڑھ رہی ہے، مگر وسعتِ مال کی طلب ہے کہ بڑھتی ہی رہتی ہے۔ جو چیز بے اطمینانی کا باعث بن رہی ہے اسے باعثِ اطمینان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ اندھا پن ہے۔ جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی خسارے کو ہی دیکھ سکے گا۔

**حاصل:** تعلق مع اللہ سے جو سکھ ملتا ہے، وہ کبھی وسعتِ مال سے نہیں مل سکتا۔ وسعتِ مال میں اضافہ، انفاق فی سبیل اللہ کو کم کر دے تو یہ معیشت کی تنگی ہے۔ جو حق کے علاوہ کہیں سے روشنی لینے کی راہ لیتا ہے، وہ یہاں بھی اندھا ہے وہاں بھی اندھا ہوگا۔

**قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾**

عرض کرے گا اے میرے ربّ مجھے تو نے اندھا کیوں اٹھایا، میں تو دیکھا کرتا تھا۔

جو لوگ زینتِ حیاتِ دنیا کو جمع کرنا مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا بھی دی جائے گی۔

حیاتِ دنیا میں معنوی اعتبار سے یہ اندھا پن ہے۔ آخرت میں زینتِ زمین تو ہوگی نہیں، اس لئے جن چیزوں سے ان کی آنکھیں مانوس ہوں گی وہ انہیں نہ دیکھ کر اپنے اندھے پن کو محسوس کریں گے، اور یہ عرض کریں گے: اے رب دنیا میں تو دیکھا کرتے تھے، اب کیوں اندھے اٹھائے گئے ہیں۔

**حاصل:** جو آنکھ مقصدِ حیات کو نہیں دیکھتی وہ حال پر معنوں کے اعتبار سے اندھی ہے، آخرت میں صورت کے اعتبار سے اندھی ہوگی۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

فرمائے گا، ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں، تو تُو نے انہیں نظر انداز کر دیا، اسی طرح آج تو نظر انداز کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، حیاتِ دنیا میں ہدایت پہنچانے کے وعدے کے مطابق ہماری آیات تیرے پاس ضرور آئی تھیں، تو نے سنی ان سنی کر دی۔ اپنی پسند کو ہماری آیات کے مقابلے میں بڑی اہمیت دی۔ اس طرف دیکھا نہیں جس طرح دیکھنا چاہئے تھا۔ آج تو تیرے عمل کی جزا تیرے سامنے آئے گی۔ جزا دینے والے کی رضا کے لئے تو کچھ کرتا ہی نہ تھا، اب تجھے رضائے الٰہی کے حصول کو مقصدِ حیات بنانے والوں کے برابر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

**حاصل:** اپنے قول و فعل کو دیکھنا چاہئے۔ اس میں رضائے الٰہی مقصود ہو تو ہماری آنکھیں کھلی ہیں۔ ہمارے اعمال میں رضائے الٰہی مفقود ہو تو یقیناً اللہ کی آیات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اس بے ہودگی کی جزا انسان کو پریشان کر دے گی۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

اور ہم ایسے ہی جزا دیتے ہیں جو اسراف کرے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے۔ اور ضرور عذابِ آخرت بڑا شدید اور باقی رہنے والا ہے۔

حق داروں کا حق ادا کرنے کی استطاعت موجود ہو تو نفس اسے بھی اپنی خواہش پر خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایسا ہو تو یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز ہوتا ہے، یہی اسراف ہے۔ اسراف کرنے والا حق کو سنتا تو ہے مگر نظر انداز کر دیتا ہے، اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا۔ اسے یقین نہیں آتا کہ اسے اس کے اعمال کی جزا بھی دی جائے گی۔ جس نے اپنی قدرت سے اسے پہلے بنایا ہے، اسے دوبارہ بنانے میں کیا مشکل ہو سکتی ہے۔ آخرت کا عذاب بڑا شدید ہوگا اور باقی رہنے والا ہوگا۔ عمل کرنے والے نے جس شدت کے ساتھ حق کا انکار کیا ہوگا، اسی شدت کے ساتھ وہ عذاب میں پکڑا جائے گا۔ جب عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو حق کے انکار میں ہی برباد کر دیا جائے تو عذاب بھی اسی نسبت سے ہوگا، اور باقی رہنے والا ہوگا۔

**حاصل:** اسراف، اللہ کو ناپسند ہے۔ اپنے رب کی آیات پر ایمان ہو تو اسراف نہیں ہو سکتا۔ آخرت کا عذاب بڑا شدید اور باقی رہنے والا ہوگا۔ اس سے بچنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ حال پر اصلاح کو قبول کیا جائے۔

اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۲/۱۶

تو کیا انہیں اس سے ہدایت نہ ملی کہ ہم نے اس سے قبل کئی قرون کو ہلاک کر دیا کہ یہ ان کے مساکن میں چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے۔

جو ظلم کی راہ اختیار کرتا ہے، اسے فوراً ہلاک نہیں کر دیا جاتا۔ اتمام حجت کے بعد اسے پکڑ لیا جاتا ہے پھر اس کی کوئی تدبیر اس کے کام نہیں آیا کرتی۔ ماضی میں کئی قوموں کو اسی طرح ہلاک کیا گیا ہے۔ ان کے آثار سے سبق نہ لینا بڑی بے سمجھی ہے۔ جہاں ہم حال پر ہیں، یہاں ماضی میں بھی کچھ لوگ گزرے ہیں۔ ان کے پاس وسائل کیا تھے، ان کے پاس قوت کس قدر تھی، ان کی اجتماعی زندگی کس طرح کی تھی، کہاں تک وہ لوگ راہِ راست پر رہے، کہاں انہوں نے غلط رُخ کو اختیار کیا، وہ کیسے عذاب الٰہی میں پکڑے گئے اور ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں، عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ان امور پر غور کیا جائے، اصلاح حال سے غفلت نہ ہو، اور اس راستے کو اختیار کیا جائے جس کے ساتھ فلاح کا یقین ہو، اللہ کی نازل فرمائی ہوئی سند موجود ہو۔

**حاصل:** اگر ہمیں یہ دعویٰ ہے کہ ہم عقل والے ہیں، تو پھر ماضی سے سبق لینا ہی اس کا ثبوت ہے۔ سابقہ قوموں کی ہلاکت میں بہت سی نشانیاں، سبق سیکھنے والوں کے لئے رکھی جاتی ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ ہمارا حال کس ماضی سے ملتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ ص (۳۸) میں ارشاد فرمایا ہے: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾ ضرور تجھ سے اور جو ان میں تیری پیروی کرے، جہنم کو ان سب سے بھرنا ہے۔ (یہ شیطان سے فرمایا گیا ہے۔)

وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ؕ

اور اگر تمہارے رب کا کلمہ سابقہ نہ ہوتا اور اجل مسمّٰی نہ ہوتی تو ضرور انہیں لپٹتا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ برائی کے مرتکب ہیں تو انہیں عذاب الٰہی مٹا کیوں نہیں دیتا۔ ان پر واضح فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کا کام بڑے علم سے ہوتا ہے۔ خطا کے بعد توبہ کا مقام رکھا گیا ہے۔ جو تائب ہو، ایمان لائے اور صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت دے اس کو بخش دیا جاتا ہے۔ انسان کو اجل مسمّٰی تک مہلت دی گئی ہے۔ اس مہلت میں اصلاح کو اختیار کرنا ممکن ہے۔ اس لئے اتمامِ حجت سے پہلے سزا دینا اللہ کی شان کے لائق نہیں۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اگر خطا کے ارتکاب کے بعد اصلاح کو اختیار کرنے کی مہلت نہ ہوتی، تو یہ منکر عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آ چکے ہوتے۔ پھر یہ اللہ کی گرفت سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے تھے۔

**حاصل:** خطا کے بعد تائب ہونے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرنا چاہئے۔ لوگوں سے معاملات کرتے وقت انہیں اسی طرح رعایت دینی چاہئے، جس طرح اپنے لئے رعایت مطلوب ہوتی ہے۔

فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ﴿۱۳۰﴾

توان کی باتوں پر صبر کرو اور حمد سے اپنے رب کی تسبیح کرتے رہو طلوع شمس سے قبل اور غروب سے قبل، اور رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اطراف پر اس کی تسبیح کرو، تاکہ تمہیں رضا حاصل ہو۔

منکرینِ حق کی بے ہودہ باتوں کو سن کر اللہ تعالیٰ کی معیت میں ساکن ہو جانا صبر ہے۔ صبر اور نماز سے اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔ نمازوں کے اوقات بیان فرمائے گئے ہیں۔ سب سے زیادہ تاکید ہے صلوٰۃ وسطیٰ کی، یہ نمازِ فجر ہے جو طلوع شمس سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ غروب سے قبل نمازِ عصر ہوتی ہے۔ رات کی گھڑیوں میں نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء ہیں، تہجد بھی ہے۔ دن کے اطراف میں نمازِ ظہر ہے، کہ یہ دن کے نصف اول اور نصف آخر کا مقامِ اتصال ہے۔ تہجد اور اشراق کی نمازیں نفلی ہوتی ہیں۔ ان اوقات پر نمازوں کا ادا کرنا فرض کیا گیا ہے۔ ہر نماز سے پہلے اس کی تیاری کی جائے اور وقت پر ادا کرنے کی نیت سے وضو بھی کر لیا جائے تو نماز قائم ہو جاتی ہے۔ اس سے عبد کو معبود کا قرب حاصل ہوتا ہے، اور وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس کو محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

**حاصل:** بے ہودہ باتوں کے جواب میں صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نمازوں کے اوقات مقررہ پر نمازوں کی ادائیگی باعث راحت ہوتی ہے۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء فرض نمازیں ہیں، تہجد اور اشراق نفلی نمازیں ہیں۔ اللہ کی تسبیح کرنے والے کو پاک ہونا چاہئے۔ عبد کو معبود کے قرب سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ قطعاً بے بدل ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿۱۳۱﴾

اور تم اپنی آنکھیں اس متاع پر نہ پھیلاؤ جو ہم نے رونق حیاتِ دنیا کے طور پر طرح طرح کے لوگوں کو دی، کہ انہیں فتنے میں ڈالیں۔ اور تمہارے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متاعِ حیاتِ دنیا پر کبھی اپنی آنکھوں کو نہیں پھیلایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم رکھتے تھے۔ اس علم کا نور ہر شے کی حقیقت آپ پر روشن کر دیتا تھا۔ یہ مومن فرد کے لئے ہدایت دی گئی ہے کہ حیاتِ دنیا کی رونق بہت سے لوگوں کو دی گئی ہے، اس کا منشاء یہ دیکھنا ہے کہ کون اس کو جزا کے یقین کے ساتھ استعمال کرتا ہے، اور کون اس کو اپنی خواہشات پر ضائع کرتا جاتا ہے۔ رزق دو طرح کا ہے۔ ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ماننے والا حدود اللہ کے احترام کے ساتھ حاصل کرتا ہے۔ یہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ اس رزق کی پاکیزگی اور اس کا رضائے الٰہی کے لئے استعمال بندے کو دائمی انعام کا مستحق بنا دیتا ہے۔ جو رزق اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے حاصل کیا جائے اور نام و نمود پر ضائع کر دیا جائے وہ انسان کو سزا کا مستحق بنا دیتا ہے۔ رزق کی بہتات کسی کے عنداللہ مقرب ہونے کی سند نہیں ہے، 'غریب' کے معنی ضرور قریب کے ہوتے ہیں۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے احترام کے ساتھ جو رزق حاصل ہو اور اسے رضائے الٰہی کے لئے استعمال کیا جائے وہ بہتر ہے اور قابلِ قدر ہے۔ جو رزق اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی سے حاصل ہو،

اور جو نام و نمود پر ضائع کر دیا جائے وہ کبھی بہتر نہیں ہو سکتا۔ رزق کے دیکھنے کے لئے یہ معیار مقرر فرمایا گیا ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۗ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۗ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

اور اپنے اہل کو نماز کا امر دو اور خود اس پر قائم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں مانگتے، ہم تم کو رزق دیتے ہیں۔ اور عاقبت تقوے کے لئے ہے۔

یہ حکم ہے کہ اپنے اہل کو نماز کا امر دیا جائے۔ خود اس حکم کو مان کر دکھایا جائے، تو ماننے والوں کی نظر میں حکم دینے والا واجب الاحترام ٹھہرتا ہے۔ ورنہ نماز کا امر سننے والا، امر دینے والے کے قول و فعل میں تضاد کو دیکھتے ہوئے کبھی ماننے کا حق نہیں ادا کر سکتا۔ اللہ مالک کُل ہے۔ وہ کسی سے مانگتا نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کو عطا کرتا ہے۔ جس معاشرے میں لینے والے نہ ہوں وہاں دینے والے اپنی پاک دامنی کا ثبوت کیسے پیش کریں گے۔ لینے والوں کی موجودگی کو باعثِ رحمت جاننا ضروری ہے۔ جو اللہ سے ڈرتے ہیں، انہی کا انجام بھلا ہوتا ہے۔ جو اللہ سے نہیں ڈرتے ان کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ حال پر وہ خوف و حُزن سے نہیں چھوٹتے آخرت میں عذابِ الٰہی ان کا احاطہ کرے گا۔

**حاصل:** اپنے اہل کو نماز کا امر دینا چاہئے، خود نماز قائم کر کے دکھانی ضروری ہے۔ اللہ کے عطا کردہ رزق کو حق داروں پر خرچ کر کے اللہ کی عطا کردہ توفیق کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ پاکیزگی میں فلاح دارین ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾

اور کہتے ہیں، اپنے رب کے پاس سے نشانی کیوں نہیں لاتے۔ تو، کیا انہیں نشانی نہیں پہنچی جو صحفِ اولیٰ میں ہے۔

منکرینِ حق انبیاء کرام سے معجزات طلب کرتے رہے ہیں۔ ان معجزات کو دیکھ لینے کے بعد ان انبیاء کرام سے یہ کہتے رہے ہیں کہ آپ اگر مرسلین سے ہیں تو وہ عذاب لا کر کیوں نہیں دکھاتے جس کا آپ ذکر کرتے رہتے ہیں۔ انبیاء کرام اللہ کے فرمان کے مطابق بشارت کا حق بھی ادا کرتے رہے ہیں، انذار کا حق بھی ادا کرتے رہے ہیں۔ جو لوگ انبیاء سابقین کو ماننے کے دعویدار ہیں، انہیں خاتم النبیین کے پہچاننے میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ ان کی کتابوں میں جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں، ان کی مدد سے یہ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ قرآنِ پاک کا بے مثل ہونا بھی نشانی ہے اور انبیاء سابقین کی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتوں کا ذکر بھی نشانی ہے۔ اور یہ یقیناً اہلِ کتاب کو پہنچ چکی ہے اور اس حوالے سے پہنچ چکی ہے، جس کو وہ ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو تسلیم کرنے کے لئے سند ہمیشہ سامنے رکھی جاتی ہے۔ لوگوں کو من مانی کرنے میں اتنی خوشی ہوتی ہے کہ حق کی نشانی کو مانتے ہی نہیں۔

وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

اور اگر ہم انہیں اس سے قبل ہی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ضرور کہتے اے رب ہمارے تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کا اتباع کرتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوتے۔

منکرین حق چاہے وہ اہلِ کتاب سے ہوں یا امیین سے ہوں، ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی ہلاک کر دیا جاتا، تو یہ ضرور کہتے کہ ہماری طرف کوئی رسول بھیجا گیا ہوتا تو ضرور ہم اللہ کے فرمان کو ماننے میں اس رسول کی پیروی کرتے، اور ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔ مگر اس وقت یہ بے پرواہی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور مانتے ہی نہیں۔

**حاصل:** ہدایت کے طالب کے لئے حال پر سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ منکر اس طرف توجہ نہیں کرتا اس لئے اسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ حق کے انکار سے خلوت میں نامراد ہونے کا احساس، ذلت ہے اور جلوت میں نامراد ہونے کا احساس، رسوائی ہے۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع ۸ ۱۷

فرما دیجئے، ہر ایک راہ دیکھتا ہے، تو تم بھی دیکھو، پھر تمہیں جلد ہی علم ہو جائے گا، کون ہیں سیدھی راہ والے اور کون ہیں ہدایت والے۔

شریعت شعور پر لاگو ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو جس رخ پر استعمال کیا جائے گا، اسی کی جزا دی جائے گی۔ بندے کے اعمال کے نتائج حیاتِ دنیا میں بھی اس کے سامنے آتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والے خوف وحزن کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے والے اطمینانِ قلب پاتے ہیں۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق محدود ہے، اسی محدود توفیق میں اصلاح کو قبول کر کے اپنے صالح ہونے کا ثبوت پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس وقت کے ختم ہونے کے بعد یقیناً معلوم ہو جائے گا کون سیدھی راہ پر ہیں، ہدایت والے ہیں، کون خلافِ حق کرنے کی بدولت خسارے میں پڑ گئے ہیں۔ یہ علم اس وقت نافع نہیں ہوگا، اس لئے یہ علم بذاتہٖ عذاب کا حصہ بن جائے گا۔

**حاصل:** دیکھنا چاہئے، ہم اللہ کی عطا کردہ توفیق کو کیسے استعمال کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے حُسنِ عمل پر شاہدین کی شہادت موجود ہے تو ہم سیدھی راہ پر ہیں، ہدایت والے ہیں، ورنہ من مانی میں سب کچھ ضائع کر رہے ہیں۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ کھاؤ طیبات سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا اور اس میں زیادتی نہ کرو، پھر تو تم پر میرا غضب پڑے گا، اور جس پر میرا غضب پڑے تو وہ پٹکا گیا۔ اور اس کے لئے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور صالح عمل کرے پھر ہدایت پر رہے، میں بڑا بخشنے والا ہوں۔

رکوعاتھا ۷ سُوۡرَةُ الۡاَنۡبِيَآءِ ایاتھا ۱۱۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الجزء ۱۷

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ‏ ﴿۱﴾

لوگوں کا حساب قریب ہے اور وہ غفلت میں پڑے، اعراض کرر ہے ہیں۔

عمل کے لئے دیا گیا وقت محدود ہے اور اس کے خاتمے پر حساب قائم ہوگا۔جس معیار کی نسبت سے پوچھا جائے گا، وہ شاہدین ہیں۔حسنِ عمل میں معیار اللہ کا مقرر کردہ ہے، توفیق بھی اسی کی عطا کردہ ہے۔اللہ کی عطا ہر ایک کے لئے پوری ہے، اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے وہ بہر حال موجود ہوتا ہے۔جو حق کو ادا نہیں کرتے غفلت ان کا طریقِ زندگی بن جاتا ہے، اور وہ حق سے منہ پھیرے چلے جاتے ہیں۔لیکن وہ حساب کو ٹال تو نہیں سکیں گے۔صداقت و کذب کا فیصلہ صرف یہ کہنے پر بھی نہیں ہو جاتا کہ ہم ایمان لائے ہیں، اس کے بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس نے صالح اعمال سے اپنے ایمان کے دعوے کو سچا ثابت کیا ہے اور کس نے اپنے دعوے کو جھوٹا ثابت کیا ہے۔

**حاصل:** یومِ حساب کے قریب آنے کا یقین ہو تو غفلت کو ختم ہو جانا چاہئے۔حق سے منہ پھیرنا خلافِ عقل نظر آنا چاہئے۔

مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۙ‏ ﴿۲﴾

جب بھی ان کے پاس ان کے ربّ کی کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے کھیلتے ہوئے ہی سنتے ہیں۔

غفلت میں پڑے ہوئے جو لوگ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں، ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نصیحت آتی ہے تو وہ اسے سنتے نہیں جیسے سننے کا حق ہے، اور کھیل تماشے میں پڑے رہتے ہیں۔جزا کا یقین نہ ہو تو سننے میں سنجیدگی کا مقام کیسے آسکتا ہے۔خواہش کی پیروی کرنے والا حق سے منہ پھیرنے کو اپنا معمول بنا لیتا ہے، سابقہ لوگوں کے حالات سے سبق نہیں لیتا، حال پر حق کو باعثِ فلاح نہیں جانتا۔

**حاصل:** جو تعلق ہمارے رب کو ہمارے ساتھ ہے، اس کو دیکھ لیا جائے تو پھر اللہ کی بھیجی ہوئی نصیحت کی بڑی قدر ہوتی ہے۔جزا کا یقین ہو تو سنجیدگی قول و فعل میں نظر آنی چاہئے۔

لَاهِيَةً قُلُوۡبُهُمۡ‌ؕ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى ۖ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ‌ۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ‌ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ‏ ﴿۳﴾

ان کے قلوب کھیل میں پڑے ہیں۔اور ظالموں نے کانا پھوسی کی، کون ہے یہ مگر تمہاری مثل بشر ہی تو ہے، تو کیا اس کے جادو میں پھنستے ہو اور تم دیکھ بھی رہے ہو۔

غافل لوگوں کے دل کھیل میں پڑے رہتے ہیں، کہ حساب اور جزا پر انہیں یقین نہیں ہوتا۔ان سے میل جول رکھنے والے لوگ جب

ہدایت دینے والے کی بات سننے لگیں تو یہ ان سے کہتے ہیں اور کانا پھوسی کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ یہ کون ہیں جن کی بات کا تم پر اثر ہو رہا ہے، ہمیں تو تمہاری طرح کے بشر ہی معلوم ہوتے ہیں، تم جانتے بوجھتے ان کے جادو میں پھنس رہے ہو۔ حق کی بات جب شاہد کی زبان سے بیان ہو تو اثر قبول کرنے والے کے دل پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، اسی کو ظالموں نے جادو کا نام دے رکھا ہے۔ جس کی علمی فضیلت کا اعتراف ہو اس کو اپنے جیسا کہنا ممکن نہیں رہتا اور جس کو اپنے جیسا کہا جائے اس سے کچھ سیکھا نہیں جا سکتا۔

**حاصل:** غافل کا دل کھیل میں پڑا رہتا ہے۔ ظالموں کے اندر حق کے جواب میں سند سے کچھ کہنے کی جرات نہیں ہوتی، اسی لئے وہ کانا پھوسی کرتے ہیں۔ حق کی بات شاہد کی زبان سے بیان ہو تو اثر قبول کرنے والے دل پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ جس کا ادب ملحوظ نہ ہو اس سے کچھ سیکھنا ممکن نہیں ہوتا۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴

فرمایا، میرے رب کو ہر بات کا علم ہے جو آسمان میں ہے اور زمین میں ہے اور وہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

جب کوئی چھپ کر بُرائی کرتا ہے تو وہ لوگوں سے ہی چھپ رہا ہوتا ہے، اللہ سے چھپ جانا تو ممکن ہی نہیں۔ وہ ہر آواز کو سنتا ہے، وہ آنکھ کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور سینوں میں چھپی باتوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ آسمان کی بلندی ہو، زمین میں کوئی مقام ہو اللہ یقیناً ہر مقام پر سنتا بھی ہے، علم بھی رکھتا ہے۔ اس لئے بندے کا حق یہی ہے کہ وہ ہر مقام پر یہ دیکھے کہ وہ جزا دینے والے کے سامنے ہے، اس کی نیت بھی اللہ کے علم میں ہے اس کا عمل بھی دیکھا جا رہا ہے۔

**حاصل:** خلوت وجلوت میں کسی مقام پر بھی خلافِ حق کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت نہیں ہوگا۔ تائیدِ ایزدی مطلوب ہو تو ہر مقام پر ذِکر کرنا چاہئے، درود پاک پڑھنا چاہئے، اور نصرتِ الٰہی کا یقین رکھنا چاہئے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵

بلکہ کہنے لگے، پریشان خوابیں ہیں، بلکہ ان کا افتریٰ ہے، بلکہ یہ شاعر ہیں، تو ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں جیسے پہلے رسول لائے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے بیان کردہ حقائق کو سن کر یہ ان کے بارے میں منکرینِ حق کا تبصرہ ہے جو وہ اپنے حلقے میں بیان کرتے ہیں، کہ جو کچھ یہ صاحب بیان کر رہے ہیں یہ سب پریشان خواب لگتے ہیں اور ان کے بارے میں کسی سنجیدگی کا مظاہرہ ضروری نہیں ہے۔ جب لوگ ان ارشادات کو حقائق کے طور پر بیان کرتے ہیں تو منکرینِ حق یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی بات ہے، افتریٰ ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ افتریٰ کبھی اپنے ساتھ سند نہیں رکھتا، تو یہ کہتے ہیں، کہ یہ صاحب شاعر ہیں اور شاعر ایسی باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ اگر یہ کلام کسی شاعر کا ہے تو اس کی مثل پیش کر کے اپنے دعوے کو درست ثابت کرنا منکرینِ حق کے لئے مشکل نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ یہ نہیں کر سکے اور کبھی نہیں کر سکیں گے، تو پھر اس کلام کو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نصیحت ماننا ضروری ہے۔ منکرینِ حق یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ رسول ہیں تو پھر پہلے رسولوں کی طرح کوئی نشانی لائیں، کوئی معجزہ ہمارے دیکھنے میں آئے، کوئی عذاب ان کے مخالفین پر پڑے، ان کی

شان بھی اسی طرح واضح ہو جیسے پہلے رسولوں کی ہوتی رہی ہے۔ اگر تو پہلے رسولوں کے معجزات کو دیکھ کر لوگوں نے انہیں ساحر یا مجنون نہ کہا ہوتا اور ان پر ایمان لایا ہوتا جیسے ایمان لانے کا حق تھا تو یہ بات دلیل کے طور پر کہی جا سکتی تھی، مگر ماضی اس کی تصدیق نہیں کرتا۔

حاصل: قرآنِ پاک کو خواب پریشاں کہنا، افترٰی کہنا اور شاعر کا کلام کہنا منکرینِ حق کا طریقہ ہے۔ پہلے منکرین بھی عذابِ الٰہی کا تقاضا کرتے رہے ہیں اور عذابِ الٰہی کو اللہ کے رسول کی صداقت کی سند ٹھہراتے رہے ہیں، یہ بیہودگی پہلے بھی ہوتی رہی ہے اب بھی ہوتی ہے۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

ان سے قبل کوئی قریہ ایمان نہ لایا جسے ہم نے ہلاک کیا، تو کیا یہ ایمان لائیں گے۔

ماضی میں یہ ہو چکا ہے کہ مرسلین سے نشانی کا مطالبہ کرنے والے ہلاک کئے گئے ہیں۔ اگر وہ لوگ اللہ کے رسول کی لائی ہوئی نشانی کو مانتے تو پھر ان کا انجام ہلاکت نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اب موجودہ منکرین کے بارے میں یہ کیسے کہہ دیا جائے کہ یہ حق کی نشانی کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ حق کو ماننے کے لئے طالب ہدایت ہونا ضروری ہے، ہدایت کی طلب ہو تو حق کی روشن نشانیاں مشاہدے میں آنے لگتی ہیں۔ ہدایت کی طلب نہ ہو تو روشن نشانیوں کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے۔ کسی صاحبِ حق سے ہدایت کے طالب کا یہی سوال بجا ہوتا ہے کہ میں پاک ہونا چاہتا ہوں، آپ کو پاک کرنے کا شرف ہو تو مجھے پاک کر دیجئے۔ تزکیہ عطا کرنے والے کی حیاتِ طیبہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوتی ہے۔

حاصل: جس راستے پر پہلے جانے والے ہلاک ہو چکے ہیں، اس راستے کو اختیار نہ کرنا بڑی عقل مندی ہے۔ ہدایت کی طلب ہو تو ہدایت حاصل ہوتی ہے، ہدایت کی طلب نہ ہو تو کوئی نشانی عقیدے کو کیسے درست کر سکتی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦

اور ہم نے آپ سے قبل بھی مرد ہی بھیجے جنہیں ہم وحی فرماتے، تو اہلِ ذِکر سے سوال کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

جن لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل مرد دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا، ان پر واضح فرمایا گیا ہے کہ پہلے بھی مرسلین اسی طرح آتے رہے ہیں۔ وہ سب مرد ہی تھے، بشر تھے۔ ان کی طرف وحی فرمائی جاتی تھی۔ وہ لوگوں کے لئے حُسنِ عمل کا معیار تھے، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق فرمائی گئی تھی۔ حق اور ناحق کے درمیان قول کی صورت میں بھی وہ وضاحت فرماتے تھے، عملاً وہ بھلائی کے انجام کی بشارت دیتے تھے، بُرائی کے انجام سے ڈراتے تھے۔ ظلم سے توبہ کرنے والوں کو نوازتے تھے۔ یہ سب باتیں ان لوگوں کے علم میں ہیں جو انبیاء سابقین کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور ان سے یقیناً پوچھی جا سکتی ہیں۔ لاعلمی کے دور کرنے کی یہی صورت ہے کہ جس حال کے بارے میں شک ہے اس کے ماضی کو جان لو۔ اگر حال حق سے تعلق رکھتا ہے تو اس کا ماضی یقیناً اس کی تصدیق کرے گا۔

حاصل: مرسلین یقیناً مرد تھے، ان کی بات حق کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتی تھی، وہ حسن عمل میں اللہ کا بھیجا ہوا نمونہ تھے، ان کے اتباع سے لوگوں کو خوف وحزن سے نجات ملتی تھی، وہ لوگوں کو پاک کرنے کا علم رکھتے تھے۔ یہ سب

باتیں اہل ذکر سے جو انبیاء سابقین کے بارے میں علم رکھتے ہیں، پوچھی جا سکتی ہیں۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿٨﴾

اور نہ ہم نے انہیں ٹھہرایا جسد، کہ طعام نہ کھائیں، اور نہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے۔

منکرینِ حق کو رسول کا بشر ہونا، اس کا کھانا پینا، اس کا چلنا پھرنا، شانِ رسالت کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ یہ ان کی بے سمجھی ہے۔ رسول کا قابلِ اتباع ہونا اس کی شان ہے۔ جو طعام نہ کھائے وہ طعام کھانے والوں کے لئے قابلِ اتباع نہیں ہو سکتا۔ جو دنیا میں ہمیشہ رہنے والا ہو وہ محدود زندگی رکھنے والوں کے لئے قابلِ اتباع نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے ہی اسی لئے ہیں کہ رضائے الٰہی کے تمام مقامات، طالبینِ ہدایت پر روشن کر دیئے جائیں۔ کافر من مانی کے دائرے سے نکلنا نہیں چاہتا، اس لئے وہ رسول کو مافوق البشر دیکھنا چاہتا ہے۔

حاصل: رسول کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قابلِ اتباع ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس کی زبان سے اللہ کا حکم معلوم ہوتا ہے، اس کے عمل سے طریقت روشن ہوتی ہے۔ من مانی کرنا حصولِ علم کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَ مَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٩﴾

پھر ہم نے ان سے وعدہ پورا کر دیا تو جنہیں چاہا انہیں نجات دی اور مسرفین کو ہلاک کر دیا۔

جب حق کسی قوم پر روشن کر دیا جاتا ہے، تو ہدایت کے طالب اسے مان لیتے ہیں۔ جزا کا انکار کرنے والے کھیل میں پڑ جاتے ہیں اور حق کا انکار کرتے کرتے اصلاح کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کی بات کرنے والے سے یہ کہتے ہیں، کہ اگر تمہارا کہنا درست ہے تو عذابِ الٰہی کیوں نہیں آتا۔ حق پہنچانے والے کی زبان سے جو وعدۂ عذاب بیان ہوتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ پورا کر دیتا ہے۔ پاک لوگوں کو نجات نصیب ہوتی ہے، اسراف کرنے والے ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔

حاصل: حال پر حق کا انکار کرنے والے حدِ اصلاح سے گزر جاتے ہیں تو ان کے اسراف کی بدولت ہلاکت ان کا احاطہ کر لیتی ہے۔ نجات دینے والا اللہ ہے۔ جسے چاہتا ہے نجات دیتا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠﴾ ع ١

بے شک ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی، جس میں تمہارا ذکر ہے، تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

کتاب نازل فرمانے والی ذاتِ اقدس اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے بہت بالا ہے۔ جو بھی فرماتا ہے، اس میں ماننے والوں کا بھلا ہوتا ہے، نہ ماننے والے خسارے میں پڑتے ہیں۔ کتابِ الٰہی میں یہ واضح فرما دیا گیا ہے، کیا کرنا بندے کے لئے بہتر ہے اور کن امور سے بچنے میں بھلائی ہے۔ اس اعلیٰ نصیحت کو نظر انداز کرنا خلافِ عقل ہے۔ دعویٰ یہ ہو کہ ہمیں بہت عقل ہے، تو اس کو عمل سے ثابت بھی ہونا چاہئے۔

حاصل: کتابِ الٰہی کی قدر کرنی چاہئے جیسے قدر کرنے کا حق ہے، اس سے بہتر نصیحت کہیں نہیں ہے۔ عقل مند

ہونے کا دعویٰ ہو تو حق کو ماننا ہی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے: اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ۝ کیا برے عمل کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بچ جائیں گے، کیا بری بات کرتے ہیں۔

**وَ کَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ کَانَتۡ ظَالِمَۃً وَّ اَنۡشَاۡنَا بَعۡدَہَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ ۝۱۱**

اور کتنے ہی قریئے ہم نے تباہ کر دیئے جو ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم اٹھائی۔

جو قوم عقل کی راہ کو چھوڑ دیتی ہے، وہ تباہی کی منزل پر پہنچنے والی ہوتی ہے۔ خلافِ حق کرنا جن لوگوں کا معمول ہو جاتا ہے، وہ اصلاح کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ کمزور لوگوں پر جبر کرنا ان کا طریق زندگی بن جاتا ہے۔ حق کے مقابل ان کے اپنے بنائے ہوئے معیار ہوتے ہیں، مثلاً قیادت کا فیصلہ ان کے ہاں وسعتِ مال کی بناء پر ہوتا ہے، جب کہ قیادت کی اہلیت کا فیصلہ مشکل مقامات پر پورا رہنے کی صلاحیت اور علم کی بناء پر ہونا چاہیے۔ جب ظالم ناقابلِ اصلاح ہو جائیں، تو پھر ان کو ختم کر دینا اللہ کی سنت ہے۔ پھر ان لوگوں کو اٹھایا جاتا ہے جو پہلے دکھ سہہ چکے ہیں۔ وہ اگر اپنے ماضی کو یاد رکھیں تو ان سے کسی کو دُکھ نہیں پہنچنا چاہیے۔

**حاصل:** ظلم تباہی کی راہ ہے، جو تباہی سے بچنا چاہیے وہ ظلم کو چھوڑ دے۔ بندے کی شان یہی ہے کہ جس دُکھ سے وہ گزرا ہو اس کی ذات سے وہ دُکھ کسی کو نہ پہنچے۔

**فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا ہُمۡ مِّنۡہَا یَرۡکُضُوۡنَ ؕ۝۱۲**

تو جب انہیں ہماری آفت کا احساس ہوا، جبھی وہ اس سے بھاگنے لگے۔

جب ظالم اپنے اوپر آفت کو آتا ہوا محسوس کرتے ہیں تو اس وقت اصلاح کو قبول کرنا نفع نہیں دیتا۔ اس وقت اپنے اعمال کی جزا سے بھاگ جانے کی کوشش شروع ہوتی ہے۔ مگر جب آفت احاطہ کر لیتی ہے تو پھر بھاگ جانا ناممکن ہو جاتا ہے۔

**حاصل:** جب ظالم لوگ اپنے آپ کو آفت کے احاطے میں پاتے ہیں تو پھر وہ انجام سے خائف ہو کر بھاگنے لگتے ہیں۔

**لَا تَرۡکُضُوۡا وَ ارۡجِعُوۡۤا اِلٰی مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِیۡہِ وَ مَسٰکِنِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡـَٔلُوۡنَ ۝۱۳**

بھاگو نہیں، اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کی تھی اور اپنے مساکن کی طرف تا کہ تمہیں پوچھا جائے۔

منکرینِ حق جب عذابِ الٰہی کے احاطے میں آ جاتے ہیں تو اس وقت ان کے نفس خواہشات کو چھوڑ دیتے ہیں، ان آسائشوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو انہیں بہت عزیز ہوتی ہیں، ان امتیازات کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان کے تعارف کا حصہ بن جاتے ہیں۔ تب ان سے فرمایا جاتا ہے: کہاں بھاگے جاتے ہو، لوٹ جاؤ ان آسائشوں کی طرف اور اپنے قابلِ فخر گھروں کی طرف، تا کہ تم سے پوچھا جائے، تم کیا سمجھتے رہے، تم نے اللہ کی نصیحت کی کس طرح بے قدری کی، تمہارے اموال تمہیں کتنے عزیز تھے، تم نے انہیں مسرفین کی طرح کیوں استعمال کیا۔

حاصل: عذابِ الٰہی سامنے ہو، تو منکرینِ حق کو بھی اپنے امتیازات سے بھاگنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تقویٰ کو اصلاح کے لئے دیئے گئے وقت میں اختیار کرنا نافع ہوتا ہے۔

قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴﴾ کہنے لگے ہائے خرابی ہماری! ہم یقیناً ظالم تھے۔

منکرینِ حق نے عذابِ الٰہی کو دیکھ کر اپنے ظلم کا اعتراف کیا، اور اظہارِ ندامت کیا۔ خلافِ حق کرنے کا اعتراف انہیں تو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا تھا، مگر اس راستے کو اختیار کرنے والے جو ابھی اس راستے کو چھوڑ سکتے ہیں یقیناً منزل پر پہنچنے والوں کے بیان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جزا سے غفلت انسان کو بڑی خرابی میں ڈالتی ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہونے سے پہلے یہ عذابِ الٰہی کے طالب تھے، اور عذابِ الٰہی کو نصیحت دینے والے کی صداقت کی سند قرار دیتے تھے۔ اب اپنے ظلم کا اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ اعترافِ ظلم ان کے لئے بے وقت ہوتا ہے۔

حاصل: دیکھنا چاہئے جو ہم کر رہے ہیں، کیا یہ حق ہے اور کیا ہم حق کو شاہدین کی طریقت کے مطابق ادا کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو سبحان اللہ، ورنہ ظلم کا انجام خرابی ہی ہوتا رہا ہے، خرابی ہی ہوگا۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وہ یہی پکارتے رہے حتیٰ کہ ڈھیر کر دیئے گئے، کاٹے ہوئے، بجھے ہوئے۔

منکرینِ حق عذابِ الٰہی میں پکڑے جانے کے بعد، متواتر اپنے ظلم کا اعتراف کرتے ہیں، ندامت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر اس وقت ان پر توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوتا ہے، اس لئے ان کی پکار ان کو فائدہ نہیں دیتی۔ عذابِ الٰہی ان کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ وہ ڈھیر کر دیئے جاتے ہیں، اور جس جگہ وہ حق کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہاں ان کی راکھ پڑی رہ جاتی ہے۔

حاصل: حق کو ماننے کا دعویٰ ہو تو صالح اعمال سے اس کی شہادت بھی دینی چاہئے۔ عذابِ الٰہی میں پکڑے جانے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جو بنانے پر قادر ہے، وہ مٹانے پر بھی قادر ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے، کھیل تماشہ نہیں بنایا۔

آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب خالقِ کل نے پیدا کیا ہے، اور ہر تخلیق سے پہلے مقصدِ تخلیق کا ہونا بھی لازم ہے۔ جس چیز کے استعمال میں خالقِ کل کے منشاء کو ملحوظ رکھا جائے گا، وہ بندے کے لئے دائمی نعمت بن جائے گی۔ اور جس شے کو خلافِ حق استعمال کیا جائے گا، جس مقام کو خلافِ حق استعمال کیا جائے گا وہ بندے کے نامۂ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا، اور گناہ کے حوالے سے جو سزا اللہ نے رکھی ہے اس سے بچ جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر زینتِ حیاتِ دنیا کو بے مقصد کہا جائے، اسے کھیل تماشہ سمجھا جائے تو پھر اللہ کی عطا کردہ توفیق کسی کارِ خیر کے لئے استعمال نہیں ہو سکتی۔

حاصل: ہر شے کے استعمال میں اللہ کی رضا کو دیکھنا، تقاضاء عبدیت ہے، ہر مقام پر اللہ کی رضا کو دیکھنا تقاضاء عبدیت

ہے۔ کھیل تماشے میں پڑے رہنا، بندے کو اللہ سے دور ہی کرتا ہے۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾

اگر ہم کوئی بہلاوا تیار کرنے کا ارادہ کرتے تو اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہمیں کرنا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو بھی پیدا کیا ہے، اپنے علمِ مطلق سے پیدا کیا ہے۔ اس میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ اگر یہ کسی کو کھیل تماشہ دکھائی دیتا ہے تو یہ اس کی بے سمجھی ہے۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے بہت بلند ہے۔ بہلاوا بھی کسی احتیاج کا ہی ثبوت ہوتا ہے اور یہ شانِ الٰہی کے منافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ کر بھی لیتے تو اس کھیل میں بندوں کو شامل کرنا خلافِ حق ہوتا، کہ جو دائرۂ عبدیت بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرمایا گیا ہے، خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا توڑ دیا جانا کبھی حق نہیں ہو سکتا۔ کائنات کو ظالم و مظلوم کا کھیل ثابت کرنے کی کوشش وہی کرتے ہیں جو جزا کا یقین نہیں رکھتے۔

**حاصل:** کائنات کو ظالم و مظلوم کا کھیل ثابت کرنے کی کوشش بڑی بے ہودگی ہے۔ جزا کا انکار کرنے والے من مانی کرنے سے بچ نہیں سکتے۔ بندوں کے لئے دائرۂ عبدیّت اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ کبھی اس کو توڑنا پسند نہیں کرتا۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۗ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک کر مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجہ نکال کر رکھ دیتا ہے، تو جبھی وہ مٹ کر رہ جاتا ہے۔ اور تمہاری خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں، وہ خسارے کی راہ پر گامزن ہیں۔ انہیں جو مہلت دی گئی ہے اس میں وہ خلافِ حق کرتے کرتے یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم جو کر رہے ہیں وہی کرنا چاہئے۔ جب ان لوگوں کے ناقابلِ اصلاح ہونے کا مقام واضح ہو جاتا ہے تو ان پر حکمِ الٰہی سے وہ عذاب آ جاتا ہے جس کا ڈر ان کو سنایا جا چکا ہوتا ہے۔ وہ عذاب ان کو نابود کر کے رکھ دیتا ہے۔ جو لوگ حق کے خلاف کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بے سند باتیں گھڑتے ہیں، وہ خرابی کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہونے کے بعد یہی خرابی ان کو گھیر لے گی۔

**حاصل:** جو باطل کے ساتھ ہے وہ مٹ جائے گا، جو حق کے ساتھ ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ خرابی سے بچنے کی راہ کو اختیار کیا جائے تو عقل مندی کا ثبوت موجود ہوگا۔ خرابی کی ابتدا بری باتوں سے ہوتی ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ ج

اور اسی کے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے استکبار بھی نہیں کرتے، تھکتے بھی نہیں۔

اللہ نے ہر شے کو اپنے علم سے پیدا کیا ہے۔ وہ ہر شے کا مالک ہے۔ اگر کسی شے کے استعمال میں مالک کل کے منشاء کو ادب سے مان لیا

جائے تو اس شے کا بھی شکریہ ادا ہو جائے گا، اس مقام کا بھی شکریہ ادا ہو جائے گا اور حسن عمل کی ایک مثال مشاہدے میں آئے گی، ورنہ خواہش کی پیروی کا انجام کبھی اچھا ہوتا نہیں۔ ملائکہ اللہ کی پاک جماعت ہیں۔ امر الٰہی کو ماننا ان کی شان ہے۔ وہ کبھی اللہ کی بندگی سے استکبار نہیں کرتے۔ وہ اللہ کی بندگی میں ایسی راحت محسوس کرتے ہیں، کہ تھکن انہیں چھوتی بھی نہیں۔ خلوت وجلوت میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہتے ہیں، وہ کبھی اپنی بڑائی بیان نہیں کرتے، اللہ کے فضل کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی اللہ کے لئے حق کو ادا کرنے میں تھکن محسوس نہیں کرتے۔

**حاصل:** ہر مقام پر اللہ کی بندگی کا ثبوت دینا چاہئے۔ استکبار شیطانی صفت ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے جو بھی کیا جائے اس سے تھکن نہیں پیدا ہوتی۔ حق کی ادائیگی کے بعد اللہ کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، کہ اس کی مہربانی سے حق ادا ہوا ہے۔

**يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾** لیل ونہار میں اس کی تسبیح کرنے میں سستی نہیں کرتے۔

قربِ الٰہی رکھنے والوں کی صفات مبارکہ یہ ہیں کہ وہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ رات ہو، دن ہو وہ تسبیح سے کبھی اکتاتے نہیں۔ کبھی اس میں سستی نہیں کرتے۔ تسبیح کا حق اسی صورت میں ادا ہوتا ہے کہ حق کی احسن ادائیگی میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو احق مانا جائے، اس سے بڑھ کر کچھ مطلوب نہ ہو۔ جو مخلص کے ساتھ ہے وہ سستی نہیں کرتا۔ سستی کرنے والا اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اس لئے ہمہ وقت حق کی ادائیگی اس کے لئے ممکن نہیں ہوتی۔

**حاصل:** لیل ونہار میں اللہ کی تسبیح کرتے رہنا چاہئے۔ تسبیح صرف قول سے ہو تو صداقت کا ثبوت کیا ہوگا۔ مخلصین کی معیت میں رہتے ہوئے حق کی احسن ادائیگی کو طریقِ زندگی بنانا چاہئے۔

**اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾** کیا انہوں نے زمین سے کچھ ایسے معبود بنا لئے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں۔

منکرینِ حق کو دعوتِ فکر دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے، کہ کیا انہوں نے زمین سے کچھ ایسے معبود بنا لئے ہیں جو بے جان مادے میں جان ڈال سکتے ہیں، جو مُردے کو زندہ کر سکتے ہیں، جو خشک اور بے جان کو سرسبز وشاداب کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے، تو وہ معبود کیا ہوئے جو معبود کی صفات نہیں رکھتے۔ انسان اللہ کے خزانوں سے استفادہ کرتا چلا آ رہا ہے۔ لوازماتِ حیات اور اسراف کے مابین حد کو واضح کر دیا جائے، تو سب کو سکھ مل سکتا ہے۔

**حاصل:** جو معبود کی شان نہیں رکھتا وہ معبود نہیں ہے۔ معبود کی شان ہے، کہ وہ بے جان میں جان ڈال سکتا ہے اور ڈالتا ہے۔

**لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾** اگر ان دونوں میں اللہ کے مقابل اور معبود بھی ہوتے تو ضرور دونوں میں فساد ہوتا، تو پاکی ہے عرش کے ربّ کو ان کی بنائی ہوئی باتوں سے۔

آسمان اور زمین اور ان کے مابین جو کچھ بھی ہے، اس میں ایک نظم ہے، جو اس کائنات کے مالک کا پتہ دیتا ہے۔ اجزاء کائنات میں ایسا ربط ہے، جو یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کائنات میں جس علم سے کام ہو رہا ہے وہ علم ایک ہے۔ اس لئے علیمِ مطلق بھی ایک ہے۔ انسان کے ہاتھ سے متشکل ہونے والی کسی شے کو معبود کہا جائے تو تدبیر عالم کی قدرت کا اس کی ذات سے تعلق ثابت کرنا جہالت کی بات ہوگی۔ اگر آسمان اور زمین میں خالقِ کُل کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہوتا تو اس کا علم خالقِ کُل کے برابر نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اس کو خالقِ کُل سے مکمل اتفاق ہوتا تو پھر وہ معبود نہیں ہو سکتا تھا، کہ مجبوری معبود کی شان کے منافی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ خالقِ کُل سے عدمِ اتفاق کی راہ اختیار کرتا تو نظام کائنات کا درہم برہم ہونا ضروری تھا۔ عرش وہ مقام ہے، جو اللہ نے اپنے علم سے اس کائنات کے نظام کو درست رکھنے کے لئے بنایا ہے۔ کائنات میں ایک مرکز کی ضرورت ہے جو اس کے توازن کو، توافق کو قائم رکھے۔ اگر کسی دوسرے کو خدا ہونے کا دعویٰ ہے تو عرش کی طرف راستہ ڈھونڈ لے۔ اللہ کے معبود لاشریک ہونے کی اسناد موجود ہیں، پا وہی سکتا ہے جو طالب ہدایت ہو۔

حاصل: خالقِ کُل ایک ہے کہ نظام کائنات ایک ہے۔ لوگوں کے قیاسات اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بے سند باتیں کرنے والوں کو وقعت نہیں دینی چاہئے، انسانی زندگی میں بہت سی مشکلات اس وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہیں۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس کے فعل پر کوئی سوال نہیں ہو سکتا اور ان سے سوال ہوگا۔

معبود کی شان یہ بھی ہے کہ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ وہ جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔ وہ سب کو توفیق دینے والا ہے، اس لئے سب سے پوچھنے کا حق بھی رکھتا ہے۔ قادرِ مطلق ہونا اور مختارِ کُل ہونا صرف اللہ کی شان ہے۔

حاصل: اللہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ موت وحیات کو حسنِ عمل کے دیکھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بندہ حق کے حوالے سے اللہ کے سامنے جواب دہی کا یقین رکھے تو بندگی کا حق ادا ہوگا۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

کیا انہوں نے اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہرائے ہیں، فرمائیے لاؤ اپنا برھان۔ یہ ذِکر ہے میری معیت والوں کا اور ذکر ہے مجھ سے قبل والوں کا۔ بلکہ اکثر کو حق کا علم نہیں تو وہ اعراض کر رہے ہیں۔

جو لوگ اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہراتے ہیں، ان سے اس عقیدے کے ساتھ برھان کی سند مانگنے کا حکم ہے۔ معبود کی جن صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے، وہ صفات اللہ کے ایک ہونے کی اور لاشریک ہونے کی اسناد ہیں۔ قرآنِ پاک میں حال کا ذِکر ہے، اور یہ حال تا قیامت جاری رہے گا۔ وہ تمام لوگ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہیں جو آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا حال بناتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت یافتہ ہونے کی سند رکھتے ہیں۔ جو ماضی میں حق کے مطابق زندگی گزار گئے ہیں ان کا ذِکر بھی قرآن میں ہے۔ ماضی، حال کی تصدیق کرتا ہے۔ حال، ماضی کے بارے میں شہادت دیتا ہے۔ جو لوگ اپنے گمان کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے، انہیں حق کا علم نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور حق سے منہ پھیرے ہوئے چلے جا رہے ہیں اور عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہوتی جا رہی ہے۔

حاصل: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دعویٰ بے دلیل ہو تو قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔ قرآنِ پاک میں حال کا ذکر بھی ہے ماضی کا ذکر بھی ہے۔ ناصحین سے محبت ہو تو حق کا علم حاصل ہوتا ہے۔ غفلت میں پڑے ہوئے لوگ حق سے منہ پھیرے ہوئے جا رہے ہوتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری ہی عبادت کرو۔

مرسلین ہر زمانے میں اس شان کے حامل تھے کہ رضائے الٰہی کے طالبین کے لئے ان کا قول بھی سند تھا، عمل بھی سند تھا۔ مرسلین کو جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا، وہ یہی تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کی بندگی کرو۔ یہی مرسلین نے کر کے دکھایا۔ علمِ الٰہی کی شان ماضی میں بھی یہی تھی، حال پر بھی یہی ہے۔ اس لئے اگر حق کا انکار کرنے والے حق کے حوالے سے کوئی بات کرتے ہیں تو اس کا ثبوت پیش کرنا بھی انہی کے ذمے ہے۔

حاصل: مرسلین کی تعلیم یہی تھی، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی عبادت حق ہے۔ اس نہ کے علاوہ کسی کی رضا کو مقصود بنایا جائے گا تو پھر نام کوئی رکھ لیا جائے وہ اللہ کی بندگی نہیں ہوگی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور کہتے ہیں، الرحمٰن نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔ پاک ہے وہ۔ بلکہ مکرم بندے ہیں۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ بیٹا اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ بیٹا اپنے باپ کے مثل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے مکرم بندے ہیں۔ جس کو اللہ کا کرم مطلوب ہوا سے ان کا اتباع کرنا چاہیے۔ تعلیم ان کی بھی وہی تھی جو انبیائے سابقین کی تھی اور جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

حاصل: اللہ کے قریب ہونے کے لئے اس کی بندگی ہی راستہ ہے۔ اللہ کے مکرم بندوں کے اتباع کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

قول میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور اسی کے امر پر عمل پیرا ہیں۔

مکرم بندوں کی صفات کا ذکر ہے، کہ وہ فرمانِ الٰہی کو بڑے ادب سے بیان کرتے ہیں۔ حکمِ الٰہی میں کوئی لفظ ان کا اپنا نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت میں اپنا حال بیان کر دیتے ہیں۔ ماننے والوں کے لئے حق روشن ہو جاتا ہے۔ مکرم بندے امرِ الٰہی کی تعمیل میں حسنِ عمل کے بلند مقام پر ہوتے ہیں۔ حکم اللہ کا ہو نمونہ مکرم بندوں کی صورت میں سامنے ہو، تو منزل قدم کے نیچے آ جاتی ہے۔ جاننے کا مقام ماننے کے بعد ہی آتا ہے۔

حاصل: پاک لوگوں کی بات کو اللہ کی بات جاننا چاہئے۔اس میں ان سے آگے بڑھنا بے ادبی ہے۔اللہ کا حکم ماننے کا دعویٰ ہوتو اس کے مکرم بندوں کو حسن عمل پر شاہد بنانا چاہئے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، وہ شفاعت نہیں کرتے سوائے اس کے جس سے وہ راضی ہو، اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ماضی کا علم رکھتا ہے، حال کا علم رکھتا ہے، مستقبل کا علم رکھتا ہے۔مکرم بندے کسی کے کچھ نہیں لگتے۔جو حق کو قبول کرے، عمل صالح سے اپنی صداقت کا ثبوت دے، وہ ان پاک بندوں سے اپنے تعلق کا ثبوت رکھتا ہے۔ایسے لوگوں کی نیت یقیناً اچھی ہوتی ہے۔جب ان سے کوتاہی ہو جائے، بھول ہو جائے، تو مکرم بندے بھولنے والوں کے لئے شفاعت کرتے ہیں کہ اللہ ایسی شفاعت سے راضی ہوتا ہے۔رضائے الٰہی کے علاوہ مکرم بندوں کا مقصود کچھ نہیں ہوتا۔اللہ کے نزدیک حسن عمل کا معیار اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔اگر اللہ تعالیٰ ہر عمل کو اسی معیارِ اعلیٰ کی نسبت سے دیکھے تو کتنے ہی لوگ اللہ کی گرفت میں آ جائیں گے۔اللہ سے اس کا فضل مانگنا چاہئے۔علمِ حقیقی کے بڑھنے سے اللہ کا ڈر بڑھتا ہے، علمِ ظن کے بڑھنے سے غفلت بڑھ جاتی ہے۔اللہ کے پیارے بندے، اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں۔

حاصل: اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھ کر بات کرنی چاہئے، یہی مکرم بندوں کی طریقت ہے۔علمِ حقیقی بڑھے تو اللہ کا ڈر بڑھتا ہے۔غفلت بڑھ رہی ہو تو علم کبھی حقیقی نہیں ہوتا۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۹/۲

اور ان میں جو کہے کہ میں اللہ کے مقابل معبود ہوں، تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے، ہم ظالمین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

اللہ کے بندوں میں سے جو اللہ کے مقابل معبود ہونے کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے۔کہ وہ پیدا بھی کیا گیا ہے، اسے موت بھی دی جائے گی۔اس سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ بھی ہوگی، اسے اس کے اعمال کی جزا بھی دی جائے گی، اور وہ جزا بصورت جہنم ہوگی جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔شرک ظلمِ عظیم ہے، اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے ہی جزا دی جاتی ہے۔

حاصل: بندے کے لئے اظہارِ عبدیت لازم ہے۔جو شرک کرے گا، تکبر کرے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔جو خود کو عذاب سے بچا نہ سکے، وہ کسی کو کب عذاب سے بچا سکتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے۔قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ فرمایئے کون الرحمٰن سے تمہاری نگہبانی کرتا ہے، رات میں اور دن میں! بلکہ وہ اپنے رب کی نصیحت سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

کیا کافروں نے نہیں دیکھا، کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا۔ اور ہم نے ہر زندہ شے پانی سے بنائی۔ تو کیا مانتے نہیں۔

دعوتِ فکر ونظر کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے، کیا کافروں نے دیکھا نہیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ یہ زمین اور آسمان ابتداً آپس میں ملے ہوئے تھے۔ جس نے ان کو پیدا کیا تھا اسی کی طرف سے یہ فرمایا جارہا ہے۔ وہی آسمان کو بلند کرسکتا تھا، اسی نے آسمان کو چھت بنادیا اور زمین کو فرش کردیا۔ زمین کو آسمان سے رات میں ستاروں کی روشنی ملتی ہے، جو تخلیق کے عمل میں اپنا بے بدل مقام رکھتی ہے۔ دن کو سورج کی روشنی ملتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔ سب سے اہم شے پانی ہے، جس کے بغیر تصورِ حیات ہی ممکن نہیں۔ زمین مُردہ ہوجائے تو اللہ اسے بارش سے زندہ کردیتا ہے۔ جو قدرت ہمارے دیکھنے میں آرہی ہے، یہ قادرِ مطلق کا پتہ دیتی ہے۔ اسی قادرِ مطلق نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہی ہمیں موت دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہی بعث بعد الموت پر قادر ہے۔ یہی جزا دینے والا ہے۔ جزا کو ماننے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ تو کیا یہ کافر اس بات کو مانتے نہیں۔

**حاصل:** اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ زمین پر ادب سے رہنا چاہئے۔ پانی کی اہمیت کو جاننا چاہئے اور اس کے استعمال میں حق کو جاننا چاہئے۔ انسان اپنی کج روی سے اپنی مشکلات میں اضافہ کرلیتا ہے۔ جو اللہ مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، وہ بندوں کو بھی موت کے بعد زندہ کرسکتا ہے۔ جزا کو مان لیا جائے تو پھر غفلت کو ختم ہوجانا چاہئے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے زمین میں لنگر ٹھہرائے کہ انہیں لے کر نہ کانپے، اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں رکھیں کہ وہ ہدایت پائیں۔

زمین کو انسان کے لئے دارِ عمل بنایا گیا تو اس میں زینت رکھی گئی۔ اس کے توازن کے لئے اللہ نے اس میں پہاڑ رکھے۔ پہاڑوں میں انسانوں کے گزرنے کے لئے درے رکھے گئے۔ اس سہولت سے بہت سے مفادات تعلق رکھتے ہیں۔ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ جس آسانی سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے، وہ کس کی عطا ہے۔ یوں اسے ہدایت مل سکتی ہے۔ منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ ضروری ہے۔ وہ محفوظ ہو، آسان ہو اور قریب تر ہو تو اسے بہترین راستہ قرار دیا جاتا ہے۔ انسان اگر اپنے مقصدِ تخلیق کے پورا کرنے کو منزل مان لے تو پھر اس منزل پر پہنچنے کے لئے اس کی دُشمِ اللہ پاکی سے ہونی چاہئے۔ اس کی زبان کو پاک ہونا چاہئے، اس کے ہاتھ کو امین ہونا چاہئے اور اس کے حسنِ عمل پر مخلصین کی شہادت ہونی چاہئے۔ اگر مجاز میں منزل تک پہنچنے کے لئے رہنمائی لینی ضروری ہے تو حقیقت میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ماننی چاہئے، ورنہ عقل مندی کا ثبوت کیا ہوگا۔

**حاصل:** زمین کو جس طرح اللہ نے انسان کے لئے آراستہ کیا ہے، یہ بھی اس کے ایک اور لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ مجاز میں منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ اور رہنمائی ضروری ہے تو حقیقت میں اس کی اہمیت کس قدر ہوگی!

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔

زمین کو فرش بنانے کے ساتھ آسمان کو چھت بنایا گیا۔نہ اس فرش جیسا فرش ہوسکتا ہے، نہ آسمان جیسی چھت کہیں دیکھی جا سکتی ہے۔محفوظ ہونا اس چھت کی ایک صفت ہے۔اتنی بڑی چھت کا محفوظ ہونا، بغیر سہاروں کے محفوظ ہونا، اتنی بلندی اور وسعت کے ساتھ محفوظ ہونا، اتنی مدت سے محفوظ ہونا کہ جس کا انسان کو پورا علم بھی نہیں ہے، اور وہ تمام منافع جن کا آسمان سے تعلق ہے تسلسل سے ان کا جاری رہنا، یہ اتنی بڑی نشانیاں ہیں کہ ان سے منہ پھیرنا خلافِ عقل ہے۔

حاصل: چھت کو ہمیشہ محفوظ ہونا چاہئے۔اللہ کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے کس منزل کو پا سکتے ہیں۔غافل لوگوں سے دور رہنے میں عافیت ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾

اور وہی ہے جس نے لیل و نہار اور شمس و قمر کو خلق فرمایا۔سب اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔

لیل و نہار کا پیدا کرنا، شمس و قمر کا پیدا کرنا، اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔رات کے بعد دن آتا ہے۔دن کے بعد رات آتی ہے۔توازن اللہ کے حکم سے قائم رہتا ہے۔کائنات میں سورج کا مقام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔سورج کی روشنی کے ساتھ نباتات کی زندگی ہے، حیوانات کی زندگی ہے، انسانوں کے کام ہیں۔انسانی علم تو محدود ہے۔چاند کے تمام منافع بھی انسان کے علم میں نہیں ہیں۔نباتات پر اثرات، حیوانات پر اثرات، سمندر پر اثرات اور دوسرے مقامات پر اثرات ایک حد تک انسان کے علم میں ہیں۔لیل و نہار اور شمس و قمر اپنے اپنے مدار میں جس کے حکم سے گردش کرتے ہیں، اس کے علم کے مقابل کسی کے علم کی حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل: بندے کو بھی دیکھنا چاہئے، کہ وہ کس لئے پیدا کیا گیا ہے اور کیا کر رہا ہے۔اگر بندے نے پاکیزگی کا راستہ اختیار کیا ہے تو وہ فلاح پائے گا، ورنہ گمراہ ہو جائے گا۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿٣٤﴾

اور ہم نے آپ سے قبل کسی بشر کے لئے دنیا میں ہمیشگی نہیں ٹھہرائی۔اگر آپ کو موت آئے تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے۔

اپنی خواہشات کو معبود بنانے والوں کے لئے بشر کا رسول ہونا بڑا عجیب ہوتا ہے۔ان کے ناقص خیال میں رسول کو موت نہیں آنی چاہئے۔انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ پہلے مرسلین بھی موت کے مقام سے گزارے گئے ہیں۔موت تو حیات کے ساتھ رکھی گئی ہے۔جو پیدا کیا گیا ہے، اسے موت بھی آنی ہے۔بشر کا رسول ہونا، طالبینِ ہدایت کے لئے اتنا بڑا انعام ہے کہ وہ ہمیشہ اس کا شکر یہ ادا کرتے رہتے ہیں۔قول و فعل میں کسی بھی مقام پر شک سے پاک ہونے کی یہی صورت ہے کہ اللہ کے رسول کو حق کے حوالے سے سند مانا جائے۔پاک لوگوں کے لئے موت وصال کا دروازہ ہوتی ہے۔ناپاک لوگوں کے لئے موت، عذاب کی ابتدا ہوتی ہے۔

حاصل: دائمی زندگی، رسالت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ موت سے پہلے عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں اپنی صداقت کا ثبوت دینا نافع ہوتا ہے۔ فلاح اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ہمارا طریقِ زندگی فلاح پانے والوں کا ہو۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾

ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں شر اور خیر سے دیکھتے ہیں۔ اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔

جو پیدا کیا گیا ہے اسے موت ضرور آئے گی، اور موت کی کیفیت کو بندے کے اعمال سے نسبت ہوتی ہے۔ جو اس دنیا میں پاک رہا ہو اس کے لئے موت باعثِ راحت ہوتی ہے۔ جو اس دنیا میں ناپاک رہا ہو اس کے لئے موت بڑے دکھ کی ابتدا ہوتی ہے۔ شر اور خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ دیکھنے کے لئے ہے کہ کون اللہ کی رضا کو مقصود بناتا ہے، کون اس کے خلاف کرتا ہے۔ جو حالات انسان کو ناپسند ہوتے ہیں، ان سے واسطہ ہو تو اللہ کی رضا مقامِ صبر سے تعلق رکھتی ہے اور جن حالات میں انسان کو خوشی ہو، وہاں اللہ کی رضا مقامِ شکر سے تعلق رکھتی ہے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس بات کا ثبوت ہے، کہ یہ اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔ جزا دینے والے کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنا بڑی عقل مندی ہے۔

حاصل: موت سے پہلے عمل کے لئے دی گئی مہلت کو عقل سے استعمال کرنا چاہئے۔ شر اور خیر انسان کے دیکھنے کے لئے خدائی انتظام ہے، دونوں مقامات پر تعلق مع اللہ کا ثبوت ملنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہو تو پھر امرِ الٰہی کی تعمیل بھی نظر آنی چاہئے۔

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾

اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے مذاق ہی کرتے ہیں۔ کیا یہ ہیں جو تمہارے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ اور وہ الرحمٰن کی نصیحت سے انکار کرتے ہیں۔

حق کا انکار کرنے والے جب صاحبِ حق کا مذاق اڑانے میں کوئی خطرہ نہ محسوس کرتے ہوں تو پھر وہ اس کام میں بڑا زور لگاتے ہیں۔ خواہش پرست لوگ تھوڑے اور وقتی فائدے کے لئے بڑے اور دائمی فائدے کو ضائع کر دیتے ہیں، اور تھوڑے سے نقصان سے بچنے کے لئے دائمی خسارے کو گلے لگا لیتے ہیں۔ اس سے بڑی بے عقلی کیا ہو سکتی ہے۔ پاک لوگوں کا طریقِ زندگی اور ان کی عظمت وہی جان سکتا ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔ جو زینتِ حیاتِ دنیا میں ہی پھنسا رہے وہ کیا دیکھ سکتا ہے۔ الرحمٰن کی نصیحت بندوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ جو اس نصیحت کا انکار کرے وہ خسارے میں مبتلا ہو جائے گا۔ اصلاح کے قبول کرنے کی مہلت تو گزر رہی ہے۔ شعور کے ساتھ بندے نے جو رخ اختیار کرنا ہے، اسی کی اس کو جزا دی جائے گی۔

حاصل: پاک لوگوں کی شان زینتِ حیاتِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتی۔ تعلق مع اللہ میں پورے رہنا ان کی شان ہے۔ الرحمٰن کی نصیحت میں بندوں کی بھلائی کی سند موجود ہے۔ جو اس نصیحت کا انکار کریں، ان کا کبھی بھلا نہیں ہو سکتا۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

انسان عجلت باز خلق ہوا۔ جلد ہی تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا تو تم مجھ سے تعجیل نہ کرو۔

جلد بازی انسانی صفت ہے، بندے کو اس پر قابو پانا چاہئے۔ جن کاموں میں جلدی کرنی چاہئے وہاں نفس سستی کی ترغیب دیتا ہے، مثلاً حق کی اسناد کو دیکھ کر ماننے میں جلدی کرنی چاہئے کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت کو باتوں میں ضائع کر دینا درست نہیں ہوتا، اور صالح عمل کے بغیر صداقت کا ثبوت کچھ نہیں ہوتا۔ موت کے بعد تجہیز، تکفین اور تدفین میں جلدی کرنی چاہئے کہ یہی حق ہے، نفس یہاں دیر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ لڑکی کی شادی کا موقعہ ہو تو شان وشوکت کو بڑھانے کے لئے شادی کو مؤخر کرتے رہنا نفس کی ترغیب ہوتی ہے، حق یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ امانت لینے والا آجائے تو امانت لوٹانے میں جلدی کرنی چاہئے۔ اپنے عہد کو پورا کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہئے اور عہد کو حق کے مطابق ہونا چاہئے۔ باقی تمام کاموں میں جلد بازی بے جا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اہتمام ہمیشہ ہوتا ہے، کہ اس کی قدرت کا احاطہ لوگوں کو نظر آئے۔ اتمامِ حجت اللہ کے علم سے ہوتا ہے، اس لئے لوگوں کی جلد بازی اس پر کوئی اثر نہیں رکھتی۔

**حاصل:** جلد بازی صرف حق کے حوالے سے ہو تو حق ہے، ورنہ بے جا ہے۔ اللہ یقیناً اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے۔ اتمامِ حجت اللہ کی شان ہے۔ جلد بازی کرنے والوں کی ہلاکت میں اتمامِ حجت کو چھوڑ نہیں دیا جاتا۔

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم صادق ہو۔

جلد بازی کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ عذابِ الٰہی کو حق پہنچانے والے کی صداقت کی نشانی قرار دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں: بتایئے یہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ عذابِ الٰہی کے ساتھ ہی اگر عمل کے لئے دی گئی مہلت بھی ختم ہو جائے تو منکرین کو حق کے ماننے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ انجام سے غفلت کی یہ انتہا ہے۔

**حاصل:** منکرینِ حق انجام سے اس قدر غافل ہوتے ہیں کہ عذابِ الٰہی کو حق پہنچانے والے کی صداقت کی سند قرار دینے لگتے ہیں۔ صداقت کو تسلیم کرنا نافع نہ ہو تو حسرت کے علاوہ کیا باقی رہ جاتا ہے۔

لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

کہیں کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب آگ کو اپنے مونہوں سے نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی نصرت ہوگی۔

اس وقت تو کافر عذابِ الٰہی کو طلب کر رہے ہیں، مگر یہ غافل لوگ کہیں اپنے انجام کو جان لیتے تو ضرور اصلاح کو قبول کر لیتے۔ جب عذابِ نار ان کو آگے پیچھے سے گھیرے گا، تو یہ آگ کو نہ اپنے چہروں سے روک سکیں گے نہ اپنی پیٹھوں سے روک سکیں گے، اور تب کوئی مدد دینے والا بھی نہ ہوگا۔ یہ آگ انسان کے اپنے اعمال کی جزا سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے اس سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ جو اشیاء دارِ عمل کے لئے بنائی گئی ہیں، ان کا استعمال دو طرح سے ہو سکتا ہے: ایک طریقہ مخلصین کا ہے، ایک طریقہ من مانی کرنے والوں کا ہے۔ مخلصین دونوں

جہانوں میں راحت پاتے ہیں۔ من مانی کرنے والے یہاں خوف وحزن میں مبتلا رہتے ہیں، آگے ان کے لئے عذاب ہوگا۔

حاصل: اپنے اعمال کی جزا سے بچ جانا ناممکن ہوتا ہے۔ ہمیں نصرت دینے کا شرف ہو یا ہم نصرت کے طالب ہوں، نصرت کو حق کے حوالے سے ہونا چاہئے۔

بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾

بلکہ وہ ان پر اچانک آپڑے گی، تو انہیں بے حواس کردے گی، پھر نہ ان کو اس کے رد کرنے کی استطاعت ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

غافل لوگوں نے انذار کو نظر انداز کرنے کا رویہ اپنایا ہوا ہوتا ہے، اس لئے عذابِ الٰہی عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد ان پر اچانک آتا ہے، اور یہ عذاب بے حواس کردینے والا ہوتا ہے۔ پھر اس کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور اصلاح کے لئے وقت بھی نہیں دیا جاسکتا۔ یہی صریحاً خسارہ ہے۔

حاصل: عذابِ نار ہمارے اعمال کی جزا ہوگی۔ جزا سے غافل لوگوں کو اچانک عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔ عذابِ الٰہی کو رد کرنے کی استطاعت کسی کو نہیں ہوتی، اور مہلت تو اسے دی جاتی ہے جس کی صداقت وکذب کا فیصلہ ہونا باقی ہو۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤١﴾ ع ۲ ۱۲ ۲

اور بے شک آپ سے قبل رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا تو تمسخر کرنے والوں کو اسی نے گھیر لیا جس کا استہزاء کرتے تھے۔

رسول بشارت وانذار کا حق ادا کرتے رہے ہیں، منکرینِ حق ان کا مذاق اڑاتے رہے ہیں اور یہ کہتے رہے ہیں: کہ اگر آپ سچے ہیں تو بتایئے یہ عذاب آئے گا کب۔ پھر جب وہ عذاب آتا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ ان کی جڑ کاٹ دیتا، اور وہ ایسے ہوجاتے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ جن لوگوں کو اپنی حیثیت اللہ کی قدرت کے سامنے بڑی معلوم ہوتی ہے، ان کا انجام ہلاکت ہی ہوتا ہے۔ تباہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی زبان بھی پاک نہیں ہوتی، ہاتھ بھی امین نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں کو زبان سے بھی دکھ دیتے ہیں، ہاتھ سے بھی دکھ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خاتمہ اتمامِ حجت کے بعد یقیناً ہوجاتا ہے۔ اللہ کے مقابل کون ان کو مدد دے سکتا ہے۔

حاصل: تباہی کے راستے کو اختیار کرنے والے ماضی سے سبق نہیں لیتے۔ ہماری زبان کو پاک ہونا چاہئے ہاتھ کو امین ہونا چاہئے، بھلائی کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے، صرف نام مسلمانوں جیسا رکھ لینے سے فلاح نہیں ہوجاتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں فرمایا ہے: ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿٩﴾ پھر ہم نے انہیں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، تو جنہیں چاہا انہیں نجات دی، اور مسرفین کو ہلاک کردیا۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

فرما دیجئے کون لیل و نہار میں الرحمٰن سے تمہاری نگہبانی کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے رب کی نصیحت سے اعراض کرتے ہیں۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے، ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ جو خلاف حق کرتا ہے وہ اللہ کی قدرت کو نہیں مانتا، ماضی سے سبق نہیں سیکھتا۔ وہ اسباب کو بہت وقعت دیتا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ اسباب اپنے خالق کے امر کے تابع ہیں۔ اسباب، اللہ کے مقابل کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ لیل و نہار میں کسی بھی وقت، کسی بھی مقام پر اللہ ہی کی قدرت کا دائرہ ہمارے گرد محیط ہوتا ہے۔ کوئی ہمیں اس کی گرفت سے بچا نہیں سکتا۔ اس کی بھیجی ہوئی نصیحت ہمارے ہی فائدے کے لئے ہوتی ہے۔ اگر اس سے منہ پھیر لیا جائے تو اس سے خسارہ منہ پھیرنے والوں کو ہی ہوگا، اللہ تو کوئی احتیاج رکھتا ہی نہیں۔

**حاصل:** لیل و نہار میں کوئی ہمیں اللہ سے بچانے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔ نصیحت کو وہی مانتا ہے جو جزا کا یقین رکھتا ہو۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کے کچھ معبود ہیں جو انہیں ہمارے مقابل بچاتے ہیں۔ وہ تو اپنی نصرت کی استطاعت بھی نہیں رکھتے، اور انہیں ہماری مصاحبت بھی حاصل نہیں ہے۔

منکرین حق کو یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے معبود ان کو عذاب الٰہی سے بچالیں گے۔ اس گمان کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ وہ معبود تو محتاج ہیں، وہ تو اپنی مدد کی بھی استطاعت نہیں رکھتے، کسی کو عذاب سے بچانا ان کے بس میں کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ ناپاک اس کی رفاقت حاصل کر سکیں۔ پھر ان معبودوں کے سہارے پر خلافِ حق کرنا باعثِ خسران نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

**حاصل:** اگر ہم اللہ کو ایک اور لاشریک مانتے ہیں تو ہمارے قول و فعل میں اللہ کی رضا مطلوب ہونی چاہئے۔ ناپاک کو کبھی اللہ پاک کی رفاقت نصیب نہیں ہوتی۔ جو خود حق پر پورا نہ رہ سکے وہ کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے آباء کو متاع دی، حتیٰ کہ ان پر عمر طویل ہوئی، تو کیا دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اطراف سے گھٹا رہے ہیں، تو کیا یہ غالب ہوں گے۔

جو لوگ اللہ کی دی ہوئی متاع کو اپنے علم کی بدولت جانتے ہیں، وہ اس متاع کو اپنی من مانی پر ہی لگاتے ہیں۔ اگر یہ متاع ایک لمبے عرصے تک انہیں حاصل رہے تو اس سے ان کا استکبار بڑھ جاتا ہے۔ جب آسانیاں اللہ کی مہربانی کی بدولت نظر آئیں تو رُخ درست ہوگا، اور جب آسانیاں اپنی تجاویز کی بدولت نظر آئیں تو رُخ درست نہیں ہوگا۔ جب پہلے کثیر وسائل والے لوگ خلافِ حق کرتے ہوئے ہلاکت سے

بچ نہیں سکے، تو حال پر منکرینِ حق کو کس قوت کا زعم ہے۔ دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ اطرافِ زمین سے اگر کفر کم ہوتا جارہا ہے تو مرکز کے رہنے والے منکرینِ حق کیسے غالب ہو سکیں گے۔ جب لوگ حق کو سن کر مان رہے ہوں، اور اپنی پسند کو چھوڑ کر حق پر عمل کرنے میں راحت محسوس کرتے ہوں، تو مرکز کے رہنے والے منکرین حق جن کے سامنے وہ ذات بابرکات، رحمۃ اللعالمین موجود ہے (جس ذات پاک پر حق کا نزول ہوا ہے۔) کیسے حق کے سامنے مغلوب نہیں ہوں گے۔

**حاصل:** اللہ کی دی ہوئی متاع کو حق کے مطابق استعمال کرنا باعث فلاح ہوتا ہے۔ جب حق اطراف میں غالب ہو رہا ہو تو یقیناً مرکز میں حق کی روشنی بہت بڑھتی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

فرما دیجئے میں تو تمہیں وحی الٰہی کے مطابق ڈرسناتا ہوں اور بہرے پکارنا نہیں سنتے جب ڈرائے جائیں۔

شانِ رسالت کا ذکر فرمایا گیا ہے، کہ انذار کے حوالے سے جو کچھ بھی فرمایا جاتا ہے وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی سے ہوتا ہے۔ جو لوگ اس فرمان پر دھیان نہیں دیتے، وہ حقیقتاً بہرے ہیں، ان کی غفلت انہیں حق سے استفادہ نہیں کرنے دیتی۔

**حاصل:** سنانے والا حق کے حوالے سے بات کر رہا ہو اور جسے سنایا جارہا ہو وہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرے، تو لاپرواہی کرنے والا حقیقتاً بہرہ ہی ہوتا ہے۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر تمہارے ربّ کے عذاب کی ہوا بھی مَس کر جائے تو ضرور کہیں گے ہائے خرابی ہماری! بے شک ہم ظالم تھے۔

جب بھی کسی قوم کو عذابِ الٰہی میں پکڑا گیا تو اس نے اپنے ظلم کا اقرار کیا۔ اگر اس کے بعد عمل کے لئے دیا گیا وقت ہی باقی نہ ہو تو اعترافِ ظلم انہیں کیا فائدہ دے سکتا تھا۔ حق کا انکار کرنے والے یہ نہیں دیکھتے کہ نفع اور نقصان باذن اللہ ہوتا ہے۔ اگر اپنی خواہشات کی پیروی کو نہ چھوڑا جائے تو ہدایت کے راستے میں حجاب انسان نے خود پیدا کیا ہوگا۔ ظلم کا اعتراف حال پر ہو تو اس کے ساتھ اصلاح کی طرف آنا بھی لازم ہے، اور قبولیتِ حق کے لئے دی گئی مہلت کے بعد حق کو ماننے کا دعویٰ قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔

**حاصل:** ظلم سے بچنے کا وقت یہی ہے۔ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر بُرے انجام کو مان لینا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۖ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور قیامت کے دن ہم عدل کے ترازو رکھیں گے تو کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو تو ہم اسے لے آئیں گے۔ اور ہم حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔

قیامت کا دن یوم جزا ہے۔ جزا اعمال کے حوالے سے ہوگی۔ حُسنِ عمل کے لئے معیار شاہدین کی طریقت ہے۔ خلافِ حق کرنے میں معیار اپنی خواہش کی پیروی ہے۔ اللہ کے قائم کردہ ترازو یہ دیکھیں گے کہ اللہ کی رضا کے حوالے سے کیا کیا گیا ہے۔ وہ عمل بہت ہی چھوٹا بھی ہو تو بھی اسے وقعت دی جائے گی۔ اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، اس کو حساب کرنے میں کسی کی مدد کی ضرورت ہی کیوں ہوگی۔ اچھے اور برے اعمال کو برابر قرار دینا خلافِ حق ہے۔ اللہ کو لوگوں پر مہربانی کرنا پسند ہے۔ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

**حاصل:** ترازو کو علامتِ عدل ماننا چاہئے۔ ظلم کرنا اللہ کی شان کے منافی ہے۔ عمل کتنا ہی چھوٹا ہو اگر رضائے الٰہی کے لئے کیا گیا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک اہمیت رکھتا ہے۔ حساب کرنے کا جو علم اللہ کو ہے وہ کسی اور کو ہو نہیں سکتا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کو فرقان عطا فرمایا اور روشنی اور نصیحت متقین کے لئے۔

تورات شریف کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ اللہ کی عطا کردہ کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی۔ منشاء یہ تھا کہ حکمِ الٰہی کو ان پاک لوگوں کے حوالے سے مانا جائے۔ یہ کتابِ الٰہی فرقان کا درجہ رکھتی ہے، حق و باطل کے درمیان فرق واضح کرے گی، ہدایت و ضلالت کے فرق کو واضح کرے گی، یہ روشن کرے گی کہ اللہ کی رضا کے حوالے سے کیا کرنا چاہئے اور کیا کیا جا رہا ہے۔ اس میں نصیحت کا وہ مقام ہوگا، جس سے بڑا اور اعلیٰ کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ نصیحت علمِ مطلق سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے اعلیٰ ترین ہے کہ فلاح کی سند کے ساتھ ہے۔ فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔ جن کا رخ خلافِ حق ہوگا، وہ اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

**حاصل:** کتابِ الٰہی، اللہ کا عطا کردہ فرقان ہے، انعام ہے، روشنی ہے، نصیحت ہے۔ فائدہ اٹھانے والے متقین ہیں۔ متقی ہونے کے لئے پاک کرنے والوں کو اپنا شاہد بنانا چاہئے۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو لوگ بالغیب اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں، اور انہیں ساعت کا ڈر بھی ہے۔

متقین کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں، کہ وہ اپنے ربّ سے ظاہر میں ہی نہیں باطن میں بھی ڈرتے ہیں۔ نیت میں یہ بات ہوتی ہے کہ اللہ کی رضا کے ساتھ اپنی پسند کو وقعت نہ دی جائے۔ یہ حُسنِ نیت ہے۔ عمل میں یہ دیکھتے ہیں کہ اسوۂ حسنہ پیش نظر رہے اور سماجی دباؤ سے عمل متاثر نہ ہو۔ اور نتائج کے مقام پر یہ دیکھتے ہیں، کہ نفع و نقصان باذنِ اللہ ہوتا ہے اور یقیناً اللہ نے اس میں حکمت رکھی ہوتی ہے، کہیں خیر موجود ہوتا ہے کہیں آنے والا ہوتا ہے۔ ان پاک لوگوں کو جزا کے دن کا ڈر ہوتا ہے کہ اس دن ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ کوتاہی دانستہ بھی ہو جاتی ہے نادانستہ بھی ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن شاہدین کی معیت نصیب ہو جائے اس سے بڑی کوئی بھلائی نہیں۔

**حاصل:** حُسنِ نیت اور حُسنِ عمل موجود ہو تو یہ اللہ سے بالغیب ڈرنے کا ثبوت ہے۔ نتائج کو باذن اللہ مانا جائے تو لوگوں سے تعلقات ٹھیک رہتے ہیں۔ اگر پاکیزگی کے ساتھ زندگی کا ہر کام ہو رہا ہے تو پھر یقیناً قیامت کے دن کا یقین ہے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور یہ ہے مبارک نصیحت جو ہم نے نازل فرمائی، تو کیا تم اس کے منکر ہو۔

قرآنِ پاک مبارک نصیحت ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اللہ نے ہی متاع دی ہے۔ اس متاع کے استعمال کا ایک رُخ بشارت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس متاع کو خلافِ حق استعمال کیا جائے تو اس کے انجام سے ڈرایا بھی جاتا ہے۔ اللہ کی نصیحت جس علم سے ہے، اس سے اوپر کوئی علم نہیں۔ اس میں جو روشنی ہے وہ بھی کہیں اور موجود نہیں۔ اس کی کوئی بات بے سند نہیں، اور اس کے ساتھ کسی اجر کا سوال بھی نہیں، پھر اس کا انکار کس بنا پر کیا جا سکتا ہے۔ جو اس نصیحت پر عمل کرے وہ اس کے بابرکت ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ جو اس پر عمل نہ کرے اس کی بات گمان کے درجے میں ہوتی ہے، اس لئے معتبر نہیں ہوتی۔

**حاصل:** قرآن پاک مبارک نصیحت ہے۔ اس کی برکت کا علم اس کو ماننے سے ہوتا ہے۔ اس کے انکار کے لئے کوئی جواز نہیں ہوتا، کوئی سند نہیں ہوتی۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں فرمایا ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ بے شک ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ ج

اور اس سے قبل ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو رُشد عطا فرمایا اور ہمیں اس کا علم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رُشد سے نوازا۔ جس کو رشد سے نوازا جائے وہ ایمان کی محبت میں سرشار ہوتا ہے، اسے کفر، فسوق اور عصیان سے کراہت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے گھر سے بات شروع کی، اور اپنے باپ سے یہ کہا کہ اے میرے باپ کیا آپ اس کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتا ہے۔ یہ بھی کہا کہ جو علم مجھے ملا ہے وہ آپ کو نہیں ملا تو میرا اتباع کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاتا ہوں۔ باپ نے حق سے کراہت کا اظہار کیا تو آپ اس سے الگ ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کا ایسا ثبوت دیا کہ مخلصین ہمیشہ اس تعلق کو ادب سے سلام کرتے رہیں گے۔ عطا کرنے والا جانتا ہے اس نے کیا عطا کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے ہیں انہیں کیا عطا ہوا، باقی سب وہی بیان کر سکتے ہیں جو ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہونے کے حوالے سے ملا۔

**حاصل:** رُشد، اللہ کی بہت بڑی عطا ہے۔ اللہ کی عطا ہمیشہ علم سے ہوتی ہے۔ ہم اپنے معلم کی اتنی ہی صفت بیان کر سکتے ہیں جو ہمیں اس سے حاصل ہو۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

جب آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا تماثیل ہیں جن پر تم آسن مارے بیٹھے ہو۔

صاحبِ رُشد کس طرح کلام سے نور پھیلاتا ہے، یہ اس کی ایک مثال ہے۔آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے یہ کہا: یہ کیا تمثیلیں ہیں، یہ کیا بت ہیں، جن کے سامنے تم لوگ عبادت کے لئے آسن مارے بیٹھے رہتے ہو۔نہ یہ سنتے ہیں، نہ یہ دیکھتے ہیں اور نہ یہ کچھ کرہی سکتے ہیں۔یہ تمہارے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔تم ان کے سامنے جواب دہ نہیں ہو، اپنے بنانے والے کے سامنے جواب دہ ہو۔وہ طریق زندگی اختیار کرو جو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے باعث فلاح ہو۔

**حاصل:** حق کی بات کو اپنے گھر سے اور اپنے قریب کے ساتھیوں سے شروع کرنا چاہئے، اور بات اپنے مشاہدے کے حوالے سے کرنی چاہئے، یہی سنت ہے حضرت ابراہیم حنیف علیہ السلام کی۔

**قَالُوۡا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيۡنَ ﴿۵۳﴾** کہنے لگے ہم نے اپنے آباء کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔

بُت پرست لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ جن بُتوں کو ہمارے آباؤاجداد پوجتے رہے ہیں، انہی بتوں کو ہم پوج رہے ہیں۔یہی ہم نے دیکھا ہے اور یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔

**حاصل:** اپنے آباؤاجداد کا دین اسی صورت میں اختیار کرنا حق ہے، جب آباؤاجداد کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی سند موجود ہو۔

**قَالَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۵۴﴾** فرمایا بے شک تم اور تمہارے آباء کھلی گمراہی میں ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت پرست لوگوں پر واضح کیا اور فرمایا، کہ تم کھلی گمراہی میں ہو، اور تمہارے آباؤاجداد بھی کھلی گمراہی میں تھے۔حال پر موجود لوگوں کی گمراہی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے، ماضی والے لوگوں کی گمراہی کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے اس لئے کہ حق حال پر عاید ہوتا ہے اور حال پر ہی ادا بھی کیا جاتا ہے۔جزا کا یقین ہو تو پھر حسنِ عمل سے بے پرواہی ناممکن ہو جاتی ہے۔شعور کے ساتھ جس نے جو راستہ اختیار کیا ہے، اس کی وہ جزا پائے گا۔حال پر اگر لوگوں کے پاس صراطِ مستقیم پر ہونے کی سند نہیں ہے، تو پھر بات یہی رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی چاہت کے پیچھے چل رہے ہیں۔اس کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں۔اگر آباؤاجداد کا طریقہ بھی یہی تھا تو وہ بھی گمراہ ہی تھے۔

**حاصل:** حال کا ذِکر پہلے کرنا چاہئے، ماضی کا بعد میں۔حق حال پر عاید ہوتا ہے، اور حال پر ادا بھی کیا جاتا ہے۔شریعت شعور پر ہی لاگو ہوتی ہے، اور شعور کا تقاضا یہی نہیں ہوتا کہ جو پہلے ہوتا آرہا ہے وہی کیا جائے۔

**قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَـقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِيۡنَ ﴿۵۵﴾** کہنے لگے، کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا ایسے ہی کھیلتے ہو۔

بُت پرست لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہا: کیا تمہارے بولنے کا حق سے تعلق ہے، یا ہمارے دین پر اعتراض کر کے تم

اس سے خوش ہو رہے ہو اور اسے تم نے کھیل بنالیا ہے۔ جو حق کا دعویٰ کرے اسے اس کا ثبوت بھی پیش کرنا ہوتا ہے۔ جو صرف کسی بات کو غلط کہتا ہو اور اس کے مقابل حق کو سند کے ساتھ بیان نہ کرتا ہو وہ شوکتِ نفس کا کھیل، کھیل رہا ہوتا ہے۔

**حاصل:** جس بات کو غلط کہا جائے، اس کے مقابل صحیح بات کا سند کے ساتھ بیان کرنا بھی لازم ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو وہ نفس کی خوشی کا کھیل بن جاتا ہے۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾

فرمایا، بلکہ تمہارا ربّ وہ ہے جو ربّ ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر شاہد ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہارے رب نہیں ہیں۔ تمہارا رب وہ ہے، جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں ربوبیت وہی کر رہا ہے، جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اسی کی عبادت تمہارے لئے باعثِ فلاح ہو سکتی ہے جو تمہارا رب ہے، اور میں اس بات پر گواہ ہوں۔ تمہارے رب کا فرمان ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، تمہیں توفیق دی ہے، تمہارے لئے بشارت و انذار کا اہتمام کیا ہے، تمہاری صداقت و کذب کو دیکھنے کا بندوبست کیا ہے اور وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ تمہارا رب اتنی شان والا ہے کہ کسی دوسرے کی یہ مجال ہی نہیں کہ وہ یہ دعویٰ ہی کرے۔

**حاصل:** بندے کو رب کے قریب ہونے میں مدد دینا شاہدین کی طریقت ہے۔ معبود لاشریک کی عبادت ہو تو پھر من مانی کرنے کا کوئی مقام نہیں رہتا۔ اگر اپنی پسند کو حق کے برابر اہمیت دی جائے تو اسے شرک ہی کہا جا سکتا ہے۔

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ کی قسم میں ضرور تمہارے اصنام کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت پرست لوگوں سے یہ کہا، کہ تم یہاں ان بتوں کی عبادت کر رہے ہو، اس پوجا سے فارغ ہو کر تم یہاں سے پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے، پھر میں ان اصنام کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا۔ آپ نے اللہ کی قسم کھائی کہ لوگ اس بات کی سنجیدگی کو اہمیت دیں۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعد میں مصلحت کے تحت یہ کہنا تھا کہ میں نے ان بتوں کو نہیں توڑا، تو قسم کھا کر لوگوں کے سامنے یہ اعلان کرنا کہ میں تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد تمہارے اصنام کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا، خلافِ مصلحت تھا۔ اپنی تدبیر کو واضح نہ کرنے کا منشاء یہ تھا کہ بت پرست لوگ اپنے اصنام کے بارے میں اپنے عام نظریات سے ہٹ کر بھی کچھ تدبر کریں۔

**حاصل:** منکرینِ حق کو صحیح نتائج کے اخذ کرنے میں مدد دینی چاہئے، انہیں تدبر کرنے میں مدد دینی چاہئے۔ پاک لوگ اپنے نظریات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ قطعاً منکرین حق سے الگ نظر آتے ہیں۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سوائے ایک کے جو ان میں بڑا تھا، تا کہ وہ اس کی طرف رجوع ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس تدبیر کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا تھا، وہ یہی تدبیر تھی۔ آپ نے ایک بڑے وزنی بُت کو چھوڑ کر باقی سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ نے یہ چاہا کہ لوگ باقی بتوں کے حال کو دیکھ کر اس بڑے بُت کے بارے میں ہی اپنے عقائد کو درست کر لیں، اور یوں طاغوت کے انکار کے مقام پر پورے ثابت ہو جائیں، اللہ پر ایمان لانے کا مقام اس کے بعد آتا ہے۔

**حاصل:** طاغوت کا انکار پہلا درجہ ہے۔ اس مقام پر لوگوں کو مدد دینا بڑے علم کا کام ہے۔ مقصود یہی ہونا چاہئے کہ لوگ اپنے عقائد کی صحت کے بارے میں غور و فکر کریں اور حق اور ناحق کے مابین وقف لازم کو دیکھیں۔

**قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾**

کہنے لگے جس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے، بے شک وہ ضرور ظالم ہے۔

جب قوم نے بتوں کا انجام دیکھا، تو ان کے بارے میں اپنے عقائد کے تضاد کو دور کرنے کی بجائے اپنے معبودوں کو مظلوم کہا اور بت شکن کے بارے میں یہ کہا کہ وہ شخص یقیناً ظالم ہے۔ جو معبود کسی کے ظلم سے متاثر ہو جائے وہ مغلوب ہوگا، محتاج ہوگا اور مصنوع ہوگا اور یہ سب باتیں اس معبود کے جھوٹے ہونے کو ثابت کریں گی۔

**حاصل:** اپنے عقائد کو حق کے مطابق بنانے میں بڑی بھلائی ہے، اور اپنے عقائد کے تضاد کو نظر انداز کرنا بڑی جہالت ہے۔

**قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾**

کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو ان کی برائی کرتے سنا ہے، جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہتے ہیں۔

جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سنی تھیں، انہوں نے یہ بتایا کہ ایک جوان کو ہم نے ان بتوں کی برائی کرتے سنا ہے۔ اس جوان کا نام ابراہیم (علیہ السلام) بتایا جاتا ہے۔ بتوں کی ہجو کرنا اس کے تعارف کا حصہ بن گیا ہے۔ بتوں کے بنانے والے اور ان کی پوجا کرنے والے تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ کبھی ان کی شان میں گستاخی کریں۔ اس لئے یہ فعل اسی جوان کا ہی ہو سکتا ہے، اسی جوان نے ان بتوں کو توڑا ہوگا۔

**حاصل:** عمل سے عامل کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ حق گوئی اگر کسی کے تعارف کا حصہ بن جائے تو یقیناً یہ بڑی شان ہے۔

**قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾**

انہوں نے کہا، اس کو لوگوں کے سامنے لے آؤ، تا کہ وہ گواہ رہیں۔

بتوں کا پاش پاش دیکھنا، بت پرست لوگوں کے لئے بڑا ناگوار مشاہدہ تھا۔ لوگ یہ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سنا تھا، انہوں نے آپ کا ذکر کیا تو اجتماع میں فیصلہ کرنے والوں نے یہ حکم دیا کہ اس جوان کو جسے بتوں کے بارے میں ایسا کہتے ہوئے پایا گیا ہے، لوگوں کے سامنے لایا جائے، کہ لوگ اس کو دیکھیں

وہ ہے کون اور ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

**حاصل:** حقائق کو معلوم کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے، اس میں جذبات کے اظہار کو صحیح وقت پر ہونا چاہئے۔

**قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾** انہوں نے کہا، کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے اے ابراہیم (علیہ السلام)۔

قرآن پاک سے یہی ثابت ہے کہ یہ لوگوں کے طرزِ بیان سے مماثلت نہیں رکھتا۔ مثلاً یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا، بلکہ یہیں سے بات شروع ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے۔ لوگوں کے احساسات کیا تھے یہ بالکل واضح ہے۔ جو آپ کو بتوں کے بارے میں اظہارِ حق کرتے سن چکے تھے، وہ آپ پر گواہ بن چکے تھے۔ اجتماع میں جن لوگوں کو بولنے کی اجازت تھی وہ آپ سے سوال کر رہے تھے۔

**حاصل:** حسن بیان کی سند قرآن پاک سے لینی چاہئے۔ غیر ضروری باتوں سے رک جانا، اجتماعی طور پر دکھ کو کس قدر کم کردے گا، اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ بت پرست لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقائد کو جاننے کے بعد آپ سے یہ پوچھا، کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے۔ جس پر کسی فعل کے مرتکب ہونے کا گمان ہو، اس کو پوچھنا کافروں کے نزدیک بھی ضروری تھا۔

**قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾** فرمایا۔ ہاں اُسی نے کیا ہوگا، ان کے اس بڑے کے بارے میں ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے اصنام کے ساتھ جو کچھ کرنے کا اعلان کیا تھا یہ بات اسی عمل کا ایک حصہ ہے۔ بتوں کے بارے میں لوگوں کے تصورات عام طور پر بیان ہوتے رہتے تھے۔ جب وہ سب ٹوٹے ہوئے نظر آرہے تھے، اور ایک جو اِن میں بڑا تھا، موجود تھا، تو آپ نے ان کو دعوت فکر دیتے ہوئے یہ کہا، کہ ان کے بارے میں تم بہت بڑی بڑی باتیں کرتے رہتے ہو، انہی سے پوچھو انہیں کیا ہوا ہے۔ یہ ان کا بڑا ان میں کھڑا ہے۔ بتوں کے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرنے والوں کی زبان سے یہ نکلوانا کہ یہ تو بول ہی نہیں سکتے بہت بڑی بات ہے۔ ان کی زبان سے یہ کہلوانا کہ یہ تو کچھ کر ہی نہیں سکتے بہت بڑی بات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کوئی خوف تو تھا ہی نہیں، آپ نے جو کچھ فرمایا اور جس طرح فرمایا یہ خوف زدہ بندے کا کام ہی نہیں۔ بت پرست لوگوں کے عقائد کا تضاد ان پر روشن کرنے کی یہ احسن صورت آپ نے پسند کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کسی جھوٹ کو منسوب کرنا انتہائی بے عقلی ہے۔ اللہ نے تو ان کے صدیق ہونے کی، نبی ہونے کی سند نازل فرمائی ہے، صاحب رشد ہونے کی سند نازل فرمائی ہے، اور اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔

**حاصل:** علم حقیقی سے ہی لوگوں کا تضاد ان پر واضح کیا جاسکتا ہے۔ جسے اللہ نے رشد عطا فرمایا ہو، وہ ہمیشہ علم حقیقی سے بات کرتا ہے۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ تو اپنے اَنفس کی طرف رجوع ہوئے، پھر بولے، بے شک تم ہی ظالم ہو۔

بت پرست لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سنتے رہے۔ان پران کے عقائد کا تضاد واضح ہوا۔انہوں نے اپنے اندر جھانکا۔ انہیں یہ احساس ہوا کہ بتوں کے بارے میں ان کے بیان کردہ تصورات کا ثبوت کچھ بھی نہیں۔ جو خود اپنی حفاظت بھی نہ کر سکے وہ کسی کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے کہ انہوں نے لوگوں کو عقیدہ درست کرنے میں بڑی مدد دی تھی، ان لوگوں نے یہی کہا کہ یہ بت شکنی کا کام تم نے ہی کیا ہے، یہ زیادتی تم نے ہی کی ہے۔

حاصل: اپنا تضاد نظر آ جائے تو اس کو دور کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔اپنے اندر تضاد ہو تو محسن بھی ظالم ہی نظر آتا ہے۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ پھر اوندھے ہو گئے اپنے سر جھکا کر، تمہیں خوب علم ہے کہ یہ بولتے نہیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ تمہارے معبودوں کو تمہیں بتانا چاہئے کہ ان کے ساتھ یہ فعل کس نے کیا ہے، تو بت پرستوں نے یہ کہا۔ یہ کام تمہارا ہی ہے، تمہیں خوب علم ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ علم حقیقی کی شان دیکھئے کہ بت پرست لوگوں کی زبان سے ان کے معبودوں کے بارے میں یہ کہلوایا جا رہا ہے، اور انہوں نے سر جھکا کر یہ کہا ہے، کہ ان بتوں کے بارے میں آپ کو خوب علم ہے کہ یہ بول نہیں سکتے پھر یہ کیا بتا سکتے ہیں۔

حاصل: صاحب رشد سے بات ہو رہی ہو تو سر جھک جاتے ہیں، اور زبان وہ کچھ کہنے لگتی ہے جو کچھ وہ کہنا نہیں چاہتی۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ فرمایا، کیا تم اللہ کے مقابل اس کو پوجتے ہو، جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ تمہیں ضرر دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرست لوگوں کی زبان سے یہ کلمہ سنا کہ یہ تو بول نہیں سکتے اور یہ کچھ کر نہیں سکتے، تو آپ نے فرمایا جو تمہارے نفع اور ضرر کا مالک نہ ہو وہ تمہارا معبود کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تمہارے نفع اور ضرر کا مالک ہے۔ نفع ہو یا ضرر باذنِ اللہ ہوتا ہے۔ عبادت تو اسی کی حق ہے، جو نفع اور ضرر کا مالک ہے۔ جو اپنی سلامتی کی حفاظت بھی نہ کر سکتا ہو، اس کی پوجا کیا معنی رکھتی ہے۔

حاصل: نفع اور ضرر کو باذنِ اللہ ماننا حق ہے۔ معبودِ لاشریک کی یہ شان ہے کہ نفع اور ضرر دونوں مقامات پر بندے کے تعلق مع اللہ کو دیکھتا ہے۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی اللہ کے مقابل تم عبادت کرتے ہو۔ تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں اور ان کے بتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ تف ہے تم پر اور تف ہے تمہارے بنائے ہوئے معبودوں پر، جن کو تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو۔ تم شعور رکھتے ہو، تمہیں عقل کرنی چاہئے۔ صاحبِ رشد نے جس یقین کے ساتھ باتیں کی ہیں، منکرینِ حق کے خوف کی موجودگی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عقل مندی یہی ہے کہ ماضی سے سبق لیا جائے، حال پر اصلاح کو اختیار کیا جائے اور حُسنِ عمل کے جس معیار کو مانا جائے اسے حال پر شاہد بنالیا جائے، اور عمل کے ساتھ جزا کا یقین قائم رہے۔

**حاصل:** بے عقلی سے بیزاری کا اظہار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ عقل مندی کے دعوے کے ساتھ اس کا ثبوت بھی نظر آنا چاہئے۔

**قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾**

کہنے لگے اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی نصرت کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتوں کو سن کر بت پرست لوگوں کے بڑوں نے یہ اعلان کیا، کہ اس جوان کو سزا کے طور پر جلا دیا جائے، اور اپنے بتوں کی مدد اس طرح کی جائے کہ آئندہ کسی کو ان کی شان میں گستاخی کا خیال بھی نہ آئے۔ اگر کچھ کرنا ہے تو یہی کرنا ہے۔ جو ذاتی انتقام لینے کے لئے دوسروں کی مدد کا محتاج ہے، وہ عزیزٌ ذوانتقام نہیں ہے، اور اللہ کی شان ہے کہ وہ عزیزٌ ذوانتقام ہے۔

**حاصل:** منکرینِ حق کو اپنے عقائد کا نقص معلوم ہو جائے، تو وہ حق کے روشن کرنے والے کو ختم کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، اور اسے اپنے معبودوں کی مدد سمجھتے ہیں۔

**قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾**

ہم نے فرمایا اے آگ ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم (علیہ السلام) پر باعث سلامتی ہو۔

جب قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا، تو آگ کا بہت بڑا اہتمام کیا گیا۔ پورے قومی وسائل کو کام میں لایا گیا۔ پوری قوم نے اپنے جذبات کے حوالے سے اس کام میں شرکت کی۔ بتوں کی نصرت میں جو کچھ ان کے بس میں تھا سب کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس آگ کا کچھ خوف نہ طاری ہوا۔ آپ کو اللہ نے رشد عطا فرمایا تھا۔ آپ نے جو بھی کیا تھا وہ علم الٰہی سے کیا تھا۔ آپ یہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ بتوں کی حقیقت سے آگاہ ہو جانے کے باوجود اپنے عقائد کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں، اور آگ کا بڑا اہتمام کر رہے ہیں، مگر نفع اور ضرر تو میرے معبود کی طرف سے ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ آپ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ بت پرستوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ آپ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ وہ لوگ آپ کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت پر آپ کی نظر بہر حال تھی۔ آگ کو اللہ کا حکم ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے سلامتی کا باعث بن۔ حکمِ الٰہی سے آگ ٹھنڈی ہو گئی، اور ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی شان سب دیکھنے والوں پر، سب سننے والوں پر روشن ہو گئی۔

**حاصل:** پاک لوگ مصائب و آلام کو باذن اللہ دیکھتے ہیں، اس لئے وہ منکرینِ حق کے کسی اہتمام سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ بچانے کی جو قدرت رکھتا ہے، اس کا اندازہ لگانا ممکن ہی نہیں۔

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اور انہوں نے آپ سے برائی کا ارادہ کیا، تو ہم نے ان کو بڑے خسارے میں ڈالا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پاکیزگی کو دیکھ لینے کے بعد، حق پر ان کی استقامت کو دیکھ لینے کے بعد بھی بت پرست لوگ آپ کی مخالفت سے باز نہ آئے تو قانونِ الٰہی کے مطابق ان بت پرستوں کو پکڑ لیا گیا۔ پھر وہ کہاں بھاگ کر جا سکتے تھے۔ وہ نابود ہو گئے اور بڑے خسارے میں پڑ گئے۔

حاصل: جس کی صداقت کا ثبوت مل جائے، اس کا انکار اللہ کا عملاً انکار ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے منکرین کو مہلت نہیں دی جاتی، اور وہ بڑے خسارے میں جا پڑتے ہیں۔

وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ اور ہم نے آپ کو اور لوط (علیہ السلام) کو اس سرزمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے عالمین کے لئے برکت رکھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کو ان مقامات سے نجات دی گئی جہاں وہ منکرینِ حق کو راہ راست دکھانے کی تمام کوششیں کر چکے تھے، اور جہاں منکرینِ حق نے یہ جان لیا تھا کہ ان حضرات کی موجودگی میں منکرینِ حق کی تہذیب کے عیوب واضح ہوتے رہیں گے، اس لئے ان حضرات کی عدم موجودگی ضروری ہے۔ ان قوموں نے ان حضرات کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا، اور یہ عذاب میں پکڑ لی گئیں اور برے انجام کو پہنچیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ نے وہ مقام عطا فرمایا جس میں عالمین کے لئے برکت رکھی گئی اور قیامت تک لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے ہوئے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

حاصل: منکرینِ حق کو عذاب میں پکڑنے سے پہلے مخلصین کو وہاں سے نجات دینا اللہ کی سنت ہے۔ مخلصین کو نجات کے بعد بڑے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ ان کے فیض سے لوگوں کو سکھ ملتا رہتا ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ اور ہم نے آپ کو اسحاق (علیہ السلام) عطا فرمائے۔ اور یعقوب (علیہ السلام) پوتے۔ اور ہم نے سب کو صالح ٹھہرایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا، جن کا نام یہاں بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کا بیٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پوتا ہوا، ان کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام ہے، اور شان یہ ہے کہ سب صالحین ہیں۔ صالح اولاد والدین کے لئے باعثِ تسکین ہوتی ہے۔ والدین علم حقیقی رکھتے ہوں تو صالح اولاد ان کی ہر بات کو سند مانتی ہے، ورنہ خدمت کا حق ادا کرتی رہتی ہے۔

حاصل: صالح اولاد کے لئے اللہ سے دعا کرنی چاہیئے۔ صالحین کی قدر و منزلت باعثِ قربِ الٰہی ہوتی ہے۔

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَۚۙ (۷۳)

اور انہیں ہم نے امام ٹھہرایا، کہ ہمارے امر سے ہدایت دیں۔ اور انہیں بھلائی کے کاموں کے لئے، صلوٰۃ قائم کرنے کے لئے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے وحی فرمائی۔ اور وہ ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے لئے امام بنایا گیا تھا، تو آپ نے اپنی ذرّیت کے بارے میں بھی دعا کی تھی۔ جواب یہ ملا تھا، کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے پاک ہوں گے ان کی اطاعت کی سند موجود ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی امامت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے جو بھی فرمایا، وہ امرِ الٰہی سے فرمایا۔ بھلائی کے کاموں کا کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا یہ اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے کام ہیں اور یہ سب کام ان ائمہ نے علم الٰہی سے سرانجام دیئے۔ اللہ کی رضا کے علاوہ انہیں کچھ مطلوب تھا ہی نہیں۔ بھلائی کا کام اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے، اور مخلصین کے اتباع میں ان کی شہادت کے ساتھ ہوتا ہے۔ نماز تب قائم ہوتی ہے کہ نماز میں کیے گئے عہد پر قائم رہنا، بندے کا حال ہو جائے۔ زکوٰۃ تب ادا ہوتی ہے جب مال، اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہوئے حاصل کیا جائے اور اس میں سے حکم الٰہی کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے۔ جیسے حرام پر تکبیر پڑھنے سے وہ حلال نہیں ہو جاتا، ایسے ہی حرام مال سے زکوٰۃ دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

**حاصل:** حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی امامت کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ بھلائی کے کام، نماز اور زکوٰۃ جاری رہیں تو اللہ کی بندگی ہو رہی ہے۔

وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَۙ (۷۴)

اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا، اور انہیں اس قریئے سے نجات دی جو خبیث عمل کرتے تھے۔ بے شک وہ لوگ بڑے فاسق تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو حکمت اور علم سے نوازا گیا۔ انسانوں کی بھلائی کے لئے یہ بے بدل عطا ہے۔ لوگ جزا کا یقین رکھتے ہوں تو انہیں اصلاح حال مطلوب ہوتی ہے، غفلت میں پڑے ہوں تو بھلائی کے کام ان کے نزدیک غیر اہم ہوتے ہیں۔ یہ قوم جس کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا، خبیث عمل کرتی تھی۔ عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس شہوت کے لئے جانا ان کو پسند تھا۔ ان سے قبل یہ برائی کسی نے نہیں کی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس برائی سے منع کیا، تو کہنے لگے: یہ پاکیزگی چاہنے والے لوگ ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیا جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اس بستی سے نجات دی گئی، اور خبیث عمل کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یہ لوگ منافق تھے، فاسق تھے، حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے میں لگے رہتے تھے۔

**حاصل:** جس کی بات حکمت اور علم سے ہو، اس کی بات کو ادب سے مان لینا چاہئے۔ اس میں ماننے والے کی ہمیشہ بھلائی ہوتی ہے۔ خبیث اعمال سے بچنا لازم ہے۔ خواہشات کی پیروی کا نتیجہ گمراہی ہی ہوتا ہے۔

وَ اَدۡخَلۡنٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل فرمایا۔ بیشک وہ صالحین سے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمایا۔ اس دکھ کو نابود کردیا جو آپ کے لئے ناگوار تھا۔ ناپاک ماحول کا خاتمہ، اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے صالحین سے ہونے کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔

**حاصل:** اللہ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے۔ صالحین کو اللہ کی رحمت سے نوازا جاتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾ ج

اور نوح (علیہ السلام) کو اس سے قبل، جب آپ نے ہمیں ندا دی تو ہم نے آپ کی دعا قبول فرمائی، پھر آپ کو اور آپ کے اہل کو کربِ عظیم سے نجات دی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا، میں تمہیں ڈرسنانے والا ہوں، اور مجھے خوف ہے کہ اگر تم نے حق کو نہ مانا تو تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا۔ قوم کے سرداروں نے یہ جواب دیا کہ ہم تو آپ کو اپنے جیسا بشر ہی دیکھتے ہیں، اور ہمارے دیکھنے میں ہمارے رذیل ہی آپ کا اتباع کرتے ہیں، اور ہم آپ کی اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہمیں ظن ہے کہ آپ کاذب ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک حق کو بطریق احسن ادا کیا، تو قوم نے یہی کہا: آپ ہم سے جھگڑے ہیں اور بہت ہی جھگڑے ہیں، تو لے آیئے وہ عذاب جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں، یہی آپ کی صداقت کا ثبوت ہوگا۔ عذابِ الٰہی نے قوم نوح کو غرق کردیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی گئی اور آپ کو اور آپ کے اہل کو اللہ نے بڑے کرب سے نجات دی۔ قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کی صداقت کو اس وقت تسلیم کیا، جب حق کو تسلیم کرنے کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی تھی۔

**حاصل:** اللہ ہی دکھ سے نجات دینے والا ہے۔ اس لئے حق کی ادائیگی کے بعد اللہ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں دکھ سے نجات دے اور سکھ عطا فرمائے۔

وَ نَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۷۷﴾

اور ہم نے آپ کو اس قوم پر نصرت دی جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ بے شک وہ بری قوم تھی، تو ہم نے ان سب کو غرق کردیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی تھی۔ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتی تھی۔ انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علم کو یہ قوم مانتی تھی اور اللہ کے علم کو جھٹلاتی تھی، اس لئے یہ قوم بُری تھی۔ جس قوم میں یہ صفت بڑھ رہی ہو وہ قوم بری ہی ہوتی ہے۔ اللہ اپنے علم سے برائی کو دور کرتا ہے۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ اس نے قومِ نوح کی برائی کو دور کرنے کے لئے زمین کو دھو کر پاک کرنا پسند کیا، اس لئے قومِ نوح کو غرق کر دیا گیا۔

**حاصل:** جسے اللہ نصرت دے، اس کے مقابل کوئی اجتماع، کوئی سامان کیا معنی رکھتا ہے۔ حق کو چھوڑ کر خلافِ حق کرنے کو جو لوگ معمول بنا لیتے ہیں وہ بُرے لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ بُرائی کو جس طرح چاہے دور کر دیتا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾

اور داوٗد (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام)، جب کھیتی کے جھگڑے میں فیصلہ کر رہے تھے، جب رات میں اس کو ایک قوم کی بکریاں اجاڑ گئیں، اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے۔

حضرت داوٗد علیہ السلام بادشاہ بھی تھے، صاحبِ کتاب نبی بھی تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے صاحب زادے تھے۔ بادشاہی بھی اللہ نے دی تھی، نبوت بھی عطا فرمائی تھی۔ عدالت کارِ سلطنت میں اہم ترین کام ہوتا ہے، کہ افراد کے مابین تعلقات صرف حق کے حوالے سے ہی ٹھیک رکھے جا سکتے ہیں۔ ایک فیصلہ طلب معاملہ آپ حضرات کے سامنے پیش کیا گیا۔ ایک قوم کی بکریوں نے ایک شخص کی کھیتی کو اجاڑ دیا تھا۔ کھیتی والے کو کیا دیا جائے اور بکریوں والا کیا دے، یہ فیصلہ طلب بات تھی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جانوروں کو سنبھالنے والے نے جان بوجھ کر کسی کے کھیت کو اجاڑا ہے، تو سزا سخت ہوتی ہے، اور اگر شواہد سے چرواہوں کی بدنیتی کا ثبوت نہ ملے تو سزا سخت نہیں ہوتی۔ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والے اپنی صلاحیتوں کا بہترین استعمال کرتے ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ دینے والے کے پاس متاعِ حیات کیا ہے اور وہ سزا پانے کے بعد کس مقام پر ہوگا، جس کا نقصان ہوا ہے اس کے پاس متاعِ حیات کیا ہے اور وہ تلافی کے بعد کس مقام پر ہوگا۔ معیشت میں کسی کو اضطرار کے مقام پر لے جانا پاک لوگوں کی شان کے خلاف ہوتا ہے۔

**حاصل:** علم الٰہی کی شان بہت ارفع ہے۔ عدالت کارِ سلطنت میں اہم ترین کام ہوتا ہے۔ فیصلہ کرنے والے کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾

اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو اس کا فہم بخشا، اور دونوں کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم نے داوٗد (علیہ السلام) کی معیت میں پہاڑ مسخر کر دیئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے۔ اور ہم ہی کرنے والے تھے۔

کھیتی کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام کو سپرد کیا گیا۔ اللہ نے آپ کو اس کا فہم دیا۔ آپ نے علم الٰہی کی روشنی

میں فیصلہ کیا، اس لئے وہی بہترین فیصلہ تھا۔ کھیتی والے کو بھی بکریوں کی صورت میں ایک ذریعہ معاش مل گیا اور بکریوں والے کو بھی کھیتی کے اس مقام تک آنے میں محنت کرنا پڑی جس مقام پر اسے اجاڑ آگیا تھا۔ حکمت اور علم اللہ عطا فرماتا ہے، اور اس عطا کو بے بہا کہنا چاہئے۔
حضرت داؤد علیہ السلام اس قدر سوزِ دل سے تسبیح کرتے تھے کہ پہاڑ بھی ان کے ہم نوا ہوتے تھے اور پرندے بھی ان کی آواز میں اپنی آواز ملاتے تھے۔ اللہ نے سب کچھ بندے کے لئے بنایا ہے اور بندے کو اپنے لئے بنایا ہے۔ بندہ اللہ کی تسبیح کرے جیسے کرنے کا حق ہے، تو اسے پورا ماحول ہم نوائی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

**حاصل:** فیصلہ کرتے وقت اللہ سے دعا کرنی چاہئے: یا اللہ اپنے فضل سے وہ فہم دے، کہ فیصلہ درست ہو۔ حکمت اور علم کو عطائے بے بہا کہنا چاہئے، اور ان کی قدر کرنی چاہئے۔ سوزِ دل سے تسبیح کی جائے تو پورا ماحول ہم نوائی کرتا نظر آتا ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور ہم نے آپ کو تمہارے ایک لباس کی صنعت کا علم دیا، کہ لڑائی میں تمہارے بچاؤ کے کام آئے، تو کیا تم شکر کرتے ہو۔

لڑائی کے وقت ذاتی حفاظت کا ایک حد تک اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہیں بنائیں، جن کا وزن بھی زیادہ نہ تھا کہ ان کے اٹھانے میں مشقت ہو، پہننا اتارنا بھی آسان تھا اور دشمن کے مقابل تیاری کا احساس بھی ہوتا تھا۔ سامانِ حرب میں لڑنے والوں کی ذاتی سلامتی کا تقاضا وقت کے ساتھ کسی حد تک بدل بھی جائے تو بھی اس کی اہمیت قائم رہے گی۔ اور ہر فرد جس کو بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت داؤد علیہ السلام کے علم سے فائدہ پہنچے اسے شکریہ ادا کرنا چاہئے، آپ کا بھی اور آپ کے اللہ کا بھی جس کا کوئی شریک نہیں۔

**حاصل:** سامانِ حرب میں لڑنے والوں کی ذاتی سلامتی سے تعلق رکھنے والی اشیاء یقیناً اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کا استعمال کرتے وقت حضرت داؤد علیہ السلام پر سلام بھیجنا چاہئے اور اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تیز ہوا مسخر کر دی، کہ آپ کے امر سے چلتی، اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی۔ اور ہمیں ہر شے کا علم ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تیز ہوا کو مسخر کر دیا گیا۔ آپ اس ہوا سے حسبِ منشا کام لے سکتے تھے۔ آپ اس ہوا کو سفری ضرورتوں کے لئے استعمال کرتے تھے، اس طرح آپ کا وقت امورِ سلطنت میں زیادہ کام آتا تھا۔ ایک بڑی حکومت کے لئے نظم وضبط قائم رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ آپ کو اپنے مرکز سے مختلف علاقوں میں جانا اور آنا پڑتا تھا۔ آپ نے اللہ کی عطا کا استعمال، اللہ کی رضا کے مطابق کیا۔ اگر یہ یقین قائم رہے کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے تو پھر ہر شے کا استعمال حق کے حوالے سے ہوتا ہے۔

**حاصل:** اللہ کی عطا کو، اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے تو اس میں یقیناً اللہ کی مخلوق کی بھلائی ہوتی ہے۔

اگر ہم مانتے ہیں کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے تو پھر کسی شے کو خلافِ حق استعمال کرنے کا مقام ہماری زندگی میں ہونا ہی نہیں چاہئے۔

وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور شیاطین جو ان کے لئے غوطہ لگاتے، اور اس کے علاوہ دوسرے عمل بھی کرتے، اور ہم ہی ان کی حفاظت کرتے تھے۔

شیاطین آگ سے پیدا کی گئی مخلوق ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کو مسخر کردیا گیا۔ آپ ان سے بہت سے کام لیتے تھے۔ غوطہ لگا کر سمندر سے مطلوبہ اشیاء کا نکالنا، عمارتیں بنانا، بڑے لگن بنانا اور جو کام بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے سونپا جائے اس کو ادب سے کرنا ان جنوں پر لازم تھا۔ ان جنوں کو اس دائرۂ ادب میں رکھنا اللہ کا کام تھا۔ اس طرح جس کو بھی اللہ نے کوئی شرف بخشا ہے، وہ اللہ کی مہربانی سے ہی اس سے فیض پاتا ہے۔

**حاصل:** اللہ کے عطا کردہ شرف کو بڑے ادب سے اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ جو چیزیں ہمارے کام آرہی ہیں یہ اللہ کی قدرت سے ہی ہمارے کام آرہی ہیں۔

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚ ﴿۸۳﴾

اور ایوب (علیہ السلام)، جب آپ نے اپنے رب کو ندا دی، کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے ارحم ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر مصائب و آلام کا مقام آیا، آپ نے صبر کیا۔ اللہ کے ساتھ رہے۔ اللہ نے آپ کے نعم العبد ہونے کی سند نازل فرمائی ہے، رجوع لانے کی سند نازل فرمائی ہے۔ تکلیف کو باذن اللہ جاننا حق ہے۔ اللہ کے اذن سے ہی وہ دور ہوتی ہے، اور اللہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ آپ نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا: مجھے تکلیف پہنچی ہے، تو سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے، اپنی رحمت سے میری تکلیف کو دور کردے۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ مصائب بھی باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔ تکلیف میں اللہ کو پکارنا اور اس سے رحم کی دعا کرنا حضرت ایوب علیہ السلام کی سنت ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

تو ہم نے آپ کی دعا قبول فرمائی، پھر ہم نے آپ کی تکلیف کو دور کردیا، اور ہم نے اپنی رحمت سے آپ کو اہل اور ان کے ساتھ ان کی مثل اور عطا فرمائے اور عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا سے تکلیف دور کردی گئی۔ اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا۔ آپ کو اہل و عیال بھی عطا ہوئے، اور پہلے

سے زیادہ عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ دینے کی قدرت رکھتا ہے، لینے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت یہ ہے، کہ مصائب کو باذن اللہ جانتے ہوئے اپنا حق ادا کرتے رہیں۔ جو لوگ مصائب کے مقام پر اللہ کی مخلوق کے ساتھ پورے رہتے ہیں، ان پر انعامات کی بارش ہوتی ہے۔ انہیں وہ بھی عطا ہوتا ہے جو پہلے ان کے پاس تھا، اور وہ بھی عطا ہوتا ہے جو پہلے ان کے پاس نہیں تھا۔

**حاصل:** تکلیف میں اللہ سے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ کی رحمت شاملِ حال ہو تو دکھ دور ہوتا ہے۔ مقامِ صبر پر پورا رہنے والے کا حال دوسروں کے لئے باعثِ نصیحت ہوتا ہے۔ صابر کو وہ بھی عطا ہوتا ہے جو دکھ سے پہلے اس کے پاس تھا، اور وہ بھی عطا ہوتا ہے جو پہلے اس کے پاس نہیں تھا۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور اسمٰعیل (علیہ السلام) اور ادریس (علیہ السلام) اور ذوالکفل (علیہ السلام)۔ سب صابر تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے ذکرِ خیر کے ساتھ، تین صابرین کے اسماء گرامی لئے گئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام، یہ سب صابر تھے۔ ان حضرات نے مصائب وآلام کو باذن اللہ جانتے ہوئے، اللہ کی مخلوق کے ساتھ اپنے حقوق کو بطریق احسن ادا کیا۔ وہ تمام روایات جو ان حضرات کے بارے میں بیان ہوں، اسی صورت میں درست ہوں گی جب ان حضرات کے صبر کا ذکر لوگوں کے لئے باعثِ نصیحت ہوگا۔

**حاصل:** صبر کے مقام پر پورے رہنے والے حضرات سے ہی مشکل مقامات پر پورا رہنے کا علم حاصل ہوتا ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمایا۔ بے شک وہ صالحین سے ہیں۔

جو صبر میں پورا ثابت ہو جائے، اسے رحمتِ الٰہی میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اصلاح کے طالب اس سے اصلاح لیتے ہیں۔ اصلاحِ حال کرنے کا حق اسی کو ہوتا ہے، جس کے قول وفعل کے درست ہونے کی سند موجود ہو۔ صالح سے محبت نہ ہو تو اس کے نقشِ قدم کو اختیار کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا، اصلاح تو بعد کی بات ہے۔

**حاصل:** صبر میں پورا رہنا باعث رحمتِ خداوندی ہوتا ہے۔ صالحین کا ادب ہو، ان سے محبت ہو تو ان کے علم سے استفادہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور ذوالنون (علیہ السلام) جب غضب میں بھرے چلے، تو گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ رکھیں گے، پھر ظلمات میں ندا دی، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تجھے پاکی ہے، بے شک میں قصوروار ہوں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو حق سنایا۔قوم نے ماننے سے انکار کیا، اور انکار کی حد کر دی۔آپ نے قوم کی حالت کو دیکھتے ہوئے، ان سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔عذابِ الٰہی کے آنے کی خبر تو دی جاچکی تھی۔جن لوگوں کو حضرت یونس علیہ السلام کی معیت کی بدولت نجات ملنی تھی، اور جن لوگوں کو آپ کے فرمان کی خلاف ورزی کی سزا ملنی تھی، وہ دونوں قسمیں موجود تھیں۔آپ نے شاہد کی حیثیت سے بشارت وانذار کا حق ادا کیا تھا۔عذابِ الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے امرِ الٰہی آتا ہے کہ اس جگہ عذاب آنے والا ہے، شاہد اپنے ایمان والے ساتھیوں کو لے کر یہاں سے چلے جائیں۔حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا کہ اتمامِ حجت ہو ہی چکا ہے۔یہ علم بھی تھا کہ ابھی یہاں سے جانے کا حکم نہیں ملا۔خیال آیا کہ اس بات پر گرفت نہیں ہوگی۔حق کے انکار کو سنتے سنتے آپ کی کیفیت بڑے غصے کی تھی۔آپ اس بستی سے نکلے، کشتی پر سوار ہوئے۔کشتی میں مسافر زیادہ تھے، آپ نے اجتماعی بھلائی کو ذاتی سکھ پر ترجیح دی، اور کشتی سے پانی میں اتر گئے۔ حکمِ الٰہی کے مطابق مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔مچھلی کے پیٹ میں، انتہائی ظلمات میں آپ نے پکارا: اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں قصوروار ہوں۔قصوروار ہونے کا اعتراف کیا جائے تو تعلق مع اللہ میں ایک شان پیدا ہوتی ہے۔

**حاصل:** امیر المومنین کو مومنین کی قیادت میں ایک ایک رکن کا دھیان رکھنا چاہئے۔تکلیف میں اس آیت پاک کا پڑھنا، باعثِ فضلِ الٰہی ہوتا ہے۔قصور ہو تو قصور کا اعتراف کرنا، پاک لوگوں کی سنت ہے۔کراہت برائی سے ہو، بروں سے نہ ہو۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

تو ہم نے آپ کی پکار سن لی، اور آپ کو غم سے نجات دی۔اور ہم مومنین کو ایسے ہی نجات دیتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا سنی گئی۔اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ آپ کو کنارے پر ڈال دے۔کدو کی بیل سے آپ کو سایہ فراہم کیا گیا۔اللہ نے وہ مدد دی جو کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں۔غم یہ تھا کہ میری کوتاہی سے اللہ ناراض ہے۔جس کا مقصد اللہ کی رضا ہو، اسے اس کے علاوہ غم ہو بھی کیا سکتا ہے۔مومنین سے بھول ہو جائے، وہ قصور کا اعتراف کریں تو اللہ انہیں غم سے نجات دے دیتا ہے۔

**حاصل:** اللہ کی رضا کو مقصود جاننا حق ہے۔کوتاہی ہو جائے تو احساس ہوتے ہی اس کا اعتراف کرنا چاہئے، اور غم سے نجات کی دعا کرنی چاہئے۔اللہ مومنین کو غم سے نجات دینے والا ہے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور زکریا (علیہ السلام) کہ جب انہوں نے اپنے رب کو ندا دی، اے میرے رب مجھے فرد ہی نہ رکھیو، اور سب سے بہتر وارث تو تو ہی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں یہ دعا کی: اے میرے رب مجھ کو فرد ہی نہ رکھیو۔بہترین وارث تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔تو جس سے جو کام لینا چاہے، لے سکتا ہے۔وہ علم جو تو نے مجھے عطا فرمایا ہے، اس کو جاری رکھنے والا بھی تو ہی عطا کر سکتا ہے۔آلِ یعقوب کی پاک روایات کو جاری رکھنا بھی تیرے نزدیک پسندیدہ بات ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ تو اس وارث سے راضی ہو۔ایسا وارث تو ہی عطا کر سکتا ہے۔اے میرے رب تو نہ ہونے کو ہونا بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔

حاصل: صالح اولاد کے لئے دعا کرنے کی طریقت یہی ہے۔ خلوت وجلوت میں پاک رہنے والے کے لئے اس سے بہتر کوئی دعا نہیں ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

تو ہم نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو یحییٰ (علیہ السلام) عطا فرمائے، اور آپ کی زوجہ کو درست کردیا۔ بے شک وہ بھلائی کے کاموں میں سرعت کرتے تھے، اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے گڑ گڑاتے تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا گیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ جو سن رسیدہ تھیں، بانجھ تھیں، اللہ کے فضل سے اس مقام پر آگئیں جو کسی خاتون کے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت کے حوالے سے ضروری ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ کو بھی جو دینا تھا، دیا۔ بیٹے کی بشارت دی گئی، نام بھی بتایا گیا، اور یہ بھی فرمایا گیا کہ اس نام کا اس سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے۔ بھلائی کے کام اللہ کی رضا کے لئے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کو رغبت اور خوف سے پکارتے تھے۔ رغبت، اللہ سے محبت کی بدولت ہوتی ہے۔ خوف قُربِ الٰہی کا ثبوت ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کے خلاف نادانستہ بھی کوئی عمل نہ ہوجائے۔ مگر یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اظہار عاجزی کی یہی صورت ہے۔ یہ ماننا کہ اللہ کے پاک بندے جس طرح مقام صبر پر پورے رہے ہیں، جس طرح مقام شکر پر پورے رہے ہیں، میں اس مقام پر کماحقہٗ حق کو ادا نہیں کرسکا، اظہار عاجزی ہے۔

حاصل: اللہ دعا قبول فرمالے تو اسے نہ ہونے کا ہونا بنانے میں دیر نہیں لگتی۔ عنوان فوراً رکھ دیا جاتا ہے، تصرف وقت پر ہوتا ہے۔ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنا، اللہ کو رغبت اور خوف سے پکارنا اور اللہ کے حضور اظہار عاجزی کرنا، یہ پاک لوگوں کا طریق زندگی ہے۔

وَالَّتِىْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور اس پاک بی بی کو جس نے اپنی پارسائی کا دھیان رکھا، تو ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونکا، اور آپ کو اور آپ کے بیٹے کو عالمین کے لئے نشانی ٹھہرایا۔

یہ پاک بی بی حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ آپ کے بارے میں اللہ نے شہادت دی ہے کہ انہوں نے اپنی پارسائی کا دھیان رکھا۔ خلوت میں فرشتہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو بی بی نے فرمایا: اگر تو متقی ہے تو میں تجھ سے الرحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ فرشتے نے جواب دیا: میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں، کہ آپ کو اللہ کی طرف سے پاک بیٹا عطا کروں۔ تو آپ اس پھونک کی بدولت جو امر الٰہی کے تحت تھی حاملہ ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کو اور ان کے بیٹے کو عالمین کے لئے نشانی ٹھہرایا جائے۔ بچے نے پالنے میں یہ فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی ٹھہرایا ہے۔ اللہ کی قدرت کی یہ نشانی اس سے پہلے کبھی

دیکھی نہیں گئی تھی۔ آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا کیے گئے۔ حضرت بی بی حوا علیہا السلام بغیر ماں کے پیدا کی گئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا کیے گئے۔ قدرت الٰہی کی شان تمام مقامات پر روشن ہوگئی۔

حاصل: پاک بیبیوں کی شان، اپنی پارسائی کا دھیان رکھنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بندے کو اپنے رب کے قریب ہونے میں مدد دیتی ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾

بے شک یہ تمہاری امت، امت واحد ہے، اور میں تمہارا رب ہوں، تو میری عبادت کرو۔

حق اللہ کا نازل فرمایا ہوا ہے، اور ایک ہے۔ ماضی میں جو فرمایا گیا تھا، وہ حال کی تصدیق کرتا ہے۔ اور حال پر جو سند ہے وہ ماضی کی تصدیق کرتا ہے۔ ماننے والوں پر لازم ہے، کہ وہ حال پر فرمانِ خداوندی کو مانیں اور جو اس سے قبل نازل فرمایا گیا ہے اس کو بھی مانیں اور آخرت کا یقین رکھیں۔ اس طرح تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کا منشاء بندوں کو اللہ سے واصل کرنا ہے، انہیں عبادتِ الٰہی کی تعلیم دینا ہے۔ اگر توحید پر ایمان کا دعویٰ ہو تو پھر مخلوق کے ساتھ معاملہ اللہ کی رضا کے مطابق ہونا چاہئے، ورنہ یہ دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوگا۔

حاصل: انبیاء کرام کی تعلیمات کا منشاء بندوں کو اپنے رب کی بندگی کی راہ دکھانا ہے۔ حق کو ماننے والے امتِ واحد ہیں۔

وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ ع

اور انہوں نے اپنے مابین امر کو قطع کر دیا۔ سب کو ہماری ہی طرف مراجعت کرنی ہے۔

فرمانِ خداوندی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی بات علم مطلق سے ہوتی ہے۔ جس حال پر حق کو نازل فرمایا گیا ہے، اس حال پر حق کو ماننے کے لئے شاہد کو بھی بھیجا گیا ہے، کہ اللہ کا حکم اس کے شاہد کے حوالے سے ہی مانا جا سکتا ہے۔ اگر اس صورت کو ملحوظ رکھا جاتا تو امت کو ٹکڑوں میں تقسیم نہیں ہونا چاہئے تھا۔ جب حکمِ الٰہی کو شاہد کے حوالے سے ماننے کی بجائے اپنی سمجھ سے جاننے اور ماننے کی کوشش ہوگی تو پھر ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے عمل کو روکنا ممکن نہیں ہوگا۔ جانا تو اسی خالقِ کُل کی طرف ہے، جس کی طرف سے آنا ہوا ہے۔ پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

حاصل: حکمِ الٰہی کا ماننا شاہد کے اتباع سے سچا ثابت ہوتا ہے، ورنہ ٹکڑوں میں بٹنے کا عمل ختم نہیں ہو سکتا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اس کی طرف جانے کے لئے تیاری بھی کرنی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (١٦) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾

تو جو کوئی صالح عمل کرے اور ہو مومن تو اس کی سعی کی نفی نہ کی جائے گی۔ اور بیشک ہم اسے لکھ لیتے ہیں۔

مومن کے نو مقامات ہیں۔ توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، روزہ رکھنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، معروف کا امر کرنا، برائی سے منع کرنا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنا۔ جو ان مقامات پر پورا ثابت ہو جائے، اسے رضائے الٰہی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو عمل مخلوق کی بھلائی کے لئے ہو مگر اس میں اللہ کی رضا مقصود نہ ہو، وہ جس غرض و غایت کے لئے کیا جاتا ہے وہی اس کی جزا ہوتی ہے۔ ایسا عمل بے حقیقت ہوتا ہے۔ مومن کا ہر عمل باحقیقت ہوتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اسے رحمتِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے۔

**حاصل:** مومن کے نو مقامات ہیں۔ اس کی سعی عند اللہ مقبول ہوتی ہے، لکھی جاتی ہے، دنیا و آخرت میں اس کا بھلا ہوتا ہے۔

**وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾**

اور حرام ہے اس قریئے پر جس کے لئے ہم نے ہلاکت مُقدّر کر رکھی ہے کہ وہ رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے، اتمامِ حجت کے بعد کیا ہے۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ جس بستی کے لئے ہلاکت مقدر کر دی گئی ہو، وہ اصلاح کی طرف نہیں آیا کرتی۔ مخلص وہی کرتے ہیں جو اللہ کی رضا کے حوالے سے انہیں کرنا چاہئے، اور اس وقت تک کرتے ہیں جس وقت تک انہیں ہلاک ہونے والوں سے الگ ہو جانے کا حکم نہیں مل جاتا۔

**حاصل:** اللہ سے بڑا اتمامِ حجت کرنے والا کوئی نہیں۔ جس کی ہلاکت مقدر ہو چکی ہو، اس کا رجوع الی اللہ ہونا ناممکن ہے۔

**حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾**

حتیٰ کہ یاجوج اور ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے۔

حضرت ذوالقرنین نے جب دیوار بنائی تھی جس کا منشاء یاجوج اور ماجوج کو ایک جگہ کے اندر بند کرنا تھا، تب آپ نے فرمایا تھا: کہ یہ جو کچھ میں نے کیا ہے، میرے رب کی رحمت سے ہوا ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا، وہ اس کو پاش پاش کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ حق ہے۔ جس دن یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا، یہ سیلاب کی طرح بہہ نکلیں گے۔ اس وقت اگر کوئی حق کی طرف رجوع کرے گا تو اس کا ایمان لانا اسے نفع نہ دے گا، کہ ایمان کے دعوے کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت کرنا ممکن نہ ہوگا۔

**حاصل:** یاجوج اور ماجوج کا کھولا جانا اور ہر بلندی سے ان کا پل پڑنا، قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس وقت کسی کا رجوع الی اللہ ہونا اسے نفع نہ دے گا۔

**وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾**

اور وعدۂ حق قریب آیا تو منکرینِ حق کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ہائے خرابی ہماری، بیشک ہم اس سے غفلت میں تھے، بلکہ ہم ظالم تھے۔

عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہوجائے گی، تو جزا کا مقام آئے گا۔ یہ وعدہ حق ہے۔ جب یہ مقام لوگوں کو نظر آئے گا، تو حق کے ماننے والوں پر خوف وحزن نہیں ہوگا۔ منکرین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ جس بات کے انکار پر انہوں نے اپنے نظامِ حیات کو استوار کیا تھا، وہ بات ناقابلِ تردید حق کی صورت میں نظر آرہی ہوگی۔ تب منکرینِ حق پکاریں گے: ہائے خرابی ہماری! ہم جزا کے دن سے غفلت میں رہے۔ معاً خیال آئے گا کہ انبیاء کرام نے تو یہ سب واضح کر دیا تھا، ہم ہی نہیں مانتے تھے۔ حق کے خلاف کرنے میں ہماری استطاعت اور استعداد پورے شعور کے ساتھ استعمال ہوئی، ہم یقیناً ظالم تھے۔

**حاصل:** غفلت اور ظلم کا انجام پچھتاوا ہوتا ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا، اور جزا کے یقین کے بغیر اصلاحِ حال ممکن نہیں۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

بے شک تم اور جو اللہ کے مقابل تم پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن ہو، تمہیں اس میں وارد ہونا ہے۔

جس عبد کا معبود، اللہ کے مقابل کوئی اور ہے، وہ عبد جہنم میں وارد ہوگا۔ اس کا معبود، جسے اس نے اپنی تجویز سے بنایا ہوگا، وہ بھی اس کے ساتھ ہوگا۔ اس طرح اس آگ کا ایندھن، منکرین حق ہوں گے اور پتھر ہوں گے۔ جو لوگ اللہ کے مکرم بندوں کو خدا ٹھہراتے ہیں، وہ مکرم بندوں کی پاک صفات سے عدم تعلق کی بدولت جھوٹے ثابت ہوجائیں گے۔ اللہ کے مکرم بندے تو یہی کہتے ہیں: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی بندگی کرو۔ ظلمات سے نور کی طرف آؤ گے تو خوف وحزن سے نجات پاجاؤ گے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرو گے تو اللہ کی راہ سے بہک جاؤ گے۔ منکرین حق اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ کے کسی پاک بندے کی پیروی کی جائے تو خواہشات کی پیروی ممکن ہی نہیں ہوتی۔

**حاصل:** منکرینِ حق مع اپنی تجاویز کے جہنم میں وارد ہوں گے۔ اس طرح اس آگ کا ایندھن، منکرینِ حق اور پتھر ہوں گے۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

اگر یہ سب معبود ہوتے، تو جہنم میں ان کا ورود نہ ہوتا۔ اور ان سب کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

وہ عابد جو خلافِ حق کرتا ہوا جہنم میں پہنچا ہے، اپنے اعمال کی جزا پائے گا۔ اس کا معبود جو اس کی پسند کے مطابق بنایا گیا تھا، اور جس کے بارے میں عابد نے یہ تصور قائم کر رکھا تھا کہ فیصلہ کرنے والی قوت یہی ہے، جہنم میں اس کا ڈالا جانا اس کی حقیقت کو واضح کر دے گا۔ اور یہ جھوٹے معبود تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

**حاصل:** معبود کی شان یہ ہے، کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

وہ اس میں چلائیں گے اور کچھ نہ سنیں گے۔

جہنم میں جلنے والے چلائیں گے، اور وہ چلانا شدتِ عذاب کی وجہ سے ہوگا، اس لئے انہیں اپنی پڑی ہوگی، وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔ دکھ کا احاطہ اتنا شدید ہوگا کہ کچھ سننا ان کے لئے ممکن ہی نہ ہوگا۔

حاصل: جہنم میں شدتِ عذاب سے جہنمی چلائیں گے۔ دکھ کا احاطہ اتنا شدید ہوگا کہ وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡہَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

بیشک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اچھے انجام کا وعدہ ہو چکا ہے، وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔

جو لوگ حق کو سنتے ہیں، اس کو مانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا احسن اتباع کرتے ہیں انہیں ان کے اچھے انجام کی بشارت حیاتِ دنیا میں دی جاتی ہے، جزا کے دن وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ شعور کے ساتھ جو بھلائی کے رخ پر رہے، اس کا انجام اچھا ہوگا۔ خلافِ حق کرنے سے بچنے والے لوگوں کو اس مقام سے دور رکھا جائے گا، جہاں خلاف حق کرنے والوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

حاصل: اللہ کی رضا کو مقصود جاننے والوں کا انجام اچھا ہوگا۔ جن کا انجام اچھا ہوگا، انہیں دوزخ سے دور رکھا جائیگا۔

لَا یَسۡمَعُوۡنَ حَسِیۡسَہَا ۚ وَ ہُمۡ فِیۡ مَا اشۡتَہَتۡ اَنۡفُسُہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ۚ

وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے۔ اور وہ اپنے من بھاتے سکھ میں ہمیشہ رہیں گے۔

دوزخ سے دور رکھنے کا منشاء روشن فرمایا گیا ہے، کہ پاک لوگوں کو دوزخ کی آہٹ بھی سنائی نہ دے گی، اور وہ جو چاہیں گے وہی پائیں گے۔ جو اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیتا ہے، اسے دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ چیزیں اس کی طالب ہو جاتی ہیں، وہ مطلوب ہو جاتا ہے۔ اس طرح جو سکھ ملتا ہے، اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے بیان میں وہ کب آ سکتا ہے۔

حاصل: جن صاحبان کا انجام اچھا ہوگا، وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے۔ انہیں ایسا سکھ ملے گا جس سے وہ کبھی نہیں اکتائیں گے۔

لَا یَحۡزُنُہُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ وَ تَتَلَقّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ؕ ہٰذَا یَوۡمُکُمُ الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

انہیں وہ بڑی گھبراہٹ حزن میں نہ ڈالے گی، اور ملائکہ ان کا خیر مقدم کریں گے۔ آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

نفخۂ ثانیہ کے ساتھ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کافروں کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہوگا۔ جن کی پوری زندگی جزا کے انکار کے ساتھ گزری ہوگی، وہ قیامت کے دن سخت گھبراہٹ میں ہوں گے۔ آخرت پر یقین رکھنے والوں کو اس دن گھبراہٹ نہ ہوگی۔ ملائکہ ان کی پیشوائی کے لئے موجود ہوں گے، اور انہیں فلاح کی مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے، یہ ہے جزا کا دن۔ اسی دن کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ آج ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

حاصل: جزا کے دن آخرت کا یقین رکھنے والے حزن وملال سے بچے رہیں گے۔ ملائکہ ان کا خیر مقدم کریں گے۔ ان کو فلاح پانے پر مبارک دیں گے۔ منکرین حق کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہوگا۔

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

جس دن ہم آسمان کو لپیٹیں گے جیسے اوراق کو طومار میں لپیٹتے ہیں۔ جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی اس کا اعادہ کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے۔ بے شک ہم یہ کرنے والے ہیں۔

آسمان کو جس منشاء کے لئے بنایا گیا ہے، اس کے پورا ہو جانے کے بعد حکمِ الٰہی کے مطابق اس کو لپیٹ دیا جائے گا جیسے اوراق کو طومار میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے انسان کو پہلے خلق فرمایا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور یہ پورا ہو کر رہے گا۔ پھر اس کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ انسان کو اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو پہچاننا چاہئے۔

حاصل: جیسے ہمارے لئے کاغذات کو لپیٹ کر طومار میں رکھنا آسان ہے، اللہ کی قدرت کے حوالے سے اللہ کے لئے آسمان کو لپیٹ کر رکھ دینا اسی طرح آسان ہے۔ انسان کو پہلے بھی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، تخلیق کا اعادہ بھی اسی سے ہوگا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھا کہ اس زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔

حال پر جو توفیق دی گئی ہے اس کا منشاء یہ دیکھنا ہے کہ کون اس کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرتا ہے، کون رضائے الٰہی کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ جو یہاں پاک رہیں گے، وہ متقی ہیں، اور عاقبت متقین کے لئے ہی ہے۔ حال پر اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام بھی ممکن ہے، عدم احترام بھی ممکن ہے۔ اس لئے حال پر وسعت مال اور وراثت زمین کسی کی پاکیزگی کا ثبوت نہیں بن سکتی۔ جو اللہ کے فرمان کو مان لے جیسے ماننے کا حق ہے، وہ دائمی انعام پائے گا۔ جنت دائمی راحت کا مقام ہے۔

حاصل: توفیق یہ دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے کہ اس کا استعمال کیسے کیا جاتا ہے۔ انعام، صداقت کے ثبوت کے بعد دیا جاتا ہے۔

اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ ؕ

بے شک اس مقام کو عابد لوگ ہی پاتے ہیں۔

جو حق کو مان لے، نصیحت کرنے والے کی قدر کرے اور اپنے منشاءِ حیات پر نظر رکھے، وہ ہمہ وقت اللہ کی بندگی میں راحت پاتا ہے۔ ایسے لوگوں سے سب کو سکھ ملتا ہے۔ ان کا اختیار، ان کا اقتدار قطعاً رضائے الٰہی کے مطابق استعمال ہوتا ہے۔ دائمی پاک دامنی والے ہی اس مقام کو پاتے ہیں۔

حاصل: دائمی پاک دامنی والے یہاں بھی شان والے ہیں، آخرت میں بھی شان والے ہوں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے تو آپ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ کی یہ رحمت اتنی وسعت رکھتی ہے کہ سارے عالمین کے لئے پوری ہے۔ استفادہ وہی کر سکتے ہیں جو رحمۃ اللعالمین کی نصیحت کو غور سے سنیں، ادب سے اس پر تدبر کریں اور محبت سے اپنی تسلیم کو سچا ثابت کریں۔ جو اس رحمتِ الٰہی سے فائدہ نہ اٹھائے، وہ خود اس رحمت سے دور رہنے کی سعی کر رہا ہوتا ہے، اللہ کی رحمت اس سے دور نہیں ہوتی۔ اسوۂ رسول جن حضرات کا حال ہے، ان کے اتباع سے یہ ثابت ہوگا کہ ہم رحمۃ اللعالمین کی معیت کے طالب ہیں۔

**حاصل:** رحمتِ الٰہی کی طلب ہو تو رحمۃ اللعالمین کی حضوری نصیب ہوتی ہے۔

قُلۡ اِنَّمَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

فرما دیجئے مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ تمہارا معبود الٰہٌ وّاحد ہے۔ تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ سب لوگ آگاہ رہیں کہ ان کا معبود صرف اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ان کا خالق ہے، وہی ان کا مالک ہے، وہی ان کو ان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ جو دنیا و آخرت میں بھلائی چاہتا ہو، اس کو رحمۃ اللعالمین کی اطاعت کرنی چاہئے۔ یہی صورت ہے حیاتِ دنیا میں خوف و حزن سے بچاؤ کی اور یہی صورت ہے اپنی صداقت کا ثبوت دینے کی۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا ہے، کیا تم مسلمان ہوتے ہو۔ اس سے روشن ہوا، رحمۃ اللعالمین کو لوگوں کے مسلمان ہونے کا انتظار ہے۔

**حاصل:** رحمۃ اللعالمین کا فرمان ہے کہ ہمارا معبود اللہ ہے، جسکا کوئی شریک نہیں۔ آپ کو لوگوں کے مسلمان ہونے کا انتظار ہے۔ جب یہ آیت پڑھی جائے تو جواب میں ادب سے یہ کہنا چاہئے، 'حضور میں مسلمان ہوتا ہوں'۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ‌ؕ وَاِنۡ اَدۡرِىۡۤ اَقَرِيۡبٌ اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

تو اگر پھر جائیں، تو فرما دیجئے، میں نے تمہیں برابر خبر دی اور میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا بعید ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

اگر لوگ مسلمان ہونے کی بجائے حق سے منہ موڑ لیں، تو حکم یہی ہے کہ انہیں یہ بتا دیا جائے کہ شعور کے ساتھ بھلائی کا رخ اختیار کرنے والوں کو ان کے انجام کی بشارت دی گئی ہے اور شعور کے ساتھ برائی کا رخ اختیار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ ہر ایک کو اس کی سعی کے مطابق جزا ملے گی۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہونے میں کتنی دیر ہے، اس کے جاننے کی ضرورت نہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، کہ اس نے اپنے علم سے اتمامِ حجت کرنی ہے۔ پھر کوئی اس کی گرفت سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے۔

**حاصل:** بشارت و انذار کا حق ادا کرنا بھی شانِ رسالت ہے۔ اللہ اتمامِ حجت اپنے علم سے کرتا ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کے بعد اللہ کی گرفت سے بچ جانا ناممکن ہے۔

اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

اسے علم ہے جو بات پکار کر کی جائے اور اسے علم ہے جو بات چھپاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہر آواز کو سنتا ہے، اس لئے جو بات بھی کی جائے اللہ اسے جانتا ہے۔ اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ کسی کی نیت اللہ سے مخفی نہیں ہوتی۔ اس لئے اللہ کے علم کی یہ شان ہے کہ وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔ کب کسی کو پکڑنا ہے، کہاں سے پکڑنا ہے، کس طرح پکڑنا ہے، اللہ ہی جانتا ہے۔ اور اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہے۔

حاصل: بات کرتے وقت یاد رکھنا چاہئے، کہ اللہ سن رہا ہے اور وہ قادرِ مطلق ہے۔ کسی بات کا چھپانا لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو کہ شر پھیلانے والوں کو تقویت نہ ملے تو یہ نیکی ہے۔

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾

اور میں نہیں جانتا کہ یہ تاخیر تمہارے لئے ایک فتنہ ہے اور ایک وقت تک کے لئے متاع ہے۔

عذابِ الٰہی میں تاخیر بصورتِ فتنہ بھی ہو سکتی ہے، کہ اس طرح منکرین حق اپنے آپ کو بڑی طاقت سمجھنے لگتے ہیں اور غرور کرتے کرتے اس مقام پر جا پڑتے ہیں جہاں سے نکلنا ان کے بس میں نہیں رہتا۔ اور یہ تاخیر ایک وقت تک متاع بھی ہو سکتی ہے، کہ یہ اتمامِ حجت کی شرط ہے۔ مگر یہ لازم ہے، کہ جس نے بھلائی کا رخ اختیار کیا ہے اس کا انجام بھلا ہوگا، جس نے برائی کا رخ اختیار کیا ہے اس کا انجام برا ہوگا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں تاخیر بصورت فتنہ بھی ہو سکتی ہے، بصورتِ متاع بھی ہو سکتی ہے، مگر جس نے برائی کا رخ اختیار کیا ہو اس کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

النصف ۱۹/۷

عرض کی اے میرے رب حق کے ساتھ حکم فرما دے۔ اور الرحمٰن ہی ہمارا رب ہے جس سے ہم مدد مانگتے ہیں، ان باتوں پر جو تم بناتے ہو۔

منکرین حق جب ضد کی انتہا کر دیتے ہیں تو تبلیغ حق کرنے والے پر یہ مقام آتا ہے کہ وہ یہ دعا کرتا ہے، اے میرے رب، میرے اور میری قوم کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔ پاک لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ الرحمٰن ہی ہمارا رب ہے، ہم اسی سے مدد کے طالب ہیں، وہی قادرِ مطلق ہے، وہی اس افترٰی کو نابود کر سکتا ہے جو کافروں نے گھڑ لیا ہے۔

حاصل: منکرینِ حق کے ساتھ بات ختم کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس دعا کے ساتھ ان سے الگ ہونے کا اعلان کیا جائے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف (۱۸) میں ارشاد فرمایا ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو، اسے چاہئے کہ صالح عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

ایاتہا ۷۸ سُوْرَۃُ الْحَجِّ رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ①

اے لوگو اپنے ربّ سے ڈرو۔ بے شک اس ساعت کا زلزلہ عظیم شے ہے۔

اللہ سے ڈرنے والے حال پر اصلاح کو قبول کرتے ہیں، صالحین کا ساتھ اختیار کرتے ہیں، خلوت میں بھی پاک رہتے ہیں جلوت میں بھی پاک رہتے ہیں۔ ان حضرات کے لئے قیامت باعثِ حُزن نہیں ہوگی۔ جو لوگ جزا کے دن کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے قیامت کا دن بڑا بھاری ہوگا۔ اس دن کا زلزلہ بڑا ہولناک ہوگا۔ اس دن زمین اپنے بوجھ نکال کر باہر رکھ دے گی۔

حاصل: اللہ سے ڈرنے کا ثبوت اصلاحِ حال سے ملتا ہے۔ جو لوگ جزا سے غافل ہیں، ان کے لئے یومِ جزا بڑا بھاری ہوگا۔

یَوْمَ تَرَوْنَہَا تَذْہَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَہَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ہُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ②

جس دن تم اسے دیکھو گے، ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل وضع ہو جائے گا اور تم لوگوں کو دیکھو گے جیسے نشہ میں ہیں، اور وہ نشہ میں نہ ہوں گے، ولیکن اللہ کا عذاب شدید ہے۔

قیامت کے زلزلے کی ہولناکی اتنی شدید ہوگی کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔ دودھ پیتے بچے کی حفاظت سے اس کی ماں کبھی غافل نہیں ہوتی، مگر قیامت کے دن کا زلزلہ اتنا خوفناک ہوگا کہ شدتِ ہول سے معمولات بھی ختم ہو جائیں گے۔ کسی حاملہ کا حمل باقی نہیں رہے گا۔ گھبراہٹ کی انتہا ہوگی کہ منکرینِ حق مدہوش نظر آئیں گے۔ وہ قطعاً نشہ میں نہیں ہوں گے، اللہ کے عذاب کی شدت ان کے ہوش اڑا رہی ہوگی۔

حاصل: قیامت کا زلزلہ اتنا شدّت والا ہوگا کہ معمولات ختم ہو جائیں گے، منکرینِ حق کے ہوش اڑ جائیں گے۔ دودھ پلانے والی ماؤں کو اور حاملہ عورتوں کو خوفناک مناظر سے دور رکھنا چاہئے، اور انہیں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے کی تاکید کرنی چاہئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ۙ③

اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں، بغیر علم کے۔ اور وہ ہر شیطان سرکش کے پیچھے لگتا ہے۔

جو اللہ کو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے مان لیتا ہے، وہ کبھی اللہ کے بارے میں مجادلے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ کے

بارے میں جھگڑا کرنے والا، اپنی بے علمی کو علم جانتا ہے اور ہر شیطان کی پیروی کے لئے تیار ہوتا ہے۔ شیطان نے امرِ الٰہی کو ماننے کی بجائے اپنی چاہت کو اہمیت دی تھی۔ فرمانِ خداوندی کی تعمیل کی بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کی جائے تو یہ اللہ کے بارے میں مجادلہ کرنے والی بات ہے۔

**حاصل:** اللہ کے بارے میں مجادلہ کبھی علم سے نہیں ہوتا، اور کبھی شیطان کی پیروی کے بغیر نہیں ہوتا۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾

جس پر لکھا جا چکا ہے، کہ جو اس کی دوستی اختیار کرے گا، تو اسے ضرور یہ گمراہ کرے گا اور آگ کے عذاب کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا۔

جب شیطان کو رجیم قرار دیا گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی۔ تو اس نے قسم اٹھائی: کہ اے اللہ تیری عزت کی قسم، میں ضرور سب کو بہکاؤں گا سوائے ان کے جو ان میں تیرے مخلص بندے ہوں گے۔ شیطان انسان دشمنی میں کبھی غفلت نہیں برتتا۔ وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔ جو شیطان کی دوستی اختیار کرے گا، وہ یقیناً گمراہ ہوگا اور آگ کے عذاب تک پہنچے گا۔ عقل مندی یہ ہے، کہ دوست اور دشمن میں امتیاز کیا جائے۔ جس تعلق کی بنیاد تقویٰ پر ہو، وہ تعلق دائمی ہوتا ہے۔ جس تعلق کی بنیاد خواہشات پر ہو اس کا انجام خسارہ ہی ہوتا ہے۔

**حاصل:** مخلصین سے تعلق ہو تو گمراہی اور عذاب سے بچ جانا، روشن ہے۔ اپنی صفات کو دیکھنا چاہئے، شیطان دوستی عمل سے ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ گمراہی اور منزل جہنم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۵﴾

اے لوگو اگر تمہیں بعث میں شک ہو، تو بے شک ہم نے تمہیں مٹی سے خلق فرمایا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے مکمل صورت سے، نامکمل صورت سے، تاکہ تم پر واضح ہو جائے۔ اور ہم رحموں میں قرار دیتے ہیں اجل مسمّٰی تک جسے چاہیں، پھر تمہیں بچہ نکالتے ہیں تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں کوئی پہلے فوت ہو جاتا ہے، اور کوئی ارذل عمر تک لے جایا جاتا ہے کہ علم کے بعد اسے کچھ علم نہ رہے۔ اور تم زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر پانی نازل فرماتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور ابھرتی ہے اور ہر خوش نما جوڑا اگاتی ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ جو لوگ بعث بعد الموت کو ناممکن قرار دیتے ہیں، انہیں دعوتِ فکر ونظر دی گئی ہے۔ خالقِ کل ہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اسے مشکل کیا پیش آسکتی ہے۔ اس نے پہلے مٹی سے بنایا ہے، دوبارہ منتشر اجزا کو اکٹھا کر دینا اس کے لئے آسان ہے۔ پھر اس نے بقاءِ نسل کے لئے نطفے کا پہلا درجہ رکھا ہے، جس کا بنانا اللہ کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ دوسرا درجہ علقہ کا رکھا ہے جو صرف علمِ الٰہی سے متشکل ہوتا ہے، اور اللہ کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ پھر تیسرا درجہ مضغہ کا رکھا ہے، وہ مکمل صورت ہو یا نامکمل صورت ہو، سب امرِ الٰہی کے تابع ہے۔ کوئی یہ دعویٰ ہی نہیں کر سکتا کہ تخلیق کے عمل میں اس کا کچھ حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نطفے کو رحم میں ٹھہراتا ہے۔ اس وقت کو کم کرنا یا زیادہ کرنا بھی اللہ کی قدرت ہے۔ پھر بچہ پیدا کرنا کس کا کام ہے، یقیناً اللہ کا کام ہے۔ جو پہلے خلوت سے جلوت میں لا رہا ہے، وہ موت کے بعد کی خلوت کو بھی جلوت میں بدل سکتا ہے۔ جوانی تک پہنچانا بھی اسی کا کام ہے۔ پہلے کسی کو وفات دے دے تو اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ وہ ارذلِ عمر تک لے جائے تو بھی وہ مالک ہے۔ ارذلِ عمر میں قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ علم کے بعد لاعلمی کا مقام آجاتا ہے۔ اللہ کی قدرت اس سے روشن ہوتی ہے کہ ہر مقام پر اللہ کی قدرت بے مثل ہے۔ اس قادرِ مطلق کے متعلق یہ کہنا کہ وہ دوبارہ کیسے بنائے گا، بڑی جہالت ہے۔ زمین جب مر جاتی ہے، اس کا سبزہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کو اللہ ہی زندہ کرتا ہے۔ اس پر پانی برسایا جاتا ہے۔ اس میں جو کیمیاوی تبدیلیاں آتی ہیں وہ اللہ کے حکم سے آتی ہیں۔ اس میں نباتات کے اگنے کی صلاحیت کو اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ اللہ کے لئے مردوں کو زندہ کرنا کیسے مشکل ہوگا، مردہ زمین کو زندہ ہوتے تو ہم دیکھتے رہتے ہیں۔ بعث بعد الموت کا یقین دلانے کے لئے یہ سب مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اگر جزا کا یقین آجائے تو قول وفعل کو جزا دینے والے کے حکم کے مطابق بدل جانا چاہئے، غفلت کو ختم ہو جانا چاہئے۔

**حاصل:** بعث بعد الموت کا یقین حاصل کرنے کے لئے اللہ کی قدرت کے مناظر کو دیکھنا چاہئے۔ جزا کا یقین ہو تو قول بھی پاک ہونا چاہئے، عمل بھی صالح ہونا چاہئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ﴿۶﴾

یہ اس لئے کہ اللہ ہی پروردگارِ حقیقی ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔

ربوبیت کا کام اللہ کی شان ہے۔ اللہ بے مثل ہے۔ جس نے پہلے خلق فرمایا ہے، وہ دوبارہ خلق فرمانے کی بڑی قدرت رکھتا ہے۔ موت بھی وہی دیتا ہے۔ موت کے ساتھ واقع ہونے والی تبدیلیوں کا سب سے بڑا علم اسی کو ہے۔ موت کے بعد حیات دینے کے لئے کیا درکار ہے، اللہ کو علم ہے۔ اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ کو قادرِ مطلق مان لینے سے ایک سکھ ملتا ہے، جو کسی دوسری صورت میں مل ہی نہیں سکتا۔

**حاصل:** اللہ ہی پروردگارِ حقیقی ہے۔ مُردوں کو زندہ کرنا اللہ کی شان ہے۔ قادرِ مطلق کے ساتھ میں بے اطمینانی کا مقام نہیں ہو سکتا۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾

اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے، جس میں کچھ شک نہیں، اور یہ کہ اللہ ہی انہیں اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

قیامت اللہ کے امر سے آئے گی۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ اس کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اللہ ہی لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔ حیاتِ دنیا کے بعد حیاتِ آخرت اسی نے رکھی ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے کے لئے قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔

حاصل: قیامت آنے والی ہے۔ لوگوں کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ جو قیامت کے آنے میں شک کرتا ہو وہ مائل بہ اصلاح نہیں ہوسکتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ﴿۸﴾

اور کوئی آدمی اللہ کے بارے میں ایسے ہی جھگڑتا ہے، بغیر علم کے، ہدایت کے، اور کتاب منیر کے۔

اللہ کے بارے میں جھگڑنے والے یہی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے اجداد کو بت پرست پایا ہے، اس لئے اسی طریق زندگی کو درست مانتے ہیں۔ جو ثبوت شنید کے ساتھ تعلق رکھتا ہو، وہ اسی صورت میں سند قرار پاتا ہے جب کہنے والا صادق ہو اور وہ بات اسی کی ہو جس سے منسوب کی جا رہی ہے۔ جو ثبوت مشاہدے سے تعلق رکھتا ہو، وہ اسی کی زبان سے بیان ہوگا جس نے صداقت سے اپنا حال بیان کیا ہو۔ اس سے ہمیشہ حق کی تصدیق ہوگی۔ جو ثبوت کتاب سے تعلق رکھتا ہو، وہ اسی صورت میں سند ہوگا جب کتاب کے درست ہونے میں کوئی شک نہ ہو۔ کبھی کسی جھگڑنے والے نے جو اللہ کے بارے میں جھگڑ رہا ہو، علم سے، ہدایت سے اور کتاب منیر سے اپنی صداقت کا ثبوت پیش نہیں کیا، نہ آئندہ کوئی کر سکے گا۔

حاصل: اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنے والے، بے علم، بے ہدایت اور بے سند ہوتے ہیں۔ بات کرتے وقت دیکھنا چاہئے کہ ہماری صداقت کا ثبوت موجود بھی ہے۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾

حق سے اپنی گردن موڑے ہوئے تاکہ اللہ کی راہ سے بہکاوے۔ اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور قیامت کے دن ہم اسے جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔

جو حق سے عناد رکھتا ہے، وہ اللہ کی باتوں کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے اور بے سند باتیں کرتا ہے۔ وہ شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ دنیا میں اس کے لئے رسوائی ہے، قیامت کے دن اسے جلنے کا عذاب دیا جائے گا۔

حاصل: بے سند باتیں کرنے والا، حق سے عناد رکھنے والا دنیا میں رسوا ہوتا ہے، قیامت کے دن اسے جلنے کا عذاب دیا جائے گا۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ ع ۸

یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

جب حق سے عناد رکھنے والے کو جہنم میں ڈالا جائے گا، تو فرمایا جائے گا، یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ انسان کو اس کے کیے کی جزا ہی دی جائے گی، اس لئے کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ انسان نے اپنے اعمال سے جو دوزخ کا ایندھن اکٹھا کیا ہوگا، اسی ایندھن میں اس کو جلایا جائے گا۔ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

حاصل: دیکھنا چاہئے ہم اپنے ہاتھوں کیا آگے بھیج رہے ہیں۔ جسے برائی کی جزا سے بچنا مطلوب ہو، اسے

برائی سے بچنا چاہیے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (۳۵) میں فرمایا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾ جو عزت چاہے تو عزت سب اللہ کے ہاتھ ہے۔ پاک کلام اسی کی طرف جاتا ہے۔ وہ صالح عمل کو رفعت دیتا ہے۔ وہ لوگ جو برے داؤ کرتے ہیں، ان کے لئے شدید عذاب ہے اور ان کا مکر برباد ہو جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿١١﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے کہ کنارے پر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ پھر اگر اسے بھلائی ملے تو مطمئن ہو گیا، اور اگر اسے فتنہ ملے تو الٹا پھر گیا، دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھایا۔ یہی صریحاً خسارہ ہے۔

جو اللہ کی بندگی کرتا ہے مگر پسندیدہ حالات تک، اور جب اس کی صداقت کو دیکھے جانے کا مقام آتا ہے تو وہ حق سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھاتا ہے۔ یہی صریح خسارہ ہے۔ اللہ کو اگر اپنی پسند کے حوالے سے مانا جائے، تو اس کا نتیجہ کبھی فلاح نہیں ہو سکتا۔

حاصل: اللہ کی بندگی کو اگر اپنے چین سے مشروط کر دیا جائے، تو یہ دنیا و آخرت میں خسارے کو اپنے لئے مقدر کرنا ہے۔

يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٢﴾

اللہ کے مقابل اس کو پکارتا ہے، جو نہ اسے ضرر دے اور نہ نفع دے۔ یہی ہے دور کی گمراہی۔

جو حق سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں مگن ہو جاتا ہے۔ اس کا بنایا ہوا بت بھی تو اس کی پسند سے بنتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کے لئے اس بت کو پکار رہا ہوتا ہے، جو اس کو ضرر بھی نہیں دے سکتا، نفع بھی نہیں دے سکتا۔ مالکِ کُل کے مقابل کسی کو پکارنا، معطیءِ مطلق کے مقابل کسی کو پکارنا، گمراہی کی انتہا ہے۔

حاصل: جس کی قدرت بہر حال ہم پر محیط ہے، نفع و ضرر اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا انکار دور کی گمراہی ہے۔

يَدْعُو لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ ﴿١٣﴾

پکارتا اس کو ہے جس کا ضرر، نفع کے مقابل بہت قریب ہے۔ بے شک وہ مولیٰ بھی برا ہے اور اس کا رفیق بھی برا ہے۔

نفع وضرر باذن اللہ ہوتا ہے۔ جن کو اللہ کے مقابل معبود ٹھہرایا جاتا ہے، ان کو پکارنے والا اپنے رُخ کو دیکھے، وہ یقیناً نور سے ظلمات کی طرف جارہا ہے۔ اس لئے وہ نفع کی توقع لئے نقصان کے قریب تر ہوتا جارہا ہے۔ وہ مولیٰ جو کسی کی خواہشات کے حوالے سے اس کو گمراہ کرے اور کوئی قدرت نہ رکھتا ہو، یقیناً برا مولیٰ ہے اور وہ رفیق جو اپنی غرض وغایت کے لئے اسے پکارتا ہے، برا رفیق ہے۔

حاصل: جس کا رخ خلافِ حق ہے، اس کا ضرر کے قریب ہونا واضح ہے۔ وہ مولیٰ جو طالب کی خواہشات کے حوالے سے اسے گمراہ کرے برا مولیٰ ہے اور وہ رفیق جو اپنی خواہشات کی بندگی نہ چھوڑے برا رفیق ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَفۡعَلُ مَا یُرِیۡدُ ﴿۱۴﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے، جنتوں میں داخل کرے گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ بے شک اللہ جو چاہے کرے۔

جو لوگ حق کو مانتے ہیں اور صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت دیتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے کی بدولت ہدایت ملتی ہے۔ حیاتِ دنیا میں وہ خوف وحزن سے بچ جاتے ہیں، حیاتِ آخرت میں وہ جنتی ہوں گے۔ اس جنت میں انہیں کوئی تکلیف نہیں کرنی پڑے گی۔ ان جنتوں کی شادابی زیرِ زمین نہروں کی وجہ سے دائمی ہوگی۔ اللہ کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ اس سے کسی کی نیت بھی مخفی نہیں۔ وہ حسنِ نیت کو بھی دیکھتا ہے، حسنِ عمل کو بھی دیکھتا ہے۔ نتائج اس کے ہاتھ میں ہیں، جو چاہے وہ کرتا ہے۔

حاصل: دعویٰ ایمان کا ہو تو صالح اعمال کی شہادت سے ہی وہ سچا ثابت ہوتا ہے۔ زیرِ زمین نہروں سے دائمی شادابی کا تعلق ہے۔ اخلاص کا ثبوت دینا بندے کا کام ہے، نواز دینا اللہ کی شان ہے۔

مَنۡ کَانَ یَظُنُّ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡصُرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ فَلۡیَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لۡیَقۡطَعۡ فَلۡیَنۡظُرۡ ہَلۡ یُذۡہِبَنَّ کَیۡدُہٗ مَا یَغِیۡظُ ﴿۱۵﴾

جس کو یہ گمان ہو کہ اللہ ہرگز دنیا وآخرت میں اس کی نصرت نہیں کرے گا، تو اسے چاہئے کہ آسمان کی طرف ایک رسی تان لے، پھر اسے قطع کرلے، پھر دیکھے کہ اس کی تدبیر سے کچھ غیظ جاتا رہا۔

انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔ اپنی پسند کے حالات میں خوش ہوتا ہے، دکھ پہنچ جائے تو جلد ہی مایوسی کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے، کہ وہ دنیا وآخرت میں ایمان والوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ کو اپنے وعدے کے پورا کرنے کے لئے کسی کی احتیاج نہیں ہے، مگر وہ جو بھی کرتا ہے اپنے علم مطلق سے کرتا ہے۔ جو اپنی جلد بازی کی وجہ سے یہ گمان کرنے لگے کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا، وہ اوپر کی طرف ایک رسی تان لے، ایک تعلق استوار کرے، پھر اس تعلق کو مایوسی کی نذر کردے، پھر دیکھے اس کی تدبیر سے اس کا کچھ غصہ کم ہوا ہے۔ بعض چیزوں کو انسان کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے مگر وہ اس کے لئے باعث خیر وبرکت ہوتی ہیں۔ بعض چیزیں انسان کو مرغوب ہوتی ہیں اور وہ اس کے لئے شر بن جاتی ہیں۔ انسان اپنے علم کو ساکن کرے تو اسے اللہ کی نصرت کا پتہ چلے۔

حاصل: اللہ یقیناً دنیا وآخرت میں ایمان والوں کی مدد کرتا ہے، اور اپنے علم سے مدد کرتا ہے۔ انسان کی جلد بازی

اس کی مایوسی کا سبب بن جاتی ہے اور مایوسی تعلق کو قطع کر دیتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

اور اسی طرح ہم نے روشن آیات نازل فرمائیں، اور یہ کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ نے جو بھی نازل فرمایا ہے، وہ طالبین ہدایت کے لئے روشن نشانیاں ہیں۔ جو ظلمات سے نور کی طرف آنے کے طالب ہوں، وہی ان روشن نشانیوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ظلمات سے نور کی طرف آنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کے ساتھ سے جو سہارا ملتا ہے، اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ جو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔

حاصل: اللہ کی روشن نشانیاں ہمیشہ حال پر موجود ہوتی ہیں، فائدہ طالبینِ ہدایت ہی اٹھاتے ہیں۔ اللہ اسے ہدایت دیتا ہے، جو اس کی طرف رجوع لائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان والے ہیں، اور یہودی اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوسی اور جو شرک کرتے ہیں، بے شک اللہ قیامت کے دن ان کے مابین فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔

ایمان والے لوگ وہ ہیں جو حق کو مانتے ہیں جیسے ماننے کا حکم ہے۔ یہودی، ستارہ پرست اور نصاریٰ اور مجوس اور ان کے علاوہ بھی شرک کرنے والوں کی جو صورتیں ہیں، ان سب کو اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اللہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔ یہ کیا چھپاتے ہیں یہ کیا ظاہر کرتے ہیں، اللہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ ایمان والوں کے علاوہ، باقی سب گروہ بے سند باتیں کرتے ہیں۔ ان سب کا اختلاف حق سے ہے۔ قیامت کے دن ایمان والوں کے اور ان کے مابین اللہ فیصلہ کر دے گا۔ اللہ سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔

حاصل: ایمان والوں کو حق بیان کرنے کے بعد اس پر پورا رہنا ہوتا ہے۔ یہودی، ستارہ پرست، نصاریٰ، مجوس اور باقی سب مشرک ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ قیامت کے دن، فیصلہ فرمانے والا، اللہ ہے۔ اللہ سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴿۱۸﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں، کہ اللہ کو ہی سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور شمس و قمر اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور لوگوں میں سے بہتیرے۔ اور بہت ایسے ہیں کہ ان پر عذاب ٹھہر چکا ہے۔ اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ بے شک اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ خالق نے جس شے کو جس مقصد کے لئے بنایا ہے، وہ شے اس مقصد کو پورا کرتی چلی جا رہی ہے۔ کسی بھی شے کو اللہ کے مقرر کردہ راستے سے انحراف کرتے کبھی دیکھا ہی نہیں گیا۔ یہی ہر شے کا اللہ کے لئے سجدہ ہے۔ کچھ لوگ ایسے ضرور ہیں جو حق کے انکار کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ ان کو شعور کے ساتھ اپنا راستہ چننے کا جو اختیار دیا گیا تھا، اس کا استعمال کرتے ہوئے انہوں نے حق والوں کو ہرانے میں اپنی ساری قوتیں لگائی ہوتی ہیں، اور اس طرح اپنے آپ کو عذابِ الٰہی کا مستحق بنانا ہوتا ہے۔ یہ منکرینِ حق اپنے آپ کو بڑی عزت والا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ ان کو ذلیل کرنے کا فیصلہ کر دے تو کون ان کو عزت دے سکتا ہے۔ اللہ کے مقابل کسی کی مجال ہی کیا ہے۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے۔ اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

**حاصل:** اپنے منشاء حیات کو دیکھنا چاہئے۔ اللہ کا ہو جانا، اللہ کی بندگی کے لئے ضروری ہے۔ جو حق کو مانتا ہے، عزت والا وہی ہے۔ جو حق کا منکر ہے اسے عزت والا کہنا بے جا ہے۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

**هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾**

یہ دو فریق ہیں، جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑے۔ تو جنہوں نے کفر کیا، ان کے لئے آگ کے جامے بنائے جائیں گے۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

یہ دو فریق ہیں، ایک حق کو مانتے ہیں جیسے ماننا چاہئے، دوسرے اس طرح نہیں مانتے۔ حق کو پورا پورا نہ ماننا حق کا انکار کرنا ہے، اور اوپر ایمان والوں کے مقابل حق کے نہ ماننے والوں کا ہی ذکر ہے۔ ان میں یہود، صابئین، نصاریٰ، مجوس اور دوسرے مشرکین سب شامل ہیں۔ جو لوگ اپنے رب کے احکام کو نہیں مانتے، اور خلافِ حق کرنے کو اپنا امتیاز بنا لیتے ہیں، ان کا لباس قیامت کے دن آگ کا ہوگا، جو ان کے جسموں پر درست آئے گا۔ یہ عذاب منکرین کے اپنے اعمال کی جزا ہوگا۔ ان کی خودسری کی جزا یہ ہوگی کہ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جزا سے آگاہی ہو جائے تو اس سے بچنے کی تدبیر ضرور کی جاتی ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے کیسے بچا سکتا ہے۔

**حاصل:** فریق دو ہی ہیں، ایک ماننے والے، ایک نہ ماننے والے۔ نہ ماننے والے لوگوں کا لباس آگ کا ہوگا اور ان کے اعمال کی جزا کی صورت سے ہوگا۔ منکرین حق کی خودسری کی جزا ہوگی کہ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ مومنین کو وہی لباس پہننا چاہئے جو جسم کے لئے مفید ہو، اور سروں کو ڈھانپنا بھی چاہئے۔

**يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ ؕ**

جو کچھ ان کے بطون میں ہے، پگھل جائے گا، اور ان کی جلدیں بھی۔

یہ عذاب جو جسم پر ہوگا، اتنا شدید ہوگا کہ جو کچھ بھی ان کے پیٹوں میں ہوگا، سب پگھل کر نکل جائے گا۔ یہ جلن باہر بھی ہوگی، اندر بھی ہوگی۔ حق کے انکار سے حق کے ساتھ ایک عناد کافروں کو ہو جاتا ہے، یہ حال پر ان کے اندر کی جلن ہے۔ اور حق کو ہرانے کی کوشش میں اپنا زور لگانا، یہ ظاہری جلن ہے۔ اللہ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ اعمال کی پوری پوری جزا دینا بھی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔

حاصل: لباس مفید ہونا چاہئے۔ غسل آرام دہ ہونا چاہئے۔ اس کو علم الصحت کا حصہ جاننا چاہئے۔ اللہ ہی ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ اور ان کے واسطے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔

جہنمی لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جو سختی وہ حق کے ماننے والوں سے کرتے تھے، اس سختی کی جزا انہیں لوہے کے ہتھوڑوں سے دی جائے گی۔ اس وقت نہ یہ بھاگ سکیں گے نہ کوئی ان کو چھڑانے والا ہوگا۔

حاصل: لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا دینا اللہ کی شان ہے، بندے کو حدودِ عبدیت کے اندر رہنا چاہئے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ ع ٢ ١٢ ٩

جب غم کے مارے وہاں سے نکلنا چاہیں گے، پھر اسی کے اندر ڈال دیئے جائیں گے۔ اور چکھو جلنے کا عذاب۔

حق کا انکار کرنے والے، جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے، تو پھر اس کے اندر ڈال دیئے جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا، یہ تمہارے اعمال کی جزا ہے، اس سے کہاں بھاگتے ہو۔ چکھو یہ جلنے کا عذاب۔

حاصل: خلافِ حق کرنے کا انجام جلنے کا عذاب ہوگا۔ برے انجام سے بچنا مطلوب ہو، تو برے اعمال سے بچنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں ارشاد فرمایا ہے: اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾ مانو اپنے رب کا حکم اس سے قبل کہ وہ دن آئے جس کو پھرنا نہیں، اللہ کی طرف سے۔ اس دن تمہیں کوئی پناہ نہ ملے گی اور نہ تم انکار ہی کر سکو گے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ اس میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور یہاں ان کا لباس حریر کا ہوگا۔

حق کو تسلیم کرنے کا دعویٰ ہو تو یہ ایمان ہے۔ صداقت سے اس دعوے پر عمل ہو تو یہ اس دعوے کو سچا ثابت کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کو جزا کے دن جنتوں میں داخل فرمایا جائے گا، جو سدا بہار ہوں گے۔ وہاں جنتی حضرات کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے،

اور لباس ان حضرات کا ریشمی ہوگا۔ حیاتِ دنیا میں ہونے کا مقام بھی ہے نہ ہونے کا مقام بھی ہے، نفع اور نقصان کا مقام بھی ہے، صبر اور شکر کا مقام بھی ہے۔ یہاں متاعِ حیات کے استعمال میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا، موتی اور ریشمی لباس نہیں پہنا۔ حیاتِ دنیا میں ذاتی شان وشوکت کو بڑھانے سے معاشرے میں عدمِ توازن بڑھتا ہے۔ حیاتِ آخرت میں شان وشوکت اللہ تعالیٰ کا انعام ہوگا، عام ہوگا، سب جنتیوں کو حاصل ہوگا، اور اس میں کسی کے لئے کوئی مشقت نہیں ہوگی۔

**حاصل:** ایمان کا دعویٰ ہو، صالح اعمال سے اس کو سچا ثابت کیا جائے تو سدا بہار جنت کا انعام ملے گا۔ حیاتِ دنیا میں سونا، موتی اور ریشمی لباس پہننا اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ آخرت میں یہ انعام ہوگا، اور سب جنتیوں کو ملے گا۔

وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

اور انہیں طیّب قول کی ہدایت کی گئی، اور حمد کیے گئے کی راہ کی ہدایت دی گئی۔

قول پاک ہو تو عمل کی اصلاح کا مقام آتا ہے۔ اس لئے قول کے سدید بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو مخلصین کی بات کو حسنِ قول کا معیار جان لیتا ہے، اس کی اپنی کوئی بات نہیں رہتی۔ وہ جب بھی بات کرتا ہے، پاک لوگوں کی بات کرتا ہے۔ اس کا راستہ بھی پاک لوگوں کا راستہ ہوتا ہے۔ پاک لوگوں سے محبت اس کے لئے اس قدر باعثِ تقویت ہوتی ہے، کہ وہ سب مقامات سے بہ آسانی گزار دیا جاتا ہے۔

**حاصل:** قول پاک ہو اور راہِ خیر پر رہنے کا شرف ہو، تو یہ دنیا میں جنتی ہونے کا ثبوت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۗ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ ع

بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں، اللہ کی راہ سے اور مسجدِ حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے وہاں رہنے والے اور پردیسی سب لوگوں کے لئے برابر ٹھہرایا ہے۔ اور جو اس میں شرارت سے ظلم کا ارادہ کرے ہم اسے المناک عذاب چکھائیں گے۔

حکمِ خداوندی کے خلاف کرنے والا کافر ہے۔ کچھ کافر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت کا دعویٰ کرتے ہوئے، لوگوں کو مسجدِ حرام سے اور اللہ کی راہ سے روکنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام کے بارے میں یہ سند نازل فرمائی ہے، کہ حرم شریف پاک لوگوں کے لئے ہے۔ وہ پاک لوگ وہاں کے رہنے والوں سے ہوں یا باہر سے آئے ہوئے ہوں، سب برابر ہیں۔ یہاں کے رہنے والے باہر سے آنے والوں کے سکھ کا دھیان رکھیں، باہر سے آنے والے یہاں رہنے والوں کی تکریم کریں تو یہ مسجدِ حرام کا ادب ہوگا اور اللہ کی رضا

کے لئے ہوگا۔ مسجدِ حرام میں کوئی خلافِ حق کام کرنا، اللہ کے المناک عذاب کو دعوت دینا ہے۔ نہ کسی کی نیت اللہ سے چھپی ہے نہ کسی کا عمل اللہ سے مخفی ہے۔ اللہ کے گھر میں اپنی پسند کو قانون کی صورت میں نافذ کرنا یقیناً بے ادبی ہے، ظلم ہے اور یہ لوگوں کو دکھ میں ڈالنے والی بات ہے۔ ہر مسجد بھی خانہ خدا ہے۔ یہاں بھی دیس اور پردیس والوں کا حق برابر ہے۔ مسجد میں تبلیغ کرنے کا حق وہی لوگ رکھتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں، یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہوں، صلوٰۃ قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ ادا کرتے ہوں، اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے نہ ہوں اور ہدایت والے ہوں۔ جس مسجد کو اللہ کا گھر جانا جائے وہاں خدمت گاروں کو اللہ کا ڈر رکھنا چاہئے کہ اللہ کے کسی بندے کی خدمت میں، جو وہاں آئے، کوتاہی نہ ہو۔ مسجد کو تالا لگا دینے سے وہ اللہ کا گھر کیسے رہ جائے گی! مسجد میں ہر شے اللہ کی ہوتی ہے۔

**حاصل:** مسجد حرام کا ادب پیش نظر رہنا چاہئے۔ وہاں کے رہنے والوں کو آنے والوں کے لئے سکھ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ آنے والوں کو وہاں رہنے والوں کی تکریم کرنی چاہئے۔ کسی کو وہاں من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جو ایسا کرے گا وہ عذابِ الٰہی کو دعوت دے گا۔ ہر مسجد کا احترام کرنا لازم ہے۔ مسجد میں ہر شے اللہ کی ہوتی ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ (۹) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ (۹:۱۸) اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں، جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے نہیں۔

وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِيۡمَ مَكَانَ الۡبَيۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ بِىۡ شَيۡـًٔا وَّطَهِّرۡ بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡقَآئِمِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۲۶﴾

اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اس بیت کا مقام بتا دیا کہ جہاں کسی شے کو میرا شریک نہ ٹھہرایا جائے، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام کرنے والوں کے لئے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ ہونے کا مرتبہ عطا فرمایا۔ انہیں بیت اللہ کے مقام کا علم عطا فرمایا۔ بیت اللہ کی تعمیر کی شان دیکھئے، کہ معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور تعمیر کے وقت یہ دعا کر رہے ہیں: اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما، بے شک تو سننے والا علم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدائی مہمانوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، کہ یہاں شرک نہیں ہوگا۔ طوافِ کعبہ کرنے والے، یہاں نمازیں پڑھنے والے، رکوع کرنے والے اور سجدے کرنے والے اللہ کے مہمان ہوں گے۔ ان کے لئے اس جگہ کو پاک رکھا جائے اور انہیں وہ سب آسانیاں مہیا کی جائیں جو عبادت کے لئے درکار ہوتی ہیں۔ جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کسی تعلق کا دعویٰ کریں انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ خدائی مہمانوں کے لئے سنتِ ابراہیم علیہ السلام کے مطابق کیا کام کر رہے ہیں۔

**حاصل:** اللہ کے گھر کا ادب کرنا چاہئے۔ خدائی مہمانوں کی قدر کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ خدائی مہمانوں کو سکھ دینا بہت بڑی خدمت ہے۔

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

اور لوگوں میں حج کی اذان دیجئے، کہ وہ آپ کے پاس آئیں۔ پیادہ اور دبلے دبلے اونٹوں پر دور راہوں سے چلے آئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ لوگوں کو حج کے لئے پکاریئے۔ آپ نے امرِ الٰہی سے لوگوں کو پکارا۔ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر جاتے رہے ہیں، جاتے ہیں اور جاتے رہیں گے۔ پیدل جانے والے بھی ہوتے ہیں، سواریوں پر جانے والے بھی ہوتے ہیں، کمزور سواریوں پر جانے والے بھی ہوتے ہیں۔ نزدیک سے آنے والے بھی ہوتے ہیں، دور سے آنے والے بھی ہوتے ہیں۔ رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے، تو موجودہ بندوبست پورا نظر آتا ہے۔ یہ یقین بھی شاملِ حال ہوتا ہے کہ اللہ کا فضل ساتھ ہو تو مشکلات کے دور ہونے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔

**حاصل:** جس پکار پر ہم حج کے لئے جاتے ہیں، یہ پکار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ مسلمانوں کو اپنی حیثیت کے مطابق حج کے لئے جانے والوں کو سہولتیں دینی چاہئیں۔ حج کے لئے جانے والوں کو کہیں بھی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾

کہ اپنے منافع کے لئے حاضر ہوں، اور معلوم ایام میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔ تو ان میں سے خود کھائیں اور درماندہ فقیروں کو کھلائیں۔

حج میں حاضر ہونے والوں کے لئے منافع ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بندہ پاک ہو جاتا ہے، اور حج کے بعد بندہ پاک رہے تو اس کا ہر کام خیر کا ہو جاتا ہے۔ حج کا سفر، سفرِ تجارت نہ بن جائے کہ پھر حاضری کا منشاء پورا نہیں ہوگا۔ یہ معلوم ایام قربانی کے معین دن ہیں۔ قربانی میں معین ایام کو ملحوظ رکھنا لازم ہے، ورنہ حق ادا نہیں ہو سکے گا۔ چوپایوں کو ذبح کرتے وقت مسنون طریقے سے ذبح کیا جائے گا، تکبیر پڑھی جائے گی، قربانی کرنے والے اس میں سے خود بھی کھائیں گے محتاجوں کو بھی کھلائیں گے۔ محتاجوں کو پکا کر کھلانا احسن ہے، کہ اس میں ان کے لئے کوئی مشقت نہیں رہتی۔

**حاصل:** حج میں حاضری باعث برکات ہوتی ہے۔ قربانی مسنون طریقے سے ہو، معین ایام میں ہو، قربانی کے گوشت کو خود بھی کھایا جائے محتاجوں کو بھی کھلایا جائے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

پھر اپنا میل کچیل دور کریں، اور اپنی نذریں پوری کریں، اور اس بیتِ عتیق کا طواف کریں۔

قربانی کرنے سے پہلے آدابِ حج یہی ہیں کہ بندہ اپنی ذات کے ساتھ ساکن رہے، نہ حجامت بنوائے نہ ناخن کٹوائے۔ احرام کے آداب کا لحاظ رکھے۔ مناسکِ حج کو ادا کرے اور اس طرح ہمہ تن مصروف رہے۔ لیکن قربانی کے بعد حجامت بنوانا، نہانا دھونا، میل کچیل دور کرنے کے حکم میں ہے۔ اگر کوئی نذریں مانی ہوں تو وہ پوری کی جائیں اور بیت اللہ کا آخری طواف کر کے حج سے فارغ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کے قدیم ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔

**حاصل:** قربانی کرنے تک حج کی مصروفیت اور طرح کی ہوتی ہے، بعد میں اور طرح کی ہوتی ہے۔ قربانی کے بعد میل کچیل دور کرنے کا حکم ہے۔ پھر نذریں پوری کرنے کا حکم ہے۔ اور پھر آخری طواف کر کے حج سے فارغ ہو جانے کا حکم ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ ﴿۳۰﴾

یہ اور جو اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے تو اس کے لئے وہ اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے حلال کیے گئے چوپائے سوائے ان کے جو تم پر تلاوت کی جاتی ہے۔ تو بتوں کی گندگی سے اجتناب کرو اور جھوٹے قول سے اجتناب کرو۔

وہ تمام مقامات اور اشیاء اللہ کی حرمات میں داخل ہیں، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کے حوالے سے باعث قرب الٰہی ہیں۔ بیت اللہ شریف، محترم مہینے، قربانی کے جانور، صفا، مروہ، عرفات، منیٰ، مساجد، قرآنِ پاک، یہ سب لائق تعظیم ہیں۔ جو ان کی تعظیم کرے گا وہ بہتری اور بھلائی کے رخ پر ہوگا۔ جو چوپائے اللہ نے حلال ٹھہرائے ہیں، ان کا کھانا باعثِ فلاح ہے۔ جن کے کھانے سے منع فرما دیا گیا ہے ان کے کھانے میں یقیناً خسارہ ہے۔ حلال اور حرام ٹھہرانے کا حق، اللہ کی شان کے لائق ہے۔ بتوں کی گندگی سے اجتناب یہ ہے کہ ہر مقام پر اللہ کے لئے یکسوئی قائم رہے۔ اور جھوٹی بات سے اجتناب یہ ہے، کہ جو کہا جائے اس میں اللہ کی رضا مطلوب ہو۔

**حاصل:** وہ مقامات اور اشیاء لائقِ تعظیم ہیں، جو باعث قربِ الٰہی ہیں۔ حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے۔ اللہ کے لئے یکسو ہونا، گندگی سے بچنے کی صورت ہے، اور لوگوں کی بھلائی کے لئے علم سے بولنا، قولِ زُور سے بچنے کی صورت ہے۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

ایک اللہ کے ہو کر، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ تو جو اللہ کا شریک ٹھہرائے، تو وہ ایسے ہے جیسے آسمان سے گرا، پھر اسے پرندے اچک کر لے گئے، یا ہوا کسی دور جگہ پھینک دے۔

ایک اللہ کا ہو جانا اس طرح ممکن ہے کہ اللہ کی رضا کو مانا جائے اور اللہ کی رضا کو مقصود جانتے ہوئے اس کے بندے کا، اس کی

طرف رجوع لانے والے کا اتباع کیا جائے۔ اگر اپنی خواہشات کو بھی اتنی ہی اہمیت دیجائے، جو اللہ کے حکم کو حاصل ہے، تو یہ شرک خفی ہوگا۔ خفی پہلے ہوتا ہے، جلی بعد میں ہوتا ہے۔ جو اللہ کو مانتا ہے، وہ اعلیٰ کے ساتھ ہے۔ جو معاملات میں اللہ کو ماننے کا ثبوت نہ دے، وہ بلندی سے گر جاتا ہے۔ مردار خور ایسے شکار کے انتظار میں ہوتے ہیں وہ اسے اچک کر لے جاتے ہیں، یا وہ شرک کی بدولت اتنی دور چلا جاتا ہے کہ پھر نہ خیر کو دیکھتا ہے نہ سنتا ہے۔

**حاصل:** اپنے عقیدے کی حفاظت کرنی چاہئے۔ معاملات میں اللہ کو ایک اور لاشریک ماننے کا ثبوت دینا چاہئے۔ شرک سے بندے کو جو نقصان پہنچتا ہے، وہ کسی دوسری صورت سے پہنچ ہی نہیں سکتا۔

**ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾**

یہ اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقویٰ سے ہے۔

جو نشانی قرب الٰہی کا سبب ہو، جیسے صفا اور مروہ ہے، تو وہ نشانی اللہ کے شعائر میں داخل ہوتی ہے۔ اس نشانی کی تعظیم تقوے کا ثبوت ہے۔ متقی کا دل پاک ہوتا ہے اور دل تبھی پاک ہوتا ہے جب ہاتھ امین ہو۔ جس کے ہاتھ سے لوگوں کی حق تلفی ہو اس کا دل کبھی پاک نہیں ہوسکتا۔ اللہ کے شعائر کی تعظیم یہ ہے کہ جو مقامات صاحبانِ حق کے نقوشِ قدم سے منور ہو چکے ہیں، ان پر ہمارا عمل شاہدین کی طریقت کے مطابق ہو۔ پاکی کے ساتھ جو بھی متعلق ہے وہ تعظیم کے لائق ہے۔ پاکی کی قدر اسی کو ہوتی ہے جس کا دل پاک ہو۔

**حاصل:** اللہ کے شعائر کی تعظیم، دل کی پاکیزگی کو ثابت کرتی ہے۔ دل اس کا پاک ہوتا ہے جس کا ہاتھ امین ہو۔

**لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾** ع ۸/۱۱

ان میں تمہارے لئے اجلِ مسمّٰی تک منافع ہیں، پھر ان کا محل بیتِ عتیق کی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو ایک مقدار پر خلق فرمایا ہے۔ ہر شے کو ایک مقصدِ تخلیق کے ساتھ خلق فرمایا ہے۔ ہر شے اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کے لئے خالقِ کل کے مقرر کردہ دائرے میں متحرک رہتی ہے۔ حضرت انسان کو بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ اپنا منشاء تخلیق خالقِ کل کے امر کے مطابق پورا کر رہا ہے یا اپنے شعور کو خلافِ حق استعمال کر رہا ہے۔ حلال جانوروں کو بیت اللہ شریف تک ذبح کرنے کے لئے لے جایا جاتا ہے۔ ذبح کرنے سے پہلے ان جانوروں کا دودھ استعمال ہوسکتا ہے، ان سے دوسرے کام بھی لئے جاسکتے ہیں، اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ جو منافع بھی حاصل کئے جائیں، اللہ کے شکر کے ساتھ حاصل کئے جائیں تو بیت اللہ شریف کی تعظیم کا حق ادا ہوگا۔

**حاصل:** اللہ کے احکام کو ادب سے ماننا چاہئے۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ اپنے منشاء حیات کو دیکھنا چاہئے اور شعور کے ساتھ پاک رہنا چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ (۲) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ۔ اور تم جو بھلائی کا کام کرو، اللہ کو اس کا علم ہے۔ (۲:۱۹۷)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی ٹھہرائی ہے، کہ وہ اس رزق پر اللہ کا نام لیں، جو چوپائے انہیں دیئے گئے ہیں۔ تو تمہارا معبود الٰہ واحد ہی ہے، تو اسی کو تسلیم کرو۔ اور بشارت دیجئے عاجزی کرنے والوں کو۔

چوپایوں کو حکم الٰہی کے مطابق، شاہدین کے اتباع میں قربان کرنا ہر امت میں دین کا ایک رکن رہا ہے۔ جانور ذبح کرتے وقت انبیاء کرام کی تعلیم کے مطابق، موزوں آلے کا اہتمام کیا جاتا ہے، جانور کو سنبھالنے کا بندوبست کیا جاتا ہے، رُخ کو دیکھا جاتا ہے، بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھا جاتا ہے۔ پھر اس رزق کو رضائے الٰہی کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس معبود لاشریک کے لئے پہلے قربانی کی جاتی تھی، اسی کے لئے اب کی جاتی ہے، اسی کے لئے آئندہ کی جائے گی۔ اللہ کو تسلیم کرنا یہ ہے کہ صداقت کے ساتھ اس کے احکام کو مانا جائے، اس کی قدر کی جائے جیسے اس کی قدر کا حق ہے۔ جو ہونے کے مقام پر شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ رہتا ہے اور نہ ہونے کے مقام پر صبر کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ رہتا ہے، وہ شعور کے ساتھ عاجزی کے مقام پر رہتا ہے، دکھ سکھ کو باذن اللہ جانتا ہے۔ ایسے حضرات کو فلاح کی بشارت دی جاتی ہے۔

حاصل: قربانی کرنے کی طریقت کو جاری رکھنا ضروری ہے۔ اللہ کو تسلیم کرنا دعویٰ ہے، اس کی شہادت بھی ضروری ہے۔ عاجزی ہو تو بندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈرتے ہیں، اور مصیبت پر صابر رہتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

عاجزی کرنے والوں کی صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے، کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈرتے ہیں۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ ہم سے حق کی احسن ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو جائے اور صالحین کے اتباع کا دعویٰ بے معنی نہ ہو جائے۔ مصائب وآلام کو باذن اللہ جانتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور اللہ کی نصرت کا اس طرح یقین رکھتے ہیں کہ وہ خیر الناصرین جو کچھ کرے گا، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ نماز قائم کرتے ہیں، کہ نماز میں کئے گئے پاکیزگی کے عہد پر قائم رہتے ہیں۔ معاملات اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں، اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ جو رزق اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہوئے حاصل کیا جائے وہی اللہ کا دیا ہوا رزق ہے، اور پاک رزق ہے۔ اسی کو اللہ پسند کرتا ہے، اور اسی کو اللہ کی راہ پر خرچ کیا جائے تو عاجزی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو رزق ناجائز طریقے سے حاصل کیا جائے وہ ناپاک ہے، اور ناپاک کو اللہ پاک کے نام پر خرچ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل: عاجزی کرنے والے بندے، احکام الٰہی کا احترام کرتے ہیں۔ جس کا ادب ہو اس کا ڈر بھی ہوتا ہے۔ مصائب وآلام کو باذن اللہ جانا جائے تو صبر ممکن ہوتا ہے۔ نماز قائم ہو جائے تو برائی اور بے حیائی سے بچ جانا بھی مشاہدے میں آنا چاہیئے۔ اللہ کے راستے میں صرف پاک مال کو ہی خرچ کیا جاسکتا ہے۔

وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر ٹھہرایا ہے، ان میں تمہارے لئے خیر ہے، تو ان پر اللہ کا نام لو کھڑے ہو کر۔ تو جب وہ پہلو پر گر جائیں، تو ان میں سے خود کھاؤ اور قناعت کرنے والے کو کھلاؤ اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔ اسی لئے ہم نے تمہارے لئے انہیں مسخر کر دیا ہے تا کہ تم شکر کرو۔

وہ جانیں جو اللہ کے لئے قربان کی جائیں، اللہ کے شعائر ہیں۔ اونٹ بڑا جانور ہے، اس کی قربانی کا طریقہ بھی مخصوص ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ استطاعت ہو تو یقیناً اس قربانی میں بھلائی ہے، اور قربانی کرنے والا اس بات کو یاد رکھے کہ اللہ نے اس میں بہتری کی سند نازل فرمائی ہے۔ اونٹ کو قربان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو قبلہ رو کھڑا کیا جائے، اگلی ایک ٹانگ باندھی جائے، سینے پر تکبیر پڑھ کر زخم لگایا جائے، جب جانور پہلو پر گر جائے تو کھال اتار کر گوشت بنایا جائے۔ سب سے پہلے قربانی کرنے والے کا حق ہے کہ اس میں سے کھائے، پھر قناعت کرنے والے کا حق ہے کہ اس کو دیا جائے، اور پھر سوال کرنے والے کو دیا جائے۔ قول کا شکریہ قول سے ادا ہوتا ہے، عمل کا شکریہ مال سے ادا ہوتا ہے، علم کا شکریہ علم سے ادا ہوتا ہے اور اخلاص کا شکریہ اخلاص سے ادا ہوتا ہے۔ اتنا بڑا جانور انسان کی خدمت کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے، جو بار برداری کے کام آتا ہے، سواری کے کام آتا ہے، پھر اس کا گوشت اور دوسرے ارکانِ جسم بھی کام آتے ہیں۔ شکریہ تو اللہ کا ہی ادا کیا جائے گا جس نے اونٹ کو ہمارے لئے مسخر کیا ہے۔

**حاصل:** قربانی کے اونٹ بھی اللہ کی نشانیوں سے ہیں۔ استطاعت کی موجودگی میں یہ قربانی بہتر ہے۔ قربانی کا طریقہ وہی ہو جو اللہ نے روشن فرمایا ہے۔ قربانی کرنے والا خود بھی کھائے، قناعت کرنے والوں کو اور سوال کرنے والوں کو بھی دے، اور اللہ کا شکر ادا کرے کہ حق ادا ہو گیا ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

اللہ کو نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، لیکن تمہارا تقویٰ اسے پہنچتا ہے۔ اس طرح ہم نے انہیں تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ تم اللہ کی تکبیر کہو جو تمہیں ہدایت فرمائی۔ اور محسنین کو بشارت دیجئے۔

گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا۔ تقویٰ اللہ سے تعلق کا ثبوت ہوتا ہے اور جس قربانی کے پیچھے یہ حقیقت موجود ہو تو وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اللہ کی تکبیر کہنے کے بعد، بندے میں تکبر نام کو بھی نہیں رہنا چاہئے ورنہ وہ ہدایت سے خالی ہے، جھوٹا ہے اور اس کی قربانی

کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ قربانی لوگوں کو سکھ دے، آسانی مہیا کرے، ان کی قدر و منزلت کا باعث بنے تو قربانی کرنے والا یقیناً محسن ہے۔ محسنین کو تائیدِ ایزدی کی بشارت دی جاتی ہے۔

**حاصل:** گوشت اور خون کے پیچھے تقویٰ موجود ہو تو قربانی باحقیقت ہوتی ہے ورنہ بے حقیقت ہوتی ہے۔ اللہ کی تکبیر پڑھنے کے بعد تکبر کے کلمات بندے کو صرف جھوٹا ہی ثابت کرتے ہیں، جھوٹا ہدایت نہیں پاتا۔ محسنین کو تائیدِ ایزدی کی بشارت دی جاتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع

بے شک اللہ ایمان والوں سے انہیں دفع کرے گا۔ بے شک اللہ کسی دغاباز، ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

محسنین کی مخالفت کرنے والے، دغاباز اور ناشکرے ہوتے ہیں۔ اللہ منکرینِ حق کو جو مہلت دیتا ہے وہ اصلاح کو قبول کرنے کے لئے ہوتی ہے اور اتمام حجت کے لئے ہوتی ہے۔ منکرینِ حق کو جو توفیق دی گئی ہوتی ہے وہ واپس لینے میں اللہ کو کوئی دیر نہیں لگتی۔ قاعدہ کلیہ یہی ہے، جو محسنین کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے اور ان کے اخلاص کی سند کو دیکھ لینے کے بعد بھی بری حرکات سے باز نہیں آتا، اسکو محسنین کے راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ دغابازی کرنے والے، ناشکری کرنے والے کبھی اللہ کو پسند نہیں ہوتے۔

**حاصل:** محسنین کی مخالفت کرنے والے دغاباز اور ناشکرے ہوتے ہیں۔ اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے اور ان کے مخالفین کو ناپسند کرتا ہے۔ جو محسنین کی صداقت کو عملاً دیکھ لینے کے بعد بھی بری حرکات سے باز نہ آئے، اللہ اسے محسنین کے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم (۱۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اور ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ اللہ ظالموں کے اعمال سے غافل ہے۔ (۱۴:۴۲)

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ﴿۳۹﴾

اِذن دیا گیا ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس لئے کہ ان پر ظلم ہوا، اور اللہ یقیناً ان کی نصرت پر قادر ہے۔

محسنین کو ہمیشہ اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ جب برداشت کرنے کا مقام ہوتا ہے، صبر کرنے کا مقام ہوتا ہے، وہ صبر کرتے ہیں۔ ظلم کو سہنے کا مقام ہوتا ہے تو سہتے ہیں۔ امام المومنین کی طرف سے جب اجازت مل جاتی ہے تو عملاً ظالموں کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قدرت یہ شان رکھتی ہے، کہ وہ قلیل اور بے سروسامان لوگوں کو کثیر اور سامانِ حرب پر اترانے والے لوگوں پر غالب کر دے۔ سب سے بڑی قوت والا جس کے ساتھ ہو، خیر الناصرین جس کے ساتھ ہو، اس کی شان ہمیشہ بلند ہوتی ہے۔ (۱۴:۴۲)

**حاصل:** ظلم سہنے والے کو دھیان رکھنا چاہئے، کہ اس کی طرف سے جو جوابی کاروائی بھی ہو قطعاً حق کے حوالے

سے ہو۔ اللہ جو مدد دے سکتا ہے وہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ اللہ کی مدد سے قلیل لوگ بے سروسامانی کے باوجود، کثیر لوگوں پر اور سامانِ حرب کے انبار رکھنے والے لوگوں پر غالب آجاتے ہیں۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾

وہ لوگ جو اپنے دیار سے ناحق نکالے گئے، صرف اس بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو ضرور خلوت خانے اور کلیسے اور عبادت گاہیں اور مساجد منہدم کر دیئے جاتے جن میں اللہ کا ذِکر کثیر ہوتا ہے۔ اور اللہ ضرور اس کی نصرت فرمائے گا جو اس کی نصرت کرے گا۔ بے شک اللہ ضرور قوت والا عزت والا ہے۔

بظاہر یہ ایک چھوٹی بات لگتی ہے، کہ کسی فرد یا جماعت کو صرف اس بنا پر اس قدر مجبور کر دیا جائے کہ وہ اپنا گھر چھوڑ دے۔ کافروں کو مومنین کی یہ بات کہ ''ہمارا رب تو اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔'' کیوں اتنی تکلیف دہ لگتی تھی کہ انہیں اپنا حال اور مستقبل غیر محفوظ نظر آتا تھا اور وہ انہیں اپنی بستیوں سے نکالنے پر تل جاتے تھے۔ کافر لوگ یہ دیکھتے تھے کہ مومنین اللہ کی وحدانیت کو اپنے اعمال سے ثابت کر رہے ہیں۔ اس طریقِ زندگی میں خلوت وجلوت کی پاکیزگی لازم ہے۔ ہر کام میں اللہ کی رضا کا مقصود ہونا ضروری ہے۔ اس معاشرے میں انسان کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اور کافروں کو یہ پسند تھا کہ اللہ کی عبادت بھی ہو مگر کسی وقت ہو، ہمہ وقت اللہ کی بندگی، ہمہ وقت اس کی اطاعت انہیں قطعاً پسند نہ تھی۔ یہ بات انہیں اپنی سلامتی کے لئے خطرہ نظر آتی تھی۔ اللہ جو بھی کرتا ہے، اپنے علم سے کرتا ہے۔ اگر اس نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعے دفع نہ کیا ہوتا، تو ضرور خلوت خانے اور کلیسے اور عبادت گاہیں اور مساجد منہدم کر دیئے جاتے۔ حق کو مٹانے کی کوشش ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے، لیکن مٹتا ہر زمانے میں باطل ہی رہا ہے۔ عیسائیوں کے عبادت خانے موجود ہیں، یہودیوں کے عبادت خانے موجود ہیں، مساجد جو اللہ کے ذکرِ کثیر کے مقام ہیں موجود ہیں۔ اگر باطل کو غلبہ ہوتا تو دین کے مراکز کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔ مغلوب کا دین کبھی غالب کو پسند نہیں ہوتا، اس لئے وہ اس کے مراکز کو نابود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کی نصرت کی بدولت ہی دین کو استحکام ملتا ہے۔ جو حق کی مدد کرتا ہے وہ اپنا بھلا کرتا ہے۔ اللہ کی مدد سے جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ سب سے بڑا قوت والا، سب سے بڑا عزت والا ساتھ ہو تو پھر چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔

**حاصل:** وہ نظامِ حیات قائم کرنا چاہیئے، جس سے یہ ثابت ہو کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے۔ اجتماعی زندگی میں اس نظام کو قائم کرنا ہر ہر فرد کے لئے باعث عافیت ہوگا۔ اللہ پہلے بھی حق کی مدد کرتا رہا ہے، اب بھی کرتا ہے آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ دینی مراکز کی موجودگی اس کی سند ہے۔ جو حق کے ساتھ ہوگا، اللہ اس کے ساتھ ہوگا، اور اللہ جس کے ساتھ ہوگا اس کے ساتھ مقابلہ کرنے والے کی حیثیت ہی کیا ہوگی۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

وہ لوگ کہ اگر انہیں زمین میں اقتدار بخشا جائے تو صلوٰۃ قائم رکھیں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور بھلائی کا امر دیں اور برائی سے منع کریں۔ اور امور کی عاقبت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

یہ ان حضرات کی صفات کا ذکر ہے، جن کو اللہ کی نصرت نصیب ہوتی ہے۔ جب ان کے پاس اختیار آتا ہے تو وہ قطعاً اللہ کی رضا کے لئے ہر کام کرتے ہیں۔ وہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں، یہ قول کے پاک رکھنے کی اجتماعی صورت ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، کہ مال کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرنے سے پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے۔ پاک مال ہی کسی معاشرے کو باحقیقت بنا سکتا ہے۔ پاک اور ناپاک مال میں واضح طور پر فرق نظر آئے تو پاک کی اہمیت روشن ہو جاتی ہے۔ بھلائی کا امر دینا، امر الٰہی کی تعمیل کا حکم دینا ہے مگر شاہدین کی طریقت کے مطابق، اور برائی سے منع کرنا من مانی کرنے سے روکنا ہے۔ اور پھر اپنا حق ادا کرنے کے بعد اپنی پسند کے نتائج سے خود کو باندھ لینا بھی بے جا ہے۔ نتائج کو باذن اللہ جاننا حق ہے۔ جو وقت کسی نتیجے کے سامنے لانے کا اللہ کو پسند ہوتا ہے، اسی وقت پر وہ نتیجہ سامنے آنا چاہئے۔ اور بندہ یہ مان لے کہ اللہ کی رضا سے بہتر کچھ نہیں ہے، اور اللہ کی رضا کے مطابق اپنا حق ادا کرتا رہے تو اس سے بڑا کوئی سکھ بھی نہیں ہے۔ حالات جو ہوں، راحت تعلق مع اللہ میں ہی رکھی گئی ہے۔

**حاصل:** وہ پاک صفات ہم میں موجود ہونی چاہئیں جن کا یہاں ذکر فرمایا ہے، اور وہ ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بھلائی کا امر کرنا، برائی سے منع کرنا اور نتائج کو باذنِ اللہ جانتے ہوئے حق کی احسن ادائیگی کو طریق زندگی بنا لینا۔ یہ معاشرے کو باحقیقت بنانے کی طریقت ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾

اور اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے قبل قوم نوح اور عاد اور ثمود بھی تکذیب کر چکے ہیں۔

جو لوگ حال پر منکرین حق کے رویئے کو دیکھ کر دکھ محسوس کرتے ہیں، انہیں ماضی میں جھانکنے سے مدد ملتی ہے۔ حق کو جھٹلانے والے ہر زمانے میں ہی رہے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے لمبی مدت تک لوگوں کو بھلائی کی طرف بلایا، لوگوں نے یہی جواب دیا: ہمیں آپ میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھی بنے ہیں وہ ہمارے معاشرے میں رذیل لوگ ہیں۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو وہ عذاب لے آئیں، جس سے آپ ڈرایا کرتے ہیں۔ وہ قوم غرق کر دی گئی۔ جو پاک لوگ بچے، ان کی نسل بڑھی اور بہت بڑھی، تو یہ لوگ عاد کہلائے۔ ان میں حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے لوگوں کو خلافِ حق کرنے سے منع کیا، تقویٰ کرنے کی ترغیب دی، عذابِ الٰہی سے ڈرایا۔ تو قوم نے یہ جواب دیا: ہمیں تو آپ بے وقوف نظر آتے ہیں اور ہمیں آپ جھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ پاک لوگ جو حضرت ہود علیہ السلام کی معیت میں تھے نجات پا گئے باقی عذابِ الٰہی سے مٹا دیئے گئے۔ پھر جو پاک لوگ بچے، ان کی نسل بڑھی اور ان کو ثمود کا نام دیا گیا۔ ان میں حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے یہ ہی فرمایا: اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اور یہ اللہ کی اونٹنی ہے، اسے برائی سے مَس نہ کرنا ورنہ تمہیں المناک عذاب پکڑے گا۔ قوم نے حق کے انکار کے ساتھ اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور کہا وہ عذاب لے آیئے جس سے آپ ڈرایا کرتے ہیں۔ عذابِ الٰہی آیا اور اس نے ان لوگوں کو نابود کر کے رکھ دیا۔

**حاصل:** حال پر اگر حق کی تکذیب ہو رہی ہے، تو ماضی میں بھی ہو چکی ہے۔ پاک لوگوں کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، کہ وہ اس راستے پر ہیں، جو اللہ کے محبوب بندوں کا راستہ ہے اور یہ راستہ ماضی میں بھی اسی طرح تھا۔

**وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾** اور قومِ ابراہیم اور قومِ لوط۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کی تکذیب کی اور اپنے بتوں کو بے حقیقت دیکھ لینے کے بعد بھی انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا جائے اور اپنے بتوں کی مدد کی جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان کو ان کی یکسوئی کی بدولت اس قدر روشن کیا گیا کہ قیامت تک لوگ ان سے نور پاتے رہیں گے۔ آپ نے دیکھا کہ میرے ساتھ جو بھی ہوگا، باذنِ اللہ ہوگا۔ اللہ نے آپ کے لئے آگ کو ٹھنڈا کر دیا، اور منکرینِ حق ہی خسارے میں پڑے۔ حضرت لوط علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا تم لوگ وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ عذابِ الٰہی سے ڈرو۔ تم عبرتناک سزا پاؤ گے۔ قوم نے یہی جواب دیا کہ یہ لوگ پاکیزگی چاہتے ہیں، ان کو اپنی بستی سے نکال دیا جائے۔ اس قوم پر عذاب آیا اور یہ لوگ مٹا دیئے گئے۔ نجات انہیں نصیب ہوئی جو پاک تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کی معیت میں تھے۔ جو قادرِ مطلق پہلے منکرینِ حق کو تباہ کر چکا ہے، اس کی قدرت کو کبھی محدود نہیں کیا جا سکتا۔ جو خلافِ حق کرے گا، اللہ اس کی ہلاکت سے پہلے اتمامِ حجت ضرور کرتا ہے۔

**حاصل:** منکرینِ حق کی سوچ درست نہیں ہوتی۔ وہ اپنی حیثیت کو اللہ کی قدرت کے حوالے سے دیکھیں تو انہیں خلافِ حق کرنے سے رک جانا چاہئے۔ پاکیزگی کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

**وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾** اور مدین والے۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کی بھی تکذیب ہوئی، تو میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر انہیں پکڑا۔ تو کیسا ہوا میرا انکار۔

مدین والوں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن نشانیاں آ چکی ہیں، تو ناپ اور تول کو پورا رکھو اور لوگوں کی چیزیں انہیں گھٹا کر نہ دو۔ اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ماننے والے ہو۔ منکرینِ حق نے یہی کہا: اے شعیب (علیہ السلام) ہم آپ کو اور آپ کے ایمان والے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ، ہمارے طریقِ زندگی کو اختیار کرو۔ حق کو جھٹلانے والوں کو اللہ نے مہلت دی، پھر انہیں عذابِ الٰہی نے پکڑا تو وہ خود کو بچا نہیں سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا۔ آپ کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی، فرعون اور اس کے ساتھیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی راہ ہی اختیار کی، تو اللہ کو منکرینِ حق کے غرق کرنے میں کوئی دیر نہیں لگی۔ جہاں بھی حق کا انکار ہو وہاں عذابِ الٰہی کو دعوت دی جا رہی ہوتی ہے۔ اللہ اتمامِ حجت کے بغیر کسی قوم کو عذاب میں نہیں پکڑتا۔

**حاصل:** حق کا انکار عذابِ الٰہی کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اللہ مہلت ضرور دیتا ہے۔ اللہ کی پکڑ سے بچ جانا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ ماضی سے سبق نہ لیا جائے تو حسنِ معاشرت کا دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

اور کتنے ہی قریئے ہم نے ہلاک کر دیئے کہ وہ ظالم تھے، تو وہ اپنی چھتوں پر گرے پڑے ہیں، اور کنویں معطل پڑے ہیں اور چونے کے قصر بیکار پڑے ہیں۔

لوگ ہمیشہ خلافِ حق کرتے ہوئے عذابِ الٰہی میں پکڑے گئے ہیں۔ ماضی میں کتنی ہی بستیاں اس طرح ہلاک ہو چکی ہیں۔ اب ان کے مساکن برباد پڑے ہیں۔ اب ان کے کنوؤں سے پانی لینے والا کوئی نہیں۔ اب ان کے عالی شان محلوں میں رہنے والا کوئی نہیں۔ ماضی میں خلافِ حق کرنے والوں کے آثارِ قدیمہ سے سبق لینا داشن مندی ہے، اور عذاب میں پکڑے جانے والے لوگوں کی راہ کو اختیار کرنا خسارے کو اپنے لئے مقدر کرنا ہے۔ اپنے رخ پر نظر رکھنی چاہئے۔

**حاصل:** خلافِ حق کرنے والے اپنے مطلوبہ نتائج کو کبھی نہیں پا سکتے۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ ماضی سے سبق لینا دانش مندی ہے۔ حق کے مطابق اپنے کنوؤں کو آباد رکھنا چاہئے۔ اپنی رہائش گاہوں کو ایسے بنانا چاہئے کہ اللہ کے ماننے کا ثبوت ملے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی، تو ان کے قلوب ہوں تو عقل کریں، یا کان ہوں تو سنیں۔ تو آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، ولیکن قلب اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

ماضی کے آثارِ قدیمہ سے سبق لینا، زمین میں سیر کرنے کا منشاء ہو تو یہ دانش مندی کی سند ہے۔ عقل مندی کا تعلق دل سے ہے، اور دل اگر خواہشاتِ نفس کے دائرے سے باہر نہ نکلے تو پھر عقل مندی کا دعویٰ بے معنی ہو جاتا ہے۔ کان جسم میں آلۂ سماعت ہے۔ جو کان حق کو سن کر ان سنا کر دے وہ کان بے حقیقت ہے۔ جو آنکھ حق کو دیکھ کر بھی خواہشات کی پیروی میں لگی رہے وہ آنکھ بے بصیرت ہے۔ دل میں نور ہو تو آنکھ حق کو دیکھ پاتی ہے، اور دل میں ایمان کی روشنی نہ ہو تو آنکھ کیا دیکھ لے گی۔

**حاصل:** سیر کا منشاء آثارِ قدیمہ سے سبق لینا ہو تو یقیناً دانش مندی ہے۔ کان حق کو سنیں اور عمل کے صالح ہونے سے اس کا ثبوت ملے تو وہ کان باحقیقت ہیں۔ آنکھیں حق کو دیکھیں اور عمل صالح اس کا ثبوت ہو تو وہ آنکھیں باحقیقت ہیں۔ دل میں نور ہو تو آنکھ میں بصیرت ہوتی ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

اور آپ سے عذاب میں تعجیل کرتے ہیں، اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ خلاف نہیں کرے گا۔ اور بے شک تمہارے رب کے نزدیک ایک دن ایسا ہے جیسے تمہاری گنتی میں ہزار برس۔

کافروں کا یہ طریقہ بتا رہا ہے، کہ وہ حق کو ماننے کے لئے عذاب الٰہی طلب کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ صاحب آپ اگر سچے ہیں تو وہ عذاب لے آیئے جس کا آپ ہمیں ڈراوا دیتے ہیں۔ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ اللہ کا کام، اللہ کے علم سے ہوتا ہے، اور اللہ اتمامِ حجت کے بغیر کسی کو بتلائے عذاب نہیں کرتا۔ سکھ کا وقت طویل نہیں لگتا، مگر دکھ کا وقت بڑا طویل لگتا ہے، اور دکھ کا دن، عذاب کا دن ایسے ہوگا جیسے ہزار برس کا دن ہو۔

**حاصل:** عذابِ الٰہی کو طلب کرنا انتہائی بے عقلی ہے۔ اللہ کا کام، اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ اللہ سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں۔ سکھ کا وقت طویل نہیں لگتا، دکھ کا وقت بہت طویل لگتا ہے، عذاب الٰہی مانگنے والوں کو اس پر بھی نظر کرنی چاہئے۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ ع ۱۲

اور کتنے ہی قریئے کہ ہم نے انہیں مہلت دی اور وہ ظالم تھے، پھر میں نے انہیں پکڑا، اور میری طرف ہی پھر کر آنا ہے۔

ماضی میں ایسی کتنی مثالیں ہیں، کہ لوگوں کو اللہ نے آسانیاں عطا فرمائیں، ان پر حق کو روشن کیا، انہیں خلافِ حق کرنے کے انجام سے آگاہ کیا۔ پھر ان لوگوں نے ظلم کی روش اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دی، اور اتمامِ حجت کے بعد انہیں پکڑ لیا۔ پھر وہ بھاگ بھی نہ سکے اور کوئی ان کی مدد کو بھی نہ آیا۔ جانا تو سب کو اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔ جو بامراد ہو کر جائیں وہ فلاح پانے والے ہیں، جو نامراد ہو کر جائیں وہ خسارے والے ہیں۔

**حاصل:** مہلت دینا اللہ کی شان ہے۔ ظلم کرنے والے کو اللہ کی پکڑ سے بچا لینا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اللہ کی طرف لوٹ کر جانے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو پھر بامراد ہو کر جانا ہی بھلائی کی صورت ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (۷) میں فرمایا ہے: اور ہم نے کسی بستی میں بھی نبی بھیجا تو اس کے اہل کو سختی اور نقصان میں پکڑا کہ وہ زاری کریں: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی بدل دی، یہاں تک کہ بہت ہو گئے، اور کہنے لگے کہ بے شک ہمارے باپ دادوں کو بھی رنج و راحت پہنچے تھے، تو ہم نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں شعور بھی نہ تھا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٩﴾

فرما دیجئے اے لوگو میں تو تمہیں صریحاً ڈر سنانے والا ہوں۔

عذابِ الٰہی کا لانا اللہ کا کام ہے۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ جب اس کا عذاب آتا ہے تو پھر اس کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس سے بھاگ کے جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس وقت حق کو مان لینا کسی کو نفع نہیں دیتا۔ اس لئے بھلائی کی راہ کو اختیار کرنا حال

پر ہی ممکن ہے، اور حق پہنچانے والے کے ذمے یہی ہے کہ وہ بشارت کے بعد انذار بھی کر دے۔ خلافِ حق کرنے کے انجام سے کما حقہٗ آگاہ کر دینا بہت بڑی بات ہے۔

**حاصل:** خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنے والا یقیناً ان کا سب سے بڑا بہی خواہ ہوتا ہے۔ اپنے بہی خواہ کی قدر کرنی چاہیے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

تو جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ ہاتھ امین ہو تو امین سے نسبت کا ثبوت ملے گا۔ محض امین کی باتیں کرتے رہنے سے، امین ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ جو اپنے دعویٰ ایمان کو صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت کر دے، اس کو پاکیزگی کا رُخ اختیار کرنے کی بدولت ماضی کے گناہوں سے خلاصی مل جاتی ہے اور پاک رزق نصیب ہوتا ہے۔

**حاصل:** اپنے ایمان کے ساتھ صالح اعمال کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کی مدد بھی کرنی چاہیے۔

وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اور جو لوگ ہماری آیات کے ہرانے کے لئے سعی کرتے ہیں وہی دوزخ والے ہیں۔

اللہ کی نشانیاں، ہدایت کی طلب رکھنے والوں کو باعثِ قربِ الٰہی نظر آتی ہیں۔ حق کا انکار کرنے والے ان نشانیوں کو مٹانے میں اپنی عافیت دیکھتے ہیں، اس لئے ان کی کوشش ان نشانیوں کو مٹانے کی ہی ہوتی ہے۔ یہی کوشش ان کو دوزخی بنا دیتی ہے۔ نتائج پر قدرت تو ان کو ہو نہیں سکتی، عمل کے لئے دی گئی توفیق کا خلافِ حق استعمال اور حالتِ کفر پر اس دنیا سے روانگی ان کے دوزخی ہونے کی سند ہے۔

**حاصل:** فرمانِ خداوندی کی مخالفت پر کمر بستہ لوگ دوزخی ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں سے الگ رہنا چاہیے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے آپ سے قبل جو رسول اور نبی بھی بھیجا تو جب بھی اس نے تمنا کی، شیطان نے اس میں خلل ڈالا۔ پھر اللہ شیطان کے وسوسوں کو مٹا دیتا ہے، پھر اپنی آیات کو محکم فرما دیتا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ کے رسول کی بات، اللہ کے نبی کی بات، اللہ کی بات ہوتی ہے۔ جس کی اپنی کوئی بات ہو وہ اس لائق ہی نہیں ہوتا، کہ اللہ اسے اپنی بات کا حامل بنائے۔ رسول اور نبی کی تمنا یہی ہوتی تھی کہ لوگ حق کو مانیں اور فلاح پائیں۔ شیطان اس طرح خلل ڈالتا تھا کہ حکمِ الٰہی میں

لوگوں کو اپنی خواہشات داخل کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ مثلاً بنی اسرائیل کو ایک وقت میں یہ حکم دیا گیا کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہ کیا جائے۔ شیطان نے انہیں وسوسے میں ڈالا کہ حکم تو یہی ہے کہ ہفتے کے دن مچھلی نہ پکڑی جائے، باقی دنوں میں تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ تم ایسا بندوبست کرلو کہ ہفتے سے پہلے مچھلی کے سنبھالنے کا انتظام ہو۔ ہفتے کو مچھلی خود بخود ان مقامات میں جمع ہوجائے گی جو اس مقصد کے لئے بنائے گئے ہوں گے، اتوار کو پکڑلی جائے گی۔ ان لوگوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے: کہ ہم نے انہیں برے عذاب میں پکڑا کہ وہ فسق کرتے تھے۔ فسق کو مٹانے کے لئے فاسق کو مٹانا اللہ کی سنت ہے اور فاسق کو ہدایت نہیں ہوتی۔ اس طرح اللہ کی آیات پر عمل کرنے میں، اور من مانی کرنے سے اجتناب میں لوگوں کو مدد ملتی ہے۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے، اس کی حکمت بھی سب سے بڑی ہے۔ اللہ کا ساتھ ہو تو اس کے علم سے استفادہ ممکن ہوتا ہے، اس کی حکمت سے استفادہ ممکن ہوتا ہے۔

**حاصل:** ہر رسول اور نبی کے اصل مخالفین کو پہچاننا ضروری ہے۔ یہ لوگ اللہ کے رسول اور نبی کا نام لے کر اس میں اپنی پسند کو شامل کرتے ہیں۔ انجام ان کا عبرتناک ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی آیات محکم ہوتی ہیں۔ بندہ اللہ کا ہو جائے تو اس کے علم اور حکمت سے استفادہ کرسکتا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۙ﴿۵۳﴾

اس لئے کہ جو کچھ شیطان نے ملایا ہے، اس کو ان لوگوں کے لئے فتنہ ٹھہرائے جن کے قلوب میں مرض ہے، اور جن کے قلوب سخت ہیں۔ اور بیشک ظالمین دور کی مخالفت میں پڑے ہیں۔

شیطان جو کچھ حق میں ملاتا ہے، وہ لوگوں کو ان کی خواہشات کے جال میں پھنسانے کے لئے ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو منافق ہوتے ہیں، ان کے قلوب میں مرض ہوتا ہے۔ یہ خلوت وجلوت میں ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اور وہ لوگ جو اپنے باپ دادوں کی روش کو سند جانتے ہیں حالانکہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند بھی ان کے سامنے نہیں ہوتی، یہ سخت دل لوگ ہیں۔ جہاں یہ دونوں صفات ہوں گی وہاں ظلم ضرور ہوگا۔ ظالم حق کی مخالفت میں سب کچھ لگا دیتے ہیں، اس لئے فلاح سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔

**حاصل:** خلوت وجلوت میں حق کے مطابق رہنا اور بے سند باتوں سے بچنا، اس فتنے سے بچنے کے لئے ضروری ہے جو ظالموں کو فلاح سے دور لے جاتا ہے۔ خلافِ حق کرنا ہی ظلم ہے۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

اور اس لئے کہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے جنہیں علم عطا ہوا ہے، کہ بے شک وہ تمہارے رب کے پاس سے حق ہے، تو اس کو مانیں پھر ان کے قلوب جھک جائیں۔ اور بے شک اللہ ضرور ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

حق کے ساتھ اپنی پسند کو شامل کرنے والے جب پکڑے جاتے ہیں، تو ان کا انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ علم والوں کو اس سے پتہ چلتا ہے، کہ اللہ کا فرمان اس کے شاہد کے حوالے سے مانا جائے تو ماننے کا حق ادا ہوتا ہے۔ جو حق کو اس طرح مانتے ہیں ان کے دل جھک جاتے ہیں، وہ کسی بھی مقام پر اپنی پسند کو معیار نہیں جانتے۔ اپنے صاحب کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ ایسے ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا ہوتی ہے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ جن لوگوں کو یہ انعام ملتا ہے، ان کی صفات کو اپنانا، فلاح کے رُخ پر ہونے کی سند ہے۔

**حاصل:** علم والے حقائق سے جو فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہ دوسرے نہیں اٹھا سکتے۔ حق کو ماننے والوں کے دل جھک جاتے ہیں۔ اللہ ایسے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ یَاْتِیَهُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ ﴿۵۵﴾

اور کافر اس سے شک میں ہی رہیں گے، حتیٰ کہ ساعت ان پر اچانک آجائے، یا ان پر نامرادی کے دن کا عذاب آئے۔

حق کا انکار کرنے والے یہ نہیں مانتے کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا بھی دی جائے گی۔ جزا کا انکار وہ محور ہے جس کے گرد کافر کی پوری زندگی گھومتی رہتی ہے۔ جب قیامت آئے گی تو وہ لوگ جو حق کا انکار کرتے رہے ہوں گے حق کو مان لیں گے، مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں ہوگا۔ قیامت سے پہلے اگر اللہ ان لوگوں کو ایسے عذاب میں پکڑے جو ان کو نامراد کر دے، تبھی یہ حق کو ماننے کی طرف آئیں گے، مگر جس وقت ماننے کے بعد عملاً سچا ثابت ہونے کی مہلت ہی نہ ہو اس وقت ماننا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

**حاصل:** جزا کا انکار کافر کی پہچان ہے۔ کافر اللہ کی گرفت میں آ کر مانتا ہے مگر اسوقت حق کو تسلیم کرنا نفع نہیں دیتا۔

اَلْمُلْكُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۵۶﴾

بادشاہی اس دن اللہ کی ہوگی۔ وہ ان کے مابین فیصلہ فرما دے گا۔ تو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے وہ چین کے جنتوں میں ہوں گے۔

قیامت کے دن کی حیثیت حال کے دن سے بہت مختلف ہوگی۔ حال کا دن یہ دیکھنے کے لئے ہے کہ کون حق کو مانتا ہے اور کون حق کے خلاف کرتا ہے۔ قیامت کا دن، جزا کے لئے ہوگا۔ اللہ اس دن حق کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے مابین ایسا فیصلہ فرما دے گا، جس فیصلے میں کسی کو شک نہ رہے گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد صالح اعمال سے اپنے دعویٔ ایمان کو سچا ثابت کیا، وہ لوگ ایسے باغوں میں رکھے جائیں گے جہاں نعمتیں ان کی منتظر ہوں گی۔

**حاصل:** جس دن بادشاہی اللہ کی ہوگی، اس دن فیصلہ کرنے والا مالکِ کُل ہوگا۔ اللہ کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوگا۔ ایمان کا ثبوت صالح اعمال سے ہی ملتا ہے۔ جو لوگ سچے ثابت ہو جائیں گے، انہیں ایسے باغوں میں رکھا جائے گا جہاں نعمتوں کو ان کا انتظار ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۵۷ ع

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

جن لوگوں نے خلافِ حق کیا، اور اللہ کے فرمان کو جھٹلاتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگئے، وہ لوگ استکبار کرتے کرتے سب کچھ ضائع کرلیں گے۔ان کا انجام ذلت کا عذاب ہوگا۔عزت اللہ کے لئے ہے، اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے۔ جسے عزت مطلوب ہو اسے مومنین کی صفات کو اپنانا چاہئے۔استکبار کرنے والوں کو ذلت کا عذاب دینا، اللہ کا طریقہ ہے۔

**حاصل:** حق کا انکار کرنا، استکبار کی علامت ہے۔اس کا انجام ذلت کا عذاب ہوگا۔جسے عزت مطلوب ہو اسے اللہ کے رسول ﷺ سے محبت رکھنی چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (١٦) میں ارشاد فرمایا ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۳۳ کا ہے کے انتظار میں ہیں، مگر اس کے کہ فرشتے ان پر آئیں یا تمہارے رب کا امر آئے۔ان سے قبل لوگوں نے بھی یہی کیا۔اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا، لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۵۸

اور وہ لوگ جنہوں نے فی سبیل اللہ ہجرت کی، پھر شہید ہوگئے یا انہیں موت آگئی، تو ضرور اللہ انہیں اچھا رزق دے گا۔اور بیشک اللہ ہی خیر الرازقین ہے۔

بندگی کا حق ادا کرنے میں جب حال پر نا قابلِ برداشت دکھ پہنچتا ہو تو شاہد کے حکم کے مطابق ہجرت کا مقام آتا ہے۔ہجرت شاہد کے امر کے تحت ہوگی تو فی سبیل اللہ ہوگی، اور فی سبیل اللہ ہوگی تو پھر موت دشمن کے ہاتھوں آئے یا طبعی موت آئے، وہ شہادت کا درجہ رکھتی ہوگی۔اللہ ایسے لوگوں کی پاک دامنی کا جو انعام اُنہیں دیتا ہے، وہ اللہ ہی دے سکتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی رزق دینے والا نہیں ہے۔ خیر الرازقین جو کچھ دے سکتا ہے وہ کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں۔بندے کو جو کچھ درکار ہوتا ہے، اس کا سب سے بڑا علم بھی اللہ ہی کو ہوتا ہے اس لئے فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والے رزق کو ساتھ لے کر جانے کا سوچتے بھی نہیں۔

**حاصل:** فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں کو موت طبعی طور پر بھی آئے تو وہ شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔شہید کو رزقِ حسنہ سے نوازا جاتا ہے۔خیر الرازقین جو کچھ عطا کرسکتا ہے، وہ کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۵۹

وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا کہ وہ اس سے راضی ہوں گے۔اور بے شک اللہ علیم ہے حلیم ہے۔

محبّ کو اس مقام پر پہنچا دیا جائے جہاں اسے محبوب مل جائے تو وہ راضی ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسے کچھ مطلوب نہیں ہوتا۔ اللہ کی یہ نوازش اس کے علم سے ہوتی ہے۔ اللہ کا علم ہر مقام پر محیط ہوتا ہے۔ حسن نیت کا علم رکھنے والا، قول میں کوتاہی پر گرفت نہیں کرتا یہ اس کا حلم ہے۔

حاصل: مخلصین سے محبت رکھنے والا، ان سے وصال پا کر راضی ہو جاتا ہے۔ مہربانی کرنے کے لئے علم کے ساتھ حلم بھی ضروری ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

یہ، اور جو اسی کی مثل عقوبت دے جیسی اسے پہنچائی گئی تھی، پھر اس پر زیادتی کی جائے، تو اللہ ضرور اس کی نصرت فرمائے گا۔ بے شک اللہ عفو فرمانے والا، بخشنے والا ہے۔

بدلہ لینے میں اپنے نفس کی خوشی کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، فروغ امن کو اہمیت دینی چاہئے۔ ظالم کو جو توفیق حاصل ہوتی ہے، وہ اللہ کی قدرت کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اگر پھر ظلم کی طرف مائل ہوتا ہے تو مظلوم کو اللہ کی نصرت سے نوازا جاتا ہے۔ پھر ظالم کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ مظلوم سے جو کوتاہی قولاً ہو، اللہ اس سے درگزر کرتا ہے، جو کوتاہی عملاً ہوا سے بخش دیتا ہے۔

حاصل: بدلہ لینا اسی حد تک جائز ہے جس حد تک تکلیف پہنچی ہو۔ ظالم کے مقابل جس کی صداقت کا ثبوت مل جائے اس کی پوری پوری مدد کرنی چاہئے۔ اس پر عفو بھی کرنا چاہئے اور اس کی کوتاہی کو بخش بھی دینا چاہئے کہ یہی اللہ کی سنت ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور اس لئے کہ اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اللہ کی قدرت کی روزمرہ مشاہدے میں آنے والی نشانی بیان فرمائی گئی ہے، کہ رات کی سیاہی کو دن کی روشنی میں ملا دینے والا اور دن کے اجالے کو رات کی سیاہی میں ملا دینے والا، اللہ ہی ہے۔ اللہ کی قدرت سے یہ ہو چکا ہے کہ قلیل لوگ، کثیر لوگوں پر غالب آتے رہے ہیں۔ مغلوب کو غالب کر دینا اللہ کے لئے مشکل نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں سنتا ہے اور ہر حال میں دیکھتا ہے۔ نتائج پر قدرت رکھنے والا اللہ ہی ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ اپنی طاقت پر اترانا بھی بے جا ہے اور اپنی کمزوری کو دیکھ کر بے حوصلہ ہونا بھی بے جا ہے۔ تائید ایزدی سے مغلوب غالب ہوتے رہے ہیں۔ سننا اور دیکھنا مدد کرنے کے لئے ضروری ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

یہ اس لئے کہ اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے، اور اس کے مقابل وہ جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہیں، اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا۔

اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ سب سے بڑی قوت والا ہے، خالق کل ہے، جو چاہے کرتا ہے، ہر حال میں سنتا ہے ہر حال میں دیکھتا ہے، نتائج پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کی رضا مطلوب ہو تو اس کی عبادت ہوتی ہے، اور اس کی عبادت ہو تو پاکیزگی کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابل جو بھی کیا جائے وہ باطل ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، اس لئے خلافِ حق کرنے سے بڑی بے ہودگی کوئی نہیں ہوگی۔ اللہ کو بڑا مان لینے کے بعد اپنی بڑائی کا دعویٰ ختم ہو جانا چاہئے۔ اللہ کی بات سامنے آ جائے تو اس کے مقابل کوئی بات نہیں کرنی چاہئے۔ ادب سے کہنا چاہئے، ہم نے سنا اور ہم نے مانا۔

حاصل: فرمانِ خداوندی حق ہے۔ اللہ کی عبادت تبھی ہوگی جب شاہد کا اتباع ہوگا۔ اپنے رُخ کو درست رکھنا چاہئے۔ بڑائی کا دعویٰ بندے کو زیب نہیں دیتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾ ج

دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے تو زمین اس سے سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ لطیف ہے خبیر ہے۔

جب زمین اگانے کی صلاحیت کھو دیتی ہے، تو اللہ ہی اسے بارانِ رحمت سے زندہ کرتا ہے۔ پھر وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ باریکیوں کا دیکھنے والا، ہر خبر رکھنے والا جو کچھ کرتا ہے وہ حضرتِ انسان کے علم میں کم ہی ہوتا ہے۔ انسان کو حق کے مطابق رہنے سے جو برکت حاصل ہو سکتی ہے، وہ کسی دوسری صورت میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

حاصل: اللہ مُردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے، اس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے۔ باریک بین ہونا اور باخبر ہونا باعثِ قربِ الٰہی ہو تو رخ درست ہوتا ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ ع

ع ۸ ۱۵

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ وہی ہے غنی، حمد کیا ہوا۔

اللہ خالق کل ہے، مالکِ کل ہے۔ جب اس کی عطا کو اس کی رضا کے حوالے سے استعمال کیا جائے تو تائیدِ ایزدی شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ معطیٔ مطلق ہے۔ جو بھی پاتا ہے اسی سے پاتا ہے اور اللہ کسی سے نہیں پاتا۔ ہر شے کو علم سے پالنا اسی کی شان ہے۔ ہر شے اپنے دائرے میں مظہرِ ذاتِ الٰہی ہے۔

حاصل: اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنے میں برکت ہے۔ اللہ کا بندہ، غرض و غایت سے پاک ہو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشاں رہے، تو وہ باحقیقت ہوتا ہے۔

شہادت: سورہ ابراہیم (۱۴) میں فرمایا گیا ہے: اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اگر تم اور زمین میں جتنے بھی ہیں سب ناشکری کرو تو اللہ بے نیاز ہے، حمد کیا ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۵

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے زمین کی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور کشتی کہ بحر میں اس کے امر سے چلتی ہے۔ اور وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں اُس کے اِذن کے بغیر یہ زمین پر گر پڑے۔ بے شک اللہ لوگوں پر رؤف ہے، رحیم ہے۔

زمین کی چیزیں انسان کے استعمال میں آتی ہیں تو جس نے یہ اہتمام کیا ہے اس کی قدرت کی طرف بھی دیکھنا چاہئے۔ اگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ عطا نہ کرتا تو اس کا بدل کیا ہو سکتا تھا۔ بعض چیزیں خشکی سے تعلق رکھتی ہیں بعض سمندر سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً کشتی کو دیکھو کہ اللہ کے امر سے پانی میں چلتی ہے اور انسان کے فائدے کے لئے سمندر جیسی بڑی شے بھی اپنے دائرے میں ایک کام سرانجام دے رہی ہے۔ آسمان سے بھی ہماری زندگی کا بڑا تعلق ہے۔ جس کے اذن سے یہ بغیر ستونوں کے کھڑا ہے، اس کی عنایات کو دیکھنا چاہئے۔ جس نے اس کو بنایا ہے، وہ اس کو لپیٹ دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اللہ لوگوں پر مہربانی بھی کرتا ہے رحم بھی کرتا ہے۔ لوگوں کو ان کے خلافِ حق اعمال پر گرفت میں جلدی نہیں کرتا، یہ اس کی مہربانی ہے۔ جو اللہ کی مہربانی کو دیکھ لے اس کو خیر کی طرف آنے کا شرف ہوتا ہے، اس کو اللہ کی طرف سے آسانیاں عطا ہو جاتی ہیں۔

حاصل: جو کچھ انسان کے استعمال میں ہو، اس کے حوالے سے اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ بندے کو یہی نظر آئے گا کہ اللہ کی مہربانی اور اس کے رحم سے بندے کا کام چل رہا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی مہلت ایک وقت کے لئے ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝۶۶

اور وہی ہے جس نے تمہیں حیات دی، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے، پھر وہ تمہیں حیات دے گا۔ بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے۔

حیات بھی اللہ نے دی ہے، اس کے بعد موت بھی وہی دے گا۔ حیات اور موت کے درمیان وقت میں تمام مدارج سے اللہ ہی گزارتا

ہے۔ ہر درجے میں جو کچھ درکار ہوتا ہے، اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ بندہ پاک ہاتھ سے لے تو وہ بھلائی کے راہ پر رہتا ہے، اور خلافِ حق کرنا شروع کردے تو خسارے کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اللہ نے انسان کو جو توفیق دی ہے، اسی کے حوالے سے وہ پوچھے گا بھی اور وہ جزا بھی دے گا۔ انسان کی ناشکری یہ ہے کہ یہ مقصدِ حیات کو دیکھتا ہی نہیں۔ اپنی پسند کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ اسی پر سب کچھ لگاتا چلا جاتا ہے۔

حاصل: جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا۔ مقصدِ حیات کو خواہشاتِ نفسانی کے تابع کردینا بہت بڑی ناشکری ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾

اور ہر اُمت کے لئے ہم نے ایک طریقہ ٹھہرایا ہے تو وہ اسی راہ پر چلیں گے، تو ہرگز یہ تم سے امر میں تنازعہ کرنے کی راہ نہ پائیں، اور تم اپنے ربّ کی طرف دعوت دیتے رہو۔ بے شک تم سیدھی راہ پر ہو۔

امت شاہد کے ساتھ ہوتی ہے۔ شاہد کی اطاعت واتباع سے اس کا طریق عبادت بنتا ہے۔ حق کو ماننے والے اسی راہ پر چلیں گے جو راہ ان کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ جو لوگ امرِالٰہی کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آئیں، ان سے گریز کرنا ضروری ہے، کہ اس موضوع پر کلام کرنا بے ادبی ہوگی۔ اپنے رب کی طرف دعوت دینا یہ ہے کہ ان انعامات کا ذکر کیا جائے جو تبلیغِ حق کرنے والے کو حاصل ہوں اور جن کے تقسیم کرنے کا اسے شرف ہو۔ یہ سیدھی راہ پر ہونے کی سند ہے۔

حاصل: ہر اُمت کا طریقہ اس کے شاہد کی اطاعت سے بنتا ہے، اس کے شاہد کے اتباع سے بنتا ہے۔ طالبانِ ہدایت اسی طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔ امرِالٰہی کی اطاعت ہونی چاہئے۔ امرِالٰہی پر بحث کرنا بے ادبی ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔ شاہد کی شان یہی ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف بلاتا ہوا، ان انعامات کو تقسیم کرتا رہے جو اسے حاصل ہوں۔

وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

اور اگر وہ تم سے مجادلہ کریں تو یہ کہو کہ اللہ کو خوب علم ہے جو تم کرتے ہو۔

امرِالٰہی پر بحث کرنے والے اگر باز نہ آئیں تو وہ مجادلے پر کمربستہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ کہنے کا حکم ہے کہ جو بھی تم کرتے ہو، اللہ کو خوب علم ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا اور اس سے بہتر کوئی جزا دینے والا نہیں ہے۔

حاصل: امرِالٰہی پر بحث کرنے والے سے یہ کہنا چاہئے کہ اللہ کو خوب علم ہے جو تم کرتے ہو، تمہیں تمہارے اعمال کی جزا ضرور دی جائے گی۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾

اللہ قیامت کے دن تمہارے مابین فیصلہ فرمادے گا، جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔

امرِ الٰہی کو بحث کا موضوع بنانے والوں سے یہ بھی کہنا چاہئے، کہ اللہ قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرما دے گا جن میں تم اختلاف کر رہے ہو اور وہ فیصلہ ایسا فیصلہ ہوگا، کہ تمہیں اس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ مگر اس وقت تمہارا حق کو تسلیم کرنا تمہیں خسارے سے بچا نہیں سکے گا۔ دین کی بسم اللہ پاکی سے ہوتی ہے۔ جسے اللہ نے تزکیہ عطا کرنے کا شرف بخشا ہو اسی سے دین کا علم حاصل ہوگا۔

حاصل: امورِ دین میں جھگڑا کرنے والوں سے یہ کہنا چاہئے، کہ اللہ قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرما دے گا جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کو علم ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب کتاب میں ہے۔ بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ اس سے بڑھ کر ہر شے کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس نے ہر شے کی تخلیق میں ایک قدر رکھی ہے۔ ہر شے کا ایک مقصدِ تخلیق ہے۔ جن و انس کو شعور دیا گیا ہے۔ وہ اس شعور کو استعمال کرتے ہوئے حق کو مانتے ہیں یا حق کے خلاف کرتے ہیں، ہر ایک کا نامۂ اعمال حال پر تیار ہو رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔ وہ جزا کے وقت اعمال نامہ سامنے لے آئے گا اور اعمال نامے کو دیکھ کر بندے کو حیرت ہوگی کہ اس میں تو ہر چھوٹے اور بڑے عمل کو درج کر دیا گیا ہے۔ جو حق کو مان لے اس کا بھلا ہو جاتا ہے جو حق کو نہ مانے وہ خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ دو ہی رخ ہیں: ایک فلاح کی طرف ہے، دوسرا خسارے کی طرف ہے۔ حال پر بندے کو یقین ہونا چاہئے کہ وہ اپنے شعور کو استعمال کرتے ہوئے راہِ حق پر ہے اور من مانی کرنے کا مرتکب نہیں ہو رہا۔

حاصل: ہر شے کے استعمال میں، اللہ کے حکم کو سننا چاہئے اور ماننا چاہئے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو تو رُخ درست رہتا ہے۔ جو حق کو نہ مانے وہ خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ کے لئے جزا کا فیصلہ کرنا آسان ہے۔ حال پر اعمال نامے میں سب کچھ درج ہو رہا ہے، یہی بندے کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

اور اللہ کے مقابل ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی اس نے کوئی سند نہیں نازل فرمائی، اور جس کا انہیں کچھ علم نہیں۔ اور ظالمین کو کوئی نصرت دینے والا نہیں ہوگا۔

معبود صرف مالکِ کُل ہے، خالقِ کُل ہے، قادرِ مطلق ہے، یوم الدّین کا مالک ہے۔ حق کا انکار کرنے والے جن کو اللہ کے مقابل پوجتے ہیں، وہ اس کے لئے کوئی سند نہیں رکھتے۔ یہ قطعاً بے علمی ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ ان کا کوئی منشاءِ حیات ہے، اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی طریقت ہے، اور عمل کے لئے دیا گیا وقت ان کے انتظار میں رُک نہیں سکتا۔ جزا کے وقت کوئی ان لوگوں کو مدد دینے والا نہ ہوگا۔

حاصل: بے سند بات نہیں کرنی چاہئے۔علم سے بات کرنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔خلافِ حق کرنے والوں کو اس انجام کی طرف بھی دیکھنا چاہئے، جس کی طرف وہ چلے جارہے ہیں۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع ۸/۱۲

اور جب ان پر ہماری روشن آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو تم کفر کرنے والوں کے چہروں پر انکارکو دیکھو گے۔نزدیک ہوتے ہیں کہ لپٹ پڑیں ان سے جوان پر ہماری آیات تلاوت کرتے ہیں۔فرما دیجئے کیا میں تمہیں بتادوں جو تمہارے اس حال سے بدتر ہے۔وہ آگ ہے۔ اللہ نے کفر کرنے والوں سے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔اور وہ بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

کافروں پر جب اللہ کی آیاتِ بیّنات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے چہرے غیظ وغضب سے بدل جاتے ہیں، جیسے بارانِ رحمت کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں کھاد بنانے کے لئے جانوروں کے فضلات کو اکٹھا کیا گیا ہو تو وہاں سخت بدبو پیدا ہوتی ہے۔یہی بارش باغ میں خوشبو کو بڑھاتی ہے۔کافر، حق بات سنانے والوں پر پل پڑنے کو تیار ہوتے ہیں۔انہیں اپنے باپ دادوں کی روش اتنی عزیز ہوتی ہے کہ وہ اس کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں ہوتے اور اپنے عقائد کے ساتھ کوئی سند بھی بیان نہیں کرتے۔حق کی بات سن کر چراغ پا ہونے والوں کو جان لینا چاہئے، کہ ان کے حال کا مستقبل کیا ہے۔وہ آگ ہے، جس کا ان سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا، اور وہ جگہ بُری ہوگی۔اللہ نے جو کچھ ان کو عطا کیا ہے، یہ اس کو خلافِ حق استعمال کرتے کرتے دوزخ میں پہنچیں گے اور بڑا دکھ پائیں گے۔

حاصل: فرمانِ الٰہی کو ادب سے سننا چاہئے اور ماننا چاہئے۔حق سے بگڑنا علامتِ کفر ہے۔کافر کو حال پر بے اطمینانی کا عذاب ہوتا ہے، آخرت میں عذابِ جہنم ہوگا۔بات سند سے کرنی چاہئے اور جواب بھی سند سے دینا چاہئے۔حق کی بات حق کے حوالے سے ہو تو پوری ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (۲۸) میں ارشاد فرمایا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ جو نیکی لائے تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور جو بدی لائے تو برے اعمال والے لوگوں کو وہی جزا ملے گی جو عمل وہ کرتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اے لوگو ایک مثال بیان فرمائی جاتی ہے، اسے کان لگا کر سنو۔وہ جنہیں تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو،

لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔـا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾

ایک مکھی نہیں خلق کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لئے مجتمع ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کچھ سلب کرلے تو یہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ کتنے ضعیف ہیں، طالب ومطلوب۔

منکرینِ حق کی علامات بیان فرمانے کے بعد، آخرت میں ان کا مقام بتانے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مثال بیان فرمائی ہے۔ اس پر غور کرنے سے یقیناً فائدہ ہوگا۔ جن کو اللہ کے مقابل معبود ٹھہرایا جاتا ہے، وہ خالق نہیں ہوتے۔ خالقِ کُل کے سامنے ان کی حیثیت کیا ہوگی۔ یہ سب جھوٹے معبود اکٹھے ہو کر بھی ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے۔ ان کو مکھی کے مقصدِ تخلیق کا علم نہیں ہے۔ اس کی پیدائش کے لوازمات کا علم نہیں ہے۔ ان کی قدرت کس قدر ہے، اس کو دیکھنے کے لئے یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر مکھی ان معبودوں سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے چھینی ہوئے شے لے بھی نہیں سکتے۔ طالب اپنے معبود کو مانتا ہے تو اپنے معبود سے نصرت کا طلب گار رہتا ہے۔ بت پرست طالب تو ضعیف ہوتا ہی ہے، اس کا مطلوب بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے طالب سے بھی ضعیف ہوتا ہے۔

**حاصل:** خالقِ کُل کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ سب سے بہتر نصرت دینے والا ہے، سب سے بڑی قوت والا ہے۔ جس طالب کا مطلوب ضعیف ہو وہ طالب کبھی باحقیقت نہیں ہو سکتا۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٧٤﴾

اللہ کی قدر نہ کی جیسے اس کی قدر کا حق ہے۔ بیشک اللہ ضرور قوت والا، عزت والا ہے۔

اللہ کی قدر کا حق یہ ہے کہ اس کی رضا کو مقصود بنایا جائے، اس کے حکم کی تعمیل میں اس کے شاہد کی پیروی کی جائے اپنی خواہشات کا اتباع نہ کیا جائے۔ جو اللہ کی قدر کرے اسے قوت بھی حاصل ہوگی، عزت بھی حاصل ہوگی۔

**حاصل:** اللہ کی قدر کرنے کا ثبوت تبھی مل سکتا ہے، جب پاک لوگوں کی صفات ہمارے اندر موجود ہوں۔ اللہ کی قدر کرنے والا قوت بھی پاتا ہے، عزت بھی پاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٧٥﴾ۚ

اللہ تعالیٰ ملائکہ میں سے اور انسانوں میں سے رسول چُن لیتا ہے۔ بے شک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ علیمِ مطلق ہے۔ اس کا ہر کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ اس کا چناؤ بھی اس کے اپنے علم سے ہوتا ہے، اس لئے اس سے بہتر چناؤ ممکن ہی نہیں۔ اس نے ملائکہ سے جن کو چنا وہ بھی بڑی شان رکھتے ہیں، انسانوں میں سے جن کو چنا وہ بھی بڑی شان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب، بندوں کو بڑی آسانیاں عطا کرتا ہے، کہ وہ اللہ کے چنے ہوئے کو مان لیں اور فلاح کی راہ پر چل پڑیں۔ چناؤ کے لئے سننا اور دیکھنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ سے بڑا سننے والا کوئی نہیں، اللہ سے بڑا دیکھنے والا بھی کوئی نہیں، اس لئے اس سے بہتر چناؤ کسی کا نہیں ہو سکتا۔

**حاصل:** اللہ کے چنے ہوئے کی باتیں سننی چاہئیں اس کے حسنِ عمل کو دیکھنا چاہئے، حقائق کو پانے کی یہی صورت ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۷۶

اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور سب امور کا رجوع اسی کی طرف ہے۔

اللہ کو حال کا علم ہے، مستقبل کا علم ہے اور ماضی کا بھی علم ہے۔ اللہ کے چنے ہوئے، اللہ کے علم کو مانتے ہیں اور ماننے کا حق ان کے حسن عمل میں نظر آتا ہے۔ سب کاموں کا رجوع، اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔ جس کا رخ اللہ کی رضا کے حصول کا ہو وہ درست رُخ پر ہے۔ جس کا رُخ اس کے خلاف ہو، جانا اس کو بھی اللہ کی طرف ہی ہے۔ وہ اپنے غلط رخ کی وجہ سے خسارے میں پڑے گا۔

**حاصل:** علم الٰہی سے فیض یاب ہونا بڑی بات ہے۔ ہر کام میں اللہ کی رضا کو مقصود بنانا باعثِ فلاح ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۷۷ السجدة

اے ایمان والو، رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور خیر کے کام کرو تا کہ تم فلاح پاوَ۔

نماز میں رکوع ایک رُکن ہے، سجدہ ایک رُکن ہے۔ رکوع کرنا اور سجدہ کرنا، جسم کو اطاعتِ الٰہی میں لگانا ہے اور خود کو شاہدین کے ساتھ ملانا ہے۔ اپنے رب کی بندگی اسی صورت میں ہوتی ہے، کہ اس کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ خیر کے کام یہ ثابت کریں گے کہ اللہ کو خلوت و جلوت میں مانا جا رہا ہے۔ وہ کام خیر کا ہوگا جس میں اپنی خواہشات کی پیروی نہ ہوگی اور اللہ کی مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اس کا انعام یہ ملے گا کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔

**حاصل:** رکوع اور سجدہ نماز کے ارکان ہیں۔ بندگی تبھی ہو سکتی ہے جب بندہ اللہ کا ہو جائے۔ خیر کے کام، اللہ کی بندگی کرنے والوں کی پہچان بن جاتے ہیں۔ نیت درست ہو، طریقہ درست ہو اور نتیجے کو باذن اللہ مانا جائے تو یہ یقیناً فلاح ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَى النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۷۸ ع ١٠

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تمہیں پسند فرمایا ہے، اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت۔ اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے قبل اور اس میں بھی، تا کہ رسول تم پر شاہد ہو اور تم اور لوگوں پر شاہد رہو، تو صلوٰۃ قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کے ساتھ لگ جاوَ۔ وہ تمہارا مولا ہے، تو کیا ہی اچھا مولا اور کیا ہی اچھا نصرت دینے والا۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق یہ ہے کہ جس حوالے سے حق کو مانا گیا ہے، اس سے محبت ہو اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو پورا دیکھا جائے۔ جہاد کرنے والے اللہ کو پسند ہوتے ہیں۔ دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی۔ جو کچھ بھی فرمایا گیا ہے وہ ہماری بھلائی کے لئے فرمایا گیا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی کہ یا اللہ میری اولاد کو مسلمان ٹھہرا، اور ان میں ایک نبی مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات تلاوت فرمائے۔ اس نے کتب سابقہ میں بھی ان لوگوں کو مسلمان فرمایا ہے، قرآن پاک میں بھی ان لوگوں کو مسلمان کا نام ہی دیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنائیں، اور جب وہ تصدیق کا شرف پالیں تو پھر دوسرے لوگوں کو اس روشنی سے نوازیں جو انہیں عطا ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہو کہ نماز کو قائم کیا جائے، زکوٰۃ ضرور ادا کی جائے، اللہ کے ساتھ خلوت و جلوت میں پاک رہنے کو معمول بنایا جائے۔ وہ جو کچھ عطا کرسکتا ہے، دوسرا کوئی نہیں کرسکتا۔ جو مدد اللہ دے سکتا ہے، وہ کسی دوسرے کے علم میں ہی کہاں ہوتی ہے۔

**حاصل:** اللہ کی رضا کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہنا، جہاد کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اللہ نے ہمیں پسند کیا ہے تو اس کی شان کا ملحوظ رکھنا ہم پر لازم ہے۔ دین میں کچھ تنگی نہیں ہے۔ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہیں۔ ماننے والے پہلے بھی مسلمان تھے اب بھی مسلمان ہیں۔ انعامات کے قاسم اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جو انعام ہمیں ملے اس سے اور لوگوں کو بھی نوازنا چاہئے۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، خلوت و جلوت میں اللہ کے ساتھ پاک رہنا لازم ہے۔ کسی کو آسرا دیا جائے تو بھی اللہ کی رضا کے لئے اور کسی کی مدد کی جائے تو بھی اللہ کی رضا کے لئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ہم انہیں صالحین میں داخل کریں گے۔

ایاتہا ۱۱۸ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجزء ۱۸

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ بے شک مومنوں نے فلاح پائی۔

مومن کی نو صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔توبہ کرنا،عبادت کرنا،حمد کرنا،روزہ رکھنا،رکوع کرنا،سجدہ کرنا،بھلائی کا امر کرنا،برائی سے منع کرنا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنا۔فلاح پاک کو حاصل ہوتی ہے اور پاکی اس سے حاصل ہوتی ہے،جسے تزکیہ عطا کرنے کا شرف ہو۔

حاصل: مومن کی نیت درست ہوتی ہے۔حصولِ مقصد کے لئے اس کا راستہ شاہد کا اتباع ہوتا ہے اور وہ نتائج کو باذن اللہ مانتا ہے۔دین کی بسم اللہ پاکی سے ہوتی ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وہ جن کی صلوٰۃ میں خشوع ہوتا ہے۔

خشوع قلب کی ایک کیفیت ہے جس میں دل احکم الحاکمین کے سامنے جھک جاتا ہے۔بندہ اللہ کا ہو جائے تو بندگی ہوگی،ورنہ نیک عادت ہوگی جسے خطرہ بہرحال رہتا ہے۔نماز میں یہ احساس ہو کہ شاہد کی سنت کے مطابق دربارِ الٰہی میں حاضری مقصود ہے،تو پھر خیالات کا منتشر ہونا ممکن نہیں رہتا۔

حاصل: خشوع قلبی کیفیت ہے۔شاہد کی طریقت کے مطابق دربارِ الٰہی میں حاضری کا احساس ہونا چاہئے۔زبان سے کلامِ الٰہی پڑھا جائے،دل سے اس کو مانا جائے تو وہ راحت ہوگی جس کو محسوس کیا جاسکتا ہے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ اور وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔

شوکتِ نفس کے لئے بُری بات کرنا،تکلیف دہ بات کے جواب میں تکلیف دہ بات کرنا اور شاہد کے حوالے سے اپنی زبان کو پاک رکھنے میں غفلت برتنا یہ سب لغو گوئی کی صورتیں ہیں۔خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ لغو گوئی سے بچتے رہتے ہیں۔ بُری باتیں وہ سنتے ضرور ہیں،مگر وہ بات کرتے وقت اپنی زبان کو پاک رکھتے ہیں۔زمین سے فساد کو مٹانے کے لئے یہ سب سے اہم کام ہے۔

حاصل: نماز پڑھنے والے کو لغو گوئی سے بچنا لازم ہے۔لغو گوئی زبان کو پاک نہیں رہنے دیتی۔جو زبان پاک نہ ہو وہ اللہ کی پاکی کو کیا بیان کرے گی۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ اور وہ لوگ زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

جس مال میں سے زکوٰۃ دی جائے،وہ مال پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی راہ پر خرچ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔نماز پڑھنے والے اللہ کے ماننے کا ثبوت زکوٰۃ کی ادائیگی سے دیتے ہیں۔جو مال خلافِ حق کر کے حاصل کیا گیا ہو وہ اللہ کا دیا ہوا نہیں ہوتا۔اس میں سے زکوٰۃ دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا جیسے خنزیر کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے،اس پر تکبیر پڑھ کر ذبح کر دینے سے وہ حلال نہیں ہو جائے گا۔

**حاصل:** مال کے حصول کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے تابع رکھنا چاہئے۔اللہ کے دیئے ہوئے مال سے زکوٰۃ کو ادا کرتے وقت امرِالٰہی کی اطاعت پر نظر ہونی چاہئے، اور لینے والے کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اور وہ اپنی فروج کی حفاظت کرتے ہیں۔

فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔شرم گاہوں کو محفوظ رکھنے کی صورت یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کو امرِالٰہی کے تابع رکھتے ہیں۔بقاءنسل فروج کا منشاء تخلیق ہے۔جس طریقے سے بقاءنسل کے عمل کو ہونا چاہئے، اس کے علاوہ سب طریقے بے ہودگی کے زمرے میں آتے ہیں۔شرم گاہ کی حفاظت کرنے کے لئے ان حرکات وسکنات سے بھی بچنا چاہئے، جو دوسری جنس کو دعوتِ قرب دیں۔

**حاصل:** شرم گاہوں کی حفاظت کرنا پاک معاشرے کی شان ہے۔وہ حرکات وسکنات جو جنسِ مخالف کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے ہوں شرم گاہوں کو غیر محفوظ کر دیتی ہیں۔فساد کو دور کرنے کے لئے اسبابِ فساد کو بھی ختم کرنا چاہئے۔

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ سوائے اپنی ازواج پر یا باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی مِلک ہوں، تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔

شرم گاہوں کے دو محل بیان فرمائے گئے ہیں، بیویاں یا باندیاں۔آزاد عورت کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے مطابق نکاح کیا جائے تو وہ بیوی ہوگی، اور امیر المومنین کی طرف سے جو عورت، امانت کے طور پر خدمت کے لئے دی جائے وہ باندی ہوگی۔باندیوں کے ساتھ نکاح اسی صورت میں ہوتا ہے جب ان کے اہل خانہ سے اس کی اجازت لی جائے۔حکمِ الٰہی یہی ہے کہ جو مرد نکاح کا مقدور نہ رکھتے ہوں وہ عفیف رہیں، حتیٰ کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔باندی سے بدکاری کرانا خلافِ حق ہے۔باندی سے نکاح کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ مومن ہو۔مشرکات سے نکاح منع فرمایا گیا ہے۔باندی غلام تین اوقات میں بغیر اجازت کے خلوت گاہ میں نہیں آسکتے، نمازِ فجر سے قبل، نمازِ ظہر کے بعد اور نمازِ عشاء کے بعد۔شرم گاہوں کی حفاظت کے لئے یہ حسن اہتمام ہے۔اگر بقاءنسل کا منشاء پورا ہو چکا ہو تو پھر نکاح ثانی خواہشات کی پیروی کے لئے نہیں ہونا چاہئے۔باندی سے نکاح بھی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔اسے آزاد کر دیا جائے، اور اسے اگر موجودہ جگہ اپنے لئے بہتر نظر آئے تو اس کی درخواست پر اس سے نکاح کیا جائے۔شہوت کو سنبھالنا بہتر ہے۔جو آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے لونڈی سے نکاح کی اجازت ہے مگر اس کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ صبر کرے۔مومن لونڈی مشرک لونڈی سے بہتر ہے، مومن غلام مشرک غلام سے بہتر ہے، یہ خدائی فیصلے ہیں۔جو باندیوں کے ساتھ بغیر نکاح کے جنسی تعلق کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ اللہ سے ڈرتے نہیں۔ان کی زندگی کبھی پاکیزہ نہیں ہوتی۔وہ نام کوئی لے رہے ہوں کر خلافِ حق رہے ہوتے ہیں۔

**حاصل:** ازواج اور باندیوں کے علاوہ شرم گاہوں کی حفاظت امرِالٰہی ہے۔ازواج کے ساتھ ازدواجی زندگی کے آداب ہیں۔باندیوں کے ساتھ بھی زندگی گزارنے کے آداب ہیں۔ان کو خلافِ حق شہوت کے لئے استعمال کرنا بہت بڑا فساد ہے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾

تو جو ان کے سوا کے خواہش مند ہوئے، وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

حد مقرر کرنا اللہ کی شان کے لائق ہے۔ اللہ نے ازدواجی زندگی کے لئے جو حد مقرر کی ہے، اس حد سے تجاوز کرنے والے خواہشات کی پیروی کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ دنیا میں بھی ان کے لئے خسارہ ہوگا، آخرت میں بھی ان کے لئے خسارہ ہوگا۔ مقام کوئی ہو، اللہ کی مقرر کردہ حد کے احترام میں بندے کی بھلائی ہوتی ہے۔

**حاصل:** اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز یقیناً خسارے کا باعث بنتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾

اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے عہدوں کا پاس رکھنے والے ہیں۔

فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ امانت کا جو ان کے پاس رکھی جائے، اللہ کی رضا کے مطابق دھیان رکھتے ہیں اور جب امانت کو لوٹانے کا موقع آجائے تو حق کی ادائیگی کے بعد اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جب کسی سے عہد کرتے ہیں تو اس عہد کو پورا کرنے کی نیت بھی کرتے ہیں۔ عہد کا حق کے مطابق ہونا ضروری ہے اور فریقین کے مابین واضح ہونا بھی ضروری ہے۔ خیانت اور بدعہدی اللہ سے نہ ڈرنے کا ثبوت ہے۔

**حاصل:** امانت کو حق کے مطابق لوٹانا اور عہد کو حق کے مطابق پورا کرنا، پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ خائن اور بدعہد کو مفسد جاننا چاہئے، اور مفسد کو کبھی تقویت نہیں دینی چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ وقف لازم

اور وہ لوگ کہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

نماز کی حفاظت یہ ہے کہ وہ وقتِ مقرر پر پڑھی جائے، نماز سے پہلے اس کے لئے تیاری کی جائے، بلند آواز سے بھی نہ پڑھی جائے خفی بھی نہ ہو، اس کے درمیان کی راہ لی جائے۔ جس خدمت کو مؤخر کرنے سے لوگوں کو دکھ پہنچتا نظر آئے، اس وقت نماز کو قضا کر لیا جائے۔ جو لحات نماز میں گزریں ان لحات کو حضوری کے لحات جانا جائے۔

**حاصل:** نمازوں کی حفاظت ہو تو قول پاک ہو جاتا ہے، سیدھا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد عمل صالح ہو جاتا ہے، یہ بخشش کی راہ ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾

وہی لوگ وارث ہوں گے۔

جن کی نمازوں میں خشوع ہوتا ہے، جو لغو سے اعراض کرتے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے ان مقامات کے جن کی اللہ نے اجازت دی ہے، جو حدود اللہ سے تجاوز نہیں کرتے، جو اپنی امانتوں اور عہدوں کو پورا کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہ لوگ مقامِ خیر پر ہیں۔ یہ ان انعامات کے وارث ہوں گے جو حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے تھے۔

حاصل: ہمارا پاک لوگوں کے ساتھ ہونا، ان کا وارث ہونا، سند کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

کہ فردوس کی میراث پائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

پاک لوگوں کو جنت الفردوس بصورتِ میراث عطا ہوگی، کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے وارث ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو لوگ دائمی پاک دامنی کو اپنا حال بنالیتے ہیں، دنیا میں جنتی دیکھنے ہوں تو ان کو دیکھنا چاہیئے۔

حاصل: پاک ہی پاک کا وارث ہوسکتا ہے۔ دائمی پاک دامنی، جنتی لوگوں کا حال ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چنی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا۔ اہمیت مٹی کو نہیں ہے، اہمیت چننے والے کی شان کے لائق ہے۔ مٹی کو وقعت اس لئے ملی کہ قادرِ مطلق کے ہاتھ سے چنی گئی، اور اسے تخلیق انسان کے لئے پسند کیا گیا۔ احکامِ الٰہی کی تعمیل ہوگی تو زندگی مقصدِ تخلیق کے مطابق گزرے گی، ورنہ مٹی خراب ہوجائے گی۔

حاصل: پاک رہنے میں ہی انسان کی شان ہے۔ پاک نہ رہے تو اس کی مٹی خراب ہوجاتی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۪ ﴿۱۳﴾

پھر اسے قرارِ مکین میں نطفہ ٹھہرایا۔

مرد اور عورت کے اندر بقائے نسل کے آلات بھی اللہ نے رکھے ہیں۔ رحمِ مادر قرارِ مکین ہے، جس میں نطفہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ جس قادرِ مطلق کے حکم سے وہاں نطفہ ٹھہرتا ہے، اسی کو علم ہوتا ہے کہ اس کی ضروریات کیا ہیں، اور وہی افزائش کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

حاصل: نطفہ کا مادہ بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے، رحمِ مادر بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے۔ پیدائش انسان کے مدارج میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

پھر ہم نے اس نُطفے کو علقہ بنایا، پھر علقہ کو مضغہ بنایا، پھر مضغہ سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر اسے آخری شکل دی۔ تو بڑی ہی برکت والا ہے اللہ جو احسن الخالقین ہے۔

نطفے کو جن اجزاء کی ضرورت ہے کہ وہ جما ہوا لہو بنے وہ اللہ نے عطا کیے ہیں۔ پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا بھی اللہ نے بنایا ہے۔ اس میں

ہڈیاں بھی اللہ نے پیدا کی ہیں۔ان ہڈیوں کو گوشت بھی اللہ نے پہنایا ہے۔پھر اس شکل کو مکمل کرنے والا، اس کے تمام نظاموں کو باہم مربوط کرنے والا بھی اللہ ہے۔ اللہ برکت دینے والا ہے۔اس کا علم سب سے بڑا ہے۔اس کی قدرت ہر مقام پر محیط ہے۔وہ جو چاہے کرتا ہے، اور جو کرتا ہے اس سے بہتر کچھ نہیں ہوتا۔تخلیق کے لئے خالق کے سامنے کوئی مقصد ہوتا ہے۔اس مقصد کے حوالے سے کچھ اجزا درکار ہوتے ہیں۔ان اجزا کا درست استعمال بھی ضروری ہے۔ بہت سے نظاموں کو قائم کرنا اور پھر ان کے اندر ایک ربط پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔انسان کی پیدائش میں جو کچھ نظر آتا ہے اس میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔انسان جو بھی بنائے، احسن الخالقین کی تخلیق سے سیکھ کر ہی بناتا ہے۔اسی قدر اس کو شکر گزار بھی ہونا چاہئے۔

**حاصل:** پیدائشِ انسان کے مدارج میں اللہ کی شان نظر آتی ہے۔پاکیزگی سے برکت حاصل ہوتی ہے۔انسان جو کچھ بھی بنائے، احسنُ الخالقین کی تخلیق سے سیکھ کر ہی بنا سکتا ہے۔

**ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾** پھر اس کے بعد تمہیں موت آئے گی۔

احسنُ الخالقین نے حیات کے ساتھ موت بھی رکھی ہے۔عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کا نام موت ہے۔موت کے وقت اگر حق کو ماننے کا دعویٰ کیا جائے تو یہ قابلِ سماعت نہیں ہوتا کہ اس دعوے کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش نہیں کی جاسکتی۔موت سے مفر بھی ممکن نہیں ہوتا۔اس لئے مقصدِ حیات کو پورا کرنے میں غفلت نہیں ہونی چاہئے۔

**حاصل:** موت دینے والا قادرِ مطلق ہے۔اس سے مفر ممکن نہیں۔موت کے وقت ایمان لانا نفع نہیں دیتا۔

**ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾** پھر قیامت کے دن تم اٹھائے جاؤ گے۔

جو اللہ نطفے کو بناتا ہے اور اس نطفے کو کئی مدارج سے گزار کر انسانی صورت میں پیدا کرتا ہے، وہ ہر درجے میں اس کو موزوں خوراک بھی دیتا ہے، اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد لوازماتِ حیات کا اہتمام بھی اللہ ہی کرتا ہے۔موت تک تمام مدارج سے اللہ ہی گزارتا ہے۔موت بھی وہی دیتا ہے۔اس کے لئے پہلی بار خلق کرنا بھی مشکل نہیں تھا، دوسری بار منتشر اجزاء کو جمع کر کے اٹھا دینا بھی مشکل نہیں ہوگا۔ جزا دینے والے کی شان یہ ہے کہ وہ عمل کرنے والوں کو ان کے رخ کے مطابق جزا دے۔

**حاصل:** بعث بعد الموت کا یقین ہو تو خلافِ حق کرنا ممکن نہیں ہوتا، اور بعث بعد الموت کا انکار اللہ کی قدرت کا انکار ہے، جو خلافِ عقل ہے۔

**وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾** اور بے شک ہم نے تم پر سات طریق بنائے اور ہم خلق سے غافل نہیں ہیں۔

سات آسمانوں کا تعلق بھی انسانی زندگی سے ہے۔آسمانوں سے حیاتِ حیوانات اور نباتات پر کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، دوسری چیزوں پر کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، اللہ ہی جانتا ہے۔خلق سے غفلت شانِ الٰہی کے منافی ہے اور مخلوق کو یہ یقین ہو کہ خالق اُس کی ضروریات کو اپنے علم سے صحیح وقت پر پورا کرے گا تو پھر مخلوق کو بے چینی نہیں ہونی چاہئے۔

حاصل: علیمِ مطلق کا اہتمام بندوں کے علم میں کم ہی ہوتا ہے۔ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ ہم سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتا۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾

اور ہم نے آسمان سے پانی نازل فرمایا ایک قدر پر، پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا، اور ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔

آسمان سے زمین پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کی ایک مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ بارش کو ایک مقدار کے ساتھ برسایا جاتا ہے۔ برسانے والا جانتا ہے کہ کس مقام پر کتنی بارش کرنی ہے۔ زمین کی صفات کو متوازن رکھنے کے لئے بارش کو جس علم سے برسایا جاتا ہے، بندے کو اس کا پتہ ہو بھی کیا سکتا ہے۔ پھر زمین میں اس پانی کو ٹھہرانے سے زمین کی صلاحیت قائم رہتی ہے، اور جب یہ پانی بہت کم ہو جاتا ہے تو زمین مردہ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کو زندہ کرنا اللہ کا ہی کام ہوتا ہے۔ جو پانی زمین کے اندر ٹھہرایا جاتا ہے، وہ ضروریاتِ زندگی میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ اور جب زیرِ زمین پانی بہت ہی گہرا ہو جائے تو بندوں کے بس میں نہیں رہتا کہ اس سے استفادہ کر سکیں۔

حاصل: بارش اللہ کے علم سے ہوتی ہے۔ موزوں مقدار اللہ ہی جانتا ہے۔ زمین میں سے پانی نکالتے وقت اللہ کا شکر کرنا چاہئے، کہ اس کی مہربانی سے ہی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہماری دسترس میں ہے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾

وقف لازم

تو اس سے ہم نے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اُگائے۔ تمہارے لئے ان میں بہت میوے ہیں اور تم ان میں سے کھاتے ہو۔

بارانِ رحمت سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ زندہ زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ انسان کے استعمال میں بہت سے پھل آتے ہیں۔ ان کے ذائقے الگ الگ ہیں۔ ان کی افادیت اپنا اپنا مقام رکھتی ہے۔ جس مالکِ کُل نے ہمارے لئے یہ اہتمام کیا ہے، اس سے تعلق کا اظہار کرنا بندگی ہے۔

حاصل: کھجور اور انگور کا استعمال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ دوسرے پھلوں کو بھی افادیت کے حوالے سے استعمال کرنا چاہئے۔ پھل کھاتے وقت، اللہ کا شکر کرنا چاہئے اور ناداروں کو بھی دینا چاہئے۔

وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور وہ شجر کہ طورِ سینا سے نکلتا ہے، لے کر اُگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن۔

یہ زیتون کے درخت کا ذکر ہے۔ نعمتوں کا اس کی خصوصی ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کا تیل بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ پھل سالن کے طور پر

بھی کھایا جاتا ہے۔ زیتون کا اچار بکثرت استعمال ہونے والی شے ہے۔ روغنِ زیتون کھانے کے تیلوں میں سب سے بہتر ہے اور سب سے بہتر زیتون وہ ہے جو طورِ سینا سے نکلتا ہے، کہ اسے جبلِ طور سے نسبت ہے۔

**حاصل:** شے کی اہمیت واضح ہو تو عطا کرنے والے کی شان بھی روشن ہوتی ہے۔ زیتون اور اس کا تیل استعمال کرنا چاہیئے، اس میں حکمت موجود ہے۔ بعض جگہ یہ پھل اور تیل دوا کے طور پر استعمال ہوتا ہے، بعض جگہ حفظِ ماتقدم کے طور پر اس کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۗ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے۔ ہم تمہیں اس میں سے پلاتے ہیں جو ان کے بطون میں ہے، اور تمہارے لئے ان میں بہت سے منافع ہیں اور تم ان میں سے کھاتے بھی ہو۔

نباتات کے بعد حیوانات کا ذکر ہے۔ جانوروں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ نر صرف اپنی نوع کی مادہ کے پاس جائے گا جسے بقاء نسل کے لئے اس کی طلب ہوگی، حاملہ ہو جانے والی مادہ کے قریب نہیں جائے گا۔ کھانے میں پیٹ بھر لینے کے بعد مرغوب چیز کو بھی جانور نہیں کھاتے۔ اور بہت سے سبق ان سے لئے جاسکتے ہیں۔ ان کے بطون سے اللہ ہمارے لئے دودھ مہیا کرتا ہے۔ دودھ انسانی غذا ہے، اور اس کی مقدار کو بڑھانے کے لئے دودھ دینے والے جانوروں کو بڑھانا ضروری ہے۔ جانوروں سے حاصل ہونے والے منافع بہت ہیں۔ کاشت کاری میں ان کا کام بہت بڑا ہوتا ہے۔ ان کے فضلات سے زمین کی زرخیزی بڑھتی ہے اور ان میں سے کچھ جانوروں کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ منافع کے بعد کھانے کا مقام آنا چاہیئے، جن جانوروں سے منافع حاصل ہو سکتے ہیں ان کا کھا لینا خلافِ عقل ہوگا۔

**حاصل:** جانوروں کی زندگی میں بہت باتیں دیکھنے کی ہوتی ہیں۔ دودھ کی افادیت کو واضح کرنا چاہیئے، انسانی خوراک میں دودھ کا بڑا مقام ہے۔ جانوروں سے منافع حاصل کرنے کے بعد ان کے کھانے کا مقام آنا چاہیئے۔ عطاء الٰہی کی قدر کرنا ہی بندگی ہوگی۔

ع ۲۲

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اور ان پر اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہو۔

جانور سواری کے کام بھی آتے ہیں، بار برداری کے کام بھی آتے ہیں اور بعض مقامات پر وہ بے بدل نعمت ہوتے ہیں۔ دشوار گزار راستوں سے گزرنا جانوروں کے لئے دشوار نہیں ہوتا۔ خشکی کے بعد تری کا ذکر ہے، کہ بحری سفر میں کشتیاں کام آتی ہیں۔ سامان تجارت کی نقل و حمل میں جن ذرائع سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، ان کے عطا کرنے والے کی قدر کرنا بھی ضروری ہے۔

**حاصل:** اللہ کی عطا کو دیکھنا چاہیئے، اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ اپنی دانائی اور بہادری کا ذکر کرنے کی بجائے اللہ کے فضل کو بیان کرنا چاہیئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے: اَفَلَمۡ یَہۡدِ لَہُمۡ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ یَمۡشُوۡنَ فِیۡ مَسٰکِنِہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ﴿۱۲۸﴾ تو کیا انہیں اس سے ہدایت نہ ملی کہ ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قرون کو ہلاک کر دیا کہ یہ ان کے مساکن میں چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں ضرور عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۳﴾

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی جانب بھیجا، تو آپ نے فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: میں تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچا رہا ہوں، تمہیں نصیحت کر رہا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ آپ نے اپنی قوم کو بھلائی کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔ اللہ کی بندگی تبھی ہوگی، جب بندہ پاک ہو جائے اور اللہ کا ہو جائے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھا جائے تو اللہ سے ڈرنا ضروری ہوتا ہے۔

حاصل: پیغامِ حق کے پہنچانے میں اجنبیت کو حائل نہیں ہونا چاہئے۔ پیغامِ حق کی ابتداء یہیں سے ہونی چاہئے: اے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں۔

فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ مَا ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۙ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتَفَضَّلَ عَلَیۡکُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَۃً ۚۖ مَّا سَمِعۡنَا بِہٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿ۚ۲۴﴾

تو آپ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یہ تو تمہاری طرح بشر ہی ہے، تم پر فضیلت چاہتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کرتا، ہم نے تو اپنے اگلے باپ دادوں سے بھی یہ نہیں سنا۔

قوم نے حق کا پیغام سنا تو اپنے سرداروں سے بھی بات کی۔ سرداروں نے لوگوں سے یہ کہا کہ ہمیں تو یہ تمہاری طرح کا آدمی ہی نظر آتا ہے اور یہ تم پر اپنی فضیلت کو منوانا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہوتا تو وہ فرشتے نازل کر سکتا تھا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں سے بھی یہ نہیں سنا، کہ انہی کی طرح کا کوئی آدمی ان کی طرف رسول بن کر آ گیا ہو۔ کافر سرداروں کو اپنی سرداری خطرے میں نظر آ رہی تھی، کہ باطل کو حق سے خطرہ ہوتا ہی ہے۔ کافر سرداروں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی، کہ بشر کو رسول نہیں ہونا چاہئے۔ فرشتے کے رسول ہونے کو انہوں نے بہتر جانا، اور کہا ہم تو باپ دادوں سے صرف بت پرستی کی باتیں ہی سنتے چلے آ رہے ہیں۔ جو کچھ حضرت نوح علیہ السلام فرما رہے ہیں، یہ کچھ ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں سے کبھی نہیں سنا۔

حاصل: جس کی فضیلت کا اعتراف نہ ہو اس سے کچھ سیکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ فرشتے کو رسول بنا کر بھیجنا اللہ کے

لئے مشکل نہیں تھا، یہ اس کی عنایت ہے کہ اس نے رسول کو شاہد بنا کر بھیجا ہے کہ وہ قول، عمل، علم اور اخلاص میں ہر مقام پر شاہد رہے، جب کہ فرشتے کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ باپ دادوں کی بات اسی وقت سند ہو سکتی ہے، جب وہ حق کے حوالے سے ہو۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۲۵﴾

وہ تو ایک مجنون آدمی ہے، تو راہ دیکھو ایک وقت تک۔

منکرینِ حق جب یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایک صاحب کی صداقت کو ماننے کی طرف جا رہے ہیں، اور ان صاحب کی زندگی کو منکرینِ حق کی زندگی سے کوئی نسبت نہیں ہے، ان صاحب کی بات استکبار سے پاک ہے، ان کی زبان سے کسی کو دکھ نہیں پہنچتا، ان کے ہاتھ سے کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی، وہ خواہشات کی پیروی نہیں کرتے، تو ایسے صاحب کے لئے منکرینِ حق یہی کہا کرتے تھے، کہ یہ سودائی آدمی ہے، ایک وقت تک اس کو دیکھنا پڑے گا۔ وقت ہی ایسے لوگوں کا علاج ہوتا ہے۔ یہ صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں اور کر رہے ہیں، یہ صرف وقتی طور پر ہی ہو رہا ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں، یہی ہوتا چلا آ رہا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔

**حاصل:** منکرینِ حق کے نزدیک اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جنون ہے، اور مجنون کی باتیں دیرپا نہیں ہوا کرتیں۔

قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ ﴿۲۶﴾

عرض کی اے میرے رب میری نصرت فرما کہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ دیکھا، کہ قوم ان کی تکذیب کرتے کرتے حدِ اصلاح سے ہی گزر گئی ہے، تو آپ نے دعا فرمائی اے میرے رب میری مدد فرما، اور وہ کچھ کر دے جس سے تیرے حکم کے مطابق میں ان کو ڈراتا رہا ہوں۔ یہ لوگ کبھی بھی حق کو مانتے نظر نہیں آتے، ان کی اولاد بھی فاجر و کافر ہی ہوگی۔

**حاصل:** جب تبلیغِ حق کرنے والا اللہ سے نصرت کی دعا کرے، اور منکرینِ حق کے ناقابلِ اصلاح ہونے کی شہادت دے، تو تبدیلی آنے میں دیر نہیں لگتی۔

فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ اَنِ اصۡنَعِ الۡـفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُكۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ‌ۚ وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا‌ ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۷﴾

تو ہم نے آپ کو حکم دیا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے اور ہمارے حکم سے بنائیے، پھر جب ہمارا امر آئے اور تنور ابلے تو ہر جوڑے میں سے دو دو کشتی میں ڈال لیجئے، اور اپنے اہل کو، سوائے ان کے جن پر سابقہ قول ہو چکا ہے، اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے مخاطب نہ ہونا، بے شک یہ غرق ہوں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے نصرتِ الٰہی کے لئے دعا کی تو حکم ہوا کہ کشتی بنایئے، آپ کی مدد کی جائے گی، آپ کو بتایا بھی جائے گا، آسانیاں بھی عطا ہوں گی۔ کشتی میں کس مقام کو کن اشیاء کے لئے مخصوص کرنا ہے، سب آپ پر واضح کر دیا جائے گا۔ کشتی کے بن جانے کے بعد عذابِ الٰہی کی ابتداء آپ کے دیکھنے میں آئے گی اور زیرِ زمین پانی تنور سے ابل پڑے گا۔ تب آپ کے پاس جانوروں کے جوڑے آئیں گے، دو دو جوڑے ہر نوع سے کشتی میں ڈال لیجئے۔ یہ زینتِ زمین کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ زمین کے ڈھل جانے کے بعد دوبارہ ان سے نسل بڑھا دی جائے گی۔ اس اہتمام کے بعد اپنے اہل خانہ کو بٹھا لیجئے۔ جن کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے، انہیں نہ بٹھایئے۔ وہ آپ کی بیوی تھی اور ایک بیٹا تھا۔ خلافِ حق کرنے والوں کے بارے میں کسی رعایت کی بات نہ کیجئے، ان کا انجام غرق ہونا ہے۔ جو پاک لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ قلبی تعلق رکھتے تھے، انہیں کشتی میں آپ کے ساتھ سوار ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

**حاصل:** علم الٰہی سب سے بڑا انعام ہے۔ کسی نوع کو ختم کرنا خلافِ حق ہے۔ جو پاک نہ ہو، وہ اللہ کو ماننے والوں کا ساتھی نہیں ہوتا۔ خلافِ حق کرنے والوں کے لئے جزا کے وقت کسی رعایت کی بات نہیں کرنی چاہیے۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

پھر جب آپ اور آپ کی معیت والے کشتی پر ٹھیک بیٹھ جائیں، تو پکاریئے، حمد اللہ ہی کی ہے جس نے ہمیں قومِ ظالمین سے نجات دی۔

جب کشتی میں بٹھائے جانے والے بٹھا لئے جائیں، تو پاک لوگوں کو ظالموں سے الگ ہونے کا احساس ہو جائے گا۔ حق کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان وقف لازم نظر آنے لگے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ساتھ قربِ الٰہی کا ثبوت ہوگا۔ جب پاک اور ناپاک کے درمیان حد مقرر ہو جائے تو پھر قومِ ظالمین سے نجات کا شکریہ ادا کرنے کا مقام ہوتا ہے۔ منکرینِ حق اس وقت غرق نہیں ہوئے تھے مگر پاک لوگوں پر ان کا کوئی اثر اس وقت نہیں ہو سکتا تھا۔ اس طرح منکرینِ حق سے پہنچنے والا دکھ ختم ہو چکا تھا، اور ظالموں کا غرق ہونا پاک لوگوں کے مشاہدے میں آنا باقی تھا۔

**حاصل:** امیر المومنین کے امر کی اطاعت کرنی چاہیے۔ حکم دینے والا ایک ہو، باقی ماننے والے ہوں تو اس سے بڑی برکت حاصل ہوتی ہے۔ جب ظالموں سے نجات کا احساس ہو جائے تو اللہ کا شکر کرنا چاہیے اور ظلم کو قابلِ نفرت جاننا چاہیے۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور دعا کیجئے اے میرے ربّ مجھے مبارک جگہ اتار دے اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔

طوفانِ نوح نے منکرینِ حق کو کس طرح مٹایا، یہ سب حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پاک ساتھیوں نے دیکھا اور پھر اللہ نے آپ کو یہ دعا بھی عطا فرمائی: اے میرے رب مجھے اور میرے ساتھیوں کو اور جو کچھ کشتی میں ہے تو ہی بچانے والا ہے۔ اب ایسی جگہ اتار دے جہاں برکت ہو۔ اتارنے میں بھی جو علم اللہ کو ہے، وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ اللہ جس سلامتی کے ساتھ اتار سکتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق

ہے، تائید ایزدی کے لئے دعا کرنے سے خوف وحزن نہیں رہتا اور یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔

**حاصل:** اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ منکرینِ حق سے نجات دینے کے بعد ہمیں برکت عطا فرمائے، اور وہی سب سے بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

**اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾** بیشک اس میں نشانیاں ہیں اور ہم دیکھنے والے ہیں۔

اللہ کی قدرت کے سامنے انسان اپنی حیثیت کو نہ دیکھے تو اس کا اندھاپن اسے لے ڈوبتا ہے۔حق کی مخالفت میں بہت سے مقامات آتے ہیں جہاں سے منکرین، حق کی تکذیب کو چھوڑ کر بھلائی کی طرف جاسکتے ہیں۔مگر عذابِ الٰہی کے آنے کے ساتھ بھلائی کی راہ، منکرینِ حق کے لئے مسدود ہو جاتی ہے۔مصائب وآلام کا مقام حق کے ماننے والوں کے لئے ہوتا ہے، مگر اسی سے ان کے تعلق مع اللہ کا ثبوت ملتا ہے اور وہی فلاح پاتے ہیں۔حق کی بات کرنے والوں نے ہمیشہ اللہ کی رضا کو مقصود بنایا ہے، منکرینِ حق نے ہمیشہ ان کو جھٹلایا ہے اور اللہ کی قدرت کے سامنے انسان کی بے بسی ہمیشہ باعثِ عبرت ہوتی ہے۔پاک لوگوں کو ظالمین سے نجات پاکر بھی اللہ کا شکر کرنا چاہئے، آباد ہوتے وقت بھی اللہ سے اس کا فضل مانگنا چاہئے۔دائمی پاک دامنی بندے کو ہر مقام پر پوراد رکھتی ہے۔

**حاصل:** اللہ کی نشانیوں سے سبق سیکھنا چاہئے، یہی بصیرت کا ثبوت ہوتا ہے۔

**ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ج** پھر ان کے بعد دوسرے قرن کو اٹھایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے پاک ساتھیوں کو اللہ نے برکت دی۔وہ خوب پھولے پھلے۔آبادی بہت بڑھ گئی تو افراد کے مابین حق کے حوالے سے جس طرح تعلقات ہونے چاہئیں، وہ صورت نہ رہی۔انسانی خواہشات نے قانون سازی کا مقام حاصل کرلیا اور خرابی نے جڑ پکڑ لی۔ان لوگوں کو قرآن پاک میں عاد کا نام دیا گیا ہے۔لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ جس راستے پر وہ جارہے ہیں، یہ راستہ سلامتی کا ہے یا تباہی کا ہے۔

**حاصل:** انفرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی یہ یقین حاصل کرنا چاہئے، کہ ہم سلامتی کے راستے پر جارہے ہیں۔

**فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ع** تو ان کی طرف ہم نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو، جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔تو کیا تم ڈرتے نہیں۔

ع ۲ ۱۰

قوم عاد کی طرف سنتِ الٰہی کے مطابق حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔یہ اسی قوم میں سے تھے۔اس قوم کی اجتماعی زندگی کے مسائل کو پوری طرح جانتے تھے۔علم الٰہی کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ کی بندگی کرو، جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔جس نے تمہیں توفیق دی ہے، وہ تمہیں ضرور پوچھے گا کہ تم نے حق کو جانتے ہوئے کیوں خلاف حق کیا۔جزا دینے والے کی قدرت تم پر محیط ہے۔جو لوگ پہلے خلافِ حق کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں، نہ تمہاری باتیں ان جیسی ہونی چاہئیں نہ اعمال ان جیسے ہونے چاہئیں۔ورنہ اللہ سے ڈرنے کا ثبوت ہی کیا ہوگا تمہارے پاس۔

حاصل: تبلیغ حق سامعین کی زبان میں ہو یہی اللہ کی سنت رہی ہے، اس کی زبان سے ہو جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو اور ان الفاظ کے ساتھ ہو کہ اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے کہ: مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝۱۰۰ جس نے فرمانِ خداوندی سے منہ پھیرا تو اسے قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝۳۳

اور اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں حیاتِ دنیا میں آرام دیا تھا کہنے لگے یہ تو تمہاری مثل بشر ہی ہے، جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے، اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی بندگی کرو، وہی تمہارا معبود ہے، وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دینے والا ہے تو قوم کے لوگ سرداروں کی طرف رجوع ہوئے اور ان سے حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں اور ان کی دعوت کے بارے میں پوچھا تو سرداروں نے جو کافر تھے اور آخرت کا یقین نہیں رکھتے تھے، اور دنیا میں انہیں آسائش حاصل تھی، یہ کہا کہ یہ آدمی تمہاری ہی طرح کا ہے۔ وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ یہ رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ جو لوگ آخرت کا یقین نہ رکھتے ہوں، وہ مومن و فاسق کو مساوی جانتے ہیں، اور یہ بات خلافِ حق ہے۔ جو حیاتِ دنیا میں حاصل ہونے والے آرام کو اپنی کاوش کی بدولت جانتے ہوں وہ آرام دینے والے مالکِ کُل کی طرف نہیں دیکھا کرتے۔ ایسے لوگوں سے رہنمائی حاصل کی جائے گی تو راہِ حق کا علم نہیں ملے گا۔

حاصل: جو آخرت کا یقین نہ رکھتا ہو وہ اصلاح حال کی طرف نہیں آیا کرتا۔ اسے اگر زندگی میں آرام و آسائش بھی حاصل ہو تو کبھی اس سے رہنمائی نہیں لینی چاہئے۔ پاک لوگوں اور ناپاک لوگوں کے کھانے کا طریقہ ایک نہیں ہوتا، پینے کا طریقہ ایک نہیں ہوتا۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۳۴

اور اگر تم اپنی مثل بشر کی اطاعت کرو تو یقیناً تم خسارے میں رہو گے۔

جس کی تعظیم و توقیر ملحوظ نہ رہے اس کی اطاعت ممکن نہیں ہوتی، اور جس کو اپنے جیسا کہا جائے اس کی تعظیم اور توقیر میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ بشر، بشر کو قول کی سطح پر شاہد بن کر سکھا سکتا ہے، عمل کی سطح پر شاہد بن کر سکھا سکتا ہے، اور علم یقین کے حصول کا یہی طریقہ ہے۔ خسارے سے بچنے کی بھی یہی صورت ہے، ورنہ اپنی خواہشات کے دائرے سے نکلنا ہی ممکن نہیں ہوتا۔ گمراہی اور خسارہ ہمیشہ اپنی

خواہشات کی پیروی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

حاصل: کافروں کے نزدیک کامیابی اور خسارے کے جو معیار ہیں، ان کے درست ہونے کی کوئی سند موجود نہیں۔ اپنی خواہشات کی پیروی کی جائے تو نتیجہ گمراہی اور خسارہ ہی ہوسکتا ہے۔ ہدایت دینے والے کی اطاعت ہو تو نتیجہ یقیناً فلاح ہوتا ہے۔

اَیَعِدُکُمۡ اَنَّکُمۡ اِذَا مِتُّمۡ وَ کُنۡتُمۡ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّکُمۡ مُّخۡرَجُوۡنَ ﴿۳۵﴾

تو کیا تمہیں وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے۔

منکرینِ حق کے سرداروں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات کو موضوع بناتے ہوئے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا، کہ جو بات تمہیں موجودہ روش کو چھوڑ کر ان صاحب کی طرف مائل کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا جب تم قبروں میں مٹی اور ہڈیاں ہو چکے ہوگے۔ جزا کا یقین تمہیں ڈر میں مبتلا کر رہا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مٹی اور ہڈیاں جس جسم کی ہوں گی، اس کو کس نے بنایا تھا۔ جس نے پہلے بنایا تھا، وہ بنانے والا اب بھی قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ پہلی بار خلق کرنے میں بھی اللہ نے جو چاہا کیا، دوسری بار خلق کرنے میں اسے کسی کی احتیاج نہیں ہوگی۔

حاصل: بعث بعد الموت کو ماننے سے اصلاحِ حال لازم ہو جاتی ہے، اس لئے من مانی کرنے والے اس کو خلافِ عقل قرار دیتے ہیں۔

هَيۡهَاتَ هَيۡهَاتَ لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۶﴾

کیسے ہوسکتا ہے، کیسے ہوسکتا ہے جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کے ارشاداتِ عالیہ میں بعث بعد الموت کو موضوع بناتے ہوئے، منکرینِ حق کے سرداروں نے جنہیں زندگی میں آسائش حاصل تھی، یہ کہا کہ مرنے کے بعد مٹی اور ہڈیاں ہو جانا مشاہدے میں آتا رہتا ہے، ان سے دوبارہ وجود کا بن جانا اور اس کا زندہ ہو کر کھڑا ہو جانا، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ عقل اس کے امکان کو مانتی ہی نہیں۔ دیکھنا یہ چاہئے، کہ پہلی بار خلق کا عمل کیسے ہوا ہے۔ جس قدر یہ علم بڑھے گا، اسی قدر بعث بعد الموت کا انکار کم ہوتا جائے گا۔

حاصل: متکبر لوگ سند کے ساتھ بات نہیں کرتے۔ جس بات کو جھٹلایا جائے اس کے ساتھ درست بات کو سند کے ساتھ بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

اِنۡ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ ﴿۳۷﴾

وہ تو حیاتِ دنیا ہی ہے کہ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو مبعوث نہیں ہونا۔

حق کی تکذیب کرنے والوں نے کہا کہ حیاتِ دنیا ہی ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ہم مرتے بھی ہیں، جیتے بھی ہیں اور موت کے بعد

اٹھائے جانے کو ہم بعید از عقل جانتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ ہماری پیدائش میں ہماری پسند کو کتنا دخل ہے، ہماری موت میں ہماری پسند کو کتنا دخل ہے۔ اور اگر ہماری پیدائش و موت میں ہماری پسند کوئی اہمیت نہیں رکھتی، تو موت کے بعد اٹھائے جانے میں اس کا حوالہ کیا معنی رکھتا ہے۔

**حاصل:** ہماری زندگی اور موت میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہوتی ہیں۔ اللہ کی قدرت کو دیکھ لینے کے بعد بعث بعد الموت کا انکار قطعاً بے ہودگی ہے۔

**اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾**

وہ تو نہیں مگر ایک مرد کہ اس نے اللہ پر کذب سے افترٰی باندھا ہے، اور ہم ایسے نہیں کہ اس پر ایمان لے آئیں۔

منکرینِ حق کے سرداروں نے حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق یہ کہا، کہ یہ صاحب اللہ پر جھوٹ باندھ کر لے آئے ہیں۔ نہ ہم ان کو اللہ کا رسول مانتے ہیں، نہ ہم موت کے بعد اٹھائے جانے کی بات کو مانتے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے بھی انبیاء کرام اس دنیا میں تشریف لا چکے تھے۔ ان کی تعلیمات سے ثبوت پیش نہیں کیا گیا کہ ان کی بات حق تھی اور یہ حق کے خلاف بات کر رہے ہیں اس لئے یہ بات ماننے کے لائق نہیں ہے۔ حق ہمیشہ فرمانِ خداوندی تھا، ہے اور رہے گا، اس میں تضاد کبھی نہیں ہو سکتا۔ منکرینِ حق کے نزدیک وہ بات درست نہیں ہوتی جو انہیں ناپسند ہو۔ یہ تکبر کی انتہا ہے۔

**حاصل:** جس کو جھوٹا کہا جائے، اس کے سامنے سند کے ساتھ سچ کو بھی بیان کرنا چاہیے۔ ہماری پسند کو ہمیشہ حق کے تابع رہنا چاہیے۔

**قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾**

عرض کی اے میرے ربّ میری نصرت فرما، کہ انہوں نے میری تکذیب کی۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم نے حق کو جھٹلانے میں حد کر دی ہے، اور یہ لوگ کسی طرح بھی ماننے کے رخ پر آنے والے نہیں ہیں، تو آپ نے یہ دعا کی: اے میرے رب میری مدد فرما اور منکرینِ حق کو اس انجام سے دوچار کر دے، جس سے تیرے حکم کے مطابق میں ان کو ڈراتا رہا ہوں۔ کسی قوم کی طرف بھیجے گئے شاہد کا مرتبہ دیکھئے کہ عذابِ الٰہی اس شاہد کی اس دعا کے بعد ہی آتا رہا ہے۔

**حاصل:** منکرینِ حق نے جب جھٹلانے کی حد کر دی تو اللہ کے نبی نے یہی دعا کی کہ میری نصرت فرما کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ اس دعا کے بعد تبلیغِ حق کا مقام باقی نہیں رہتا۔

**قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ ج**

فرمایا، تھوڑے دنوں میں یہ ندامت سے صبح کریں گے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی دعا کے جواب میں یہ فرمایا گیا، کہ آپ کی نصرت کی جائے گی۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہی یہ لوگ عذابِ الٰہی میں پکڑ لئے جائیں گے اور یہ عذاب ان پر رات کے آخری حصے میں آئے گا۔ صبح کو یہ اپنے رویے پر پچھتا رہے ہوں گے، مگر وہ پچھتاوا ان کو نفع نہ دے گا کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔ اور قول وہی سچا ہوتا ہے جس کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت موجود ہو۔

**حاصل:** اہلِ حق کو روشنی میں کامیاب دیکھ کر، منکرینِ حق کے لئے عذابِ الٰہی باعثِ ندامت ہوتا ہے۔ جس ندامت کے بعد اصلاحِ حال کی مہلت نہ ہو، وہ ندامت دیکھنے والوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے بڑی عبرتناک ہوتی ہے۔

**فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَـقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً‌ ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ‏ ﴿۴۱﴾**

تو حق کے مطابق انہیں چنگھاڑ نے آلیا، پھر انہیں کوڑا کر دیا۔ تو دور ہوں ظالم لوگ۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اللہ سے نصرت کی دعا کی تھی، حق کے مطابق مکذبین کو عذاب الٰہی نے آ پکڑا۔ اللہ کا فرمان ہی حق ہوتا ہے، جو ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ جب اس قوم پر ایک چنگھاڑ کا عذاب آیا، تو یہ لوگ گھاس کوڑے کی طرح ہو گئے۔ یہ ظلم کرتے تھے اور ظلم کرنے والے اللہ سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ ظلم سے بچنے والے اللہ کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

**حاصل:** عذابِ الٰہی کے سامنے کوئی تجویز کارگر نہیں ہوسکتی۔ ظالم لوگوں کو ان کے ظلم کے حوالے سے دور رکھنا چاہئے۔

**ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِيۡنَ ؕ‏ ﴿۴۲﴾**

پھر ان کے بعد ہم نے دوسرے قرون کو اٹھایا۔

عاد کے بعد ثمود کو اٹھایا گیا۔ یہ لوگ حضرت ہود علیہ السلام کے پاک ساتھیوں کی اولاد تھے۔ خوب پھولے پھلے، اور پھر ایک وقت کے بعد اپنی اجتماعی زندگی میں اپنی حفاظت سے غافل ہو گئے۔ انسانی خواہشات کو حق کے مقابل وقعت دینا وہ ظلم ہے، جس کی بدولت کئی قومیں برباد ہو چکی ہیں۔ اجتماعی زندگی میں ان حدود کو واضح کرنا بہت ضروری ہے، جن کی حفاظت ہی سے وہ معاشرہ زندہ رہ سکتا ہے۔ ذاتی مفاد کو اجتماعی مفادات پر قربان کیا جائے تو معاشرتی زندگی میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ سب کی بھلائی میں ہی اپنی بھلائی ہوتی ہے۔

**حاصل:** ماضی سے سبق سیکھنا عقل مندی ہے۔ جب بھی اپنی خواہشات کو حق کے مقابل اہمیت دی جائے تو اس کا انجام بربادی ہی ہوتا ہے۔

**مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ؕ‏ ﴿۴۳﴾**

کوئی امت اپنی اجل سے آگے جائے اور نہ پیچھے رہے۔

ہر امت کے لئے اتمامِ حجت کا پورا پورا اہتمام اللہ کی شان ہے۔ جو مہلت کسی امت کو اس کی صداقت یا عدم صداقت واضح کرنے کے لئے درکار تھی وہ اسے ضرور دی گئی۔ اور جب عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو گئی، تو پھر اسے مزید وقت نہیں دیا گیا۔ مگر کسی قوم کو اسے دیئے گئے وقت کے خاتمے سے پہلے بھی نہیں پکڑا گیا۔

**حاصل:** اجتماعی زندگی میں اپنے رخ کو دیکھنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت میں وہ کچھ کرنا چاہئے، جو فلاح پانے کے لئے ضروری ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر ہم تواتر سے اپنے رسول بھیجتے رہے۔ جب کسی امت کے پاس ان کا رسول آیا، اس کی تکذیب کی۔ تو چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے کو اور انہیں کہانیاں کر ڈالا۔ پھر دور ہوں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے۔

لوگوں کے سامنے اس معیار کو لانا جس کے حوالے سے انہیں پوچھ ہوگی، اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جب کسی امت کے پاس ان کے رسول تشریف لائے اور اس امت نے حق کی راہ کو اختیار کرنے کی بجائے ناحق کی راہ کو اختیار کیا، تو اسے دی گئی مہلت کے بعد برباد کر دیا گیا۔ یوں ایک امت کے بعد دوسری امت برباد ہوتی چلی گئی، اور اللہ نے ان امتوں کو قصہ ماضی بنا ڈالا۔ جسے بھلائی مطلوب ہو وہ ضرور اس سے سبق سیکھ سکتا ہے۔ جو لوگ حق کو نہیں مانتے وہ دوری سے بچ جائیں یا حضوری کا شرف پالیں یہ قطعاً ناممکن ہے۔

حاصل: ہم جس رسول کی امت ہیں، اس پر ایمان لانے کا ثبوت ہمارے پاس موجود ہونا چاہئے۔ اور وہ ثبوت یہ ہے کہ ہماری زبان پاک ہو، ہمارا ہاتھ امین ہو، اور ہم اللہ کی مخلوق کے لئے باعث عافیت ہوں۔ اللہ سے دوری بڑی لعنت ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۴۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہود علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔ پھر ثمود کا ذکر ہے۔ پھر کئی امتوں کے عبرتناک انجام کا ذکر ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر ہے، جن کو روشن نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا گیا۔ وہ نشانی جو کسی کو اندھیرے سے روشنی کی طرف آنے میں مدد دے روشن نشانی ہے اور وہ سند جو صاحبِ سند کا امتیاز بن جائے اور جس کے اعجاز کو دشمن بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں، روشن سند ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا ہمیشہ حال کی ضروریات کے حوالے سے ہوتی ہے۔

حاصل: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو روشن نشانیوں کے ساتھ روشن سند بھی عطا فرمائی گئی، کہ قوم فرعون کو اصلاح کی طرف آنے میں یہی مدد مفید ہو سکتی تھی۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾

فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، تو انہوں نے استکبار کیا اور وہ بہت مغرور لوگ تھے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام، فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس تشریف لائے اور انہیں حق سنایا تو

ان لوگوں نے استکبار کیا اور غرور سے یہ کہا، کہ کیا ہم اپنے جیسے دو بندوں پر ایمان لے آئیں جن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آسانیاں پاک لوگوں کے شکر کو بڑھا دیتی ہیں، یہی عطا ناپاک لوگوں کو مغرور بنا دیتی ہے۔ جو آسانی حق کے مطابق استعمال ہو وہ حضوری کا باعث بن جاتی ہے، جو آسانی خلافِ حق استعمال ہو وہ اللہ سے دوری کا باعث بن جاتی ہے۔

**حاصل:** حق کو پہچاننے کی کوشش میں استکبار سے بچنا لازم ہے۔ مغرور لوگ اشیاء کی اہمیت کو مانتے ہیں معطیٔ مطلق کو نہیں مانتے۔

**فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾**

تو کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو بندوں پر ایمان لائیں اور ان کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہو۔

فرعون کے سرداروں نے غرور سے یہ کہا کہ یہ دونوں حضرات ہماری ہی طرح کے بندے ہیں۔ ہمیں ان کی کچھ فضیلت نظر نہیں آتی۔ ان پر ایمان لانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور ان کی قوم ہمارے وہ کام کرتی ہے جن کو ہم خود کرنا پسند نہیں کرتے۔ غلاموں کے دین کو ماننا اپنی عزت کو کم کرنے والی بات ہوگی۔

**حاصل:** جو اللہ کے فرمان کو مانتا ہو جیسے ماننے کا حکم ہے، اس کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس کو اپنے جیسا کہنا بیہودگی ہے۔ کسی قوم کو مجبور کر کے اس سے کوئی خدمت لینا بے جا ہے۔ جس کام کی اہمیت مسلم ہے، اس کے کرنے والے کی قدر کرنا بھی ضروری ہے۔

**فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾**

تو انہوں نے ان کی تکذیب کی، تو ہلاک ہونے والوں میں ہوئے۔

فرعون اور آلِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جھٹلایا۔ ان کی صداقت کی بڑی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی وہ لوگ ماننے والوں میں نہ ہوئے۔ جب آلِ فرعون کسی عذاب میں گرفتار ہوتے تو یہ عرض کرتے اے موسیٰ علیہ السلام آپ ہمارے لئے دعا کیجئے، اگر آپ ہم سے سختی کو دور کر دیں گے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقتی عذاب کو اٹھایا جاتا وہ لوگ اپنے عہد سے پھر جاتے تھے۔ آلِ فرعون کا تکبر ان کے لئے باعث ہلاکت ہوا۔

**حاصل:** جس کی بات حق کے حوالے سے ہو، اس کی تکذیب کرنے والے مغرور ہوتے ہیں اور مغرور یقیناً ہلاک ہوتے ہیں۔

**وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾**

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی، تا کہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔

فرعون اور آلِ فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب الٰہی سے نوازا گیا۔ تورات، اللہ کا فرمان تھا اور یہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا تھا۔ یہ روشن فرمایا گیا، کہ حکم خداوندی کو ماننے کی صورت یہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا جائے، ان کی اطاعت کی جائے، اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ اس تعلق کو استوار کر لیں گے ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔

**حاصل:** کتاب اللہ سے استفادہ کرنے کیلئے ان صاحبان کی اطاعت لازم ہے جو حق کو مانتے ہوں اور انعام یافتہ ہوں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾ ع ۱۸

اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو نشانی ٹھہرایا۔ اور انہیں ایک بلند جگہ پر ٹھکانا دیا جہاں جائے قرار اور صاف پانی تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا، یہ سب سے پہلے بندے ہیں۔ پھر ان کا جوڑا بنایا گیا اور ان سے حضرت بی بی مریم علیہا السلام اللہ کی نشانی بنا دی گئیں۔ مشکل لمحات میں جس مقام پر انہیں سکھ مل سکتا تھا، وہ مقام بھی اللہ نے دیا۔ یہ ایک بلند جگہ تھی، جہاں سلامتی موجود تھی۔ صاف پانی کا چشمہ موجود تھا۔ کھجور کا ایک درخت بھی تھا، جس کے متعلق حکم ہوا اس کو ہلایئے آپ پر تازہ کھجوریں گریں گی۔ لوگوں کی تکلیف دہ باتیں برداشت کرنے کے لئے جو قوت اس جائے قرار سے ملی، اس صاف پانی اور کھجوروں کے رزق سے ملی وہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام جانتی ہیں۔ اللہ کی عطا جو شان رکھتی ہے وہ ہمیشہ بے بدل ہوتی ہے اور پوری ہوتی ہے۔

**حاصل:** سلامتی کا مقام اور پینے کا صاف پانی اللہ کے انعامات ہیں، جن کی قدر کرنی چاہئے۔ اللہ کی نشانی سے اللہ کا پتہ چلتا ہے۔ جو نشانی واصل باللہ ہونے میں مدد دے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں ارشاد فرمایا ہے: يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿١٨﴾ جلدی کرتے ہیں اس کے لئے جو لوگ، وہ اس کو مانتے نہیں ہیں۔ اور ایمان والے اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ سن لو، جو لوگ اس گھڑی کے آنے میں جھگڑتے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾

اے رسولو! طیبات سے کھاؤ اور صالح عمل کرو، بیشک مجھے تمہارے کیے کا علم ہے۔

اللہ کے رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتے ہیں جو دوسرے لوگ نہیں رکھتے۔ ان پر حکم آتا ہے۔ وہ حکمِ خداوندی کو مان کر دکھاتے ہیں تو لوگوں کو صالح اعمال کا پتہ لگتا ہے۔ بنی آدم سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ جب تم میں سے میرے رسول تشریف لائیں، وہ تم پر میری آیات پڑھیں، تو جو تقویٰ کرے اور صالح بنے تو ان پر خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ رسول جو بھی کرتے رہے وہ رضائے الٰہی کے لئے کرتے رہے۔ ان کا قول بھی سند کا درجہ رکھتا ہے، ان کا عمل بھی سند کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کو اللہ کی رضا مطلوب ہو وہ رسول کے اتباع سے ہی اللہ کی رضا کو حاصل کر سکتا ہے۔ رسولوں کا قول بھی حکمِ خداوندی کے مطابق ہے اور ان کے اعمال بھی حکمِ خداوندی کے مطابق ہیں۔ اللہ کو ان کے اعمال کا علم ہے۔

**حاصل:** اللہ کے رسولوں کے بارے میں یہ یقین رکھنا حق ہے، کہ ان کا قول بھی سند کا درجہ رکھتا ہے ان کا عمل بھی سند کا درجہ رکھتا ہے۔ لوگوں کو رضائے الٰہی کا علم اللہ کے رسولوں سے ہی عطا ہوتا رہا ہے۔

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

اور یہ تمہاری اُمّت، اُمّت واحد ہی ہے اور میں تمہارا رب ہوں، تو مجھ ہی پر تقویٰ کرو۔

اللہ کے بھیجے ہوئے تمام رسول، اپنے اپنے حال پر لوگوں کو واصل باللہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے رہے۔ تمام رسولوں کے پیغامِ ہدایت میں یہ روشن فرمایا گیا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں۔ یہ روشن فرمایا گیا کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، تو اسی کی بندگی کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔ بنی آدم، اللہ کے رسولوں کی اُمت ہیں۔ یہ اُمت واحد ہیں۔ پالنے والے کی شان ہے کہ وہ سب کو پالتا ہے، سارے عالمین کو پالتا ہے۔ جس کو جو توفیق دی گئی ہے، اس کے حوالے سے وہ اللہ کے سامنے جواب دہ بھی ہوگا۔ جزا دینے والے کا ڈر رکھنا ادب ہے۔ ڈر یہ ہونا چاہئے کہ اللہ کے نزدیک تو دین ہمیشہ اسلام ہی رہا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین تک اسلام ہی ہر رسول کا موضوع رہا ہے، جو رسول ہمارا شاہد بنا کر بھیجا گیا ہے اس کے اتباع میں کوتاہی نہ ہو، اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ ہو، یکسوئی متاثر نہ ہو جائے۔

**حاصل:** بنی آدم اُمت واحد ہیں۔ تمام رسولوں کا ماننا حق ہے۔ ان کا پیغام ہمیشہ اسلام ہی تھا، اور اللہ کے ماننے والوں میں اختلاف کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ رسولوں کا رب ہی ہمارا رب ہے، اور ہم رب العالمین کو رسولوں کے حوالے سے ہی مانتے ہیں۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

تو ان لوگوں نے امر کو اپنے مابین قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اسی سے فرحت پاتا ہے جو ان لوگوں کے پاس ہے۔

فرمانِ خداوندی حق ہے اور تضاد سے پاک ہے۔ اللہ کے رسولوں کے ارشادات تضاد سے پاک ہیں۔ امرِ الٰہی ایک تھا، ایک ہے اور ایک ہی رہے گا۔ اللہ کی بندگی کی جائے، اس کے سوا کسی کو معبود نہ ٹھہرایا جائے، شاہد کا اتباع کرتے ہوئے اپنی خواہشات کو وقعت نہ دی جائے۔ یکسوئی ہو تو اختلاف کا امکان نہیں ہوتا۔ جب لوگ حق کو شاہد کے حوالے سے ماننے کی بجائے اپنی پسند کے حوالے سے ماننے کو ترجیح دیں، تو یہ حق سے الگ ہونے کی کوشش ہوگی اور یہ کوشش ملت کو پارہ پارہ کر دے گی۔ جب ہر گروہ اسی ٹکڑے سے خوش ہو جو اس کے پاس ہے تو پھر وہ ملت میں شامل ہونے کو خلافِ حق ہی کہے گا۔

**حاصل:** امرِ الٰہی کو ماننا دعویٰ ہے، شاہد سے محبت ہو تو یہ دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ شرطِ محبت ہی نہیں کہ محب کی اپنی کوئی بات ہو۔

فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾

تو انہیں ان کے نشے میں چھوڑ دیجئے، ایک وقت تک۔

جو اپنے حق پر ہونے کی سند اپنی پسند کو ٹھہرائے وہ خودسری کرتا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اس کے خاتمے کا وقت دور نہیں ہوتا ہے۔ امرِ الٰہی کو ماننے کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت و جلوت میں پاکیزگی قائم رہے، اللہ کی رضا مقصود ہو، اور اس کے حصول کے لئے

شاہد کی اطاعت کی جائے۔ اگر فیصلہ شاہد کے علم سے ہو رہا ہے تو ہم شاہد کے ساتھ ہیں، اور اگر فیصلہ ہمارے علم سے ہو رہا ہے تو نام جو بھی رکھ لیا جائے ہم شاہد کے ساتھ نہیں ہیں۔ یہ راستہ صرف خرابی کی طرف ہی جاتا ہے۔

**حاصل:** جو من مانی کے نشے میں پڑ جائے، اس کا خاتمہ دور نہیں ہوتا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔

اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ۝۵۵ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے۔

منکرینِ حق یہی کہتے رہے ہیں، کہ ہمارے پاس اموال و اولاد کی بہتات ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم اللہ کے نزدیک پسندیدہ لوگ ہیں، اس لئے ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مدد کی جا رہی ہے اموال و اولاد سے، تو انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ اس مدد سے کیا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اموال و اولاد کی کثرت ان کے غرور کو بڑھا رہی ہو اور ان کا غرور انہیں ہلاکت کی طرف لے جا رہا ہو تو پھر یہ کیا مدد ہوئی۔

**حاصل:** اموال و اولاد کی کثرت کبھی قُربِ الٰہی کی سند نہیں ہوتی۔ عطائے الٰہی خلافِ حق استعمال ہو رہی ہو تو نتیجہ حضوری نہیں ہوگا۔

نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ۝۵۶ اور ہم انہیں بھلائیاں پہنچانے میں سرعت کر رہے ہیں۔ نہیں، انہیں شعور نہیں۔

منکرینِ حق کی مطلوبہ اشیاء اور ان کے پسندیدہ حالات، ان کے استکبار کو بڑھاتے رہتے ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مال و اولاد کی کثرت بھی اللہ کی مہربانی کا ثبوت ہے، لوگوں کے مقابل آسائشوں کی کثرت بھی اللہ کی مہربانی کا ثبوت ہے، جو کچھ بھی ان کے ہاں ہو رہا ہے ان کی خوشی میں اضافے کا باعث ہے، یہ بھی اللہ کی عنایات ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ یہ اتمامِ حجت کے لئے ہو رہا ہے اور اس کا انجام وہ خسارہ ہوگا، جس سے بچ جانا ممکن نہ ہوگا۔

**حاصل:** جو عطائے الٰہی کو خلافِ حق استعمال کرتا ہے، اور پسندیدہ حالات پر اتراتا ہے، اس کا شعور درست نہیں ہوتا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡيَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ۝۵۷ ہاں جو لوگ اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں۔

شعور والے لوگ تو وہ ہیں، جو ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنے میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ حصولِ رزق میں یہ احتیاط کرتے ہیں کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کر کے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ بات کرتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ زبان حق کے حوالے سے کھولی جائے۔ بولنے کے مقام پر

خاموشی نہ ہو، خاموشی کے مقام پر بولنا نہ ہو۔ عملاً اپنا حق ادا کرنے کے بعد شکر ادا کرتے ہیں، کہ رُخ خیر کا رہے۔ جزا کا یقین ہر مقام پر ان کے قول و فعل میں جلوہ گری کرتا رہتا ہے۔

**حاصل:** سمجھ دار لوگوں کی ایک نشانی یہ ہے، کہ وہ اپنے رب کے ڈر سے لرزاں رہتے ہیں۔ جزا کا یقین ان کے قول و فعل میں جلوہ گری کرتا رہتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ اور وہ لوگ اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

شعور والے لوگ یہ یقین رکھتے ہیں، کہ جو کچھ ان کے رب کی طرف سے فرمایا گیا ہے، حق ہے۔ حق کی ادائیگی کی توفیق پہلے دی جاتی ہے، حق بعد میں عائد ہوتا ہے۔ مقامِ صبر ہو یا مقامِ شکر ہو، شاہد کی معیت میں ہی اس پر پورا رہنا ممکن ہوتا ہے۔ جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہ باذن اللہ ہو رہا ہے، اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسے شاہد کے حوالے سے ہونا چاہئے۔ مقصد کا تعین حق کے حوالے سے ہو، حصولِ مقصد کے لئے رُخ درست رہے اور نتائج کو باذن اللہ جانا جائے تو یہ اپنے رب کی آیات پر ایمان کا ثبوت ہوگا۔ نظر اس بات پر ہو کہ مجھے میرے کیے کی جزا دی جائے گی، تو دوسروں پر تبصرہ کرنے کی ضرورت ہی کتنی رہ جاتی ہے۔

**حاصل:** اپنے رب کی آیات پر ایمان لانا پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ ان کی نیت درست ہوتی ہے، اعمال شاہد کے اتباع میں ہوتے ہیں اور یہ لوگ نتائج کو باذن اللہ جانتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اور وہ لوگ کسی کو اپنے ربّ کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

پاک لوگوں کی صفت ہے کہ وہ کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ انہیں لوگوں کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے، لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر زیادہ ہوتا ہے، اور وہ مصائب و آلام کو باذن اللہ مانتے ہیں اور اپنی پسند کو ہمیشہ حق کے تابع رکھتے ہیں۔

**حاصل:** اپنی پسند کو حق کے تابع رکھنا اور مصائب و آلام کو باذن اللہ جاننا شرک سے بچنے والوں کی طریقت ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اور وہ لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں، اور ان کے دل ڈر رہے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف مراجعت کرنی ہے۔

جو کچھ رضائے الٰہی کے لئے خرچ کیا جائے، وہ کم ہی ہوتا ہے۔ اسے زیادہ کہنا بے ادبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کا یقین اس ڈر کا باعث ہوتا ہے، جو پاک لوگوں کے دل میں ہمیشہ رہتا ہے۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ جو توفیق دی گئی ہے، اس کے بارے میں پوچھ ہوگی اور شاہد کے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے ہوگی۔ اس ڈر کی موجودگی میں اپنا عمل بہت چھوٹا ہی نظر آنا چاہئے۔

**حاصل:** جو کچھ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے، اسے کم ہی جاننا چاہئے، کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کے حوالے سے دیکھا جائے اور شاہد کے اسوۂ حسنہ کے معیار کی نسبت سے دیکھا جائے تو وہ بہت کم نظر آتا ہے۔ اور اللہ کے ہاں پوچھ کا یقین ہو تو اسے حال پر عمل میں اسی طرح نظر آنا چاہئے۔

أُولَٰٓئِكَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَهُمْ لَهَا سَٰبِقُونَ ﴿٦١﴾

یہی لوگ بھلائیوں میں سرعت کرتے ہیں، اور یہی بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

حق کی ادائیگی کے ساتھ جن لوگوں کے دل ڈرتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے، وہ بھلائیوں کے لئے دوڑتے ہیں۔ ان کا حال ان کے ماضی سے بہتر ہوتا ہے۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کا موجودہ عمل ان کے ماضی کے عمل سے بہتر ہو۔ یہ سبقتِ خیرات کسی کے مقابل نہیں ہوتی، کہ توفیق ہر ایک کو ایک جیسی نہیں ہوتی۔ جیسے جیسے علم بڑھے، بھلائیوں میں سبقت کرنے کی طرف راغب ہونا ضروری ہے۔

حاصل: جزا کا یقین ہو، تو بھلائیوں کے لئے دوڑنا اور اپنے حال کو اپنے ماضی سے بہتر بنانا ضروری ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَٰبٌ يَنطِقُ بِٱلْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

اور ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر جتنی اسے وسعت ہو۔ اور ہمارے پاس کتاب ہے، جو حق کے ساتھ نطق کرتی ہے۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

نفس کو جو کام بھی اللہ کی رضا کے لئے کرنا پڑے، اس کے پاس اس کی وسعت یقیناً ہوتی ہے۔ یہ یقین ہو تو حق کی ادائیگی میں اپنی استعداد ہمیشہ پوری نظر آتی ہے۔ جب اپنی سہولت کو دیکھنے کی بجائے سائل کو بھیجنے والے علیمِ مطلق کو دیکھا جائے تو توازن درست رہے گا۔ انسان کے اعمال اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو رہے ہیں۔ یہ اندراج حکمِ الٰہی سے ہو رہا ہے، اس لئے یہ اندراج شک سے بالاتر ہے اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔

حاصل: جو کام بھی ہمارے پاس رضائے الٰہی کے حوالے سے آئے، اس کی وسعت یقیناً ہمارے پاس ہے۔ ہمارے اعمال، ہمارے نامۂ اعمال میں حکمِ الٰہی سے درج ہو رہے ہیں اس لئے ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔ ہمیں کسی کے بارے میں کچھ کہنے اور کچھ لکھنے سے پہلے اللہ کی رضا کو دیکھنا چاہئے، ورنہ توازن درست نہیں رہے گا۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِى غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَٰلٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَٰمِلُونَ ﴿٦٣﴾

بلکہ ان کے قلوب اس سے غفلت میں ہیں اور انہیں اس کے مقابل اور کام ہیں کہ وہ ان کو کر رہے ہیں۔

من مانی کرنے والوں کے دل، اللہ کی گرفت سے غافل ہوتے ہیں۔ یہ غفلت ان لوگوں کی مصروفیات کا رُخ ہی بگاڑ دیتی ہے اور جو کام فلاح کے لئے انہیں کرنے چاہئیں وہ ان کو چھوڑ کر دوسری طرح کے کام کرنے لگتے ہیں۔ غافل لوگوں کو اپنی وقتی خوشی مرغوب ہوتی ہے، اور وہ اس کے پیچھے عذابِ الٰہی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

حاصل: اپنے قلب کو دیکھتے رہنا چاہئے، کیا ہم اللہ کے فرمان کو مان رہے ہیں یا غفلت میں پڑے ہیں۔ غافل لوگوں کی مصروفیات کو حق سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾

حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے، جبھی وہ چلانے لگیں گے۔

آسودہ لوگ خلافِ حق کرنے میں پیش پیش ہوں تو گرفت بھی پہلے ان ہی کو ہوگی۔ ان کے پیچھے آنے والے بھی من مانی کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ جب وہ آسودہ لوگوں کو عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوتا دیکھیں گے، تو ان کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ پھٹ جائے گا کہ ان کے قلوب کا اندھاپن ختم ہوجائے گا۔ مگر یہ وقت توبہ کی قبولیت کا نہ ہوگا اور ان لوگوں کی زاری ان کے کسی کام نہ آئے گی۔

**حاصل:** خلافِ حق کرنے والے آسودہ لوگوں کی پیروی ہمیشہ عذابِ الٰہی میں مبتلا کرتی ہے۔ دیکھنا چاہیے ہم کس رُخ پر ہیں۔ اگر رُخ درست نہ ہو تو نتیجہ کبھی درست نہ ہوگا۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

آج فریاد نہ کرو، بے شک تمہاری نصرت نہ ہوگی۔

عذابِ الٰہی کو دیکھ کر آہ وفریاد شروع کی جائے تو یہ حق کو ماننے کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ایمان بالغیب کا مقام گزر چکا ہوتا ہے۔ جس انجام سے ڈرایا جاتا تھا، اس انجام کو دیکھ کر کوئی حق کو ماننے کی طرف آئے تو اس کی کوئی مدد نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا دروازہ بند ہوجائے تو کسی دوسرے کے مددگار ہونے کا مقام ہی کب آسکتا ہے۔

**حاصل:** انجام کو دیکھ کر آہ وزاری کرنا، اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

تم پر میری آیات تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں پر الٹے بھاگتے تھے۔

فریاد کرنے والے، آہ وزاری کرنے والے، اللہ سے اس وقت نصرت طلب کرنے والے جب عذابِ الٰہی ان کا احاطہ کر چکا ہو، یہ جواب پائیں گے کہ جب تم پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیاتِ الٰہی کی تلاوت کی جاتی تھی، تو تم اپنی ایڑیوں پر پیچھے بھاگتے تھے اور اس طرح تم حق سے اپنی کراہت کا اظہار کرتے تھے۔ اب تم نصرت کے طالب ہو۔ جس وقت میں تمہیں اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنا تھا، وہ وقت گزر چکا ہے۔ اب تم عذاب سے بھاگ کر کہاں جاسکتے ہو۔

**حاصل:** حق کو سن کر ایڑیوں پر الٹے پاؤں بھاگنا، منکرینِ حق کی نشانی ہے۔

مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

استکبار کرتے ہوئے، گویا کسی افسانہ گو کو چھوڑ کر جارہے ہو۔

شاہد کی زبانِ پاک سے حق کو سن کر، ایڑیوں پر پیچھے کی طرف بھاگنا، منکرینِ حق کا طریقہ تھا۔ کافروں کی طرف سے شاہدین کو شاعر کہا جائے، ساحر کہا جائے، مجنون کہا جائے یا کچھ اور کہا جائے یہ سب ان کے استکبار کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ پاک لوگوں کی بات کو سنتے ہیں تو استہزاء کرنے کے لئے، سنجیدگی ان کے رویئے میں قطعاً نہیں ہوتی۔ اور جیسے کسی افسانہ گو سے رخصت ہوتے وقت اس سے کسی تعلق کا احساس نہیں

ہوتا، یہ کافر بھی تبلیغِ حق کرنے والے کو افسانہ گو ہی جانتے ہیں۔ حالانکہ تبلیغ حق کرنے والا، سننے والوں کے حال کو بیان کرتا ہے، ان کے مستقبل کو بیان کرتا ہے، انہیں کوئی کہانی نہیں سنا رہا ہوتا۔

حاصل: استکبار، حصولِ علم کے لئے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ جس کی بات ہمارے حال سے متعلق ہو، ہمارے مستقبل سے متعلق ہو اس کی بات کو پوری توجہ سے سننا چاہئے۔

اَفَلَمۡ يَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ يَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۶۸﴾

کیا انہوں نے فرمان میں تدبّر نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے پہلے آبا وَاجداد کے پاس نہ آیا۔

فرمانِ حق تو تدبر کا تقاضا کرتا ہے۔ اس فرمان کو سنانے والا ماننے والوں کو خوف وحُزن سے نجات پا جانے کی ضمانت دیتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں جن نتائج کے پیدا ہونے کا یقین دلانا شاہد کی شان کے لائق ہے، وہ اس کے اتباع سے یقیناً پیدا ہوتے ہیں۔ جس ماضی کا حال شاہد نہ ہو وہ ماضی سچا نہیں ہوتا۔ جس حال کا ماضی شاہد نہ ہو وہ حال سچا نہیں ہوتا۔ جو کچھ ان کے آبا وَاجداد کو پیش آچکا ہے، وہی ان کو بھی پیش آئے گا۔ ان لوگوں کے پاس کوئی ایسی سند تو نہیں ہے جس کا ماضی والوں کو پتہ ہی نہیں تھا۔ ماضی سے سبق سیکھنا عقل مندی ہے تو ماضی سے غافل ہو جانا خلافِ عقل ہے۔

حاصل: انتہائی واجب الاحترام قول فرمانِ خداوندی ہے۔ اس میں تدبر کرنا چاہئے۔ ماضی سے سبق سیکھنا چاہئے۔

اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں، اس لئے وہ ان کے منکر ہو رہے ہیں۔

رسول اللہ کا پہچاننا لوگوں کے لئے کبھی بھی مشکل نہیں تھا۔ رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہی اس لئے گئے کہ لوگ ان کو آسانی سے پہچان لیں، ان کا اتباع کریں اور فلاح پائیں۔ اللہ کے رسول کی یہ شان ہے کہ وہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کا شرف رکھتا ہے، خوف وحُزن سے نجات دلانے کا علم رکھتا ہے۔ اللہ کا رسول اس یقین سے بات کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے مقابل آ ہی نہیں سکتا۔ رسول کے پہچاننے میں لوگوں کو کبھی مشکل پیش نہیں آئی۔ رسول تو ہمیشہ ان لوگوں میں سے ہی ہوتے ہیں جن کی طرف ان کی بعثت ہوتی تھی۔

حاصل: ظلمات سے نور کی طرف لانے والے کو پہچاننا کبھی مشکل نہیں ہوتا، اس لئے یہ بات باعثِ انکار بھی نہیں ہو سکتی۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۰﴾

یا یہ کہتے ہیں کہ انہیں جنون ہے۔ بلکہ وہ تو ان کے پاس حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اور ان میں اکثر کو حق سے کراہت ہے۔

حق فرمانِ خداوندی ہے۔ اس کو ماننے میں لوگوں کی پسند کو کوئی وقعت نہ دینا، منکرینِ حق کو جنون معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کی پسند کو

وقعت دینے والے کبھی یک سو نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے ہمیشہ حق کی بات کرتے ہیں، ان کی اپنی کوئی بات ہوتی ہی نہیں۔ سامعین کو اگر حق سے کراہت ہو تو حق کو یک سوئی سے ماننے والے انہیں پاگل لگتے ہیں۔ حق کو جھٹلانے والے استکبار میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ استکبار ان کو خسارے تک لے جاتا ہے۔ مجنون کی بات کبھی سند کے ساتھ نہیں ہوتی۔ مجنون کے اعمال کبھی لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ نہیں بن سکتے۔ مجنون کو اپنے حال اور مسائل کا علم نہیں ہوتا، لوگوں کے حالات اور مسائل کا علم نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کی اہلیت کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔

**حاصل:** جب حق سے کراہت ہو تو تبلیغِ حق کرنے والے شاہد کو مجنون کہہ کر استکبار کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جس کی بات سند کا درجہ رکھتی ہو، جس کے اتباع میں خوف و حزن سے نجات کی ضمانت موجود ہو، اس کو ماننا ہی باعثِ فلاحِ دارین ہوتا ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾

اور اگر حق ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، مبتلاء فساد ہو جاتے۔ بلکہ ہم نے تو انہیں ان کا ذِکر عطا فرمایا ہے، تو وہ اپنے ذِکر سے اعراض کر رہے ہیں۔

حق فرمانِ خداوندی ہے۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے، اور اسی کے علم سے سارے عالمین کی ربوبیت ہو رہی ہے۔ اگر انسانی خواہشات کا درجہ بڑھا دیا جائے اور اسے حق پر فوقیت دے دی جائے، تو آسمان ہو، زمین ہو یا ان کے مابین کوئی مقام ہو، وہاں فساد کا ہونا لازم ہے۔ انسانی خواہشات سے اجتماعی بھلائی ہو ہی کیا سکتی ہے۔ حق تو بصورت نصیحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے، اس کا ماننا یقیناً نام وری کا باعث ہوتا ہے۔ جو اپنی بھلائی سے، اپنی نام وری سے خود منہ پھیر لے اس کا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔

**حاصل:** انسانی خواہشات کا درجہ جہاں بھی حق کے مقابل بڑھایا جائے گا، فساد ہی اس کا حاصل ہو گا۔ حق کے ماننے میں بنی آدم کی فلاح ہے، نام وری ہے۔ جو اپنی بھلائی سے منہ پھیر لے اس کا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

کیا تم ان سے خراج مانگتے ہو، تو تمہارے رب کا دیا ہوا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

حق کو بیان کرنے والے، لوگوں سے اجر کا سوال نہیں کیا کرتے۔ ان کا اجر تو رب العالمین پر ہوتا ہے اور لوگ اجر دے بھی کیا سکتے ہیں۔ اللہ جو کچھ عطا فرما دے وہی پورا ہوتا ہے۔ سب سے بہتر رزق دینے والا اللہ ہی ہے۔ حق کو بیان کرنے والا متوکل نہ ہو تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہوتا، اس سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

**حاصل:** تبلیغِ حق کرنے والے کو اجر کا سوال کرنا زیب نہیں دیتا۔ اللہ جو کچھ عطا کر دے اس سے بہتر کچھ نہیں ہوتا۔ سب سے بہتر رزق وہی ہے جو اللہ عطا کرے۔

وَ اِنَّكَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۷۳﴾

اور بے شک آپ تو انہیں صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ تبلیغِ حق کرنے والے صداقت کے ساتھ صراطِ مستقیم کی طرف بلا رہے ہوں تو وہ بھی اللہ کے سامنے ہیں۔ ان کا اتباع کرنے والے ادب سے ان کا اتباع کر رہے ہوں تو وہ بھی اللہ کے سامنے ہیں۔ من مانی کرنے والے بھی اللہ کے سامنے ہیں۔ تبلیغِ حق کرنے والے کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو جبر کے ساتھ صراطِ مستقیم کی طرف بلائے۔ جو تبدیلی جبر کے ساتھ آئے گی، وہ جبر کے ساتھ ہی قائم رہ سکے گی اور دین میں جبر و اکراہ سے منع فرمایا گیا ہے۔ رضائے الٰہی مطلوب ہو تو حیاتِ دنیا میں خوف و حزن سے نجات کا یقینی راستہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

**حاصل:** تبلیغِ حق کرنے والے کی طرف سے صراطِ مستقیم کی طرف بلایا ضرور جاتا ہے، استفادہ وہی کرتے ہیں جو حق کو مانتے ہیں۔

وَ اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوۡنَ ﴿۷۴﴾

اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔

آخرت پر یقین ہو تو حسنِ عمل کی بات بڑی وقعت رکھتی ہے۔ آخرت کا انکار کیا جائے تو پھر اپنی خواہشات کی پیروی سے بچ جانا ممکن نہیں رہتا، اور اپنی خواہشات کی پیروی سے گمراہی ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اجتماعی بھلائی کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے، جزا کا یقین اس کے ساتھ موجود ہو تو وہ سب با حقیقت ہوگا، ورنہ بے حقیقت ہوگا۔

**حاصل:** آخرت پر ایمان ہو تو صراطِ مستقیم نصیب ہوتا ہے، ورنہ اپنے منتخب کردہ راستے کا نام جو بھی رکھ لیا جائے وہ حق کے حوالے سے صراطِ مستقیم نہیں ہوگا۔

وَ لَوۡ رَحِمۡنٰهُمۡ وَ كَشَفۡنَا مَا بِهِمۡ مِّنۡ ضُرٍّ لَّلَجُّوۡا فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور اس تکلیف کو کھول دیں جو انہیں پہنچتی ہے، تو بھی وہ اپنی سرکشی میں لگے ہی رہیں گے۔

آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے جب مصائب و آلام میں پکڑے جاتے ہیں، تو وہ دیکھ لیتے ہیں کہ ان کی تدبیر کسی کام نہیں آئی۔ اللہ کی قدرت کے سامنے ان کی بے بسی بہت واضح ہوتی ہے۔ جس ذریعے سے انہیں حق کا پتہ چلتا ہے، اس سے درخواست بھی کرتے ہیں کہ آپ دعا فرما دیجئے یہ دکھ دور ہو جائے، ہم مان بھی لیں گے اور عملاً اس کا ثبوت بھی دیں گے۔ جیسے آلِ فرعون کو جب بھی عذابِ الٰہی میں پکڑا گیا، تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے تھے، ایمان لانے کا وعدہ بھی کرتے تھے، بنی اسرائیل کو آزاد کر دینے کا وعدہ بھی کرتے تھے، مگر عذاب کے دور ہو جانے کے بعد اسی سرکشی میں لگ جاتے تھے جس میں پہلے لگے ہوئے تھے۔ یہ اصلاح کی حد سے گزرے ہوئے لوگوں کی نشانی ہے۔

حاصل: آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے، مصائب و آلام سے نجات پا کر بھی اللہ کی رحمت سے فیض یاب نہیں ہوتے۔ یہ کہہ کر 'ایسا تو ہوتا ہی ہے' پھر اُسی سرکشی میں لگ جاتے ہیں جس میں پہلے لگے ہوئے تھے۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تو نہ انہوں نے اپنے رب کے حضور عاجزی کی، نہ وہ گڑگڑائے۔

عذابِ ادنیٰ کا منشاء ہی یہ ہوتا ہے کہ منکرینِ حق کو اپنے رخ کے غلط ہونے کا خوب پتہ لگے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں مدد ملے۔ مگر جب وہ اصلاح کی حد سے گزر چکے ہوں تو پھر وہ اس مقام پر بھی عاجزی و گریہ زاری نہیں کرتے۔

حاصل: جس عذاب کے بعد اصلاح کو اختیار کرنا ممکن ہو، اس کے بعد بھی اصلاح کو اختیار نہ کیا جائے تو اس سے بڑی نامرادی کیا ہو سکتی ہے۔ عاجزی اور گریہ زاری اظہارِ ندامت کے لئے ہوتی ہے، جب اپنے کئے پر ندامت ہی نہ ہو تو اصلاح کی طرف مائل ہونا، ناممکن ہوتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع

حتیٰ کہ جب ہم ان پر عذابِ شدید کا دروازہ کھول دیں گے تو وہ اس میں مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔

جو لوگ مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اصلاح کی طرف نہ آئیں، عاجزی اور گریہ زاری نہ کریں اور اپنی سرکشی پر اڑے رہیں، ان کے لئے سنت الٰہی یہ ہے کہ ان پر عذابِ شدید کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ نامراد ہو جاتے ہیں۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ جو مصائب و آلام میں بھی خیر کی طرف رُخ نہ کرے اُسے عذابِ شدید میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، پھر وہ نامراد ہو جاتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ فرمایئے، کس کے ہاتھ میں ہے ہر شے کی بادشاہی، اور وہ بچالیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، کہو اگر تمہیں علم ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم قلیل ہی شکر کرتے ہو۔

کان اگر حق کو سنے تو وہ درست ہے ورنہ بہرہ ہے۔ آنکھ اگر حق کو دیکھے اور حدود اللہ کا احترام کرے تو وہ آنکھ روشن ہے، ورنہ اندھی ہے۔ دل شاہد کی محبت سے روشن ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ من مانیاں کرنے والے کا دل اندھا ہوتا ہے۔ کان، آنکھ اور دل، اللہ کی عطا ہیں۔ ان کے بغیر حصولِ علم ناممکن ہے۔ زندگی میں ہر مقام پر اللہ کی عطا کی قدر کرنی چاہئے۔ کان کا شکر یہ اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ جو بھی سنا جائے، اسے حق کے حوالے سے سنا جائے۔ آنکھ کا شکر یہ یہ ہے کہ جو بھی دیکھا جائے اس میں حق اور ناحق کے درمیان وقف لازم ملحوظ رہے اور دل کا شکر یہ یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں تدبر کیا جائے اور شاہد سے محبت رکھی جائے۔ اور اگر حصولِ علم کے لئے کام آنے والے ذرائع کو

استعمال کر کے معطی مطلق کو یاد بھی نہ کیا جائے تو یقیناً یہ ناشکری ہے۔

حاصل: کان، آنکھ اور دل وہ ذرائع ہیں جن کے بغیر حصولِ علم ناممکن ہے۔ کائنات میں جوں جوں علم کے بڑھنے کا احساس ہو، شکریے کو بھی بڑھنا چاہئے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ تخلیق کو اہم مانا جائے اور باعثِ تخلیق کا کماحقہٗ شکریہ ادا نہ کیا جائے۔

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾ اور اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے، اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہوگا۔

زمین میں انسانوں کا پھیلانا، اللہ کی قدرت ہے، اس لئے کسی خطہ زمین پر اپنی موجودگی کو اپنی فضیلت کی سند کے طور پیش کرنا درست نہ ہوگا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف جانا بھی ہوگا، اور وہاں ہر ایک کو اس کے کیے کی پوری پوری جزا مل جائے گی۔ جزا کا یقین ہو تو اصلاحِ حال سے غفلت نہیں رہ سکتی۔

حاصل: زمین میں ہمارا پھیلاؤ اللہ کے حکم سے ہے، اللہ کے علم سے ہے، واپسی بھی اسی کے حکم سے ہوگی۔ جزا کا یقین ہو تو اصلاحِ حال سے غفلت کیسے ہو سکتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾ اور وہی حیات دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے، اور اسی کا کام ہے لیل و نہار کا اختلاف۔ تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

حیات دینے کا دعویٰ، اللہ کی شان ہے، موت دینے کا دعویٰ اللہ کی شان ہے۔ رات اور دن کا بدلنا، اللہ کی شان ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاشریک ہونے کی اسناد ہیں۔ حیات کے ساتھ موت کا رکھنا اللہ تعالی کی بڑی مہربانی ہے، ورنہ حیات کی مقصدیت کا تصور ہی محال ہوتا۔ رات اور دن کا اختلاف زندگی کو وہ آسانیاں عطا کرتا ہے کہ اس اختلاف کے بغیر زندگی کا تصور ہی بڑا خوفناک ہے۔ جس نے حیات دی ہے، جو موت دے گا اور جو رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے، وہی قادرِ مطلق ہے۔ جس کی قدرت سے ہمارا سب کچھ ہو رہا ہے، اس کی قدرت کو ہر مقام پر ماننا عقل مندی ہے۔ اس کی قدرت کا انکار خلافِ عقل ہے۔

حاصل: عقل مندی کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے عقیدے میں تضاد نہ ہو، ہمارے رویئے میں تضاد نہ ہو۔

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾ بلکہ انہوں نے بھی وہی کہا جو پہلے لوگ کہا کرتے تھے۔

حیات و موت، انسان کے مشاہدے میں ہے۔ رات اور دن کا بدلتے رہنا، انسان کے مشاہدے میں ہے۔ اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد، اللہ کی قدرت کو محدود کہنا خلافِ عقل ہے۔ مگر بعث بعد الموت کے متعلق سن کر لوگ وہی کہتے ہیں، جو پہلے لوگ کہا کرتے تھے۔

حاصل: ہمارا عقیدہ جن لوگوں کی مثل ہے، ہمارا حال بھی ان لوگوں کی مثل ہے، مستقبل بھی انہی کی مثل ہوگا۔

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

کہتے ہیں، کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو پھر اٹھائے جائیں گے۔

منکرینِ حق کو اسی بات پر حیرت ہوتی ہے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے، ہڈیاں ہو گئے تو پھر ہم کو از سرِ نو کیسے اٹھایا جائے گا۔ بعث بعد الموت کے انکار میں صرف یہی کہا جاتا رہا ہے۔ اٹھانے والا تو وہی اللہ ہے جس نے پہلے پیدا کیا ہے۔ پہلی پیدائش کے مقابلے میں از سرِ نو اٹھانا بڑا کام نہیں ہے۔ جس کی قدرت کے احاطے سے باہر کچھ ہے ہی نہیں، اس کی قدرت کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا، بڑی بے ہودگی ہے۔

**حاصل:** خالقِ کُل ہی مُردوں کو زندہ کرے گا۔ اس کی شان یہی ہے کہ اس کے حکم کے ساتھ ہی وہ ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

بے شک یہ وعدہ ہمیں اور اس سے قبل ہمارے آباء کو بھی دیا گیا، یہ تو محض پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

منکرینِ حق نے بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ موت کے بعد اٹھائے جانے کا وعدہ ہم سنتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے باپ دادوں کو بھی یہی وعدہ دیا گیا۔ یہ وعدہ کبھی پورا ہوتے دیکھا نہیں ہے۔ جو باتیں ہمیں سنائی جاتی ہیں، یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وہ وقت اور طرح کا تھا، ضروریاتِ زندگی تب کچھ اور تھیں اور اب کچھ اور ہیں۔ ان پرانی کہانیوں کو سن کر زندگی کی روش کو بدلنا بڑا مشکل کام ہے۔

**حاصل:** بعث بعد الموت، عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے بعد کا مقام ہے۔ اس کو پہلوں کی کہانیاں کہہ کر اس کا انکار کرنا انسان کو خسارے کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ جس نے متاع دی ہے، عقل دی ہے، متاعِ حیات کے استعمال کا وہ طریقہ پسند فرمایا ہے جو شاہدین نے بتایا ہے، اس کی طرف سے پوچھ ضرور ہو گی۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

فرما دیجئے، کس کی ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے، اگر تمہیں علم ہے۔

منکرینِ حق سے یہ پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے یہ سب کس کا ہے، اگر علم ہو تو اس کا جواب دو۔ زمین جس کی ملکیت ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ جس کی ملکیت ہے، وہی مالکِ کُل ہے۔ مالکِ کُل ہی خالقِ کُل ہے۔ مقصدِ تخلیق کا تعین ہو تو تخلیق کا مقام آتا ہے۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے بے مقصد نہیں بنایا گیا۔ مقصدِ تخلیق وہی بتا سکتا ہے، جو خالقِ کُل ہے۔

**حاصل:** منکرینِ حق سے یہ پوچھنا چاہئے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے، یہ سب کس کا ہے۔ بولنا علم سے ہو یا حصولِ علم کے لئے ہو تو اس سے نورِ ہدایت پھیلتا ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

جلد ہی کہیں گے، اللہ کا ہے۔ فرمایئے پھر نصیحت کیوں نہیں مانتے۔

بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں سے یہ پوچھا جائے کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے، یہ سب کس کا ہے تو وہ اس کے جواب میں یہی کہیں گے، یہ سب اللہ کا ہے۔ کسی اور کا نام لینا ممکن ہی نہیں۔ جب یہ مان لیا جائے کہ یہ سب اللہ کا ہے، تو پھر حق وہی ہے جو اللہ کا فرمان ہے اور اسی کے ماننے میں فلاح ہے۔ جب یہ مان لیا جائے کہ مالکِ کل اللہ ہے، تو پھر اس کے فرمان کو نہ ماننا کیا معنی رکھتا ہے۔

**حاصل:** اپنے عقیدے کو حق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ اگر ہمارا طریقِ زندگی خلافِ حق ہے، تو پھر اللہ کو مالکِ کُل ماننے کا ثبوت ہمارے پاس کیا ہے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

فرما دیجئے، کون ربّ ہے سات آسمانوں کا اور کون رب ہے عرشِ عظیم کا۔

آسمانوں میں ربوبیت ہو رہی ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو آسمانوں کی مخلوق کی ضروریات کا علم بھی نہیں ہے، ربوبیت کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔ وہ مقام جو اس کائنات میں مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، عرشِ عظیم ہے۔ وہاں بھی ربوبیت ہو رہی ہے۔ آسمانوں کا رب اور عرشِ عظیم کا ربّ، ربّ العالمین ہے۔ اس سے بڑا علم والا کوئی نہیں ہے۔

**حاصل:** آسمانوں کے ربّ اور عرشِ عظیم کے ربّ کو لاشریک نہ ماننا قطعاً جہالت ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

کہیں گے، اللہ ہی کے ہیں۔ فرمائیے پھر اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں۔

جب یہ مان لیا جائے، کہ آسمانوں میں پالنے والا اللہ ہے، ہر شے پر قدرت رکھنے والا اللہ ہے، عرشِ عظیم کا مالک اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں، تو پھر اللہ کا ڈر ہماری ہر حرکت سے ظاہر ہونا چاہئے۔ اللہ کی قدرت کے احاطے کو بھی مانا جائے اور اس کا ڈر بھی نہ ہو، یہ دونوں کیفیات یکجا نہیں ہو سکتیں۔

**حاصل:** اللہ کو رب العالمین مان لیا جائے، قادرِ مطلق مان لیا جائے، تو پھر ہمارے اعمال میں اللہ کا ڈر نظر آنا چاہئے۔ اللہ سے ڈرنے والا اپنے انجام سے غافل نہیں ہو سکتا۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

فرمائیے کس کے ہاتھ میں ہر شے کا اختیار ہے، اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی نہیں بچا سکتا، اگر تم جانتے ہو۔

ہر شے پر اللہ کی قدرت محیط ہے۔ ہر شے پر اللہ کا اختیار ہے۔ شعور کی موجودگی میں کسی کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس حقیقت کا انکار کرے۔ کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اس کو عاجز کر سکے۔ اس لئے سب سے بڑا بچانے والا وہی ہے، مگر اس کے مقابل بچانے کی قدرت کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا۔ اور یہ مان لیا جائے، تو پھر یہ تسلیم ماننے والے کے عمل میں نظر آنی چاہئے۔

**حاصل:** اگر ہم مانتے ہیں کہ ہر شے پر اللہ کا اختیار ہے، وہ سب سے بڑا بچانے والا ہے اور اس کے مقابل کوئی بچانے والا نہیں تو پھر اس تسلیم کو ہمارے اعمال میں نظر آنا چاہیے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ اب کہیں گے، اللہ۔ فرمایئے پھر کیوں مسحور ہوئے جاتے ہو۔

اگر شعور کی موجودگی میں اللہ کا ہر شے پر اختیار مان لیا جائے، یہ مان لیا جائے کہ باطل کو ماننے والے کسی طرح بھی حق پر ایمان لانے والوں کو نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے کہ اللہ سب سے بڑا بچانے والا ہے، یہ مان لیا جائے کہ جب اللہ عذاب دینا چاہے تو بچانے کی قدرت کسی کے پاس نہیں ہوگی، تو اس تسلیم کے ساتھ حسنِ تسلیم کو بھی نظر آنا چاہیے۔ اور جب باطل کے اثرات سے سحر زدگی کی کیفیت نظر آ رہی ہو تو پھر حق کو تسلیم کرنے کی حقیقت کیا ہوئی۔

**حاصل:** جو اللہ کو قادرِ مطلق مانتا ہے، جو اللہ کو سب سے بڑا بچانے والا مانتا ہے، جو مانتا ہے اللہ کے عذاب سے بچانا کسی کے بس میں نہیں ہے، اس پر جادو نہیں ہو سکتا۔ باطل کے اثرات نظر آ رہے ہوں تو حق کو ماننے کا ثبوت کیا ہوگا۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ بلکہ ہم نے انہیں حق پہنچایا ہے، اور بے شک وہ کاذب ہیں۔

حق کا پہنچانا اللہ کی شان ہے۔ حق فرمانِ خداوندی ہے، جس کے حوالے سے بندہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ جواب دہی کا یقین ہو تو بندے کی صداقت کی سند موجود ہوتی ہے، ورنہ وہ کاذب ہوتا ہے۔ جواب دہی کا یقین عمل میں نظر آتا ہے، اس یقین کی موجودگی میں اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہو سکتا۔

**حاصل:** کسی کے لئے یہ کہنا ممکن نہیں کہ حق اس کے پاس نہیں پہنچا۔ ماننے والے کا عمل بول رہا ہوتا ہے۔ جواب دہی کا یقین نہ ہو تو انسان، اللہ کے نزدیک کاذب ہوتا ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۹۱﴾ اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں قرار دیا، اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے۔ یوں ہوتا تو ہر معبود اپنی خلق کو لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی بڑائی کرتا۔ اللہ ایسی باتوں سے پاک ہے جو یہ بتاتے ہیں۔

اولاد والدین کی مثل ہوتی ہے اور اللہ بے مثل ہے، اس لئے اولاد کو اللہ سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے ساتھ دوسرا کوئی معبود بھی شریک نہیں ہے۔ یوں ہوتا، تو ہر معبود اپنی خلق کو اپنے دائرہ عبودیت میں رکھتا اور اس کوشش میں نظمِ کائنات خراب ہو جاتا۔ اللہ کی شان کو بیان

کرنا اور اندازے قیافے کی باتیں کرنا بڑا ناپسندیدہ کام ہے۔ اندازہ، قیافہ اللہ کی شان کو بیان کرنے کے لئے موزوں ہی نہیں ہے۔

**حاصل:** اولاد، معبود کی شان کے خلاف ہے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ معبود کا اپنی خلق پر قادر ہونا ضروری ہے، اور معبود کئی ہوں تو اظہارِ قدرت باعثِ فساد ہی ہوسکتا ہے۔ اللہ کے بارے میں اندازے قیافے سے باتیں کرنا ناپسندیدہ ہے۔

**عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾** ع ۱۵ ۵ جانتا ہے چھپے کو اور کھلے کو اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ ظاہر کو بھی جانتا ہے، باطن کو بھی جانتا ہے۔ اشیاء کے منافع بھی اس نے رکھے ہیں جو اشیاء کے ساتھ نظر نہیں آتے۔ اشیاء میں نظر آنے والی باتیں بھی اللہ نے رکھی ہیں۔ علم مطلق اللہ کی شان کے لائق ہے۔ وہ خالقِ کُل ہے، اور مخلوق کبھی اپنے خالق کے مقابل نہیں آسکتی۔ اللہ سینے کے بھید کا علم رکھتا ہے، اللہ آنکھ کی خیانت کا علم رکھتا ہے، اس کے سامنے کسی کے علم کا جو اندازے قیافے سے بنا ہو کیا مقام ہوسکتا ہے۔ اس لئے اندازے قیافے سے جو باتیں بھی اللہ کے متعلق کی جائیں، اللہ ان سے بہت بلند ہے۔

**حاصل:** ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔ اللہ سب سے بڑا علم والا ہے۔ اس سے اوپر کوئی علم والا نہیں۔ اندازے قیافے سے اللہ کی شان بیان نہیں ہوسکتی۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورہ الاسراء (۱۷) میں ارشاد فرمایا ہے۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ ٹھہراؤ، پھر بیٹھ رہو گے مذمت کیے ہوئے، بے کس۔

**قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾** دعا کیجئے، اے رب اگر تو مجھے دکھائے جو ان سے وعدہ ہوا ہے۔

جو اصلاح کو قبول کرلے، اس کا بھلا ہو جاتا ہے۔ جو عمل کے لئے دی گئی مہلت کو ضائع کرلیتا ہے، وہ عذاب الٰہی کی گرفت میں آتا ہے۔ اللہ کا یہ عذاب المناک ہوتا ہے، دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اس عذاب میں نہ کوئی ساتھی رہ جاتا ہے، نہ کوئی مدد دینے والا رہ جاتا ہے۔ دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کہ عذابِ الٰہی کا مشاہدہ کروایا جائے تو اللہ اپنے فضل سے فلاح عطا فرمائے۔

**حاصل:** عذابِ الٰہی سے قبل یہ دعا، کافروں سے الگ ہونے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

**رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾** تو اے رب مجھے ظالم لوگوں میں نہ ٹھہرانا۔

عذابِ الٰہی ظالموں کا احاطہ کرلیتا ہے تو پھر کوئی انسانی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ظالم وہی ہوتے ہیں، جو خلافِ حق کرتے ہیں۔ بندے کو تقاضاء ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ انجام کی بھلائی کی دعا کرے۔ ظالموں سے نہ اس کی بات ملتی جلتی ہو اور نہ اس کا عمل ملتا جلتا ہو۔ دانستہ طور پر بھی ان سے کوئی ہم آہنگی نہ ہو، نادانستہ طور پر بھی ان سے کوئی ربط نہ ہو۔

حاصل: جب یہ دعا کی جائے، تو تلاوت الوجود کر کے دیکھنا چاہیے، کہ ہم کوئی کام خلافِ حق تو نہیں کر رہے۔ ایسا ہو تو ہماری دعا بے معنی ہو جائے گی۔

وَ اِنَّا عَلٰۤی اَنۡ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمۡ لَقٰدِرُوۡنَ ﴿۹۵﴾

اور بے شک ہم قادر ہیں کہ تمہیں دکھا دیں، جو وعدہ انہیں دے رہے ہیں۔

منکرینِ حق کو جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے، وہ عذاب امرِ الٰہی سے ہی آتا ہے۔ اتمامِ حجت ضرور اللہ کی شان ہے۔ اللہ کی قدرت سے وہ عذاب، حال پر حق کی ادائیگی کرنے والوں کو دکھایا جا سکتا ہے۔ حق کو ماننے والے یہ بات نظر میں رکھیں کہ اللہ کی قدرت کے سامنے منکرین حق کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔

حاصل: اللہ کی قدرت پر نظر ہو تو منکرینِ حق کی باتوں سے ان کا انجام نظر آنے لگتا ہے۔

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَصِفُوۡنَ ﴿۹۶﴾

برائی کو بطریق احسن دفع کرو۔ ہمیں خوب علم ہے جو باتیں یہ بناتے ہیں۔

منکرینِ حق کی طرف سے پہنچنے والے دکھ کو باذنِ اللہ مانا جائے تو برائی کو بطریقِ احسن دفع کرنے کی صورت بنتی ہے۔ وہ تکلیف دہ باتیں جو حق کا انکار کرنے والے بناتے رہتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔ ان بے ہودہ باتوں پر صبر کرنا، پاک لوگوں کی شان ہے۔

حاصل: اگر اس بات پر نظر رہے کہ جزا دینے والا سب سے بڑا جاننے والا ہے، تو منکرینِ حق کے رویے پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بندے کا علم، اللہ کے علم کے سامنے حیثیت ہی کیا رکھتا ہے۔

وَ قُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ ۙ﴿۹۷﴾

اور دعا کرو اے میرے ربّ میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حق کو ماننے والے، دوست کے ساتھ بھی حق کے مطابق رہتے ہیں، دشمن کے ساتھ بھی حق کے مطابق رہتے ہیں۔ دعا یہ کرتے ہیں کہ اے میرے رب میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میرا نفس کہیں مجھے میری چاہت کے رخ پر نہ ڈال دے۔ اپنے حق پر نظر ہوگی تو سلامتی رہے گی۔

حاصل: جب یہ دعا کی جائے کہ اے میرے ربّ مجھے شیاطین کے وسوسوں سے پناہ دے، تو درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے، کہ اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔

وَ اَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۸﴾

اور اے میرے ربّ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

شیاطین جن ہوں یا شیاطین انس ہوں، وہ لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ دعوت شریعت کے لبادے میں بھی ہو سکتی ہے، طریقت کے لبادے میں بھی ہو سکتی ہے، حقیقت کے لبادے میں بھی ہو سکتی ہے۔ اس دعا کے بعد لازم ہے کہ بندہ برائی کے قریب نہ جائے۔ اپنی حفاظت بھی کرے، اپنے ساتھیوں کی حفاظت بھی کرے۔ جبھی اس کے قول کا عمل شاہد ہوگا اور وہ سچا ثابت ہوگا۔

**حاصل:** شیاطین جن وانس سے اللہ کی پناہ مانگنا اظہارِ بندگی ہے۔ اپنی حفاظت بھی کرنی چاہئے، اپنے ساتھیوں کی حفاظت بھی کرنی چاہئے کہ اسی سے صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

**حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾**

حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے گا، اے میرے ربّ مجھے مراجعت دے۔

موت کے وقت یہ درخواست کرنا کہ مجھے واپس بھیج دیا جائے، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حکمِ الٰہی تو یہی ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم پر موت آئے اور تم کہو کہ مجھے تھوڑی مہلت دے دی جائے، کہ میں صداقت سے صالحین میں شامل ہو سکوں۔ اس وقت عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو چکی ہوگی۔ مقصدِ حیات کا انکار کرنے والے، اس وقت حقائق کو ماننے کے لئے تیار ہوں گے، مگر اس ماننے کے ساتھ صداقت کا ثبوت پیش کرنا ممکن نہ ہوگا۔

**حاصل:** حال پر حق کو ماننا نفع دیتا ہے۔ موت کے وقت حقائق کو ماننا نفع نہیں دیتا۔ اس وقت واپس بھیج دینے کی درخواست حسرت کو ہی بڑھائے گی۔

**لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾**

کہ میں صالح عمل کرلوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے۔ اور ان کے پیچھے برزخ ہے، یومِ بعث تک۔

اللہ کے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں اللہ کی رضا کو مقصود جاننا ان لوگوں کی طریقت ہے جو جزا کا یقین رکھتے ہیں۔ غافل لوگ وہی کرتے ہیں جو ان کا جی چاہے۔ موت کے وقت اس کا احساس ہوتا ہے تو صالحین کے ساتھ مل جانے کی طلب بھی ظاہر کرتے ہیں، اور جو کچھ دنیا میں چھوڑ کر جا رہے ہوتے ہیں اس کے درست استعمال کی بات بھی کرتے ہیں۔ مگر اس بات کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی، اس لئے یہ بات اب کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ایک پردہ حائل ہو چکا ہے، ماضی اور حال کے درمیان۔ یہ پردہ اس دن تک قائم رہے گا، جس دن لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

**حاصل:** صالح عمل کرنے کا وقت حال پر ملی ہوئی مہلت ہے۔ قول وہی سچا ہے، عمل جس کا شاہد ہو۔ اصلاحِ حال کے لئے دی گئی مہلت کی قدر کرنی چاہئے۔ پھر لوٹائے جانے کی طلب کوئی معنی نہیں رکھتی۔

**فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾**

تو جب صور پھونکا جائے گا، تو اس دن ان میں نہ نسبی تعلق ہوگا اور نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ مانگ سکیں گے۔

نفخۂ ثانیہ پر لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہر وہ رشتہ جو غرض و غایت پر قائم ہوگا، اس دن بے حقیقت ہوگا۔ جزا کا انکار کرنے والے، ایسے خوف میں مبتلا ہوں گے کہ کسی سے مدد طلب کرنا بھی ان کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ جو تعلق اللہ کی رضا کے حوالے سے ہو وہ تعلق تقویٰ سے تعلق رکھتا ہے، وہ قیامت کے دن بھی قائم رہے گا۔ ایمان والوں کا حال قیامت کے دن یہ ہوگا کہ ان کی اولاد جس نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہوگی، ان کے ساتھ ملا دی جائے گی اور انہیں پریشانی نہ ہوگی۔

**حاصل:** جس نسب پر فخر کیا جا رہا ہو اس کے انجام کو بھی دیکھنا چاہیے۔ جس رشتے میں مقصود اللہ کی رضا ہو، وہ تقویٰ پر قائم ہوتا ہے، وہی قائم رہنے والا رشتہ ہے۔ مدد مانگنے کے لئے احساسِ تعلق ضروری ہوتا ہے۔

**فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾**

تو جن کے اوزان بھاری ہوئے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

جو عمل اللہ کی رضا کے حوالے سے کیا جائے، اس میں جزا کا یقین موجود ہوتا ہے اور عمل کرنے والا کبھی اپنے عمل پر اتراتا نہیں کہ اس نے بندگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایسا عمل لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں ہوتا۔ خلوت ہو یا جلوت، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو دیکھا جاتا ہے۔ ایسے عمل کا اللہ کے نزدیک وزن ہوتا ہے۔ ایسے عمل کرنے والے لوگوں کے اوزان بھاری ہوں گے۔ پاکیزگی کے حوالے سے اعمال وزنی ہوتے ہیں اور یہ فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

**حاصل:** پاکیزگی کے حوالے سے اعمال وزن رکھتے ہیں۔ جب مقصود اللہ کی رضا ہو اور معیار پیشِ نظر اسوۂ رسول ہو، تو عمل اللہ کے نزدیک باحقیقت اور وزنی ہوگا، اور یہ فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

**وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾**

اور جن کے اوزان ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں۔

جو عمل، اللہ کی رضا کے حوالے سے نہ ہوں، جن میں لوگوں کی پسند اور ناپسند کو زیادہ وقعت حاصل ہو، وہ بظاہر نیکی کے زمرے میں بھی آتے ہوں تو بھی ان کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی اور وہ اللہ کے نزدیک معیار کے حوالے سے بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ جزا کا یقین بندے کے رخ کو درست رکھتا ہے، ناصح سے محبت ہو تو اعمال وزنی ہوتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں۔ جو ان کا انکار کرتا ہے، وہ اپنے لئے خسارے کا انتخاب کرتا ہے۔ اس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

**حاصل:** عمل، اللہ کے نزدیک معیار کی نسبت سے وزنی یا ہلکا ہوتا ہے۔ جزا کا منکر خود کو خسارے میں ڈالتا ہے، اسے دائمی عذاب ہوگا۔

**تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾**

ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی، اور ان کے منہ بگڑ جائیں گے۔

جن لوگوں کے اعمال بے حقیقت ہوں گے، انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جو آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی، وہ آگ ان لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔ جہنمی لوگوں کا رخ حال پر بھی بگڑا ہوا ہوتا ہے، آخرت میں یہ بگاڑ بالکل واضح ہو جائے گا۔ نیت عمل کی جان ہوتی ہے۔ جس کی نیت درست نہیں ہوگی، اس کا رخ کبھی درست نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے اعمال سے اپنے لئے آگ کا بندوبست کر رہا ہوگا۔

**حاصل:** آگ کی سزا دینا، صرف اللہ کی شان کے لائق ہے، کہ وہی انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔ کسی منہ کو بگاڑنے کی کوشش، اللہ سے نہ ڈرنے کا ثبوت ہوگا اور ہمیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔

**اَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾** کیا تم پر میری آیات تلاوت نہ کی جاتی تھیں، تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔

آیاتِ الٰہی کا انکار کرنے والے دوزخ میں چلائیں گے، تو ان سے پوچھا جائے گا کیا تمہیں اس انجام سے ڈرایا نہیں گیا تھا، کیا تمہیں فرمانِ خداوندی سنایا نہیں گیا اور کیا تم اس کو جھٹلاتے نہیں رہے۔ جس راستے کو تم نے شعور کے ساتھ اختیار کیا تھا اب اس کے انجام پر چیخنا چلانا کیا معنی رکھتا ہے۔

**حاصل:** فرمانِ خداوندی کو ماننا جیسے ماننے کا حق ہے، بندے کو حال پر بھی نفع دیتا ہے آخرت میں بھی نفع دے گا۔

**قَالُوۡا رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَيۡنَا شِقۡوَتُنَا وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّيۡنَ ﴿۱۰۶﴾** عرض کریں گے ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

جہنمی پکاریں گے، ہم پر یقیناً فرمانِ خداوندی کی تلاوت کی گئی، ہم اس کو جھٹلاتے رہے۔ یہ ہماری بدبختی تھی کہ ہم حق کو ماننے والے نہ ہوئے اور ہم گمراہ ہوگئے۔ بدبختی کو اپنی گمراہی کا سبب بتانا بھی حق کا انکار ہے، کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم حق کو مان ہی کیسے سکتے تھے بخت میں تو گمراہی لکھی تھی۔ جب حق کسی کو سنایا جاتا ہے، تو اس نے شعور کے ساتھ اس کو ماننا ہوتا ہے یا شعور کے ساتھ اس کا انکار کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے خوش بختی یا بدبختی کی راہ بندہ اختیار کرتا ہے اور جو رخ وہ اختیار کرے، اسی کی جزا پاتا ہے۔

**حاصل:** بدبختی کا انتخاب انسان خود کرتا ہے۔ گمراہی کو بدبختی کی بدولت جاننا بھی بے حقیقت لوگوں کا طریقہ ہے۔ انسان شعور کے ساتھ بھلائی کا رخ اختیار کرتا ہے، شعور کے ساتھ ہی خسارے کا رخ اختیار کرتا ہے۔

**رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾** اے ربّ ہمارے ہمیں اس سے نکال، پھر اگر ہم وہی کریں تو قطعاً ہم ظالم ہوں گے۔

جہنمی یہ عرض کریں گے کہ اے رب ہمارے، ہمیں اس دوزخ سے نکال اور ہمیں موقع دے کہ ہم صالح عمل کریں، جو ہم پہلے نہیں کرتے تھے اور اگر ہم پھر وہی کریں جو پہلے کرتے تھے، تو پھر ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔ خلافِ حق کرنا ظلم ہے، اور جہنمی یقیناً خلافِ حق کر چکے

ہوں گے۔ انہیں ماضی میں متاع دی گئی، مہلت دی گئی، نصیحت ان کے پاس پہنچائی گئی، ڈرسنانے والے انہیں ڈرسناتے رہے اور وہ کچھ کر کے دکھاتے رہے جو کرنا چاہیے تھا، جو باعثِ فلاح تھا۔ جب خلافِ حق کرنے والوں نے شعور کے ساتھ خلافِ حق کیا تو پھر ان کے ظالم ہونے میں کیا مقام باقی رہا۔

**حاصل:** جہنمی جزا کو دیکھ کر حق کو ماننے کا دعویٰ کریں گے اور عمل کے لئے مہلت مانگیں گے۔ جو لوگ حال پر غفلت میں پڑے ہوں ان کا ساتھ خسارے کا باعث ہوتا ہے۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

فرمایا جائے گا، پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اسی میں اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

یوم الدین کے مالک کی طرف سے فرمایا جائے گا، پھٹکارے ہوئے پڑے رہو جہنم میں اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ یہ بات بھی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، جو تم کر رہے ہو۔ جہنمی ظلم کرتے رہنے کی وجہ سے جہنم میں پہنچیں گے، مگر یہ کہیں گے کہ اگر ہمیں موقع دیا جائے اور ہمارا حال وہی رہے جو پہلے تھا تو پھر ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔

**حاصل:** جزا کے بعد اصلاح کو قبول کرنے کا دعویٰ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ظلم کی جزا پانے کے باوجود جسے اپنے ظلم کا اعتراف نہ ہو، اس کی بات سے کراہت کا اظہار کرنا چاہیے۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

میرے بندوں کا ایک فریق کہتا تھا، اے رب ہمارے، ہم ایمان لائے، تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کے پاک بندوں کی صفات کا ذکر ہے۔ وہ کہتے تھے، اے رب ہمارے، ہم ایمان لائے، تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ ایمان لانے کا دعویٰ کرنے کے بعد صالح اعمال سے اس کی شہادت پیش کرنی ضروری ہے۔ صالح اعمال وہی ہیں جو صالحین کے اتباع میں کیے جائیں۔ بھلے لوگوں کو یہ اعتراف ہوتا ہے کہ شاہدین کے اتباع کا حق کما حقہٗ ادا نہیں ہوا، اس لئے وہ بخشش کی دعا کرتے ہیں، رحم کی دعا کرتے ہیں۔ اور رحم کی دعا اس طرح کرتے ہیں: کہ یا اللہ تیرے فضل کے بغیر پورے رہنا ممکن نہیں، تیرا رحم شاملِ حال ہوگا تو بات بنے گی۔

**حاصل:** ایمان لانے کا دعویٰ ہو، صالح اعمال ایمان کی تصدیق کریں، اللہ سے اس کی بخشش اور اس کے رحم کو طلب کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یا اللہ تیرے فضل سے ہی بات بنے گی، بھلے لوگوں کی یہی طریقت ہے۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

تو تم نے ان کا تمسخر اڑایا، حتیٰ کہ میری نصیحت کو بھلا دیا اور تم ان کی تضحیک کرتے تھے۔

جہنم والوں سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ تم پاک لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کی ناداری تمہیں نظر آتی تھی، اور ان کی خواہشات تمہیں بہت کم نظر آتی تھیں۔ اور وہ اللہ سے بخشش مانگتے تھے، اللہ سے اس کا فضل طلب کرتے تھے تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ مذاق اڑانا تمہارا محبوب مشغلہ بن گیا تھا، حتیٰ کہ تم نے اس حق کو ہی بھلا دیا جس کو یاد رکھنا تمہارے لئے باعثِ فلاح تھا اور تم ان پاک لوگوں پر ہنسنے میں اللہ کی دی ہوئی متاع کو اور اللہ کے دیئے ہوئے وقت کو ضائع کرتے رہے۔ کسی کا مذاق اڑانا، اس کے عقائد پر ہنسنا بڑی رعونت ہے، بڑا تکبر ہے۔ جزا کے یقین کی موجودگی میں یہ تمسخر و تضحیک ممکن ہی نہیں۔

**حاصل:** جہنمی لوگوں کی یہ صفت ہے کہ وہ پاک لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے عقائد پر ہنستے ہیں اور اس کام کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیتے ہیں۔ پھر انہیں یاد ہی نہیں رہتا، کہ انہیں اللہ کے حضور پیش بھی ہونا ہے جہاں انہیں ان کے کئے کی جزا دی جائے گی۔

**اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾** میں نے آج انہیں ان کے صبر کی یہ جزا دی ہے کہ وہی فائز ہیں۔

جن لوگوں کو دنیا میں تمسخر و تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور وہ کافروں کی بے ہودگی پر صبر کرتے تھے، قیامت کے دن انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے صبر کی جزا بصورتِ فلاح عطا ہوگی اور وہ بڑی عزت والے، بڑے بامراد ہوں گے۔ کافروں پر یہ واضح کر دیا جائے گا کہ تم نے جو کیا خلافِ حق تھا، اب تم نامراد ہو، اور جن پر تم ہنستے تھے وہ بامراد ہیں۔

**حاصل:** منکرینِ حق کی بے ہودہ اور تکلیف دہ باتوں سے جو دکھ پہنچے، اس کو باذنِ اللہ جان کر صبر کرنا، حیاتِ دنیا میں بامراد لوگوں کی نشانی ہے۔

**قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾** فرمایا تم زمین میں کتنے برس رہے۔

کافروں کی شعوری زندگی جس میں وہ پاک لوگوں کا مذاق اڑاتے رہے، ان کے نزدیک کتنی تھی، ان سے پوچھا جائے گا۔ وہ کام جس میں کافروں کی زندگی ہی صرف ہوگئی، جس سے بڑا انہیں اور کوئی کام ہی نہ تھا اور جس کام سے کبھی وہ اکتاتے نہ تھے اور جس میں وہ مزے لیتے تھے، اب اس وقت کو وہ اس دکھ کے وقت کی نسبت سے دیکھیں گے جس نے انہیں گھیر رکھا ہوگا، تو انہیں اپنا ماضی بہت ہی چھوٹا نظر آئے گا۔

**حاصل:** اپنے اوقاتِ کار کو دیکھنا چاہئے۔ ہمارا کتنا وقت کس کام میں لگ رہا ہے، یہ پیشِ نظر ہو تو اصلاحِ حال سے غفلت نہیں ہوتی۔

**قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾** کہنے لگے ہم ایک دن رہے، یا دن کا کچھ حصہ، تو شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔

جو لوگ جزا کے دن کا انکار کرتے ہوئے حیاتِ دنیا میں خلافِ حق کرتے رہتے ہیں اور حالتِ کفر میں ہی انہیں موت آجاتی ہے، جب وہ عذابِ الٰہی کا مزہ چکھیں گے تو ماضی میں وہ وقت جو وہ من مانی کرتے ہوئے ضائع کر چکے ہوں گے، انہیں ایک دن یا اس سے کچھ کم ہی

معلوم ہوگا۔ وہ فرشتے جو ہمہ وقت انسان کے اعمال کا اندراج کرتے رہتے ہیں، وہ بتائیں گے ہمارا قیام دنیا میں کس قدر رہا۔

**حاصل:** دکھ کے وقت کے مقابل سکھ کا وقت بہت مختصر معلوم ہوتا ہے۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

فرمایا تم اس میں قلیل ہی رہے اگر تمہیں علم ہوتا۔

وہ وقت جو خلافِ حق کرتے ہوئے گزارا جائے، وہ تو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اللہ نے متاع دی ہے، وقت دیا ہے، استعمال کے لئے ایک طریقہ رکھا ہے۔ اس طریقے پر عمل کر کے دکھانے والے بھیجے ہیں، خوف وحزن سے نجات کا یقین دلاتے ہوئے وہ حق کو روشن کرتے ہیں اور کسی اجر کا سوال بھی نہیں کرتے۔ اگر ان پاک لوگوں کی بات سن کر اَن سُنی کر دی جائے تو پھر وقت بھی ضائع ہوا، متاع بھی ضائع ہوئی۔ نتائج تو اللہ کے اذن سے ہوتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والا کبھی اپنی پسند کے مطابق نتیجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر غلط رخ اختیار کرنے سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہو سکتی ہے جس میں وقت بھی ضائع ہو گیا، متاع بھی ضائع ہو گئی۔

**حاصل:** ہمارا وقت حق کے حوالے سے گزر رہا ہے تو اللہ کی عطا یقیناً اس کی رضا کے مطابق استعمال ہو رہی ہے، ورنہ بے علمی کے ساتھ سب کچھ ضائع کیا جا رہا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

تو کیا یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث ہی خلق کیا ہے اور تمہیں لوٹ کر ہماری طرف نہیں آنا۔

مقصدِ تخلیق کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث ہی خلق نہیں کیا، ہم نے انسان کو بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ کے عبد اور رسول کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کے لئے، اللہ سے محبت رکھنا لازم ہے۔ اسی محبت سے اتباعِ رسول ممکن ہوتا ہے اور یہی اتباع، معیت کے دعوے کو سچا ثابت کرتا ہے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس بات کا ثبوت ہے، کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر بھی جانا ہے۔ کسی موجود کو اس کے مقصود کے بغیر تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔ انسان کا مقصدِ تخلیق وہی بتا سکتا ہے، جس نے انسان کو خلق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہو تو غفلت کہاں رہ سکتی ہے۔

**حاصل:** مقصدِ تخلیق کو جاننا چاہئے۔ لوٹ کر جانے کا یقین ہو تو اللہ کے فرمان سے لاپرواہی نہیں ہو سکتی۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

تو بڑا ہی اعلیٰ ہے اللہ، مالکِ حقیقی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ربِ عرشِ عظیم کا۔

اللہ ہر شے کا مالک ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے، بے مثل ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ بندوں میں ہر مالک سے پہلے ایک مالک ہوتا ہے۔ ہر مالک کے بعد اس کے وارث مالک ہوتے ہیں۔ اللہ وہ مالک ہے، جس سے پہلے کوئی مالک نہ تھا اور جب سب مالک ختم ہو جائیں گے تو اس کے بعد اللہ کے سوا کوئی مالک نہ ہوگا۔ حال پر بھی مالکِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ یہ مان لیا جائے تو پھر مالکِ حقیقی کی رضا کے مطابق ہی

رہنا چاہئے۔ اللہ کی رضا کے مقابل کسی بات کو اہمیت دینا بھی شرک ہی ہوگا۔ کائنات کے نظام میں جو حسن موجود ہے، وہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پوری کائنات میں مرکزِ انتظام ایک ہے، انتہائی محفوظ ہے اور اس کو سنبھالنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

**حاصل:** ہر شے کا مالکِ حقیقی اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی ایک کو ماننے میں ہی سلامتی ہے۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی اس کے پاس کوئی برھان نہیں ہوگی، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک کافر فلاح نہیں پاتے۔

اللہ مالکِ حقیقی ہے۔ اسی نے ہر ایک کو توفیق دی ہے۔ اسی کی طرف سے ہر ایک پر شعور کی موجودگی میں حق عائد ہوتا ہے۔ اسی کی طرف سے ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ اگر اس کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود مان کر پکارا جائے گا، تو یہ قطعاً بے سند بات ہوگی۔ ایسا کرنے والے کافر کا کبھی بھلا نہیں ہوگا۔ اسے اس کے رب کی طرف سے اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

**حاصل:** رضائے الٰہی کے خلاف جو بھی کیا جائے گا، وہ اپنی خواہشات کی پیروی ہوگی اور خلافِ حق ہوگی۔ شرک کرنے والے کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔ حیاتِ دنیا میں خوف وحزن اس پر محیط رہتے ہیں، آخرت میں اسے عذابِ جہنم گھیر لے گا۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۲۶

اور پکارو، اے رب بخش دے اور رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا ہے۔

یہ حکم فرد کی صورت سے ہے۔ بخشش مانگنے سے یہ اظہار ہوگا، کہ ہمیں یہ اعتراف ہے کہ ہمارے اعمال کو اسوۂ حسنہ سے وہ نسبت نہیں ہے جو ہونی چاہئے تھی۔ رحم طلب کرنے سے یہ اظہار ہوگا کہ تیرے رحم کے ساتھ ہی ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہے۔ اس رحم کے بغیر کسی مقام پر بھی پورا رہنا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا رحم کرنے والا ہے کہ وہ رحم طلب کرنے والے کی عزت کو بڑھا دیتا ہے، اس کو آسانیاں عطا فرماتا ہے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف بھی بخش دیتا ہے۔

**حاصل:** یہ دعا ضرور کرنی چاہئے، اور اس کے ساتھ یہ بھی کرنا چاہئے کہ جس نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہو، اسے بخش دیا جائے اس کو سہارا دیا جائے اور کبھی اس کو حقیر ثابت کرنے کی بات نہ کی جائے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (۳۳) میں فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو۔ وہ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے عظیم کامیابی پائی۔

آیاتها ۶۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِیْهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

یہ ایک سورۃ ہے کہ ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اسے فرض ٹھہرایا اور ہم نے اس میں روشن نشانیاں نازل فرمائیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل فرمایا گیا ہے۔ اس سورۃ کے احکام چاہے وہ اوامر ونواہی کی صورت سے ہوں یا واقعات مذکورہ سے اخذ ہونے والے نتائج کی صورت سے ہوں، سب فرض ہیں۔ اس سورۃ میں روشن نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں، منشاء یہ ہے کہ انہیں یاد رکھا جائے، ان پر عمل کرنے میں تساہل نہ ہو، حکمِ الٰہی کی تعمیل اس یقین سے ہو کہ حکم دینے والا وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہم جانتے ہیں اور وہ سب کچھ بھی جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے۔

**حاصل:** سورۃ النور کا حوالہ جہاں بھی آئے، اس کا درجہ فرض کا مانا جائے۔ معاشرے کو فساد سے پاک کرنے کے لئے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے، وہی سب سے بڑے رحم کرنے والے کی شان ہے۔

اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ②

زانیہ اور زانی تو ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت شاہد ہو۔

زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان پر ترس کھانے والا ارحم الراحمین سے آگے قدم بڑھانے کا مرتکب ہوگا، جو بڑا گناہ ہے۔ یہ ترس کھانے والا اللہ کو کیا مانتا ہے، جزا کو کب مانتا ہے۔ جب زانیہ اور زانی کو سزا دی جائے تو مومنین کی ایک جماعت اس کی گواہ ہو۔ اس کو قطعاً کھیل اور تماشہ نہ بنایا جائے۔ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگنے والوں کو حکمِ الٰہی کے مطابق سزا دی جائے تو وہ پاک ہو جائیں گے۔ جو لوگ سزا پانے کے بعد بھی پاک نہ رہیں اور زنا سے نہ رکیں، ان کو عبرتناک سزا کے ساتھ قتل کر دیا جائے، اس کا طریقہ رجم ہے۔

**حاصل:** زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ شعور کی موجودگی میں سزا پانے کے بعد بھی جو ناپاک ہونے کو ترجیح دے اس کو عبرتناک طریقے سے رجم کر دیا جائے۔ زانیہ اور زانی پر ترس کھانا، اللہ کا انکار کرنا ہے، جزا کا انکار کرنا ہے۔ زنا سے صرف زانیہ و زانی ہی متاثر نہیں ہوتے، پورا معاشرہ عدمِ تحفظ کے احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③

زانی نکاح نہ کرے سوائے زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ نکاح نہ کرے سوائے زانی یا مشرک کے، اور یہ مومنین کے لئے حرام ہے۔

زانی صرف زانیہ سے نکاح کرے، زانیہ صرف زانی سے نکاح کرے۔ مشرکہ اور مشرک بھی اس زمرے میں آتے ہیں۔ یہ ناپاکی کو الگ رکھنے کی صورت ہے۔ مومنین کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ پاک کو ناپاک سے ملائیں۔

**حاصل:** مومنین کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کہیں بھی پاک کو ناپاک سے رشتۂ ازدواج میں جوڑنے کے مرتکب نہ ہوں۔ ناپاک کا ناپاک سے تعلق ہوسکتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ۙ

اور جو پارسا بیبیوں کو عیب لگائیں، پھر چار شاہد نہ لائیں، تو انہیں اسی کوڑے مارو، اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور وہی لوگ فاسق ہیں۔

پارسا بیبیوں پر عیب لگانے والوں کی سزا بیان فرمائی گئی ہے۔ پارسا بیبیوں کے بارے میں صرف قیاس کے ساتھ کسی برائی کو بیان کرنا شروع کردینا انتہائی ناپسندیدہ بات ہے۔ اگر بیان کرنے والے کا مشاہدہ ایسا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور تصدیق کرنے والے کم از کم چار ہیں، تو بات قابل ذکر ہوگی ورنہ قابل ذکر نہیں ہوگی۔ جلد بازی میں بغیر ضروری شہادت کے جو عیب لگائے اسے امر الٰہی کے مطابق اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے اور وہ ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت ہو جائے گا، پھر جو اس کی گواہی قبول کرے گا وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ یہ لوگ حق کے ساتھ اپنی پسند کو ملانے کے مرتکب ہونے کی وجہ سے فاسق ہیں اور فاسق کبھی ہدایت نہیں پاتے۔

**حاصل:** پارسا بیبیوں کے بارے میں اپنے مشاہدے کو بیان کرنے میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کو دیکھنا لازم ہے۔ جلد بازی میں جو اللہ کے احکام کو نظر انداز کرنے کا مرتکب ہوگا، وہ سزا بھی پائے گا اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت بھی ہو جائے گا۔ جو حق میں اپنی پسند کو شامل کرے وہ ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑤

سوائے ان کے جو اس کے بعد تائب ہو جائیں اور صالح ہو جائیں، تو بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

جولوگ پارسا بیبیوں کے بارے میں بات کرتے وقت احتیاط سے زبان نہیں کھولتے اور سزا پاتے ہیں، وہ اگر سزا پانے کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاحِ حال کا ثبوت پیش کریں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بخشش اور رحم سے نوازا جاتا ہے۔ لوگوں پر بھی یہی لازم ہے کہ وہ اللہ کی سنت پر عمل پیرا رہیں۔

**حاصل:** جس کا حال اس کے ناپاک ماضی سے الگ ہو گیا ہو، اس کو معاف کر دینا اور اس پر رحم کرنا لازم ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥

اور وہ لوگ جو اپنی ازواج کو عیب لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا شاہد نہ ہو، تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ سچا ہے۔

جو شخص اپنی بیوی پر عیب لگائے مگر اس کے پاس اس کی ذات کے علاوہ کوئی گواہی نہ ہو، تو وہ چار بار قسم کھا کر یہ گواہی دے گا کہ وہ پوری صداقت کے ساتھ اپنے مشاہدے کو بیان کر رہا ہے اور وہ قطعاً سچا ہے۔ یہ چار بار گواہی دینا، چار گواہوں کے بیان کے برابر ہو جائے گا۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی ہیں۔ ہر بار پوری احتیاط کے ساتھ اور اللہ سے ڈرتے ہوئے گواہی دی جائے گی۔

**حاصل:** اپنی زوجہ پر عیب لگانے والا جو چار گواہیاں نہ پیش کر سکتا ہو، وہ اپنی گواہی کو چار بار دہرائے گا اور اپنی صداقت کا پورے یقین سے اظہار کرے گا۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦

اور پانچویں بار یہ کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

شوہر اپنی بیوی کے بارے میں چار بار عیب لگانے کے بعد پانچویں بار یہ کہے گا، کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ یوں شوہر کی طرف سے بات پوری ہو جائے گی، اور وہ تعلق جو اس نے بیوی کو قبول کرتے وقت بنایا ختم ہو جائے گا۔ عورت اگر اپنے جرم کو تسلیم کرتی ہے تو اس کو سزا دی جائے گی۔

**حاصل:** شوہر اگر اپنی گواہی کو بیوی پر عیب لگاتے ہوئے چار بار دہرا چکا ہے تو پانچویں بار یہ کہے گا، کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧

اور عورت سے سزا یوں ٹلے گی کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ بے شک وہ مرد جھوٹا ہے۔

عورت اگر جرم کو تسلیم نہیں کرتی، تو اسے چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دینی ہوگی، کہ بے شک عیب لگانے والے نے جھوٹ بولا ہے۔اس صورت میں عورت کو سزا نہیں دی جائے گی۔ جیسے مرد کی طرف سے اس کی ذاتی گواہی کو چار بار دہرایا گیا تھا، اسی طرح عورت کی گواہی کو بھی چار بار دہرایا جائے گا۔ازدواجی زندگی میں دونوں طرف کی شہادت برابر ہے۔میاں بیوی کے درمیان تعلق قول سے ہی بنتا ہے، قول سے ہی ختم ہو جاتا ہے۔اس تعلق کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے لفظوں میں اور پسندیدہ طریقے سے بات کی جائے۔

**حاصل:** عورت اگر اپنے جرم کو تسلیم نہیں کرتی تو اسے اپنے شوہر کے بارے میں چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دینی ہوگی کہ عیب لگانے والا جھوٹا ہے۔اس طرح اس کی طرف سے بھی ازدواجی تعلق کے ختم ہونے کا اعلان ہو جائے گا۔

**وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨**

اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ عیب لگانے والا سچا ہے۔

چار بار مرد کے جھوٹا ہونے کی گواہی دینے کے بعد، پانچویں بار عورت کو یہ کہنا ہوگا، کہ اگر عیب لگانے والا سچا ہے تو عورت پر اللہ کا غضب آئے۔اس کے بعد وہ رفاقت جو میاں بیوی کے درمیان طبعی طور پر ہوتی ہے، کالعدم ہو جائے گی۔

**حاصل:** چار بار شوہر کے جھوٹا ہونے کی گواہی دینے کے بعد پانچویں بار عورت کو یہ کہنا ہوگا، کہ اللہ کا غضب ہو عورت پر اگر مرد نے سچ بولا ہے۔

**وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع**

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، اور اللہ تو توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے۔

ع ۱۰/۷

پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم کا علم عطا کرنا، اللہ کا فضل ہے۔خطا کے بعد توبہ کی مہلت دینا اللہ کی رحمت ہے۔اگر یہ نہ ہوتا تو پاکیزگی قائم رکھنا مشکل ہو جاتا اور اللہ سے تعلق کے لئے پاکیزگی شرط ہے اور یہی تعلق کسی معاشرے کی جان ہوتا ہے۔اللہ کی شان ہے کہ وہ توبہ قبول کرتا ہے۔اس کے فرمان میں حکمت موجود ہوتی ہے۔جو حق کو مانے گا وہی اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے فیض یاب ہوگا۔

**حاصل:** اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال ہو تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔لوگوں کو پاک ہونے میں مدد دی جائے تو معاشرہ زندہ رہتا ہے۔پاکیزگی ہی معاشرے کی جان ہوتی ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (۲۸) میں فرمایا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑧④ جو نیکی لائے اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور جو برائی لائے تو برے عمل کرنے والوں کو وہی جزا ملے گی جو وہ کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ امۡرِیًٴ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

بے شک جو لوگ یہ طوفان لائے ہیں، تم میں ہی ایک گروہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسے تم اپنے لئے شر نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تمہارے لئے خیر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لئے وہی گناہ ہے جو اس نے کیا، اور جس نے سب سے بڑھ کر حصہ لیا اس کے لئے عذابِ عظیم ہے۔

جھوٹ کا طوفان لانے والے لوگ وہ ہیں جو مسلمانوں کے اندر ایک گروہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے نام مسلمانوں جیسے ہیں۔ اس گروہ کے افراد ایک دوسرے سے بڑا ربط رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو دکھ پہنچا کر فرحت پاتے ہیں۔ اس گروہ کو پہچاننا انتہائی ضروری ہے۔ ان کے لائے ہوئے جھوٹ کے طوفانوں سے بچنا اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ اس گروہ کو خوب پہچانا جائے، اور اس گروہ سے وہی سلوک کیا جائے جس سلوک کا یہ مستحق ہے۔ جھوٹ کے طوفان سے مسلمانوں کو یقیناً دکھ پہنچا مگر اس کو شر سمجھنا درست نہیں ہے، اس میں خیر کے کئی پہلو ہیں: مثلاً اس گروہ کی نشاندہی ہوگئی جس نے یہ فتنہ برپا کیا، ان کو ان کی صفات کے ساتھ پہچان لیا گیا، یہ واضح ہوگیا کہ اس گروہ کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا ایمان کی نفی کردے گا۔ جھوٹ کے اس طوفان سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی کمزوریاں ان کے سامنے آئیں جن کا دور کرنا اجتماعی بھلائی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ پاکیزگی کو فروغ حاصل ہوا۔ اس میں خیر کے بہت سے پہلو ہیں۔ جس شخص نے جھوٹ کے طوفان میں جس قدر حصہ لیا وہی اس کے مقام کا تعین کرتا ہے۔ جس نے اس بات کو گھڑا، اس نے اُم المومنین کی پاکیزگی کو نہیں دیکھا، ان کے مرتبے کو نہیں دیکھا، اس نے اپنے قیاس کو وہ وقعت دی جو مشاہدے کو بھی نہیں دی جاسکتی اور فتنہ برپا کردیا۔ قرآنِ پاک میں یہ سند نازل فرمائی گئی ہے کہ فتنہ قتل سے اشد ہوتا ہے۔ اس جھوٹ کے طوفان کا بانی جس سزا کا مستحق ہے، وہی اس کو ملے گی اور وہ بڑی سزا ہوگی۔

**حاصل:** جھوٹ کا طوفان لانے والے گروہ کو پہچاننا ہر عہد کی ضرورت ہوتا ہے، ورنہ فساد سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اجتماعی زندگی کی کمزوریاں معلوم ہوجائیں تو ان کو دور کرنا بھلائی کا باعث ہوتا ہے۔ بری بات میں حصہ لیتے وقت ہر کوئی اپنے درجے کی بات کرتا ہے۔ اپنے قیاس کو مشاہدہ جان کر بیان کرنے والا سب سے بڑا حصہ دار ہوتا ہے۔ جھوٹ کے طوفان میں، اسے سزا بھی اس کے گناہ کے مطابق ملتی ہے۔ ایسے فرد کی کسی بات کا اعتبار کرنا خلافِ حق ہے۔

لَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡہُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِہِمۡ خَیۡرًا ۙ وَّ قَالُوۡا ہٰذَاۤ اِفۡکٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۲﴾

کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس کو سنا تھا، مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہتے یہ صریحاً جھوٹ کا طوفان ہے۔

مومن مرد اور مومن عورتیں، پاکیزگی کے حوالے سے ایک دوسرے کے ساتھ وہ رشتہ رکھتے ہیں جس میں شک کا کوئی مقام نہیں ہونا چاہئے۔ جب منافقین کی گھڑی ہوئی خبر پھیلی، تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو نیک گمان رکھتے ہوئے یہ کہنا چاہئے تھا کہ یہ بی بی پاک کے متعلق منافقین کا گھڑا ہوا جھوٹ ہے، کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے بارے میں یہ سوءِ ظن رکھنا گناہ ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حاصل: جھوٹی خبر پھیلانے والا معاشرے میں جس مقام پر بھی ہو، اس کی اہمیت کو ماننے سے انکار کرنا چاہیئے۔ ناپاک لوگ سب کو اپنے اوپر ہی قیاس کرتے ہیں۔ ناپاک، پاک کی بات کو کیا جان سکتا ہے۔ کسی پاک مرد اور کسی پاک عورت کے متعلق بری بات سن کر یہ کہنا چاہیئے، کہ یہ صریحاً جھوٹ ہے اور منافقین کی گھڑی ہوئی بات ہے۔

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

پاک بی بی پر عیب لگانے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مشاہدے کو اس وقت تک بیان نہ کرے جب تک اس مشاہدے میں اور لوگ بھی شامل نہ ہوں۔ یہ گواہی دینے والے چار ضرور ہونے چاہئیں اور اگر یہ گواہی اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ہے، تو پھر یہ اللہ کے نزدیک جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی بات ہے۔

حاصل: جو لوگ حق کے حوالے سے جھوٹے ہیں، ان کی بات کو وقعت دینا، ان کی بات آگے بڑھانا جھوٹ کو فروغ دینا ہے اور بڑا گناہ ہے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۚۖ ﴿۱۴﴾

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی دنیا و آخرت میں تو جس چرچے میں تم پڑے تھے، اس میں تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔

اللہ کا فضل اور اس کی رحمت مومنین کے شاملِ حال نہ ہوتی، تو جھوٹ کے جس طوفان میں یہ لوگ گھر گئے تھے وہ ان کے لئے بڑے عذاب کا باعث ہوتا۔ ایسے فتنے سے بچنے کی کوشش میں کبھی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے مگر یہ یقین بھی ہونا چاہئے کہ بچاؤ اللہ کے فضل سے ہوتا ہے، اللہ کی رحمت سے ہوتا ہے۔

حاصل: جو بات حق کے حوالے سے نہ ہو اور اس کو بڑھانے کے عمل میں شمولیت ہو جائے، تو یہ گناہ بڑے عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔ دکھ سے بچاؤ کو اللہ کے فضل کی بدولت اور اس کی رحمت کی بدولت جاننا چاہیئے۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾

جب تم ایسی باتوں کو اپنی زبانوں پر لاتے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے تھے جس کا تمہیں علم نہیں، اور تم اسے چھوٹی بات سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی سخت بات ہے۔

وہ کلمات جو کسی کی پاکیزگی کو مشکوک بنا دیں، مومنین کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ مومنین کی زبان سے ان کا پھیلاؤ نہیں ہونا چاہئے۔ جس بات کا علم نہ ہو، اس کا پھیلانا کیا معنی رکھتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک ہو، اس کے بارے میں شک کے اظہار کو کبھی چھوٹی بات نہیں سمجھنا چاہئے۔ ایسی بات اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہوتی ہے۔

**حاصل:** جس بات کو اپنے منہ سے بیان کیا جائے، اس کے بارے میں ہمیں علم ہونا چاہئے کہ وہ بات حق کے حوالے سے قابلِ بیان ہے۔ خلوت وجلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے والوں کی پاکیزگی میں شک کرنا، اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾

اور کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے سنا تو کہا ہوتا، کہ ہمیں نہیں لائق کہ ایسی بات کریں، پاکی ہے تجھے، یہ بڑا بہتان ہے۔

بی بی پاک کے بارے میں شک والی بات کو سن کر مومنین کو یہ کہنا چاہئے تھا، کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے، یہ یقیناً بڑا بہتان ہے۔ شک کی بات کرنے والا کس درجے پر ہے اور جس ذاتِ پاک کے بارے میں شک کا اظہار کیا جا رہا ہے، اس ذاتِ پاک کا درجہ کیا ہے، یہ دیکھے بغیر فتنہ میں پڑ جانا کتنی بے سمجھی ہے۔ جب بات کرنے والا پاک نہ ہو اور شاہد سے محبت نہ رکھتا ہو، تو اس کا رخ روشنی سے اندھیرے کی طرف ہوتا ہے۔ اس کی روایت کو قبول کرنا خسارے کی طرف چل پڑنا ہے۔ پہلے بات کرنے والے کو دیکھنا چاہئے، پھر اس کی بات کو دیکھنا چاہئے۔ بات کرنے والا منافق ہو اور وہ اللہ کے رسول کی رسالت کی شہادت دے رہا ہو تو بھی اللہ منافقوں کے جھوٹا ہونے پر گواہی دیتا ہے۔ قابلِ بیان اور ناقابلِ بیان بات کے درمیان فرق کو جاننا ضروری ہے۔ جس بات سے پاکیزگی واضح ہو اس کو جان کر لوگ اپنا رخ درست کر سکتے ہیں، اور جب معیار کی پاکیزگی کے بارے میں شک پیدا کر دیا جائے تو اندھیرے میں لوگ راستہ کھو بیٹھتے ہیں۔ شک والی بات کو سن کر یہ کہنا ایمان کا تقاضا ہے کہ یہ بات بے سند ہے اور یہ پاک لوگوں پر بہتان ہے۔

**حاصل:** پاک لوگوں کے بارے میں شک والی بات سن کر ایمان والوں کو یہ کہنا چاہئے، کہ پاک لوگوں کا راستہ پاک ہوتا ہے، ان کی بات کو جاننا ناپاک لوگوں کے لئے ممکن ہی نہیں۔ ناپاک لوگ دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ وہ اگر اپنے قیاس کو پاک لوگوں کے بارے میں بیان کرنا شروع کر دیں تو یہ بہتان ہی ہوتا ہے۔ بات کرنے والا پاک نہ ہو تو اس کی بات کبھی پاک نہیں ہو سکتی۔ منافقین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے، کہ جس معیار کے حوالے سے لوگ حسنِ عمل کو دیکھتے ہیں اس معیار کے بارے میں ہی شبہات پیدا کر دیئے جائیں۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾

اللہ تمہیں وعظ فرماتا ہے کہ پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا، اگر تم مومن ہو۔

اللہ کا وعظ یہ شان رکھتا ہے، کہ وہ سب سے بڑے علم والے اور سب سے بڑی حکمت والے کا وعظ ہے۔ ماننے والے کا ہمیشہ اس میں بھلا ہوتا ہے، اس کو نہ ماننے والا ہمیشہ خسارے میں پڑتا ہے اور یہ وعظ حکم کا درجہ رکھتا ہے، فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ وعظ یہ فرمایا گیا ہے، کہ مومن پھر کبھی ایسا کام نہ کریں۔ پاک لوگوں کے بارے میں کبھی شکوک وشبہات کو چھوٹی بات نہ سمجھیں۔ جب ایسی بات سنیں تو فوراً یہ کہیں، یہ بڑا بہتان ہے، اور ایسی بات کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا۔

**حاصل:** مومنین کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ کبھی کسی پاک بندے کے بارے میں شک کی بات نہ کریں، اور سنیں تو یہ کہیں کہ یہ بڑا بہتان ہے۔

**وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾**

اور اللہ تمہارے لئے آیات کو روشن فرماتا ہے، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ اپنے علم سے، اپنی حکمت سے ایسی صورتیں بنا دیتا ہے کہ اس کی نشانیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ آیات کو روشن فرمانا اللہ کا کام ہے، حق کو ماننا بندے کی شان ہے۔ اللہ نے اپنی نشانیوں کے روشن کرنے کے لئے جو صورت بنائی ہے، وہ بڑے علم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں بڑی حکمت موجود ہوتی ہے۔ پتہ اسی کو لگ سکتا ہے جس کا رخ درست ہو۔

**حاصل:** اللہ اپنی نشانیوں کو روشن فرماتا ہے، ہمیں اس میں علم حقیقی کو دیکھنا چاہئے، اس میں حکمت کو دیکھنا چاہئے۔ یہاں علم وحکمت نظر نہ آئے تو پھر کسی غیر مقام پر اس کو دیکھنا تباہی کا باعث ہی ہوسکتا ہے۔

**اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾**

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحاشی کی اشاعت ہو، ان کے لئے دنیا وآخرت میں المناک عذاب ہے۔ اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں۔

منافق یہ چاہتے ہیں کہ مومنین کے اندر فحاشی کا چرچا ہو، تا کہ اخلاقِ حسنہ کے حوالے سے مومنین کی جو شان ہے وہ ختم ہو جائے۔ جس معیار کی نسبت سے لوگ اپنے اعمال کو درست کرتے ہیں، اس معیار کے بارے میں شبہات پیدا کرنا منافقین کا کام ہے۔ ان لوگوں کے لئے دنیا وآخرت میں المناک عذاب ہے۔ اللہ کو علم ہے، کہ ان کی یہ حرکت کیا کیا فساد پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ اس بات کو چھوٹا جانتے ہیں انہیں اس حرکت کے نتائج کا علم نہیں ہوتا۔

**حاصل:** ایمان والوں کے سامنے اخلاقِ حسنہ کے معیار کو روشن رکھنا بڑا کام ہے۔ فحاشی کی اشاعت کے ذرائع کو بند کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ منافق دنیا وآخرت میں سزا پاتے ہیں۔ اللہ کے فرمان کو مانا جائے تو اس کا علم ہوگا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، اور یہ کہ اللہ مہربان ہے رحم کرنے والا ہے۔

منافقین نے مومنین کو جس فتنے میں ڈالا اور جس طرح مومنین کے اخلاقِ حسنہ کو بگاڑنے کی تدبیر کی، اس سے وہ نظام ہی متاثر ہو جاتا ہے جس کو پیشِ نظر رکھ کر اصلاحِ حال کی جاتی ہے۔ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے مومنین کو سہارا ملا اور وہ اس فحاشی کی اشاعت کو روکنے والے ہو گئے۔ اللہ لوگوں پر مہربانی کرتا ہے، اللہ لوگوں پر رحم کرتا ہے۔ دکھ سے بچا لینا اللہ کی مہربانی ہے اور استقامت کے ساتھ حق کو ادا کرنے کا حوصلہ دینا، اللہ کی رحمت ہے۔

**حاصل:** منافق ہمیشہ اس معیارِ اخلاق کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے حوالے سے اصلاحِ حال ہو رہی ہوتی ہے۔ لوگوں پر مہربانی کرنی چاہئے، ان پر رحم کرنا چاہئے اور انہیں پاک رہنے میں مدد دینی چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ جو لوگ عیب لگاتے ہیں، حفاظت والیوں، بے خبر مومن عورتوں پر، ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾

اے ایمان والو شیطان کے نقوشِ قدم پر نہ چلو۔ اور جو شیطان کے نقوشِ قدم پر چلے گا، تو وہ اسے فحش اور برائی کا ہی امر کرے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، تو تم میں ایک بھی پاک نہ ہوتا، ولیکن اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

شیطان، انسان کے ساتھ دشمنی کو اپنا مقصدِ حیات جانتا ہے۔ اس کے نقوشِ قدم پر چلنے والا بھی بنی آدم کا دشمن ہی ہوگا۔ شیطان اپنی پیروی کرنے والوں کو حیا اور بھلائی کا امر کبھی نہیں دے سکتا۔ وہ تو انہیں فحش اور برائی کا حکم ہی دے گا۔ جس کی پیروی کی جائے، اس کا حکم ماننا لازم ہوتا ہے اور جس کا حکم مانا جائے اس کی بات، اللہ کی بات ہونی چاہئے۔ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شاملِ حال ہو تو پاکیزگی عطا ہوتی ہے، بندے پر یہ حق ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرے کہ یہ گمراہی کا راستہ ہے، یہ شیطان کے قدموں پر چلنے والی صورت ہے۔ پاکیزگی کی راہ کو اختیار کرنا بندے کے ذمے ہے، پاک کرنا اللہ کی شان ہے۔ جسے بھی پاکی نصیب ہوئی ہے، اللہ کی عطا سے نصیب ہوئی ہے۔ اللہ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر حال کا علم رکھتا ہے۔

حاصل: من مانی کرنا، حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینا، شیطان کے قدموں پر چلنے والی بات ہے۔ جس کی پیروی کی جائے اس کے حکم کو نہ ماننا ممکن نہیں ہوتا۔ شیطان ہمیشہ بے حیائی اور برائی کا ہی حکم دیتا ہے۔ پاکیزگی کی طلب کے ساتھ پاک لوگوں کی معیت اختیار کرنا بندے کا حق ہے، پاکیزگی عطا کرنے والا اللہ ہے، جو ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر حال کا علم رکھتا ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾

اور تم میں فضیلت والے اور وسعت والے قسمیں نہ کھائیں، قرابت والوں کو اور مساکین کو اور مہاجرین کو فی سبیل اللہ عطا نہ کرنے کی، اور چاہیے کہ عفو کریں اور درگزر کریں۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

رزق میں دینے کے مقام پر ہونا بھی اللہ کے فضل کی بدولت ہوتا ہے اور مال میں وسعت بھی اللہ دیتا ہے۔ اللہ نے دینے کا شرف عطا فرمایا ہو تو قرابت داروں، مساکین اور مہاجرین کو جن سے خطا ہو گئی ہو، ان کو ان کے حق سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔ جس سے خطا ہو جائے اور وہ اصلاح کا طالب ہو، اس کو راہِ خیر پر رکھنے کے لئے سہارے کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس کو بے سہارا کر دیا جائے تو اس کے ٹوٹ جانے کی ذمہ داری بے سہارا کرنے والے پر ہوگی۔ مصائب کو باذنِ اللہ جانا جائے تو پھر صورتوں سے اختلاف نہیں رہتا۔ اصلاحِ حال کی طلب رکھنے والوں سے عفو کرنا اللہ کو پسند ہے، ان سے درگزر کرنا اللہ کو پسند ہے۔ جو کسی کو معاف نہیں کرتا، وہ اپنے لئے معافی کا طلب گار کیسے ہوگا۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ بخش بھی دیتا ہے اور حق پر پورا رہنے میں اپنے رحم سے بھی نوازتا ہے۔ اللہ کے بندے کی طریقت بھی یہی ہونی چاہیے۔

حاصل: ہمیں کسی حق دار کی خطا کو دیکھ کر اس پر عطا کا دروازہ بند نہیں کر دینا چاہیے۔ قرابت والوں کے حقوق ہوں، مساکین کے حقوق ہوں، مہاجرین کے حقوق ہوں سب اللہ کی رضا کے لئے پورے کرنے چاہئیں۔ معاف کرنے والے کو معاف کیا جاتا ہے، رحم کرنے والے پر رحم کیا جاتا ہے۔ عبد اللہ ہونے کا دعویٰ ہو تو اس کا ثبوت بھی ہونا چاہیے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾

بے شک جو لوگ پاک دامن، انجان مومن عورتوں پر عیب لگاتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

پاک دامن، بھولی بھالی، مومن عورتیں، اپنے سیدھے پن کی وجہ سے، شک والے معاشرے کی بہت سی باتوں کو نہیں جانتیں۔ لوگ

کس بات کا کیا مطلب نکال لیں گے، اس پر ان کی نظر اسی قدر ہوتی ہے جس قدر انہیں پتہ ہو۔ ایسی عورتوں کی پاکیزگی کے بارے میں شبہات کو پھیلانے والے لعنتی ہیں۔ دنیا و آخرت میں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ ایسے لعنتی لوگوں سے جو اصلاحِ حال کی طرف نہ آئیں، تعلق رکھنا باعثِ عذاب ہوتا ہے۔

**حاصل:** پاک دامن، بھولی بھالی، مومن عورتوں کے کردار کے بارے میں شبہات پیدا کرنا، لعنتی لوگوں کا کام ہے۔ ایسے لعنتی لوگوں کو بڑے عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی باتوں کو قابلِ نفرت جاننا چاہئے۔

**يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾**

جس دن ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو عمل وہ کرتے تھے۔

قیامت کے دن خلافِ حق کرنے والوں کی زبانیں وہ کہیں گی، جو وہ چھپانا چاہیں گے۔ ان کے ہاتھ وہ کہیں گے جو انہوں نے کیا ہوگا۔ ان کے پاؤں وہ کہیں گے جو انہوں نے کیا ہوگا۔ اس طرح یہ پانچ قریب ترین شہادتیں جرم کو ثابت کر دیں گی۔ لعنتی لوگوں کو یہ بھی دیکھنا چاہئے، کہ جن اعضاء کو انہوں نے شوکتِ نفس کے لئے استعمال کیا، وہ خالقِ کُل کے سامنے وہی کہیں گے جو حق ہوگا۔ جب شریکِ جرم سب کچھ بتا دینے والا ہو، تو مجرم اس کو ساتھ رکھنے کے نتائج سے باخبر ہوتے ہیں۔ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ وہ شریکِ جُرم کے حال سے بھی واقف ہوں، مستقبل سے بھی واقف ہوں۔

**حاصل:** زبان کو پاک رکھنا یہ ہے کہ اسے حق کے مطابق کھولا جائے، ہاتھ کو پاک رکھنا یہ ہے کہ اس کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے، پاؤں کو پاک رکھنا یہ ہے کہ رُخ ہمیشہ خیر کا اختیار کیا جائے۔ ان اعضاء کی شہادت اللہ کے سامنے قطعاً حق کے مطابق ہوگی۔

**يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾**

اس دن اللہ ان کو پورا بدلہ دے گا جس کے وہ مستحق ہیں، اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی سچا روشن کرنے والا ہے۔

پاک عورتوں پر عیب لگانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو ان کے کیے کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ سزا دینے والا سب سے بڑے علم والا ہو تو سزا اسی قدر ہوگی، جس کے وہ مستحق ہوں گے۔ اس دن ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کی شان ہے کہ وہ سچا روشن کرنے والا ہے اور جو لوگ اپنے گمان کو بیان کرتے ہوئے پاک لوگوں پر عیب لگانے کے مرتکب ہو چکے ہوں گے انہیں ندامت ہوگی۔ وہ جان لیں گے کہ یہ تو اللہ سے مقابلہ کرنے والی بات تھی۔

**حاصل:** ہمارے قول کو پاک ہونا چاہئے، اور پورا ہونا چاہئے۔ جزا دینے والا مالکِ کُل ہر حال کا علم رکھتا ہے، اس لئے جزا دینے والا پوری جزا دے گا۔ قیامت کے دن بے سند باتیں بنانے والوں کو معلوم ہو جائے گا، کہ اللہ سے مقابلے میں کوئی جیت نہیں سکتا۔

اَلۡخَبِيۡثٰتُ لِلۡخَبِيۡثِيۡنَ وَ الۡخَبِيۡثُوۡنَ لِلۡخَبِيۡثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيۡنَ وَالطَّيِّبُوۡنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا يَقُوۡلُوۡنَ ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۶﴾ ع

بُری باتیں برے لوگوں کے لئے ہیں اور برے لوگ بری باتوں کے لئے ہیں، اور پاک باتیں پاک لوگوں کے لئے ہیں اور پاک لوگ پاک باتوں کے لئے ہیں۔ وہ لوگ ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں مُبّرا ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔ مردوں کو ان کے کیے کی جزا دی جائے گی، عورتوں کو ان کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ قرآن پاک میں یہ سند نازل فرمائی گئی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، کافر عورتیں تھیں۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ فرعون کی بیوی ایمان والی خاتون تھیں۔ اس لئے یہ کہنا خلافِ حق ہے کہ بری عورتیں برے مردوں کے لئے ہیں، اس لئے کہ اس طرح ایک کے برا ہونے سے دوسرے کا برا ہونا لازم ہو جائے گا یا ایک کے اچھا ہونے سے دوسرے کا اچھا ہونا لازم ہو جائے گا۔ ہاں یہ حق ہے کہ بری باتیں کرنے والے برے لوگ ہی ہوتے ہیں اور برے لوگ بری باتیں ہی کرتے ہیں۔ پاک باتیں پاک لوگ ہی کرتے ہیں اور پاک لوگ پاک باتیں ہی کرتے ہیں۔ بات سے بات کرنے والے کا پتہ لگتا ہے اور بات کرنے والا اپنے درجے کی بات ہی کرتا ہے۔ پاک لوگ حق کے مطابق رہتے ہیں، اس لئے ناپاک لوگ ان کے متعلق جو بھی کہیں وہ اس سے مبرا ہیں۔ پاک لوگوں سے بھی بھول ہو سکتی ہے، اللہ انہیں مغفرت اور رزق کریم سے نوازتا ہے۔ بخشش کے بعد وہ آسانیاں عطا کرنا کہ خَلق کی احسن ادائیگی سے ماحول روشن ہو، اللہ کے عطا کردہ رزقِ کریم سے ہی ممکن ہوتا ہے۔

حاصل: برے لوگ بُری باتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ اچھے لوگ اچھی باتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ پاک لوگوں کا رُخ درست ہوتا ہے، ان سے بھول ہو جائے تو اللہ انہیں بخشش اور رزقِ کریم سے نوازتا ہے۔ ناپاک لوگوں کا قیاس پاک لوگوں کے بارے میں کبھی درست نہیں ہوتا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم السجدہ (۴۱) میں ارشاد فرمایا ہے۔ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ ﴿۵۴﴾ سن لو وہ اپنے رب سے ملاقات میں شک رکھتے ہیں۔ سن لو وہ ہر شے پر محیط ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ حَتّٰى تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَهۡلِهَا ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ اجازت لے لو اور ان کے اہل پر سلام کرلو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تمہیں نصیحت ہو۔

پاکیزگی کو روشن کرنے کے لئے یہ احکام دیئے گئے ہیں۔ ان احکام کا ماننا فرض ہے ایمان والوں پر۔ ایمان والوں پر یہ فرض کیا گیا ہے

کہ اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل ہونے کے آداب ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ کسی کی خلوت میں بغیر اس کی اجازت کے داخل ہونا منع ہے۔ مومن جہاں بھی جاتا ہے، حق کی ادائیگی کے لئے جاتا ہے، دوسروں کے سکھ کے لئے جاتا ہے۔ جب گھر میں داخل ہونے کو گھر والے پسند کریں، تو اس گھر کے مکینوں پر سلام کہا جائے۔ ان کے لئے دعائیہ کلمات پکار کر کہے جائیں، تاکہ داخل ہونے والے کے احساسات ان پر واضح ہوں۔ گھر والے آنے والے کا داخلہ پسند نہ کریں، تو داخل نہ ہونا فرض ہے۔ نصیحت ماننے والوں کو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو یاد رکھنا چاہئے اور ادب سے ان پر عمل کرنا چاہئے، یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

**حاصل:** اپنے گھروں میں داخل ہونے کا طریقہ بھی معروف ہونا چاہئے۔ دوسروں کے گھروں میں داخل ہونا، گھر والوں کی اجازت سے ہونا چاہئے۔ وہاں کے رہنے والوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنے چاہئیں اور اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ لَـكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا‌ هُوَ اَزۡكٰى لَـكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸﴾

پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت ملے۔ اور اگر تمہیں لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ، یہ تمہارے لئے زیادہ پاک بات ہے۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کا علم رکھتا ہے۔

گھر والوں کی طرف سے جواب نہ ملے تو داخل نہ ہونا فرض ہے کہ بغیر اجازت داخل ہونا منع فرما دیا گیا ہے۔ اور اگر گھر والوں کی طرف سے یہ کہا جائے کہ صاحب اس وقت لوٹ جائیے، تو واپس جانا ہی پاکیزگی کا ثبوت ہوگا۔ اللہ ہر حال کا علم رکھتا ہے، نیت کا بھی علم رکھتا ہے۔ اگر اللہ کی رضا کے لئے آنا ہوا تھا تو اللہ نے اس کو پسند کیا، اگر نفس کو یہ محسوس ہو کہ عزت میں کمی ہوئی ہے تو اسے یہ کہنا چاہئے کہ میرا آنا تمہاری خوشی کے لئے نہیں تھا، اللہ کی رضا کے لئے تھا اور اللہ کو علم ہے جو میں نے کیا ہے۔

**حاصل:** بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخلہ ممنوع فرمایا گیا ہے۔ اگر گھر والے لوٹ جانے کو کہیں تو لوٹ جانا ہی پاکیزگی کا ثبوت ہوگا۔ گمان نیک رکھنا چاہئے۔ گھر والے جانتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں، آنے والا اگر اللہ کی رضا کے لئے آیا تھا تو گھر والوں کی طرف سے داخلے کی عدم اجازت یا لوٹ کر جانے کی درخواست پریشانی کا باعث نہیں ہوگی۔ پاکیزگی کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّـكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان گھروں میں داخل ہو، جس میں کسی کی سکونت نہ ہو، ان میں تمہارے لئے متاع ہے۔ اور اللہ کو علم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

جو مقامات ذاتی ضرورت کے حوالے سے نہ بنائے گئے ہوں، وہ سکونت کے لئے مخصوص نہیں ہوتے۔ ان میں داخلے کی اجازت

طلب کرنا ضروری نہیں۔ وہ ایسی جگہیں ہیں جہاں سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، انہیں وہاں سے متاع ملتی ہے، ضروریات زندگی کا حصول ممکن ہوتا ہے، حق کو جاننے کے لئے وہاں جانا ضروری ہوتا ہے۔ بے مقصد ایسے مقامات پر بھی جانا منع ہے۔ جو بات ظاہر کی جارہی ہے اور جو بات چھپائی جارہی ہے، اللہ کو ان کا علم ہے۔ اس لئے ایسی جگہوں پر داخل ہوتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہمارا منشاء حق کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

**حاصل:** وہ مقامات جو ذاتی ضرورت کے حوالے سے نہیں بنائے گئے، ان میں داخل ہونا منع نہیں ہے۔ ایسی جگہوں پر جانا حصول متاع کے لئے ہو اور نیت ٹھیک ہو، حق کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

مومنین کو حکم دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی فروج کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی صورت ہے۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں۔

دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے بعد جن آداب واخلاق کو پیش نظر رکھا جائے گا، ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حکمِ الٰہی سے یہ فرمایا گیا ہے کہ مومنین جب اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل ہوں، تو اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ آنکھوں کی حفاظت اسی طرح ہوسکتی ہے کہ آنکھوں کو طلبِ نظارہ سے بچایا جائے۔ جو کچھ کہنا ہے وہ کہا جائے، جو کچھ سننا ہو وہ سنا جائے، بات کو غیر ضروری طوالت نہ دی جائے۔ ان تمام باتوں سے اجتناب کیا جائے جو شرم گاہوں کی عدم حفاظت کے زمرے میں آتی ہوں۔ یہ پاکیزگی کی احسن صورت ہے۔ جو کچھ بھی کیا جائے اور جو کچھ بھی کہا جائے، اس کے پیچھے نیت کو اللہ خوب جانتا ہے۔ اس لئے بات کرتے وقت، اور اپنی تمام حرکات وسکنات کے ساتھ یہ یقین ہونا چاہئے، کہ ہماری نیت کو بھی اللہ جانتا ہے ہمارے اعمال کو بھی وہ دیکھ رہا ہے اور وہی جزا دینے والا ہے۔

**حاصل:** دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے بعد نگاہوں کو نیچے رکھنا فرض ہے۔ شرم گاہوں کی حفاظت سے متعلق ہر بات فرض ہے۔ لباس میں بے حیائی نہ ہو، حرکات وسکنات میں بے حیائی نہ ہو، زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلے جو حیا کے منافی ہو، پاکیزگی قائم رہے اور یہ یقین ہو کہ اللہ ہمارے باطن کو جانتا ہے، ظاہر کو بھی جانتا ہے اور وہی جزا دینے والا ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

مومن عورتوں کو حکم دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ دکھائیں مگر جتنی خود ہی ظاہر ہو رہی ہو، اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

یا شوہروں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے اور شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنے تعلق کی عورتوں کے، یا اپنے مملوکوں کے یا مرد ملازموں کے جو غرض نہ رکھتے ہوں، یا لڑکوں کے جن پر عورتوں کی نسوانیت ظاہر نہیں ہوئی، اور پاؤں سے ضرب نہ لگائیں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے۔ اور اللہ کے آگے سب توبہ کرو اے مومنو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرمانے کے بعد اب یہ واضح فرمایا جارہا ہے کہ گھر والوں کو کن آداب واخلاق کا لحاظ رکھنا ہے۔ مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں گی اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں گی۔ زبان سے اور جسم کی کسی حرکت سے خلافِ حیا کسی بات کا ہونا، شرم گاہوں کی حفاظت کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ زینت کا اظہار اگر مقصود بنالیا جائے تو یہ بات بھی پاکیزگی کے منافی ہوگی۔ جس زینت کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے وہ تو ظاہر ہو رہی ہوتی ہے، اسے ظاہر کیا نہیں جارہا ہوتا۔ اوڑھنیوں کو گریبانوں پر ڈال رکھنے کا حکم ہے۔ اس سے سر، گردن، چہرے کا ایک حصہ، گریبان اور کمر کو ڈھانپ کر رکھنا ضروری ہے۔ جن کے سامنے زینت کے اظہار کی اجازت ہے ان کے سامنے آنے جانے کے آداب بھی پاک عورتوں سے سیکھنے چاہئیں اور وہ ہیں شوہر، باپ، شوہر کا باپ، بیٹا، اپنے شوہر کا بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، تعلق والی عورتیں، خدمت گار، بوڑھے ملازم اور وہ لڑکے جن کے اندر جنسی شعور کا مقام ابھی بیدار نہ ہوا ہو۔ زمین پر پاؤں مار کر چلنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، کہ اس سے بھی زینت کا اظہار ہوتا ہے۔ ماضی میں جو کچھ بھی ہو چکا وہ یقیناً پاکیزگی کے خلاف تھا، اس سے تائب ہونا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اجتماعی طور پر اس شعور کو بیدار رکھنا ضروری ہے جو باعث فلاح ہوتا ہے۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو ادب سے ماننا ضروری ہے۔ اس میں حکمتیں تلاش کرنا اور پھر اپنی پسند کے حوالے سے حق کو ماننا، فرمانِ الٰہی کی تعمیل نہیں ہے۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے، ایمان والوں پر اس کا ماننا فرض ہے۔

**حاصل:** مومن عورتوں پر نگاہیں نیچی رکھنا فرض ہے، شرم گاہوں کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ زینت کا اظہار مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ شوہر، باپ، شوہر کا باپ، بیٹا، شوہر کا بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، تعلق والی عورتیں، خدمت گار بوڑھے ملازم اور نوعمر لڑکے، ان کے سامنے زینت کا اظہار ہو جائے تو گناہ نہیں ہے۔ مگر شوہر کے علاوہ ان سب کے سامنے کس طرح رہنا چاہئے، یہ پاک بیبیوں سے سیکھنا چاہئے۔ پاؤں زمین پر مار کر چلنا منع ہے، کہ اس سے بھی زینت کا اظہار ہوتا ہے۔ ماضی کی کوتاہیوں سے توبہ کرنی چاہئے اور احکامِ الٰہی کو اجتماعی طور پر ماننا چاہئے، فلاح اسی میں رکھی گئی ہے۔

وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۳۲﴾

اور نکاح کر دو جو تم میں بے نکاح ہوں، اور اپنے غلاموں سے جو صالح ہوں، اور لونڈیاں۔ اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

نکاح کا منشاء بلوغت کے بعد طبعی پاکیزہ زندگی اور بقاء نسل ہے۔ جس جوڑے میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے اور دوسرا جوان ہو تو اسے نکاح کر لینا چاہئے۔ جو لوگ اپنی خاندانی روایات میں اپنا امتیاز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بیوہ عورتوں کا نکاح نہیں کرتے حالانکہ وہ بوڑھی نہیں ہوتیں، وہ خلاف حق کرتے ہیں۔ نکاح یقیناً ان کی ضرورت ہوتا ہے، جب اللہ نے اس کی اجازت دی ہے تو کسی مومن کی یہ مجال کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ اس پر پابندی لگائے۔ جو غلام صالح ہو اس کو نکاح میں مدد دینا بڑی نیکی ہے۔ جو باندی صالحہ ہو اس کو نکاح میں مدد دینا بڑی نیکی ہے۔ غیر صالح باندی غلاموں کو نکاح کی سہولت دینے سے بے حیائی بڑھتی ہے۔ صالح غریب اگر نادار ہیں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ پاکیزگی کو بڑھانے والی صورت اللہ کو پسند ہوتی ہے۔

**حاصل:** بیوہ عورتوں کو نکاح کی تاکید کرنی چاہئے اگر وہ بقاء نسل کے مقام سے گزر نہ چکی ہوں۔ بیوی کے فوت ہو جانے کی صورت میں مرد بھی نکاح کرے اگر وہ بوڑھا نہ ہو چکا ہو۔ غلاموں اور باندیوں کو نکاح کی اجازت صرف ان کے حال کے حوالے سے ہوگی۔ غیر صالح غلام اور غیر صالح لونڈی کو نکاح کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جو نادار ہوں گے، اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اللہ کی وسعت اور علم کے سامنے اپنے مقام کو ہیچ جاننا، مومن کی شان ہے۔

وَ لۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّ اٰتُوۡہُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ لَا تُکۡرِہُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ عَلَی الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ مَنۡ یُّکۡرِہۡہُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاہِہِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۳﴾

اور چاہئے کہ وہ لوگ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے، عفیف رہیں حتیٰ کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جو لوگ مکاتبت چاہیں جو تمہارے ہاتھ کی مِلک ہیں، تو انہیں لکھ دو اگر تمہیں اس میں خیر معلوم ہو اور اللہ کے مال سے انہیں عطا کرو جو تمہیں عطا ہوا ہے۔ اور اپنی کنیزوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو حیاتِ دنیا کے سامان کی غرض سے، اور وہ پارسائی کا ارادہ رکھیں۔ اور جو انہیں مجبور کرے گا، تو اللہ ان کی بے بسی کے بعد بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

نکاح کا مقدور نہ رکھنے والا عفیف رہے گا تو اسے آسانی ہوگی۔ نکاح کر لینے سے بارِ کفالت تو آتا ہی ہے، قرض لے کر نکاح کرنا بڑے دکھ میں ڈالتا ہے۔ اللہ اپنے فضل سے غنی کر دے، محتاجی کو دور کر دے تو نکاح کرنا باعثِ راحت ہوتا ہے۔ غلام اور باندیاں اگر یہ چاہیں کہ انہیں ان کی خدمات کے صلے میں ایک وقت کے بعد آزاد کر دیا جائے تو انہیں مکاتب بنایا جائے، یہ حکمِ الٰہی ہے۔ دیکھنا یہی چاہئے کہ آزادی کے بعد، آزاد ہونے والے معاشرے میں فساد نہ پیدا کریں، اصلاح کے طالب ہوں۔ ایسے نیک لوگوں کا حق ہے کہ ان کی مدد کی جائے، اور انہیں اللہ کے عطا کردہ پاک مال سے سہارا دیا جائے۔ ان کی خواہشات چھوٹی ہوتی ہیں۔ وہ مدد دینے والے کو کسی مشکل میں نہیں ڈالتے۔ جو لوگ اپنی کنیزوں کو دنیاوی اغراض کے لئے بدکاری پر مجبور کرتے ہیں، وہ خلافِ حق کرتے ہیں۔ وہ کنیزیں جو پاکیزہ زندگی گزارنا چاہیں انہیں مجبور کرنے والا بڑا گناہ گار ہے۔ کنیزوں کی بے بسی اللہ کے سامنے ہے۔ اللہ انہیں بخش بھی دے گا ان پر رحم بھی فرمائے گا۔

**حاصل:** نکاح کا مقدور نہ ہو تو عفیف رہنا حق ہے۔ اللہ اپنے فضل سے غنی کر دے تو نکاح کرنا حق ہے۔ باندی، غلام اگر نیک ہوں اور آزادی کے طالب ہوں تو انہیں یہ لکھ دینا چاہئے کہ ان کی خدمات کے صلے میں انہیں معینہ مدت کے بعد آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے اور آزادی چاہنے والوں کی، اللہ کے عطا کردہ پاک مال سے مدد کرنی چاہئے۔ کنیزوں کو بدکاری پر مجبور کرنا گناہ ہے۔ مجبور کنیزیں جو پاک رہنا چاہیں، اپنی نیت کے حوالے سے وہ قابلِ بخشش اور قابلِ رحم ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۱۰/۸

اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیات نازل فرمائیں، اور کچھ ان لوگوں کی مثالیں جو تم سے قبل ہو چکے ہیں، اور وعظ متقین کے لئے۔

آیاتِ الٰہی کا نزول خاتم النبیین ﷺ کے قلب مبارک پر ہوا۔ آپ نے احکامِ الٰہی کو مان کر دکھایا تو ماننے والوں کو آپ سے روشنی حاصل ہوئی۔ پہلے لوگوں کی مثالیں بھی بیان فرمائی گئی ہیں کہ ان سے سبق سیکھا جائے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے موعظت کا درجہ رکھتا ہے۔ آیاتِ الٰہی کی روشنی کا اسے کیا پتہ چلے گا جو اللہ کے فرمان کو نہیں مانے گا، اور جو پہلے لوگوں کی مثالوں کا اپنے حال سے تعلق نہ دیکھے گا وہ کب کوئی سبق سیکھے گا۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے، کہ اللہ کے فرمان کو ادب سے مانا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کو اپنے حال پر شاہد بنایا جائے۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا کلام روشن ہے۔ اس روشنی کا پتہ اسے لگتا ہے، جو حکم کو شاہد کے حوالے سے مانتا ہے۔ پہلے لوگوں کی مثالیں یقیناً ہمارے حال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ کے وعظ سے فائدہ اٹھانے والا متقی ہوتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (۳۳) میں فرمایا ہے: وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اور اللہ کا قول حق ہے، اور وہ راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾

اللہ سے آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس نور کی مثال ایک طاق ہے جس میں چراغ ہو۔ وہ چراغ ایک شیشے میں ہے۔ وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا۔ تیل جلتا ہے اس میں شجرِ مبارک کا، وہ زیتون ہے، نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نے مس نہ کیا ہو۔ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی راہ دکھلاتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ منور ہے، وہ اللہ کے نور سے ہے۔ کسی مقام پر اگر نورِ معرفت کو اللہ کے سوا میں دیکھا جائے گا تو شرک ہو جائے گا اور شرک ظلمِ عظیم ہے۔ نورِ الٰہی کی مثال اس طرح بیان فرمائی گئی ہے، کہ ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے۔ طاق وہ محفوظ مقام ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہے۔ پھر چراغ ایک شیشے میں رکھا ہوا ہے جو بالکل صاف ہے۔ اس میں کوئی سیاہی نہیں ہے کہ روشنی کے پھیلنے میں حائل ہو۔ یہ شیشہ روشنی کو پھیلانے کا باعث بنتا ہے۔ یہ مومن کا قلب ہے۔ چراغ میں جو تیل جلتا ہے، وہ زیتون کا مبارک تیل ہے جو شفاف ہوتا ہے۔ مگر یہ اس قدر شفاف ہے کہ سورج کی شعائیں طلوع سے غروب تک اس درخت کو پوری طرح نوازتی ہیں۔ سورج کی شعاؤں میں پہلے پہر اور پچھلے پہر کا جو فرق ہوتا ہے، وہ اس مقام پر نہیں ہوتا جو مقام باغ کے درمیان میں ہو۔ جو تیل ایسے شجرِ مبارک سے حاصل ہو، وہ انتہائی شفاف ہوتا ہے اور روشنی کو قبول کرنے کی اعلیٰ استعداد رکھتا ہے۔ یہ تیل جب جلتا ہے تو نورٌ علیٰ نور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے تو یہ راہ ملتی ہے اور اسے ہی ملتی ہے جس کو اللہ دکھائے۔ اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرما کر اس نورِ ہدایت کی طلب کو واضح کرتا ہے، اور اللہ کو ہر شے کا علم ہے۔

**حاصل:** حصولِ علم کی طلب رکھنے والے کو آسمانوں اور زمین میں ہر مقام پر نور سے واسطہ پڑتا ہے۔ اللہ کا نور، نورِ حقیقی ہے باقی سب نور اس کی بدولت ہیں۔ نورِ ہدایت کو محفوظ مقام پر ہونا چاہئے، شیشے کی طرح صاف اور روشن دل میں ہونا چاہئے۔ حق کو ماننے کی وہ طلب ہونی چاہئے، کہ حق سامنے آتے ہی نورٌ علیٰ نور کی کیفیت حاصل ہو۔ نور کی راہ دکھانا اللہ کی شان ہے اور اللہ کا کام ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ مثالیں بیان فرما کر لوگوں پر ایک احسان کیا جاتا ہے۔ اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے۔

فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ

ان گھروں میں کہ اللہ نے ان کو بلند کرنے کا حکم دیا

يُذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾

ہے، وہاں اس کے نام پاک کا ذِکر کیا جاتا ہے، اور صبح وشام تسبیح کی جاتی ہے۔

جن مقامات پر حاملینِ نورِ معرفت کو دیکھنا چاہئے، وہ مقامات اپنی صفات کے ساتھ روشن فرمائے گئے ہیں۔ وہ مساجد ہیں، کہ اللہ نے ان کے بلند کرنے کا حکم دیا ہے۔ مسجد سے بلند کسی گھر کو نہیں ہونا چاہئے، کہ یہ خلافِ ادب ہے۔ مسجد میں ذکر کیا جاتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ کسی کو متاثر کرنا مقصود ہو۔ ذکرِ الٰہی، قربِ الٰہی کے حصول کے لئے ہو تو پھر دھیان کسی دوسری طرف کیوں جائے گا۔ صبح وشام تسبیح پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ فجر کی نماز کے بعد اجتماعی طور پر ذکر کیا جاتا ہے اور مغرب کی نماز کے بعد بھی اجتماعی طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

**حاصل:** نورِ معرفت حاصل ہو جائے تو مسجد میں رہنا چاہئے، اس علم کو بڑھانے کے لئے، اس نور کو پھیلانے کے لئے جو عطا ہوا ہے، اور صبح وشام ذکر کرنے کے بعد حق کو بیان کرنا چاہئے۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوۡنَ يَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِيۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ ۙ﴿۳۷﴾

وہ مرد کہ جنہیں تجارت اور بیع میں اللہ کے ذکر سے غفلت نہیں ہوتی، نہ صلوٰۃ قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں یہ لوگ غفلت برتتے ہیں، اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں قلوب اور آنکھیں الٹ جائیں گے۔

پاک لوگوں کی صفات کا ذِکر ہے، کہ تجارت میں مصروفیت ہو یا کسی شے کے بیچنے میں مصروفیت ہو، وہ کبھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔ تجارت میں لینے دینے کی تمام صورتیں ہوتی ہیں۔ بیع میں جس شے کو بیچا جا رہا ہو اس کے بارے میں خریدار کو اس کی مطلوبہ باتیں بتانی ضروری ہوتی ہیں اس لئے انہماک کا مقام بھی بڑا ہوتا ہے۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا بھی ان لوگوں کا طریقِ زندگی ہوتا ہے۔ جزا کا یقین رکھنے والے یہ لوگ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں، جس دن قلب اور آنکھیں وہ دیکھیں گے جواب نہیں دیکھ رہے۔ جواب جلوت ہے، یہ سب خلوت ہو جائے گی اور مستقبل کی صورت میں جواب خلوت ہے، وہ جلوت ہو جائے گی۔

**حاصل:** تجارت اور بیع میں اللہ کے ذِکر سے غافل نہ ہونا، نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور جزا کے دن کا ڈر رکھنا یہ اللہ کے پاک بندوں کی نشانیاں ہیں۔

لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَيَزِيۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کی احسن جزا دے، اور اپنے فضل سے زیادہ دے۔ اور اللہ جسے چاہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔

جو اعمال اللہ کی رضا کے لئے کیے جائیں، اللہ ان کی احسن جزا دے گا اور اپنے فضل سے زیادہ دے گا۔ جو لوگ اللہ سے کوئی حساب

نہیں کرتے وہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنے میں راحت محسوس کرتے ہیں، اللہ انہیں بے حساب رزق دیتا ہے، اللہ ان سے حساب نہیں کرتا۔

حاصل: اللہ پاک لوگوں کو ان کے اعمال کی احسن جزا دیتا ہے، انہیں اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ جو اللہ سے حساب نہ کرے، اللہ اس کو بے حساب رزق دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ۳۹

اور جو لوگ کفر کرتے ہیں، ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں صحرا میں، جس کو پیاسا پانی سمجھے۔ حتیٰ کہ جب وہاں پہنچے تو کچھ نہ پائے، اور اللہ کو پائے اپنے پاس پھر وہ اس کا حساب چکا دے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہوئے اپنی سمجھ کے مطابق کام کرتے رہتے ہیں، ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے سراب کہ صحرا میں چلنے والے کو دور سے لہریں مارتا ہوا پانی معلوم ہوتا ہے اور جب وہ شدید پیاس کے ساتھ وہاں پہنچتا ہے، تو وہاں تپتی ہوئی ریت ہوتی ہے۔ جزا دینے والا، یوم الدین کا مالک، وہاں موجود ہوتا ہے۔ وہ اسے اس کے کیے کی پوری پوری جزا دے دیتا ہے۔ اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی۔ انسان کے اعمال کا اندراج کرنے کا اللہ نے وہ بندوبست کیا ہوا ہے، کہ اس سے بہتر کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل: حق کا انکار کرنے والے جو سمجھتے ہیں، وہ سراب کی مانند ہے۔ انتہائی پیاس کے ساتھ جب پانی کی بجائے تپتی ہوئی ریت ملے، تو اس سے بڑی مایوسی اور کیا ہوگی۔ اللہ کا کام جس علم سے ہے اس کا اندازہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ۴۰ ع ۶

یا جیسے ایک گہرے سمندر میں ظلمات ہوں، موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہو، اس کے اوپر بادل ہوں۔ ظلمات تہ بہ تہ ہوں۔ اگر اپنا ہاتھ نکالے تو وہ بھی اس کو نہ سوجھے۔ اور جس کے لئے اللہ نور نہ ٹھہرائے، اس کے لئے کہیں نور نہیں۔

حق کا انکار کرنے والے، نور سے ظلمات کی طرف چل رہے ہوتے ہیں۔ وہ ظلمات کی انتہا تک پہنچتے ہیں تو صورت یہی ہوتی ہے کہ گہرے سمندر کی ظلمات، پھر وہاں موج کے اوپر اٹھنے والی موج سے ہونے والا اندھیرا، اور پھر جہاں سے روشنی آتی ہے وہاں بادل ہوں، تو اندھیرے کی تہیں ہوں گی جو ایک کے اوپر ایک ہوگی۔ اس اندھیرے میں اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دے گا۔ جس کے لئے اللہ نور نہ ٹھہرائے، اس کے لئے کہیں

نور نہیں ہو سکتا۔ ہم جو کچھ بھی دیکھتے ہیں، اس میں اللہ کے نور کو باعثِ نظارہ جاننا چاہئے۔ نور نہ ہو تو ہماری نظر کس کام آئے گی۔

**حاصل:** انتہائی تاریکی کی مثال یہی ہے، گہرے سمندر کی تاریکی، موج کے اوپر موج سے ہونے والی تاریکی اور اس کے اوپر بادل، اس تاریکی میں اپنا ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ جس نے ہمارے لئے نور ٹھہرایا ہے، اس کو مالکِ حقیقی جاننا چاہئے۔ خلافِ حق کرنے والا، نور سے ظلمات کی طرف جارہا ہوتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱٦) میں ارشاد فرمایا ہے: اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ تو کیا نڈر ہو گئے وہ لوگ جو برے مکر کرتے ہیں، اس سے کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے، یا ان پر وہاں سے عذاب آجائے جس کا انہیں شعور بھی نہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اڑتے پرندے پر پھیلائے۔ ہر ایک کو اپنی صلوٰۃ اور تسبیح معلوم ہے۔ اور اللہ کو علم ہے جو وہ کررہے ہیں۔

جس کے لئے اللہ نے نور ٹھہرایا ہے، اسے دیکھنا چاہئے کہ اس کے سامنے مناظر کیا کیا ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں ہر شے اپنے اپنے منشاءِ تخلیق کے مطابق سرگرمِ عمل ہے۔ پرندے اڑتے ہوئے اس منشاء کو پورا کر رہے ہیں جس کے لئے انہیں بنایا گیا ہے۔ ہر ایک اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتا ہے، اور جو وہ جانتا ہے وہی کر رہا ہے۔ کبھی کسی شے نے اللہ کے تفویض کردہ کام سے انحراف نہیں کیا۔ حضرتِ انسان کو بھی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کا علم ہونا چاہئے۔ صلوٰۃ مقررہ اوقات پر ہوتی ہے، تسبیح ہر وقت ہوتی ہے۔ کسی شے کا استعمال کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جو ہم کر رہے ہیں، وہ حق کے مطابق ہو، تاکہ ہم اس کائنات میں فساد کا باعث نہ بنیں۔

**حاصل:** ہر شے اپنے منشاءِ تخلیق کے مطابق سرگرمِ عمل ہے۔ اللہ نے ان کو صلوٰۃ اور تسبیح کا جو طریق سکھایا ہے اسی کے مطابق وہ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ بندے کو بھی اپنا منشاءِ تخلیق جاننا چاہئے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

اور اللہ کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ہم جس کی بادشاہی میں رہ رہے ہیں وہ مالکِ حقیقی اللہ ہے۔ اگر ہم اس کے فرمان کو مان رہے ہیں تو ہم سلامتی کی راہ پر ہیں، اس لئے کہ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف جانا بھی ہوگا۔ اور اگر ہم اللہ کے مقابل کسی اور کا حکم مان رہے ہیں، تو یہ اللہ کا انکار ہے اور جزا کو نہ ماننے والی بات ہے۔

حاصل: یہ مان لیا جائے کہ اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں، تو حقِ عبودیت کو بطریقِ احسن ادا ہونا چاہیے۔ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا یقین ہو تو پاکیزگی کو ہر مقام پر ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ؕ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ بادل کو ہانک لاتا ہے، پھر ان کو ملا دیتا ہے، پھر ان کو رکھتا ہے تہ بہ تہ، پھر تم ان سے مینہ نکلتا دیکھتے ہو۔ اور آسمان سے اس میں اتارتا ہے اولوں کے پہاڑ، پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے، اور بچا دیتا ہے جسے چاہے۔ ابھی اس کی برق کی چمک آنکھوں کی بصارت لے جائے۔

حضرت انسان کے دیکھنے میں یہ سب کچھ آتا ہے کہ بادلوں کو ہانک کر لانے کا دعویٰ کرنا اللہ ہی کی شان ہے۔ کوئی دوسرا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ پھر ان کو ملانا بھی اللہ کی شان ہے۔ پھر ان کو تہ بہ تہ رکھنا اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ پھر ان سے وہ بارش برستی ہے کہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ جہاں اللہ بربادی لانا چاہے انہی بادلوں سے اولے برسنے لگتے ہیں اور اس قدر برستے ہیں کہ سب کچھ تہس نہس ہو جاتا ہے۔ جس کو اللہ چاہے مٹا دیتا ہے، جس کو چاہے بچا دیتا ہے۔ برق کی چمک اس قدر ہوتی ہے کہ آنکھوں کی بصارت کو ختم کر دے۔ قدرت کے ان مقامات کو دیکھنے کے بعد قادرِ مطلق کا پتہ لگنا چاہیے۔ اگر قدرت کا مشاہدہ قادرِ مطلق کے قرب کا باعث نہ بنے تو پھر غور و فکر کا دعویٰ بے معنی ہو جائے گا۔

حاصل: بادلوں کو ہانک کر لانا، ان کو ملانا، ان کو تہ بر تہ رکھنا، پھر ان سے مینہ برسانا اللہ کی شان ہے۔ انہی بادلوں سے اللہ چاہے تو اولے برسا دیتا ہے، جو سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اللہ جس کو بچانا چاہے بچا بھی دیتا ہے۔ بجلی کی چمک سے آنکھوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔

یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

اللہ لیل و نہار کو بدلتا ہے۔ اس میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔

لیل و نہار کی تبدیلیاں انسان کے مشاہدے میں آتی ہیں۔ کبھی راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں اور کبھی دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ راتیں طویل ہوں تو سردی ہوتی ہے اور دن طویل ہوں تو گرمی ہوتی ہے۔ جس قادرِ مطلق کے علم سے یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں، اسی کی قدرت ہم پر محیط ہے۔ گرمی اور سردی، روشنی اور اندھیرا، اس کائنات کے نظم کو ہر شے اللہ کے حکم کے مطابق قائم رکھتی ہے۔ اگر بندہ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود وہ کرے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے، تو اس نے اللہ کی قدرت کا انکار کیا ہے اور خسارے کا راستہ اختیار کیا ہے۔

حاصل: لیل و نہار کی تبدیلی، لوازماتِ حیات میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ قدرت کے مشاہدے کے ساتھ قادرِ مطلق کی معیت مقصود ہو جائے تو یہ بصیرت کا ثبوت بھی ہوگا، عبرت کا ثبوت بھی ہوگا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

اور اللہ نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا کیا پھر ان میں سے کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے اور کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور کوئی چار پاؤں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

اس کائنات میں جان دار چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ ہر ایک کی تخلیق ایک مقصد کے تحت ہے۔ پیدائش کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔ بعض جان دار پیٹ کے بل چلتے ہیں، جیسے رینگنے والا جانور۔ بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں، بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ کی مشیت اور اللہ کی قدرت محدود نہیں ہے۔ اس نے جو بھی بنایا ہے بڑے علم سے بنایا ہے، اور اسے اسکی احتیاج بھی نہیں ہے۔ جس کے لئے یہ سب کچھ بنایا گیا ہے، اسے بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ کسی شے کو منشاءِ الٰہی کے خلاف تو استعمال نہیں کر رہا کہ ایسا کرنا ناشکری کے زمرے میں آئے گا۔

حاصل: پانی سے جان داروں کی زندگی ہے۔ پیٹ کے بل چلنے والے، دو پاؤں پر چلنے والے، چار پاؤں پر چلنے والے، اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت کے مظہر ہیں۔ کسی شے کو بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا۔ ہر شے کا استعمال علم سے ہونا چاہئے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

بے شک ہم نے واضح کر دینے والی آیات نازل فرمائی ہیں۔ اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

ارشادِ الٰہی یقیناً وضاحت کے لئے پورا ہے۔ اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے، وہ علمِ الٰہی سے ہے جس سے بڑا کوئی علم ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے اس کے پورا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ علمِ الٰہی سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے، جو اللہ کی رضا کو مقصود بنائے اور اسکی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرے۔ من مانی کرنے والے کو سیدھی راہ نہیں ملتی، اور سیدھی راہ کی یہ اہمیت ہے کہ بندہ اللہ کا طالب اور ہر شے کا مطلوب بن جاتا ہے۔

حاصل: آیاتِ قرآن پاک قطعاً واضح ہیں۔ روشنی اسے ملتی ہے جسے اللہ روشنی دینا چاہے، اور اللہ اسے چاہتا ہے جو اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا اور اس کا اتباع کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہو۔

وَيَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور بتاتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی، پھر اس کے بعد ان کا ایک فریق پھر جاتا ہے، اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور ہم نے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی جان کر قبول کیا، ان کا حال تو یہ ہونا چاہئے کہ حکمِ الٰہی کو اللہ کے رسول کے اتباع میں ادب سے مانا جائے، اور اطاعتِ رسول کو کبھی اپنی چاہت سے مشروط نہ کیا جائے۔ دعویٔ ایمان کا تکرار کبھی صداقت کی سند نہیں ہوسکتا۔ جس دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو وہ قابل سماعت ہی نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایمان کے دعوے کے بعد اطاعتِ رسول سے پھر جاتے ہیں، وہ مومن نہیں۔ اللہ نے اس کی سند نازل فرمائی ہے۔

حاصل: ایمان کا دعویٰ ہو تو اطاعتِ رسول عمل میں نظر آنی چاہئے۔ دعویٰ ایمان کا ہو اور عملاً من مانی کی جارہی ہو تو یہ مومن نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے، کہ ان کے مابین فیصلہ کیا جائے، تو ان کا ایک فریق اعراض کرنے لگتا ہے۔

منافقین یہی کرتے ہیں کہ فیصلہ انہیں اپنی پسند کے مطابق ہوتا نظر آئے تو راضی ہو جاتے ہیں، ورنہ دعویٰ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا کرتے ہیں، اطاعتِ رسول کا کرتے ہیں، مگر ان کے فیصلے کو ماننے سے منہ پھیر جاتے ہیں۔ جو فیصلہ حق کے حوالے سے ہو وہی درست ہوتا ہے۔ جو فیصلہ کسی کی پسند کے حوالے سے ہو وہ کبھی پورا نہیں ہوتا، روشن نہیں ہوتا۔

حاصل: ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ حق کے حوالے سے جو فیصلہ ہو اسے قبول کیا جائے، اور حق سے اعراض کیا جائے تو یہ یقیناً منافقت ہوگی۔

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ؕ

اور اگر حق انہیں پہنچتا ہو تو ادب سے اس کی طرف چلے آتے ہیں۔

منافقین کو یہ معلوم ہو کہ حق کے مطابق ہونے والے فیصلے سے انہیں فائدہ پہنچے گا، تو وہ بڑے ادب سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے آتے ہیں۔ اپنی خواہشات سے جڑے ہوئے ہونے کا یہ بڑا واضح ثبوت ہے۔

حاصل: اپنی خواہش کے تحت حق کو ماننا اور اظہارِ ادب کرنا کبھی ہدایت یافتہ ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا۔

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۟ؑ ﴿۵۰﴾

کیا ان کے قلوب میں مرض ہے یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان سے بے انصافی کریں گے، بلکہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔

دل میں مرض ہونا، یک سوئی کے نہ ہونے کا ثبوت ہے۔ ایمان قلب میں داخل ہو تو عملاً ناصح سے محبت ہو جاتی ہے، اور قلب میں مرض ہو تو پھر ایسا نہیں ہوتا۔ منافقین کو حقیقی فائدے کے بارے میں شک ہی رہتا ہے، وقتی فائدے سے آگے ان کی نظر کم ہی جاتی ہے، اس لئے انہیں جزا کا یقین نہیں ہوتا۔ یہ دھوکے میں پڑنے کی صورت ہے۔ ان لوگوں کو یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو منافقین کے دوغلے پن کا علم ہے، اس لئے ان کو اس کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ خلاف حق کرنا، اور خلافِ حق کرتے چلے جانا ان لوگوں کا معمول بن جاتا ہے۔ ان کا اپنا ظلم ہی ان کے توازن کو بگاڑ دیتا ہے۔

**حاصل:** دل میں مرض کا ہونا یہاں نفاق کی علامت ہے، انجام کے بارے میں دھوکے میں پڑنا بھی علامتِ نفاق ہے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہ رکھنا بھی علامتِ نفاق ہے۔ منافق یقیناً ظالم ہوتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ تمہارا معبود، ایک ہی ہے۔ تو جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے قلوب منکر ہیں اور وہ استکبار کرتے ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

مومنین کی بات یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کسی باہمی نزاع کے فیصلے کے لئے بلایا جائے تو یہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

مومنین کے مابین باہمی نزاع ہو، تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرتے وقت یہ یقین رکھتے ہیں، کہ حق وہی ہے جو وہاں سے ارشاد فرمایا جائے۔ وہ حق کے فیصلے کو سنتے ہوئے یہ کہتے ہیں، کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ ان لوگوں کی اپنی پسند ان کو پریشان نہیں کرتی۔ یہ فلاح پانے والے لوگوں کی نشانی ہے۔

**حاصل:** بات حق کے حوالے سے ہو، تو وہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس فیصلے کو سن کر یہی کہنا چاہئے، ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ فلاح پانے والوں کی یہ نشانی مومنین کی اجتماعی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور تقویٰ کرے، تو یہی لوگ فائز المرام ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو مقصدِ حیات بنالیا جائے، تو خلوت کی پاکیزگی اللہ کے ڈر سے ثابت ہوگی اور جلوت کی پاکیزگی تقویٰ سے ثابت ہوگی۔ خشیت یہ ہے کہ خلوت میں کوئی کام ایسا نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، تقویٰ یہ ہے کہ جلوت میں کوئی کام ایسا نہ ہو جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہ ہو، اور شک سے بچنے میں کوتاہی نہ ہو، تو ایسے لوگ فائز المرام ہیں۔ دنیا و آخرت میں ان لوگوں کی بڑی شان ہے۔ ان صفات کو باعث فلاح جان کر اپنانا بھلے لوگوں کی طریقت ہے۔

حاصل: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، مقصدِ حیات ہونا چاہئے۔ خلوت میں اللہ کا ڈر رکھنا خشیت ہے، جلوت میں خلافِ حق کرنے سے ڈرنا تقویٰ ہے۔ دونوں مقامات پر پاکیزگی ہو تو یہ فائز المرام ہونے کی سند ہے۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، پکی پکی قسمیں، کہ اگر آپ انہیں امر دیں گے تو وہ ضرور نکلیں گے۔ فرما دیجئے، قسمیں نہ کھاؤ۔ اطاعت معروف ہو۔ بے شک اللہ کو خبر ہے، جو تم کرتے ہو۔

منافقین حسنِ عمل کی کمی کو قسموں سے پورا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جیسے حق کے حوالے سے فیصلہ انہیں پسند نہیں ہوتا اور وہ اس سے اعراض کرتے ہیں، ایسے ہی جہاد سے بھی وہ پہلو تہی کرتے ہیں۔ قسموں پر زور دینے والے کی زبان خوب تیز چلتی ہے۔ حکم یہ دیا گیا ہے کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ اطاعت حق کے حوالے سے ہونی چاہئے اور پوری ہونی چاہئے۔ لوگوں کے سامنے تو دکھاوا ہو سکتا ہے، مگر اللہ کو تو نیت کا بھی علم ہوتا ہے، عمل بھی اس کے سامنے ہوتا ہے، اور وہی جزا دینے والا ہے۔

حاصل: قسمیں کھا کھا کر اپنی صداقت کا یقین دلانا منافقین کا طریقہ ہے، اور یہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اطاعت حق کے حوالے سے ہو اور پوری ہو، تو بات بنتی ہے۔ یہ یقین ہو کہ اللہ کو ہمارے عمل کی خبر ہے، تو عمل کو پاک ہونا چاہئے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

فرما دیجئے، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور اگر تم منہ پھیرو تو اس پر وہی ذمہ داری ہے جو اس پر ڈالی گئی ہے، اور تمہاری ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور رسول پر صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

اللہ کی اطاعت یہ ہے کہ حق کے مقابل اپنی پسند کو ساکن کر دیا جائے۔ اللہ کے رسول کی اطاعت یہ ہے کہ اسوۂ رسول کے مطابق عمل ہو اور اس اطاعت کو کسی طرح مشروط نہ کیا جائے۔ اگر اطاعتِ رسول سے منہ پھیرا جائے گا، تو حق کو ماننے کا دعویٰ بے معنی ہو جائے گا۔ حق کو بیان کرنے والے پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے، وہ اللہ کے سامنے اس کے لئے جواب دہ ہے اور اطاعت کرنے والوں پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے، وہ اس کے لئے جوابدہ ہیں۔ اطاعتِ رسول کا حاصل ہدایت ہے، اور جسے ہدایت ہو جائے اسے خوف وحزن سے نجات مل جاتی ہے۔ ہدایت ہوتی اسے ہے جسے اللہ چاہے، اور اللہ اسے ہدایت دینا چاہتا ہے، جو اطاعتِ رسول میں پورا ہو۔ رسول کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ حق کو روشن کر کے پہنچا دے، تا کہ موجود اور مقصود واضح ہو جائیں۔

**حاصل:** اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسول کی اطاعت اور اسوۂ رسول کا اتباع یہ راہِ راست ہے۔ اس سے منہ پھیرنے والا اپنے حال کا خود ذمہ دار ہو گا۔ اطاعتِ رسول ہو تو ہدایت ہوتی ہے۔ رسول کے ذمے جو بھی ہے وہ اللہ کی رضا کے مطابق پورا کر دیا گیا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں زمین میں خلافت دے گا، جیسے ان سے قبل والوں کو دی تھی۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جماؤ دے گا، جس کو ان کے لئے پسندیدہ ٹھہرایا۔ اور ان کے خوف کے بعد اس حالت کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے، کسی شے کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور اس کے بعد جو کفر کریں گے وہی فاسق ہیں۔

اجتماعی زندگی کو حق کے حوالے سے استوار کرنے والے لوگوں سے یہ وعدہ فرمایا گیا ہے، کہ انہیں زمین میں اقتدار دیا جائے گا، جیسے ان سے پہلے لوگوں کو دیا جاتا رہا ہے، اور ان کے دین کو جو اللہ نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے، بڑی شان سے جماؤ ملے گا۔ اس طرح اسلام کا نفاذ بڑے وقار سے ہو گا، کہ اللہ اس کو جماؤ دینے والا ہو گا۔ ماضی کی وہ حالتِ خوف جس میں ایمان والے گھرے ہوئے تھے، حالتِ امن میں بدل دی جائے گی۔ ایمان والے میری ہی عبادت کریں گے، میری رضا کے علاوہ ان کا کچھ مقصود نہ ہو گا۔ یہ لوگ شرک سے پاک ہوں گے۔ اس پاک معاشرے کو دیکھنے کے بعد بھی جو لوگ خلافِ حق کریں گے، اور اپنی پسند کو حق پر ترجیح دیں گے، وہ یقیناً فاسق ہوں گے۔

**حاصل:** اللہ کے وعدے سے فائدہ اٹھانا بڑی برکت کی بات ہے۔ ایمان والے حق کو مانیں، صالح اعمال کریں، حالتِ خوف میں یکسو رہیں اور اس کی اطاعت کریں جو اسوۂ حسنہ پر چلنے والا ہو، تو یقیناً ان لوگوں کو اقتدار بخشا جائے گا، ان کو امن بخشا جائے گا، اللہ کی عبادت کے نظارے ہوں گے۔ دین کے اس تمکن کو دیکھنے کے بعد بھی جو لوگ من مانی کریں گے وہ فاسق ہوں گے، اور فاسق کو ہدایت نہیں ملتی۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور صلوٰۃ قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔

اجتماعی زندگی کو حق کے مطابق استوار کرنے کے لئے جو طریقت بتائی گئی ہے، وہ یہ ہے: کہ نماز قائم رکھی جائے، نماز کو اوقاتِ مقررہ پر خشوع کے ساتھ ادا کیا جائے، مال کو اللہ کے حکم کے مطابق پاک کرنے کے لئے زکوٰۃ دی جائے اور اس کے بعد پاک مال کو اللہ کی رضا کے مطابق خرچ کیا جائے، اللہ کے رسول کی اطاعت اس طرح ہو، کہ جس کا حال ہو اسوۂ حسنہ، اس کا احسن اتباع کیا جائے۔ ان تین مقامات پر پورا رہنے والے کو اللہ اپنے رحم سے نوازے گا۔ اللہ کے رحم سے جو آسانیاں حاصل ہوتی ہیں وہ کسی دوسرے ذریعے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتیں، کہ ہمارے حال کا اللہ سے بڑا کوئی جاننے والا نہیں۔

حاصل: نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا، جہاں یہ صفات موجود ہوں اللہ کا رحم شامل حال ہو جاتا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَ لَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع

کافروں کے متعلق یہ خیال نہ کرو کہ یہ زمین میں ہمیں عاجز کر دیں گے۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی۔

جو لوگ حق کے نفاذ کو عملاً دیکھ کر بھی اس کے خلاف کریں گے، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ توفیق دینے والے کے مقابل ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ نامراد لوگ ہیں۔ دنیا میں بھی یہ خوف و حزن میں گھرے رہیں گے، آخرت میں ان کا ٹھکانا آگ ہے اور جہنم بری جگہ ہے۔ اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس کو خلافِ حق استعمال کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔

حاصل: کافروں کی قوت سے مرعوب ہونا منع ہے۔ ان کا انجام آگ میں جانا ہے۔ برے کی قیام گاہ کو ہی بری جگہ کہا جا سکتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف (۱۸) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے احسن عمل کیا ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

اے ایمان والو، جو تمہارے ہاتھ کی مِلک ہیں اور تم میں سے وہ، جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچے، تین اوقات میں اجازت لے کر آیا کریں۔ نمازِ فجر

وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

سے قبل، اور دوپہر کو جب تم اپنے کپڑے اُتار رکھتے ہو، اور نمازِ عشاء کے بعد۔ یہ تین اوقات بدن کھلنے کے ہیں تمہارے لئے۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر اور ان پر کچھ تنگی نہیں۔ ایک دوسرے کے پاس پھرا ہی کرتے ہو۔ یوں ہی اللہ تمہارے لئے آیات کو بیان فرماتا ہے، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

ایمان والوں پر واضح فرمایا گیا ہے کہ تین اوقات میں خدمت گار اور نابالغ بچے، خلوت گاہوں میں بلا اجازت نہ آیا کریں، یہ فرض کر دیا گیا ہے۔ نمازِ فجر سے قبل، ازدواجی زندگی کے اعتبار سے یہ وقت اپنی حیثیت رکھتا ہے۔ دوپہر کو قیلولہ کرنے کا وقت، جب بدن کو آرام کے لئے کھولا جاتا ہے اور نمازِ عشاء کے بعد، جب سونے کی تیاری کی جاتی ہے۔ ان اوقات میں باحیا رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے احکام کو اپنے گھر میں واضح طور پر نافذ کر دیا جائے۔ ان اوقات کے علاوہ پابندی مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ ایک دوسرے کے پاس جانا آنا ہوتا ہی ہے اور ہر بار اجازت طلبی تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ مذکورہ تین اوقات کے علاوہ، خدمت گار اور بچے خلوت گاہوں میں آ سکتے ہیں۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں علم و حکمت موجود ہے، پتہ اسی کو چلے گا جو احکامِ الٰہی کو عملاً مانے گا۔ منزل کی باتیں کرنے سے منزل قدم کے نیچے نہیں آ جاتی۔

**حاصل:** اپنے گھروں میں اللہ کے فرمان کو نافذ کرنا لازم ہے۔ اللہ کے فرمان کو ادب سے ماننا چاہئے، یہی طریقہ ہے لوگوں کو ادب سکھانے کا۔ نمازِ فجر سے قبل اور دوپہر کو قیلولہ کرتے وقت اور نمازِ عشاء کے بعد، ان تین اوقات میں خدمت گار اور نابالغ بچے بلا اجازت خلوت گاہوں میں نہ آیا کریں۔ ان تین اوقات میں بدن کو کھولنا سکھ کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو تنگی کا باعث نہیں بنانا چاہئے۔ علم و حکمت کا پتہ اسی کو لگ سکتا ہے، جو احکامِ الٰہی پر عمل کرتا رہے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اور جب لڑکے تم میں سے بلوغت کی حد تک پہنچ جائیں، تو وہ بھی ویسے ہی اجازت لیا کریں جیسے ان سے قبل والے لیتے رہے ہیں۔ یوں اللہ تمہیں اپنی آیات کھول کر سناتا ہے، اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

وہ لڑکے جو بلوغت سے پہلے تین اوقات مذکورہ کے علاوہ بلا اجازت اندر آ سکتے تھے، بلوغت پر انہیں بھی اجازت طلب کر کے اندر آنا چاہئے، جیسے ان سے پہلے حضرات اجازت طلب کر کے اندر آتے رہے ہیں۔ یہ فرض کر دیا گیا ہے۔ کسی کو یہ کہنے کی مجال نہیں ہونی چاہئے کہ

صاحب میں تو یہاں بچپن سے آتا رہا ہوں، میرے لئے یہاں کوئی اجنبیت نہیں ہے، مجھے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔اللہ نے اپنی آیات کو کھول کر سنا دیا ہے۔اللہ علم والا ہے حکمت والا ہے۔

**حاصل:** اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو مان کر دکھایا جائے تو اس سے سیکھنے والوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔علم وحکمت کی طلب ہو تو پاکیزگی کو قائم رکھنا چاہئے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بیٹھی رہنے والی ہیں اور نکاح کی توقع نہیں رکھتیں، اگر اپنے دوپٹے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، مگر زینت دکھانا مقصود نہ ہو۔اور اس سے بھی بچتی رہیں تو ان کے لئے بہتر ہے۔اور اللہ سننے والا، علم والا ہے۔

بڑی بوڑھی عورتیں گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں۔عمر کی ایک حد پر پہنچ جانے کے بعد نکاح کی توقع ختم ہو جاتی ہے۔ایسی بوڑھی عورتیں اگر دوپٹے اتار بھی رکھیں تو یہ گناہ نہیں ہوگا، کہ عمر کے اس مقام پر جسمانی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے۔ان عورتوں کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دوپٹے اتار کر رکھنے کی حقیقت زینت دکھانا نہ ہو۔ایسا کرنا یقیناً گناہ ہے۔اگر بڑی بوڑھی عورتیں بھی پردے کا دھیان رکھیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے، کہ یہ تقوئی کا ثبوت ہوگا۔اس سے ان کے ماحول میں رہنے والی بچیاں وہ کچھ سیکھیں گی جو انہیں سیکھنا چاہئے۔اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے ظاہری احترام پر بات ختم نہیں ہو جاتی۔اللہ ہر مقام پر سننے والا ہے، ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔نیت کا درست ہونا خلوت کی پاکیزگی کا ثبوت ہوگا۔

**حاصل:** بڑی بوڑھی عورتوں کو بھی پردے کا اہتمام کرنا چاہئے۔اگر کبھی دوپٹے اتار رکھیں تو زینت دکھانا مقصود نہ ہو۔بوڑھی عورتیں پردہ کرتی رہیں تو ان کے تقوئی کی بدولت بچیوں کو وہ کچھ سیکھنا آسان ہو جاتا ہے، جو انہیں سیکھنا چاہئے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِکُمْ اَوْ مَا

نہ نابینے پر کچھ تنگی ہے، نہ لنگڑے پر کچھ تنگی ہے اور نہ مریض پر کچھ تنگی ہے اور نہ تم لوگوں پر کچھ تنگی ہے کہ کھاؤ اپنے گھروں سے، یا اپنے آباء کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

گھروں سے، یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ نہیں گناہ تم پر کہ آپس میں مل کر کھاؤ یا الگ الگ ہو کر کھاؤ۔ تو جب گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ دعا ہے۔ اس طرح اللہ اپنی آیات کو تمہارے لئے واضح فرماتا ہے تا کہ تم عقل کرو۔

میل جول کے وہ آداب جو پردے کے احکامات سے پہلے تھے، پردے کے احکامات کے نفاذ کے کے بعد اللہ سے ڈرنے والوں نے ان کو یک سر موقوف کر دیا۔ اس طرح کم علمی کی وجہ سے کچھ لوگوں کے لئے تنگی پیدا ہوئی۔ اس تنگی کو دور کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ نابینا، لنگڑا اور مریض ان لوگوں پر کوئی پابندی نہیں ہے کہ یہ تمہارے ساتھ کھائیں، تم پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ کھاؤ۔ مذکورہ لوگ تمہارے ساتھ کھائیں گے تو تمہیں بڑی بھلائی ملے گی، اور تم ان لوگوں کے ساتھ کھاؤ گے تو ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو گا۔ کھانا اور کھلانا دونوں کام عقل سے ہونے چاہئیں۔ اپنا گھر، باپ دادا کا گھر، ماں کا گھر، بھائی کا گھر، بہن کا گھر، چچا کا گھر، پھوپھی کا گھر، ماموں کا گھر، خالہ کا گھر، یا ایسے قریبی ساتھی کا گھر جس کی کنجیاں تمہارے پاس ہوں یا دوست کا گھر، ان تمام مقامات پر کھانے کی اجازت ہے۔ موقع کی مناسبت سے مل کر کھانا یا الگ الگ کھانا دونوں صورتیں درست ہوں گی، منشاء اجتماعی سکھ ہونا چاہئے۔ جب ان گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو۔ ان کو اپنا جانو۔ ان کے لئے برکت والی پاکیزہ دعا کرو۔ اس دعا سے نور پھیلے گا۔ گھر والوں کو مہمانوں کی تشریف آوری میں بڑی راحت ملے گی۔ عقل کرنے والوں کے لئے یہ بہت بڑی وضاحت ہے۔

**حاصل:** نابینا، لنگڑا اور مریض، ان کے ساتھ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ان کو ساتھ کھلانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اپنا گھر، باپ دادا کا گھر، ماں کا گھر، بھائی کا گھر، بہن کا گھر، چچا کا گھر، پھوپھی کا گھر، ماموں کا گھر، خالہ کا گھر، قریبی ساتھی کا گھر جس کی کنجیاں ہمارے پاس ہوں اور دوست کا گھر، ان سب مقامات پر مل کر کھانا یا الگ الگ کھانا موقع کی مناسبت سے ہونا چاہئے۔ عقل کرنے سے معاشرتی سکھ بڑھتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں ارشاد فرمایا ہے: وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ اللّٰهُ حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ ۖ٘ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۶﴾ اور جن لوگوں نے اس کے مقابل دوست ٹھہرائے ہیں، اللہ کو وہ سب یاد ہیں، اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں ٹھہرائے گئے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ

مومن تو وہی ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں، اور جب کسی اجتماعی معاملہ میں آپ کے

جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

ساتھ ہوتے ہیں، تو چلے نہیں جاتے جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں، وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہیں۔ پھر جب اپنے کسی کام کے لئے اجازت مانگیں تو آپ جس کو چاہیں اجازت دے دیں، اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کر دیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

دربارِ رسالت سے تعلق کو روشن فرمایا گیا ہے۔ مومن اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول کا ہر حکم ماننے والوں کے لئے دعوتِ فلاح ہے۔ انہیں اجتماعی معاملے میں حاضری کی سعادت نصیب ہو تو ذاتی امور کو اجتماعی امور پر ترجیح نہیں دیتے۔ اطمینان سے اس حق کو ادا کرتے ہیں جو ان کے ذمے ہو، جانا ناگزیر ہو تو اپنا حال بیان کر کے اجازت طلب کرتے ہیں، یہ ان کے ایمان کا ثبوت ہے۔ جن لوگوں کو اپنا ذاتی کام، اجتماعی کام کے مقابل ضروری نظر آئے، انہیں اجازت دینا یا نہ دینا صاحبِ امر پر ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے بخشش کی دعا کرنا ضروری ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی کام کو اجتماعی بھلائی کے کام کے مقابل اہمیت دی ہوتی ہے۔ اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

**حاصل:** صاحبِ امر کے پاس حاضری ہو، تو یہ وقت سرمایۂ حیات بن جاتا ہے۔ اجتماعی بھلائی کے کام کو ذاتی امور پر ترجیح دینا، ایمان کی نشانی ہے۔ صاحبِ امر کے پاس سے اپنی خواہشات کے تحت کھسک جانے والے ایمان نہیں رکھتے۔ ذاتی امور کو اجتماعی بھلائی کے کام پر ترجیح دینے والوں کے لئے بخشش اور رحم کی دعا کرنی چاہئے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

تم لوگ رسول کے بلاوے کو اس طرح کا بلاوا نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ کو ان لوگوں کا علم ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں۔ تو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو آپ کے امر کے خلاف کرتے ہیں کہ وہ کسی فتنے میں مبتلا ہوں یا انہیں المناک عذاب پکڑے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاوے کو اس طرح کا بلاوا سمجھنا جیسے لوگ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، خلافِ حق ہے۔ اللہ کے رسول کے بلاوے پر فوراً ادب سے حاضر ہو جانا اور یہ یقین رکھنا کہ وہ کچھ عطا ہونے والا ہے جو پہلے عطا نہیں ہوا، ایمان کی نشانی ہے۔ بلاوا جس حالت میں بھی ملے، جلدی حاضر ہونے میں سعادت نظر آنی چاہئے، اور اس وقت تک وہاں حاضر رہنا حق ہے جب تک آپ اجازت نہ

دے دیں۔ جو لوگ اپنے ذاتی کاموں کو اہم جانتے ہوئے، دوسرے لوگوں کی آڑ لے کر وہاں سے کھسک جاتے ہیں، وہ یاد رکھیں کہ وہ سکھ کے راستے سے ہٹ رہے ہیں، وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے یا انہیں المناک عذاب پکڑے گا۔

**حاصل:** شاہد کے بلاوے کو وہ اہمیت حاصل ہے جو دوسرے کسی بلاوے کو نہیں ہے۔ ادب کے ساتھ، یہ یقین رکھتے ہوئے، حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرنا کہ انعام عطا ہونے والا ہے، ایمان کی نشانی ہے۔ وہاں سے کھسک جانے کے معنی بھلائی سے دوری ہے۔ شاہد سے محبت نہ رکھنے والے، فتنے میں پڑ جاتے ہیں یا المناک عذاب انہیں پکڑ لیتا ہے۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ع ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۱۵

سن لو، اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اسے علم ہے تم جس حال پر ہو۔ اور جس دن اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، تو انہیں خبر دے گا جو عمل انہوں نے کیا ہوگا۔ اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

جو اپنی ذاتی غرض و غایت کے لئے شاہد کی حضوری سے کھسک جائے وہ یہ بھی دیکھے کہ مالکِ کُل تو اللہ ہے، معطی مطلق بھی وہی ہے، اور معطی مطلق سے دوری کبھی سکھ کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اللہ کو ہر حال کا علم ہے، ہم کیا کر رہے ہیں، کس نیت سے کر رہے ہیں، کیا کر سکتے ہیں اور کیا کرنا چاہئے۔ جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کا مقام آئے گا، تو سب پتہ چل جائے گا کہ ہمارے اعمال کو حق سے کیا نسبت ہے۔ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

**حاصل:** جو اللہ چاہے وہی ہمیں ملتا ہے۔ اسے ہمارے ہر حال کا علم ہوتا ہے۔ نیت درست ہو تو عقیدہ درست ہوتا ہے۔ عقیدہ درست ہو تو عمل درست ہوتا ہے اور عمل درست ہو تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔ یہ مان لیا جائے کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے، تو پھر پاکیزگی ہمہ وقت رہنی چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ ص (۳۸) میں ارشاد فرمایا ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی، برکت والی، کہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں، اور عقل والے نصیحت مانیں۔

آیاتھا ۷۷ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ رکوعاتھا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝۱

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے عبد پر فرقان نازل فرمایا کہ وہ عالمین کے لئے ڈرسنانے والا ہے۔

اللہ برکات کا مالک ہے۔ جس کو چاہے نوازتا ہے، جس قدر چاہے نوازتا ہے۔ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل فرمایا۔ اس کو یہاں فرقان فرمایا گیا ہے۔ اس پاک کتاب نے حق اور باطل کے فرق کو واضح کر دیا، اللہ کی پسند اور ناپسند کے فرق کو واضح کر دیا، جزا پر یقین رکھنے والوں اور یقین نہ رکھنے والوں کے رخ کے فرق کو واضح کر دیا۔ عالمین کو مستقبل سے آگاہ کرنے کے لئے، خلافِ حق کرنے کے انجام سے ڈرانے کے لئے یہ فرقان عطا فرمایا گیا ہے۔ انجام سے آگاہی کرنے والے کی شان ہے، کہ وہ اس فرق کو واضح کرے جو ''ہونے'' اور ''ہونا چاہئے'' میں ہوتا ہے۔ اسی فرق کے روشن ہونے سے ظلمات سے نور کی طرف آنا ممکن ہوتا ہے۔ اور جب سارے عالمین کو نور کی طرف آنے کی دعوت دینے کا شرف ہو، تو اس سے بڑی شان دائرۂ عبدیت میں کوئی نہیں ہوسکتی۔

**حاصل:** انجام سے آگاہ کرنا، اسی کے بس کی بات ہے جو ''ہونے'' اور ''ہونا چاہئے'' کے فرق کو حق کے حوالے سے واضح کر سکے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو، کہ عالمین کو ڈرسنانے کا شرف آپ کو عطا فرمایا گیا ہے۔

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲

وہ جس کی بادشاہی آسمان اور زمین میں ہے اور جس نے اپنے لئے اولاد نہیں ٹھہرائی، اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس نے ہر شے کو خلق فرمایا اور اس کو ایک قدر کے مطابق رکھا۔

بڑی برکت والے اللہ کی شان ہے کہ اس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس نے اپنے لئے اولاد نہیں ٹھہرائی، کہ وہ بے مثل ہے اور اولاد والدین کی مثل ہوتی ہے۔ اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں، کہ سب اس کی بندگی کرتے ہیں۔ اس نے ہر شے کو خلق فرمایا ہے، ہر شے کو اس کے منشاء تخلیق کے مطابق درست کیا ہے اور پھر اشیاء کے مابین توازن کو درست کیا ہے کہ کائنات کا نظم قائم رہے، جب تک اللہ بادشاہ چاہے۔

**حاصل:** ہر مقام پر اللہ کی بادشاہی کو تسلیم کرنا چاہئے۔ ہر شے کے منشاء تخلیق کے مطابق اس کا استعمال ہو تو کائنات میں نور بڑھے گا۔ اللہ کا ہر کام بڑے علم سے ہوتا ہے، بڑی حکمت سے ہوتا ہے، ہمیں ہر کام میں اللہ کی رضا اور اپنی پسند کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝۳

اور لوگوں نے اس کے مقابل معبود ٹھہرا رکھے ہیں، جو کچھ خلق نہیں کرتے اور خود خلق کیے گئے ہیں، اور نہیں مالک اپنے لئے ضرر کے اور نہ نفع کے، اور نہیں مالک موت کے اور نہ حیات کے اور نہ نشور کے۔

دعوتِ فکر دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے، کہ لوگوں نے اللہ کے مقابل جنہیں معبود ٹھہرا رکھا ہے ان کی حیثیت پر غور کیا جائے۔ وہ معبود کچھ پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ خالق معبود ہوتا ہے، مخلوق اس کی بندگی کرتی ہے۔ اللہ کے سوا کون ہے جو اس صفت کا مالک ہے۔ اللہ کے مقابل جن کو بھی معبود ٹھہرایا جائے، وہ مخلوق ہیں۔ مخلوق کو اتنی ہی قدرت ہوتی ہے جو خالق نے اس مخلوق کے منشاء تخلیق کے حوالے سے رکھی ہو، اس لئے مخلوق کو معبود ٹھہرانا بے جا ہے۔ خالق ہی ہر حال پر اپنی مخلوق کی طلب کو جانتا ہے۔ مخلوق کو ضرر ہو یا نفع ہو، سب باذن اللہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ معبود جو مخلوق ہیں، خود کو ضرر سے بچانے پر بھی قادر نہیں ہیں، نفع کے یقینی حصول پر بھی قادر نہیں ہیں۔ یہ اپنی بندگی کرنے والوں کی کس قدر اور کیا مدد کر سکتے ہیں! یہ معبود اپنی موت کے بھی مالک نہیں ہیں کہ اس کو روک سکیں یا اسے مؤخر کر سکیں، اپنی حیات کے بھی مالک نہیں ہیں کہ اس کو طویل کر سکیں اور موت کے بعد خود کو جزا سے بچانے کی قدرت بھی نہیں رکھتے۔

حاصل: معبود کی شان یہ ہے کہ وہ خالقِ کُل ہے، باقی سب مخلوق ہیں۔ معبود ضرر کا مالک ہے، نفع کا مالک ہے، موت و حیات کا مالک ہے اور جزا کے لئے اٹھائے جانے والے دِن 'یوم الدین' کا مالک ہے۔ اس لئے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ محض جھوٹ ہے جس کو گھڑا گیا ہے اور اس میں دوسرے لوگوں نے اعانت کی ہے۔ تو بے شک یہ ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔

معانقۃ ۱۰

قرآن پاک کے متعلق کافروں کا بیان یہ ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے اور اس کو بیان کرنے والے نے گھڑا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس میں مدد دی ہے۔ جھوٹ کا پتہ تبھی چلتا ہے جب سچ کو سند کے ساتھ اس کے سامنے رکھا جائے، جیسے مندرجہ بالا آیات میں اللہ نے لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کی نفی کی ہے۔ دوسرے لوگ جن کے متعلق کافروں کا یہ گمان ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کے سلسلے میں حضور کی مدد کی ہے، ان کا تعین نہ کرنا ہی کافروں کے جھوٹے ہونے کی سند ہے۔ حق کو افترٰی ثابت کرنے کی کوشش اور اس میں دوسرے لوگوں کی اعانت کا ذکر، ظلم اور جھوٹ کی انتہا ہے۔ اس انتہا پر پہنچ کر بھلائی کی طرف جانے کا راستہ مسدود کر لیا جاتا ہے۔

حاصل: جھوٹ اسے کہنا چاہئے، جس کے مقابل سچ کو رکھا جا سکتا ہو۔ بے سند بات نہیں کرنی چاہئے۔ حق کو افترٰی کہنے والے اور اس کے متعلق بے سند باتیں گھڑنے والے، انتہائی ظالم اور جھوٹے ہوتے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

اور کہتے ہیں یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو آپ نے لکھوائی ہیں، تو وہی صبح وشام آپ کے پاس لکھوائی جاتی ہیں۔

کافروں نے قرآنِ پاک کو فرمانِ الٰہی ماننے سے انکار کیا اور یہ کہا، کہ یہ تو پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں، فلاں قوم نے یہ کہا اور اس کا انجام یہ ہوا، اور یہ کہانیاں ان صاحب نے لکھوائی ہیں جو اسے اللہ کا فرمان بتا رہے ہیں۔ انہی کہانیوں کو وہاں صبح وشام لکھوایا جاتا ہے۔ قرآن پاک کے بارے میں یہ کہنا کہ اسے کچھ لوگوں سے اگلوں کی کہانیوں کی صورت میں لکھوایا گیا ہے، یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان لکھنے والوں سے یہ کہا جائے کہ اس کی مثل لکھ دو۔ قرآن پاک کے فرمانِ الٰہی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس کی مثل نہیں لائی جاسکتی۔ صبح وشام جس علم کا ذکر ہوتا رہا، اگر وہ کلامِ بشر تھا، تو اس ذریعے تک پہنچنا کافروں کے لئے مشکل نہ تھا۔ قرآنِ پاک کو فرمانِ الٰہی مان لینے سے زندگی کا رخ بدلنا ضروری ہو جاتا ہے، اپنی پسند کو مالکِ کُل کی رضا پر قربان کر دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے اس صاحب کی پیروی بھی لازم ہوتی ہے۔ جس کی صداقت وامانت کا اعتراف ہو۔ کافر یہ مان لیں تو پھر وہ کافر نہیں رہتے۔

حاصل: قرآنِ پاک کا انکار کبھی سند کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ اس میں ذاتی تفاخر کی نفی اور اجتماعی بھلائی کی تاکید ہے اور یہ بات کبھی متکبرین کو اچھی نہیں لگتی۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

فرمایئے اسے اس نے نازل فرمایا ہے، جو آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

کافر یہ کبھی ثابت نہیں کر سکے کہ قرآن پاک کلام بشر ہے۔ یہ واضح فرمایا جا رہا ہے کہ اسے نازل کرنے والا اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اور جس سے کسی جگہ کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ جو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی دعوت کو مان لیتا ہے، اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے اور اس پر رحم بھی فرمایا جاتا ہے۔ کافروں کو رخ بدلنے کے ساتھ جو خدشات نظر آتے تھے، یہ ارشاد اُن خدشات کی نفی کر رہا ہے۔

حاصل: حق کا انکار کرنے والے جب اپنی صداقت کی سند نہ پیش کر سکیں، تو پھر ان کے سامنے حق کو بیان کرنا چاہیے اور انہیں بخشش اور رحم کا راستہ دکھانا چاہیے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝

اور کہنے لگے، یہ کیسا رسول ہے کہ طعام کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اترا کہ اس کی معیت میں ڈر سنانے والے کی حیثیت سے رہتا۔

کافروں کے اعتراضات کا ذکر ہو رہا ہے، کہ انہیں یہ بات عجیب لگتی ہے، کہ رسول انہی میں سے ہے۔ طعام کا کھانا اور بازاروں میں

چلنا پھرنا، اس کے معمولات ہیں۔ کافروں کے نزدیک رسول اللہ کی شان کے لائق یہ تھا، کہ کوئی فرشتہ آپ کے پاس آتا اور وہ لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرانے کے لئے ہمہ وقت رسول اللہ کے ساتھ رہتا۔ رسول کا بشر ہونا، اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس طرح لوگوں کو آداب معاشرت کا وہ طریقہ معلوم ہوتا ہے، جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اس طرح چلنا پھرنا، کھانا پینا اور معاملات کی تمام صورتیں، جیسی ہونی چاہئیں، دیکھنی نصیب ہوتی ہیں۔ فرشتہ نازل کرنے والا جانتا ہے کہ فرشتے کو کن حالات میں نازل کرنا ہوتا ہے۔

**حاصل:** شاہد کے معمولات کو اسوۂ رسول کے مطابق ہونا چاہئے۔ لوگوں کو مرعوب کرنا، دعوتِ حق سے میل نہیں کھاتا۔

**اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ⑧**

یا اس کے پاس ایک خزانہ آ جاتا یا اس کے پاس ایک باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا۔ اور ظالموں نے کہا تم تو محض ایک مسحور آدمی کا اتباع کرتے ہو۔

رسول اللہ کے پاس مال کی کثرت یا باغ کی موجودگی، جو ذریعہ معاش کی صورت میں نظر آئے، کافروں کو ضروری معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہ امتیازات ہیں، جن میں کافروں کو شان نظر آتی ہے۔ اللہ کا علم، علم مطلق ہے۔ اس علم سے اوپر کوئی علم نہیں ہے۔ اللہ نے رسول کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اپنے علم سے عطا فرمایا ہے اس لئے اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ایسی مصروفیت کہ اپنا حق ادا کرنے کے بعد کسی سے اجر کا سوال ہی نہ کرنا شان رسالت ہے، اور کافروں کی نظر اسے یوں دیکھتی ہے کہ کسی کے جادو نے ان صاحب کی سوچ کو متاثر کر دیا ہے۔ اس لئے وہ مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں، کہ تم ان صاحب کی پیروی کر رہے ہو جو سحر زدہ ہیں۔ کافر، ظالم ہوتے ہیں۔ ان کی سوچ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ جو اس کو معیار مان لے وہ کب سیدھا ہو سکتا ہے۔

**حاصل:** مال کی بہتات کبھی صداقت کی سند نہیں ہوتی۔ باغ کی موجودگی کبھی صداقت کی سند نہیں ہوتی۔ جو غرض اور غایت سے پاک نظر آئے، کافر اس کو سحر زدہ کہتے ہیں۔ اپنے حق کو ادا کرنے کے بعد کسی سے اجر کا سوال نہ کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔

**اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ⑨** ع ۱ / ۹ / ۱۲

دیکھئے آپ پر کیسی مثالیں لگا رہے ہیں، تو بہک گئے پھر راہ پانے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔

جس کی بات، اللہ کی بات ہو اس کے اتباع میں فلاح ہوتی ہے، اور اس کے انکار میں خسارہ ہوتا ہے۔ اس ذاتِ بابرکات کے بارے میں ایسی باتیں کرنا، جو بے ادبی کے زُمرے میں آتی ہیں، گمراہی کا باعث بنتی ہیں، پھر ہدایت پانے کی اہلیت ہی نہیں رہتی۔ دعویٰ کرنے والے کا بیان بدلتا رہے تو یہی اس کے جھوٹ کا ثبوت بن جاتا ہے۔

**حاصل:** ہدایت کی طلب ہو تو شاہد کے متعلق ہر بات میں احتیاط پائی جائے گی۔ بے ادبی سے پھبتیاں کسنے والے، یقیناً بہک بھی جاتے ہیں اور وہ کبھی راہ نہیں پایا کرتے۔

شہادت: سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے فرعون کو حق کی طرف بلاتے ہوئے یہ کہا: اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۴۸﴾ ہماری طرف وحی فرمائی گئی ہے، کہ عذاب اسی پر ہے جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

بڑی ہی برکت والا ہے وہ، جو چاہے تو اس سے بہتر باغ آپ کے لئے ٹھہرا دے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں، اور آپ کے لئے قصر ٹھہرا دے۔

جو باغ کافروں کو رسول اللہ کے ارشادات کے ماننے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے، اس سے بہتر کئی باغ عطا کر دینا، اللہ کے لئے آسان ہے۔ پھر وہ باغ ایسے ہوں کہ ان کے نیچے زیرِ زمین نہریں جاری ہوں جو انہیں ہمیشہ شاداب رکھیں۔ وہ شان وشوکت جو کافروں کو رسالت کا حق ادا کرنے والے کے لئے ضروری معلوم ہوتی ہے، مالکِ کل اس سے بہت بہتر عطا کر سکتا ہے۔ آپ کے لئے محلات ٹھہرا سکتا ہے جو بڑی شان رکھتے ہوں۔ اس سے بھی کافروں کو ہدایت نصیب نہ ہوگی۔ خرابی تو ان کے رویئے میں ہے۔ وہ تعلق جو شاہد سے ان کو رکھنا چاہئے، وہ تعلق نہ ہو تو ہدایت کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

حاصل: مالکِ کُل جو کچھ عطا کر سکتا ہے، وہ لوگوں کے تصورات سے بھی بلند ہے، مگر اس سے کسی کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے، کہ ہدایت کی طلب ہو، اور ادب ملحوظ رہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ۚ

بلکہ یہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔ اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔

حق کا انکار کرنے والے، ہدایت کے طالب نہیں ہیں۔ وہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔ جزا کا یقین نہ ہو تو من مانی کرنے سے رک جانا ممکن ہی نہیں۔ خلافِ حق کرنے والے کے اعمال، اس کے جلانے کا سامان ہے جو اس نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا ہوتا ہے۔ یہ آگ ہے، جو جزا کی صورت میں خلافِ حق کرنے والے کے لئے، قیامت کے جھٹلانے والے کے لئے تیار کر کے رکھی گئی ہے۔

حاصل: قیامت کو جھٹلانا، جزا کا انکار کرنا ہے۔ جزا کا انکار ہو تو خلافِ حق ضرور ہوتا ہے، اور اپنے اعمال کی جزا سے بندہ بھاگ نہیں سکتا۔ جزا دینے والے نے بندے کے اعمال کی جزا تیار کر رکھی ہے، کافر کے لئے یہ آگ کی صورت میں ہوگی۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾

وہ دور ہی سے انہیں دیکھے گی، وہ اس کے غیظ سے بھرے ہونے اور چنگھاڑنے کو سنیں گے۔

وہ آگ جو قیامت کا انکار کرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جب وہ دیکھے گی ان لوگوں کو، جن کے لئے اسے تیار کیا گیا ہوگا، تو وہ اپنی تیاری کی انتہا کو پہنچ جائے گی، اور اس سے خوفناک آوازیں نکلیں گی، اور یہ آوازیں ان لوگوں کو دور سے سنائی دیں گی جو قیامت کو جھٹلاتے تھے۔

**حاصل:** جہنم جزا پانے والوں کے انتظار میں ہوگی۔ قیامت کے جھٹلانے والوں کو دیکھ کر اس کا بپھرنا اور چنگھاڑنا عروج پر ہوگا اور قیامت کا انکار کرنے والے جہنم کی خوفناک آوازوں کو سنیں گے۔ اپنے اعمال کی جزا سے بچ جانا ممکن نہ ہوگا۔

**وَإِذَآ أُلْقُوا۟ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا۟ هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾**

اور جب اس کے اندر تنگ جگہ میں زنجیر سے باندھ کر ڈالے جائیں گے، وہاں موت کو پکاریں گے۔

جزا کا انکار کرنے والوں کو جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ جگہ بھی تنگ ہوگی، وہ زنجیر سے بندھے ہوئے بھی ہوں گے اور آگ کا عذاب ہوگا، یہاں وہ زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے۔ حق کے مطابق رہنا وسعت کو پسند کرنا ہے، اپنی خواہش کے مطابق رہنا تنگی کو پسند کرنا ہے۔ انسان کے اعمال باہم مربوط ہوتے ہیں، اسی طرح جزا کے وقت بھی یہ مربوط ہوں گے۔

**حاصل:** جہنم میں ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جگہ تنگ، زنجیر سے بندھا ہوا ہونا اور آگ کا عذاب، اس کیفیت میں زندگی پر موت کو ترجیح دی جائے گی۔ ہمیں اپنے مخالفین کو سزا دینے کا موقع ملے تو اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ مالکِ کُل کو جو حق ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا۔

**لَّا تَدْعُوا۟ ٱلْيَوْمَ ثُبُورًا وَٰحِدًا وَٱدْعُوا۟ ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾**

آج کے دن ایک موت کو نہ پکارو، بہت ہلاکتوں کو پکارو۔

جہنمی عذاب سے نجات کے لئے موت کو پکاریں گے، تو ان سے کہا جائے گا، ایک ہلاکت تمہارے لئے کافی نہیں ہے، بہت سی ہلاکتوں کو پکارو، کہ تمہارے اعمال ہی تمہارے لئے دکھ کا باعث بنے ہیں اور تمہارا ہر عمل تمہارے لئے ایک ہلاکت ہے۔ مگر یہ سزا موت سے بھی سخت ہے، کہ موت کے بعد دکھ کا احساس تو مٹ جاتا ہے، یہاں دکھ کا احساس مسلسل ہوگا۔

**حاصل:** ایک ہلاکت، قیامت کے منکر کو اس کے خاتمے کے لئے کافی نہیں ہوگی، ہر ہر لمحہ اس کے لئے موت سے زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔

**قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ ٱلْخُلْدِ ٱلَّتِى وُعِدَ ٱلْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَمَصِيرًا ﴿١٥﴾**

فرمایئے، بھلا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کا باغ جس کا متقیوں سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔ وہ ان کے لئے جزا اور خوب ٹھکانا ہے۔

قیامت کا انکار کرنے والوں کا انجام بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، کہ ان سے پوچھئے، یہ انجام بہتر ہے یا وہ جس کا متقیوں سے

وعدہ فرمایا گیا ہے۔ متقی حضرات کو ایسے مقام پر رکھا جائے گا جہاں انہیں دائمی سکھ ہوگا، اور یہ ان کی دائمی پاک دامنی کی جزا ہوگی، اوران کے لئے خوب ٹھکانہ ہوگا۔ اس انجام کو بلاشک وشبہ بہتر ماننا پڑے گا۔

حاصل: حال کا مقابلہ اگر حال سے کیا جاتا ہے، تو انجام کا مقابلہ انجام سے کرنا چاہیئے، ورنہ بات پوری ہو ہی نہیں سکتی۔ متقی حضرات کو دائمی سکھ ملے گا اوران کا ٹھکانا خوب ہوگا۔

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُونَ خٰلِدِينَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔولًا ﴿۱۶﴾

اس میں ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں، ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تمہارے ربّ کا حتمی وعدہ ہے۔

جنت جس کا متقی حضرات سے وعدہ فرمایا گیا ہے، اس میں ان پاک لوگوں کو وہ ملے گا جو چاہیں گے اور یہ عطاء الٰہی دائمی ہوگی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، مالکِ کُل کا وعدہ ہے۔ جو بھی متقی حضرات کا سوال ہوگا، اللہ انہیں عطا کرے گا۔ متقی اللہ کی رضا کے مقابل کسی بات کو اہمیت نہیں دیتا، انعام یہ ملے گا، کہ وہی عطا ہوگا جو متقی چاہے گا، اور ہمیشہ ہی ایسا ہوگا۔ سوال متقی کا ہوگا، عطا مالکِ کُل کی طرف سے ہوگی، اس لئے دیر کا تو کوئی مقام نہیں ہوگا۔

حاصل: پاک لوگوں کی عزت افزائی کرتے ہوئے ان سے پوچھ لینا چاہیئے، آپ کیا چاہتے ہیں۔ ان کی طلب پاکیزگی سے تعلق رکھتی ہے اس کا پورا کرنا باعثِ برکت ہوتا ہے۔ جو اللہ سے ڈرتے ہوئے حق کا احسن اتباع کرے، اس کی پسند اللہ کے نزدیک قابلِ قدر ہو جاتی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ؕ﴿۱۷﴾

اور جس دن ان کو اور جن کو وہ اللہ کے مقابل پوجتے ہیں، اکٹھا کرے گا پھر ان سے فرمائے گا، کیا تم نے میرے ان بندوں کو بہکایا یا وہ خود راہ سے بہکے۔

حق کو شاہد کے حوالے سے نہ مانا جائے تو یہ حق کا انکار ہے۔ من مانی کرتے ہوئے عبادت کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے، اور اس میں جن پاک لوگوں کا نام لے کر من مانی کی جائے، وہ پاک لوگ کسی کو اللہ سے چھڑانے میں کام نہیں آئیں گے۔ پاک لوگوں کے ہاتھوں سے لوگوں کو سکھ ملتا ہے، ان کی زبان سے لوگوں کو سکھ ملتا ہے، اگر کوئی ان پاک لوگوں سے تعلق کا دعویٰ بھی کرے اور لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبان سے دکھ بھی پہنچائے تو اس کا دعویٰ معیت جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ پاک لوگوں کا نام لے کر خلافِ حق کرنے والوں پر، ان کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے عبد و معبود کو اکٹھا کیا جائے گا، اور پاک لوگوں سے یہ پوچھا جائے گا، کیا تم نے ان لوگوں کو گمراہ کیا یا یہ خود گمراہ ہوئے۔

حاصل: وہ نیک لوگ، جن سے تعلق کا دعویٰ کرنے والے کچھ لوگ خلافِ حق کرتے ہیں، انہیں گمراہ لوگوں کے سامنے لا کر پوچھنا ممکن ہو تو پوچھنا چاہیئے، کہ کیا آپ نے ان لوگوں کو گمراہ کیا ہے یا یہ خود ہی گمراہ ہوئے ہیں۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

عرض کریں گے، تو پاک ہے۔ ہمارے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ہم تیرے مقابل اوروں کو دوست بنائیں، ولیکن تو نے ان کو متاع دی اور ان کے باپ دادوں کو بھی دی، حتیٰ کہ تیرے ذِکر کو بھلا بیٹھے، اور یہ لوگ تھے ہی تباہ ہونے والے۔

پاک بندے اللہ کے حضور یہ عرض کریں گے کہ اے اللہ تو پاک ہے، ہر حال کا علم رکھنے والا ہے، ہم سے جو پوچھا گیا ہے تیرے عطا کردہ علم سے اس کا جواب دیں گے۔ ہماری یہ مجال ہی نہ تھی کہ ہم اپنے معبود کے مقابل کسی کو اہمیت دیتے۔ ہمارا اتباع کرنے والے، ہمارے راستے سے ہٹ نہیں سکتے تھے اور جو ہمارے راستے پر نہیں تھے، ان کا ہمارے ساتھ تعلق کیا تھا۔ ان لوگوں کو اللہ نے بہت سی آسانیاں عطا کیں، ان کے بڑوں کو بھی آسانیاں دی گئیں، انہوں نے اللہ کی عطا کردہ آسانیوں کو اپنی دانائی کی بدولت سمجھا اور اس متاعِ حیات کو اپنا امتیاز جان لیا، اس طرح یہ لوگ اللہ کے ذکر کو بھلا بیٹھے اور اپنی پسند کو اللہ کے فرمان کے مقابل اہمیت دینے لگے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے یہ لوگ تھے ہی تباہ ہونے والے۔

**حاصل:** پاک لوگوں کی بات، اللہ کی تسبیح سے شروع ہوتی ہے، اپنا حال بیان کیا جاتا ہے، پھر اللہ کے عطا کردہ علم سے اپنے مشاہدے کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ یقین ہو کہ جو کچھ ہمیں حاصل ہے، اللہ نے دیا ہے تو اس کے ذِکر سے غافل ہونا، ناممکن ہوتا ہے۔ ذِکرِ الٰہی سے غفلت کی حقیقت تباہی ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

سو وہ تو تمہاری بات میں تمہیں جھوٹا ثابت کر چکے، تو اب تمہیں نہ عذاب کو ٹالنے کی استطاعت ہے نہ اپنی مدد کرنے کی استطاعت ہے۔ اور تم میں جو ظلم کا مرتکب ہوگا، ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔

قیامت کا یقین نہ رکھنے والوں سے یہ فرمایا جائے گا کہ جن پاک لوگوں سے تعلق کا تمہیں دعویٰ تھا، وہ تو تمہیں جھوٹا ثابت کر چکے ہیں۔ اب عذاب سامنے ہے۔ اس کو ہٹا دینے کی استطاعت تمہیں حاصل نہیں۔ تم اپنی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ اب تم میں سے جس نے شرک کیا ہے، وہ ظلم عظیم کا مرتکب ہونے کی وجہ سے بڑے عذاب کا مستحق ہے۔ ہم اسے وہی عذاب دیں گے جس کا وہ مستحق ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

**حاصل:** سزا دینے سے پہلے، سزا پانے والے کا جرم اس پر واضح کرنا ضروری ہے۔ ظلم عظیم کی جزا عذابِ کبیر ہے۔ عذابِ کبیر سے بچنے کے لئے ظلم عظیم سے بچنا ضروری ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

اور مرسلین میں آپ سے قبل ہم نے جن کو بھی بھیجا،

اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

سب طعام کھاتے تھے، اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے بعض کو بعض کے لئے فتنہ ٹھہرایا ہے۔ تو صبر کرتے رہو، اور تمہارا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

مرسلین ماضی میں بھی آتے رہے ہیں۔ وہ سب طعام کھاتے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ ہدایت کے طالب ان سے فیض حاصل کرتے تھے، غفلت میں پڑنے والے ان کا انکار کرتے تھے۔ فتنہ یہ دیکھنے کے لئے ہوتا ہے کہ کون حق کو مانتا ہے، اور کون اس کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ فتنے کی جو صورت چاہے ٹھہرا دیتا ہے۔ لوگوں کی بے ہودگی کے جواب میں صبر کرنا حق ہے۔ یہی صبر معیتِ الٰہی کی سند ہے۔ سب سے بڑا مدد کرنے والا اللہ ہی ہے۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ کس مقام پر کیسے مدد کرنی ہے، اللہ کو اس کا بڑا علم ہے۔ جب یہ یقین ہو کہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے تو پھر یہ اطمینان بھی ہونا چاہئے کہ ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ باذنِ اللہ ہو رہا ہے۔

**حاصل:** بشر کو رسالت کے لئے موزوں ٹھہرانے والا اللہ ہے۔ وہ سب سے بڑا علم رکھتا ہے۔ طعام کھانا اور بازاروں میں چلنا پھرنا تعلیمِ امت کے لئے ہو تو اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ مخالفین کے ساتھ معاملہ کرتے وقت صبر کرنا ضروری ہے۔ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ سے بڑا مدد کرنے والا کوئی نہیں، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، جو کچھ درکار ہوگا عطا فرما دے گا۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں فرمایا ہے: تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ تم دیکھو گے ظالموں کو کہ اپنے کئے کے انجام سے ڈرتے ہوں گے، اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ اور جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے وہ جنتوں میں ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس ہے جو وہ چاہیں۔ یہی فضلِ کبیر ہے۔

الجزء ۱۹

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہنے لگے، ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترے یا ہم اپنے رب کو ہی دیکھتے۔ اپنے اندر بڑا استکبار رکھتے ہیں، اور بڑی اکڑ کے ساتھ سر چڑھ رہے ہیں۔

جزا کا یقین نہ رکھنے والے غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ انہیں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اس کے دربارِ اقدس

میں پیشی بھی ہوگی اور جواب دہی بھی ہوگی۔ ایسے لوگ بڑے غرور سے بات کرتے ہیں۔ حق کو شاہد کی پاک زبان سے سن کر یہ کہتے ہیں، کہ فرشتے ہم پر کیوں نہیں اترے، یا ہمیں یہ شرف کیوں نہیں ملا کہ ہم اپنے رب کو ہی دیکھتے۔ یہ بڑے استکبار کی بات ہے، بڑے غرور اور گھمنڈ کی بات ہے۔ فرشتے کو نازل کرنے والا، اللہ پاک ہے، جو خوب جانتا ہے کہ حق کا نزول کس مقام پر ہونا چاہئے، اور عملاً حق کے نفاذ کی احسن صورت کیا ہے۔ جہالت اور غرور کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اندر پاکیزگی کے ارفع مقام پر کھڑے ہونے کی اہلیت دیکھتے ہیں۔

**حاصل:** دربارِ الٰہی میں پیشی کا یقین ہو تو استکبار، غرور اور گھمنڈ کی باتیں کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن مجرمین کے لئے کوئی بشارت نہیں ہوگی، اور کہیں گے، کہیں روک لئے جاؤ۔

جو لوگ اب استکبار میں یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترے، جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ دن ان لوگوں کے لئے بشارت کا دن نہیں ہوگا۔ وہ دن ان لوگوں کے لئے حسرت کا دن ہوگا، اور یہ کہیں گے کہیں یہ فرشتے روک لئے جائیں، کوئی پناہ مل جائے۔ مگر یہ نہیں ہوگا۔ فرشتوں کا نظر آنا اس عذاب کو واضح کردے گا، جس کا ڈر حیاتِ دنیا میں ان لوگوں کو سنایا جاتا رہا، اور جس کو انہوں نے کوئی اہمیت نہ دی۔

**حاصل:** استکبار کرنے والا، ایسے مقام پر پھنس جاتا ہے، کہ حقائق اس کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ ان کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہوتا ہے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

اور ہم ان کے ہر عمل کی طرف جو انہوں نے کیا ہوگا، بڑھیں گے، پھر ہم اسے اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا یقین نہیں ہوتا، وہ بھی کچھ کام ایسے کرتے ہیں، جن کو خوب کہا جاتا ہے۔ لوگ ان کاموں کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کاموں کا منشاء اپنے استکبار کو ثابت کرنے کی کوشش کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ جزا کے دن ایسے اعمال کی حقیقت کو واضح کردیا جائے گا، تو وہ اڑتی ہوئی خاک کی طرح ہو جائیں گے۔

**حاصل:** وہ عمل جو اپنی بڑائی کو ثابت کرنے کے لئے کیا جائے، جزا کے وقت اس کی حیثیت اڑتی ہوئی خاک کے علاوہ کچھ نہ ہوگی۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

اس دن جنت کے لوگوں کا مستقر خوب ہوگا اور آرام کی جگہ احسن ہوگی۔

جنت وہ مقام ہے جو متقین کے لئے راحت افزا قیام گاہ ہے۔ اس میں قیلولہ کرنے کی جگہ کا بطورِ خاص ذکر ہے۔ جو لوگ جزا کا یقین رکھتے ہیں، وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے اعمال کو اسوہ حسنہ سے نسبت ہونی چاہئے، کہ اللہ نے اسے سند ٹھہرایا ہے۔ انہیں یہ زیب نہیں دیتا، کہ حق کی ادائیگی کے بعد وہ کسی سے اجر کا سوال کریں۔ خلوت وجلوت میں پاکیزگی ان کی دائمی پاک دامنی کو ثابت کرتی ہے۔ یہ نہ دیکھنا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جارہا ہے، یہی دیکھنا کہ ان پر کیا حق عائد ہوتا ہے، ان پاک لوگوں کے تعلق مع اللہ کو ثابت کرتا ہے۔ اللہ ان سے راضی ہے، یہ اللہ سے راضی ہیں۔

حاصل: پاک لوگوں کی قیام گاہ ہی خوب ہوتی ہے۔ اچھے مستقر میں قیلولہ کا بندوبست بھی بطریقِ احسن ہونا چاہئے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾

اور جس دن آسمان ایک بادل سے پھٹے گا، اور ملائکہ لگاتار نازل ہوں گے۔

قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ آسمان پھٹ جائے گا، ایک بادل آئے گا، اور ملائکہ لگاتار نازل ہوں گے۔ آسمان کا پھٹ جانا بہت بڑا واقعہ ہوگا۔ بادل بھی قدرتِ الٰہی کی وہ شان دکھائے گا کہ اس سے پہلے وہ دیکھی نہیں گئی ہوگی۔ ملائکہ کا لگاتار نزول بھی، جزا کے لئے خدائی انتظام کو واضح کرے گا۔

حاصل: قیامت کے دن مناظر سے قدرتِ الٰہی کی وہ شان ظاہر ہوگی، جو انسان نے کبھی دیکھی نہیں ہوگی۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾

اس دن بادشاہی الرحمٰن ہی کی ہوگی۔ اور وہ دن کافروں پر کٹھن ہوگا۔

اللہ کی بادشاہی کی جو شان انسان کے مشاہدے میں آئے گی، وہ بادشاہی ایسی نہیں ہوگی جیسی انسان نے کبھی سوچی بھی ہو۔ بادشاہی کی وہ شان، جو قیامت کے دن انسان کے دیکھنے میں آئے گی، یہ واضح کردے گی کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا بڑی سخت غلطی تھی۔ جو الرحمٰن کی بندگی کرتے رہے ہوں گے، انہیں انعامات سے نوازا جائے گا۔ کافروں پر وہ دن بڑا بھاری ہوگا، بڑا مشکل ہوگا کہ ان کے سارے اعمال اس دن کے انکار سے تعلق رکھتے ہوں گے۔

حاصل: اللہ کی بادشاہی کو دیکھ کر اس کی شان کا پتہ چلے گا۔ الرحمٰن کی بندگی کرنے والوں کے لئے قیامت کا دن انعامات کا دن ہوگا، کافروں کے لئے وہ دن بڑا کٹھن ہوگا۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾

اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا، کہے گا، کاش میں نے رسول کی معیت میں راہ اختیار کی ہوتی۔

قیامت کے دن اللہ کی بادشاہی کو دیکھ کر، خلافِ حق کرنے والا حسرت کے ساتھ یہ کہے گا، کاش میں نے رسول اللہ کا ساتھی ہونے کا مقام پایا ہوتا، کاش میں ان کی راہ پر ہوتا۔ اس دن ظالم حسرت میں گھرا ہوا ہوگا اور اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا۔ حیاتِ دنیا میں غلط رخ اختیار کرنے کا اسے اتنا افسوس ہوگا، کہ وہ صرف زبان سے نہیں، پورے جسم سے اس کا اظہار کر رہا ہوگا۔

**حاصل:** نتائج کو سامنے دیکھ کر اپنے ماضی پر افسوس کرنا، ظالم لوگوں کا طریقہ ہے۔ رسول کی معیت اختیار کرنے کی مہلت دی جاتی ہے، اسی مہلت میں رخ کو درست کرنا نفع دیتا ہے۔

**یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ﴿۲۸﴾** ہائے میری بدبختی، کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

قیامت کے دن ظالموں کو رسول اللہ کی معیت اختیار نہ کرنے کا افسوس ہوگا، اور وہ فرداً فرداً پکاریں گے، ہائے میری بدبختی میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا تو میں خسارے میں نہ پڑتا۔ وہ دوستی جو کسی کو خواہشات کی پیروی کی ترغیب دے، اس دوستی کا انجام بدبختی ہوتا ہے، اس دوستی کا انجام خسارہ ہی ہوتا ہے۔ ایسی دوستی سے حال پر بچنا صرف اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے، جب رسول اللہ کی معیت کو اختیار کرنے میں راحت ہو۔ شاہدین کا ساتھ اختیار کر کے ہی اللہ کے رسول کی معیت کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو حضور کے ساتھ ہیں، ہم ان کے ساتھ ہو جائیں گے تو حضور کے ساتھ ہونے کا ثبوت مل جائے گا۔

**حاصل:** اس شخص کو دوست نہیں بنانا چاہئے جو خواہشات کی پیروی کی ترغیب دے۔ اس کا انجام ہمیشہ بدبختی ہی ہوتا ہے۔ بدبختی سے بچنا مطلوب ہو تو ان حضرات کا ساتھ اختیار کرنا چاہئے جو شاہدین میں سے ہیں۔

**لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ ؕ وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ﴿۲۹﴾** اسی نے مجھے نصیحت سے بہکایا، بعد اس کے کہ وہ میرے پاس آ چکی تھی۔ اور شیطان، انسان کو دغا دینے والا ہے۔

ظالم کو قیامت کے دن یہ اعتراف کرنا پڑے گا، کہ رسول اللہ کا فرمان، بشارت و انذار کی صورت میں، نصیحت کی صورت میں، اس کے پاس آ چکا تھا۔ وہ کہے گا کہ فلاں کی دوستی میرے لئے بدبختی کا باعث بنی، جس نے مجھے نصیحت سے بہکایا۔ اس وقت اس کو شیطان کے کام کے بارے میں کچھ شبہ نہ رہے گا کہ شیطان، انسان کو ہمیشہ دغا دیتا ہے۔ خود کو انسان کا دوست ظاہر کرتا ہے، اور اسے خسارے تک پہنچانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

**حاصل:** نصیحت سے بہکانے والا، شیطان ہوتا ہے۔ اس کو دغا باز جان لیا جائے تو اس کی دوستی سے اجتناب لازم ہے۔

**وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَہۡجُوۡرًا ﴿۳۰﴾** اور رسول نے فرمایا، اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن سے بے پرواہی کی۔

رسول کی شہادت، اللہ کے دربار میں جو مقام رکھتی ہے، اس سے بلند کوئی مقام نہیں ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت یہی ہوگی، کہ اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو وہ اہمیت نہیں دی جو اس کی شان کے لائق تھی۔ انہوں نے اس سے بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ قرآن پاک کو ماننے کا حق اسی طرح ادا ہوتا ہے کہ حکم خداوندی کو اس صاحب کے حوالے سے مانا جائے، جو حق کا احسن اتباع کرتا ہو اور اجر کا سوال بھی نہ کرتا ہو۔ اجتماعی طور پر ماننے کا ثبوت یہی ہے کہ قرآن پاک کے مقابلے میں کسی بات کو اہمیت نہ دی جائے۔ جب لوگوں کی باتیں ہو رہی ہوں تو قرآن پاک کا حوالہ پیش کرنے سے پہلے رک جانا چاہئے، کہ یہاں وقف ہونا چاہئے، پھر ادب سے یہ کہنا چاہئے: قرآن پاک میں یہ فرمایا گیا ہے۔ سننے والوں کو یہ کہنا چاہئے: ہم نے سنا اور ہم اطاعت کرتے ہیں۔

**حاصل:** من حیث القوم قرآن پاک کی پرواہ کرنی چاہئے۔ جب حوالہ قرآنِ پاک کا آجائے تو فوراً رک جانا چاہئے، ادب سے اسے سننا چاہئے، اور یہ کہنا چاہئے: ہم نے سنا اور ہم اطاعت کرتے ہیں۔ علم الٰہی کی قدر کی جائے تو ہم قابلِ قدر ہو جائیں گے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور اسی طرح ہم نے مجرمین سے ہر نبی کے لئے دشمن ٹھہرائے۔ اور تمہارا رب ہدایت ونصرت کے لئے کافی ہے۔

مجرمین، انبیاء کرام سے دشمنی کرتے چلے آرہے ہیں۔ حق کی مخالفت، نبی سے عداوت ہے اور جو لوگ فسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں، انہیں اللہ گمراہ کر دیتا ہے۔ جنہیں اللہ گمراہ کرتا ہے وہ نبی سے عداوت کو مقصد حیات بنا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی عداوت سے پیدا ہونے والی تمام صورتیں اللہ کے سامنے ہوتی ہیں۔ وہ جس کو ہدایت دینا چاہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ وہ جس کی مدد کرنا چاہے، اس کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ چھوٹی جماعت اللہ کی مدد سے بڑی جماعت پر غالب آتی رہی ہے۔

**حاصل:** نبی اللہ سے دشمنی سب جرائم سے بڑا جرم ہے۔ فاسق ہی اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فاسق لوگوں کا داؤ، شیطان کے داؤ کی طرح ضعیف ہی ہوتا ہے۔ ہدایت ونصرت کے لئے اللہ کافی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ ع

اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن جملۂ واحدہ کی صورت میں کیوں نہیں اترا۔ اسی طرح اتارا کہ آپ کے دل کو اس سے ثبات دیں اور اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنائیں۔

حق کا انکار کرنے والوں نے یہ کہا، کہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر کیوں نازل ہوتا ہے۔ اگر یہ اللہ کا فرمان ہے، تو اس میں تدریج کیوں ہے، یہ ایک ہی بار نازل ہو جاتا۔ ہدایت کی طلب رکھنے والا ایسا سوال نہیں کرتا۔ فرمانِ خداوندی کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں فلاحِ دارین کا یقینی علم ہے۔ قول کی صورت میں اس کا سنبھالنا اور فرمانِ الٰہی پر عمل کرنا بڑے بڑے کام ہیں۔ اللہ سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ اس نے قرآنِ پاک کو

اپنے علم سے نازل فرمایا ہے، اس سے بہتر کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ انبیاء سابقین پر بھی احکام یکبارگی نازل نہیں ہوئے۔ حال کے حوالے سے ہدایت ونصرت درکار ہوتی ہے، اور اللہ کافی ہے ہدایت ونصرت دینے والا۔

**حاصل:** طالب ہدایت کا سوال طلب ہدایت کے لئے ہوتا ہے، منکرِ حق کا سوال حق میں تضاد ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ قرآن پاک کو نازل فرمانے والا، متقین کی استعداد کو جانتا ہے، وہ انہیں آسانیاں عطا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی عنایات کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ تعلیم قرآن میں سیکھنے والوں کی سہولت کا لحاظ رکھنا بڑی پسندیدہ بات ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾

اور آپ کے پاس کوئی مثل نہیں لاتے مگر ہم آپ کو حق بات اور اس کی احسن تفسیر پہنچا دیتے ہیں۔

حق کا انکار کرنے والے آپ پر کوئی اعتراض کریں، جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا، جواب حقیقت پر مبنی ہوگا اور اس کی توجیہہ وتفسیر احسن ہوگی۔ یہ اتنی بڑی تسلی ہے، کہ کسی مقام پر لاجواب ہونے کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ سوال، اعتراض کرنے والے کا ہوگا، جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا، اور اس جواب کی کوئی مثل نہیں ہوگی، اور اس سے بہتر اس کی کوئی توجیہہ بھی نہیں ہوگی۔

**حاصل:** حق پر جو اعتراض بھی کیا جائے وہ باطل ہی ہوتا ہے اور اس کا جواب علم الٰہی سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ جواب حقیقت پر مبنی ہو اور اس کی احسن توجیہہ سامنے آ جائے، تو ہدایت کے طالبین کو نور عطا ہوتا ہے۔

اَلَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۙ أُولَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٣٤﴾ ع ۳ ۱۴ ۱

جو لوگ اپنے منہوں کے بل جہنم کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے، انہی کا ٹھکانا برا ہے اور وہی راہ سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

جن لوگوں کا رخ ہمیشہ خلافِ حق ہوتا ہے، جو حق کی مخالفت کو مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں، جو حق پر اعتراض کرتے ہیں اور روشن جواب سن کر بھی اپنے مقام سے ہٹتے نہیں ہیں اور اپنی راہ کو چھوڑتے نہیں ہیں، ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کو جہنم کی طرف منہوں کے بل لایا جائے گا، ان کا ٹھکانا برا ہے، اور یہ راہ سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

**حاصل:** سوال طلب ہدایت کے لئے ہونا چاہئے، جواب روشن ہو تو اس کو تسلیم کر کے فوراً اپنے مقام سے ہٹ جانا چاہئے اور فلاح پانے والوں کی راہ کو اختیار کرنا چاہئے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے ذکر کے ساتھ سورۃ الروم (۳۰) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿١٦﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو اور آخرت کے ملنے کو جھٹلایا، تو وہی لوگ عذاب میں پکڑے ہوئے حاضر کیے جائیں گے۔

وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَ جَعَلۡنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ وَزِيۡرًا ﴿۳۵﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی، اور آپ کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو آپ کے ساتھ وزیر ٹھہرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرقان عطا فرمایا گیا۔ یہ فرقان، اللہ کی کتاب تھی، جس میں نورِ ہدایت تھا، جس میں متقین کے لئے نصیحت تھی۔ اللہ کے حکم کو ماننے کے لئے جن کا اتباع لازم ٹھہرایا گیا ہے، ان کا ذکر ہمیشہ مقدم رکھا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں یہ دعا کی تھی کہ انہیں آپ کا شریکِ کار بنا دیا جائے۔ جو کچھ آپ نے چاہا، اللہ تعالیٰ نے وہ عطا فرما دیا۔

**حاصل:** اللہ اپنے علم سے جس کو اپنی کتاب عطا فرمائے، اس کے اسوۂ حسنہ کو سند ماننا ضروری ہے۔ قربی تبلیغِ حق میں ساتھ دیں تو اس کو اللہ کی بڑی عنایت جاننا چاہیے۔

فَقُلۡنَا اذۡهَبَاۤ اِلَى الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرۡنٰهُمۡ تَدۡمِيۡرًا ﴿۳۶﴾

تو ہم نے فرمایا، آپ دونوں ان لوگوں کے پاس جائیں، جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو پامال کر کے رکھ دیا۔

اتمامِ حجت کے بغیر اللہ کسی قوم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ اتمام حجت کے لئے ان دونوں حضرات کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا اور یہ فرمایا گیا کہ بات میں اس سے نرمی روا رکھی جائے کہ وہ نصیحت مانے اور اللہ سے ڈرے۔ ان دونوں حضرات نے یہ شہادت دی، کہ ہماری طرف یہ وحی فرمائی گئی ہے کہ جو حق کو جھٹلائے اور اس سے منہ پھیرے، وہ عذابِ الٰہی میں پکڑا جاتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی اپنی روش کو نہ بدلا۔ اللہ نے ان لوگوں سے انتقام لیا اور ان کو پامال کر کے رکھ دیا۔

**حاصل:** اتمامِ حجت کے بعد ہی عذاب کا مقام آتا ہے۔ حق کی ادائیگی لوگوں کو ماننے میں مدد دینے کے لئے ہوتی ہے۔ جو حق کو جھٹلاتا چلا جائے اور اس سے منہ پھیرے، اس کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔

وَقَوۡمَ نُوۡحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغۡرَقۡنٰهُمۡ وَجَعَلۡنٰهُمۡ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۚ ﴿۳۷﴾

اور قومِ نوح نے جب رسل کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا، اور انہیں لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرایا۔ اور ہم نے ظالمین کے لئے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تکذیب کی، اور ان لوگوں کی بھی تکذیب کی جو حضرت نوح علیہ السلام کی صداقت کو مانتے تھے اور آپ کا اتباع کرتے ہوئے حق کو بیان کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو قرآنِ پاک میں اندھے لوگ فرمایا گیا ہے، ان کے

نزدیک انسانوں کے بنائے ہوئے رسم ورواج لائق احترام تھے۔ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ کہا کہ ہم آپ کو راہ سے ہٹا ہوا دیکھ رہے ہیں۔آپ نے فرمایا: اے میری قوم میں رب العالمین کا رسول ہوں۔تمہیں احکامِ الٰہی پہنچاتا ہوں۔تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا وہ علم رکھتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔اس قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور آپ کا پیغامِ حق پہنچانے والے سب حضرات کو جھٹلایا۔اس قوم کو سیلاب کے عذاب میں غرق کر دیا گیا اور بعد میں آنے والوں نے ان کے عبرتناک انجام کے آثار دیکھے۔خلافِ حق کرنے والوں کو آخرت میں ان کے اعمال کی جو جزا دی جائے گی، وہ المناک عذاب کی صورت میں ان کے لئے تیار ہوگی۔

**حاصل:** اللہ کے رسول کی بات کو ماننا چاہئے، اور پھر اس کو دوسروں تک پہنچانا چاہئے۔ایسے تمام لوگوں کو واجب الاحترام ماننا چاہئے۔حق کو جھٹلانے والے لوگوں کا انجام عبرتناک ہوتا ہے، آخرت میں انہیں المناک عذاب ہوگا۔

**وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾**

اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو اور ان کے مابین بہت سے قرون کو۔

حق کا انکار کرتے ہوئے عبرتناک انجام کو پہنچنے والوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔آپ نے انبیاء کرام کی سنت کے مطابق یہی فرمایا: اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔بھلائی کی راہ اختیار کرو۔لوگوں نے یہ جواب دیا کہ ہم آپ کو بے وقوف سمجھتے ہیں، اکثریت کی روش کے خلاف آپ جس راہ کی طرف بلا رہے ہیں وہ خلافِ عقل لگتی ہے، اور اگر آپ سچے ہیں تو وہ عذابِ الٰہی لے آیئے جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں۔اس قوم پر عذاب آیا اور یہ مٹادی گئی۔ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔آپ کی تعلیمات بھی وہی تھیں، جو سابق انبیاء کرام کی تعلیمات تھیں۔آپ نے اپنی قوم کو اس اونٹنی کا لحاظ رکھنے کی تاکید کی، کہ وہ اونٹنی اللہ کی نشانی تھی۔آپ نے واضح فرمایا کہ اس اونٹنی کو برائی سے مس نہ کیا جائے، ورنہ ظالموں کو عذابِ الٰہی مٹا کر رکھ دے گا۔قوم کے منکرین نے یہی کہا کہ عذابِ الٰہی ہی آپ کی صداقت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔عذابِ الٰہی اس قوم پر آیا اور اس قوم کو نابود کر کے رکھ دیا گیا۔اس کے بعد بہت سے قرن ہوئے۔ہر قوم نے متاع بھی پائی، وقت بھی پایا، اس نمونے کو بھی دیکھا جو خوف وحزن سے نجات کا باعث بن سکتا تھا۔مگر حق کے مقابل لوگ رسم ورواج کی طرف ہی راغب رہے۔اس طرح ان پر تباہی بھی لازماً آتی رہی، اور اللہ نے انہیں کہانیاں کر ڈالا۔ان قرون کے بعد اصحابِ رس کا ذکر ہے۔اس قوم کے پاس بھی حق آیا، اس نے بھی اس کا انکار کیا۔اس قوم کے سامنے ماضی قریب اور ماضی بعید کی بہت سی مثالیں تھیں جو ان کی تہذیب سے بڑی قریبی مماثلت رکھتی تھیں اور جن کا انجام ان کے لئے باعث عبرت ہونا چاہئے تھا، مگر اس قوم نے بھی حق کی تکذیب کی اور عذابِ الٰہی نے اس کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔

**حاصل:** ماضی کے واقعات میں درسِ عبرت موجود ہوتا ہے۔ہدایت کے طالب اس سے سبق لیتے ہیں۔انسانوں کے بنائے ہوئے رسم ورواج کو حق کے مقابل اہمیت دینے سے بڑی سخت خرابی پیدا ہوتی ہے، جو عموماً اس معاشرے کے ساتھ ہی مٹادی جاتی ہے۔

**وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾**

اور سب کے لئے مثالیں بیان فرمائیں اور سب کو غارت کر کے برباد کر دیا۔

ہدایت دینے والے نمونے کا لوگوں کے سامنے آنا ضروری ہے۔ اس کا اتباع کرنے والے خوف وحزن سے نجات پا جاتے ہیں۔ اس کا اتباع نہ کرنے والے بربادی کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں رسول بھیجا، پہلے لوگوں کا احوال ان کے سامنے رکھا گیا، مثلاً حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم یاد کرو جب تمہیں قومِ نوح کے بعد خلافت دی گئی اور تمہارے پھیلاؤ کو بڑھایا گیا، تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کے بعد خلافت دی، اور تمہیں زمین میں جگہ دی کہ سہولت سے محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو، تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔ ہر امت کے لئے مثالیں بیان فرمائی گئیں، ہر ایک کے لئے حجت پوری کی گئی، جس نے حق کے انکار کی راہ کو اختیار کیا اسے برباد کر کے رکھ دیا گیا۔

**حاصل:** کسی قوم پر اس حالت میں عذاب نہیں آیا کہ اسے یہ پتہ ہی نہ ہو کہ اس کا حال کیا ہے، اور اس کا حال کیا ہونا چاہئے۔ جو بربادی کی راہ اختیار کرے اسے مٹا کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔

**وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾**

اور بے شک یہ اُس قریئے سے ہو آئے ہیں، جس پر بُری بارش ہوئی۔ تو کیا یہ اسے دیکھتے نہیں، بلکہ انہیں نشر کی امید ہی نہیں۔

قوم لوط کا ذکر ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا، کیا تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے عالمین میں سے کسی نے نہیں کی۔ تو قوم نے یہی کہا: ان لوگوں کو اپنے قریئے سے نکال دینا چاہئے، یہ لوگ تو بس پاکیزگی ہی چاہتے ہیں۔ ان ناپاک لوگوں پر عذابِ الٰہی آیا، اور اس بستی کے اوپر کو نیچے کر دیا گیا، اور ان پر لگاتار پتھر برسائے گئے۔ ان مجرمین کے انجام کو دیکھا جا سکتا ہے، مگر جزا کا یقین ہی نہ ہو تو یہ دیکھنا کیا حقیقت رکھتا ہے۔ جزا کا یقین ہو تو برائی کے انجام کو دیکھ کر برائی کی راہ سے رک جانا مشکل نہیں ہوتا۔

**حاصل:** سابقہ واقعات سے سبق لینا چاہئے۔ جو حق کو نہ مانے، ناحق اس کے گلے پڑ جاتا ہے پھر اس پر بربادی مسلط ہو جاتی ہے۔ جو اللہ پہلے منکرینِ حق کو برباد کر چکا ہے، اس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے اور دائمی ہے۔ جزا پر یقین ہو تو دیکھنے کی اہلیت فائدہ دیتی ہے۔

**وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾**

اور جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں مذاق ہی اڑاتے ہیں۔ کیا یہی ہیں جنہیں اللہ نے رسول مبعوث فرمایا ہے۔

حیاتِ دنیا کی زینت کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرنے والے، ایمان والوں سے تمسخر کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے: کیا یہی صاحب ہیں، جنہیں اللہ نے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ہدایت کی طلب ہو تو یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہدایت کے طالب کو اظہارِ ادب میں پورا رہنا ہوتا ہے، اصلاحِ حال کرنے والے صاحب کی بات کو غور سے سننا ہوتا ہے، اس سند کو دیکھنا ہوتا ہے جس کو صداقت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ رسول کو مبعوث فرمانے والا وہ علم رکھتا ہے کہ اس سے اوپر کوئی علم والا نہیں۔ اس نے رسالت کے لئے جس ذاتِ پاک کو پسند کیا ہے، اس سے بہتر کا تصور کرنا بھی گناہ ہے۔

حاصل: تبلیغ حق کرنے والوں کا مذاق اڑانا علامتِ کفر ہے۔ حیاتِ دنیا کی زینت، اللہ کے نزدیک کسی مرتبے کا ثبوت نہیں ہوتی۔ ہدایت کی طلب ہو تو انسان کا رویہ کبھی احتیاط سے خالی نہیں ہوتا۔

اِنۡ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا لَوۡلَاۤ اَنۡ صَبَرۡنَا عَلَيۡهَا ؕ وَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ حِيۡنَ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ مَنۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۴۲﴾

یہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا ہی دیتے اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے۔ اور جس وقت عذاب دیکھیں گے، جلد ہی ان کو معلوم ہو جائے گا کون راہ سے بہکا ہوا تھا۔

رسول اللہ کا مذاق اڑانے والے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہوئے یہ اعتراف کرتے ہیں، کہ ان صاحب کی بات بہت پُر اثر تھی، ہمارا استدلال ان کے سامنے بے وقعت تھا، اپنے معبودوں کے بارے میں اپنے نظریات پر جمے رہنا ہی ایک بات تھی، جس نے ہمیں موجودہ راستے سے ہٹنے نہیں دیا۔ ایسے لوگوں کو حق کے بارے میں کوئی شک نہیں رہتا مگر ہدایت مطلوب ہی نہ ہو تو ہدایت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو ان کو پتہ چل جائے گا کہ حق کے مطابق کون تھا اور حق کا منکر کون تھا۔ حیاتِ دنیا کے خاتمے کے ساتھ ہی واضح ہو جائے گا، کہ حق وہی ہے جو شاہدین نے بیان فرمایا تھا اور اس کا انکار کرنے والے راہِ راست سے ہٹے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت حق کو ماننا نفع نہ دے گا، کہ صالح اعمال سے حق کو ماننے کا ثبوت دینے کا وقت گزر چکا ہوگا، اور وہ قول کبھی سچا نہیں ہوتا عمل جس کی شہادت نہ دے۔

حاصل: اپنے نظریات پر بے سند ڈٹے رہنا، ہدایت پانے والوں کی نشانی نہیں ہے۔ اللہ کے فرمان کو مان لینا ہی باعثِ فلاحِ دارین ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیا کے خاتمے پر صراطِ مستقیم تو واضح ہو جائے گا، مگر اس وقت اس کو اختیار کرنا ممکن نہ ہوگا۔ حال کی قدر کرنی چاہیے۔

اَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا ۙ﴿۴۳﴾

کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود ٹھہرالیا ہے۔ تو کیا آپ اس پر وکیل ہوں گے۔

خواہشِ نفس سے تجویز پیدا ہوتی ہے، اور تجویز سے بت بنتا ہے۔ اس لئے بُت پرستی کی حقیقت خواہشِ نفس کو معبود ٹھہرانا ہے۔ من مانی کرنے والا کسی کے ساتھ نہیں ہوتا، اس لئے کسی کے ساتھ سے فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ وہ صاحبِ حق کے قریب بھی نظر آئے تو حقیقتاً وہ دور ہی ہوتا ہے، کہ وہ تو اپنی خواہش کی پیروی میں مگن ہوتا ہے۔ ایسا انسان ہدایت کا طالب نہیں ہوتا۔ صاحبِ حق پر اس کی ذمہ داری کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

حاصل: جو حق کو نہیں مانتا وہ اپنی خواہش کو معبود بنا لیتا ہے۔ ایسے انسان کی کوئی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی۔ جو اپنی خواہش کے دائرے سے نہ نکلے وہ کسی کے ساتھ ہونے کا حق نہیں ادا کر سکتا۔

اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۴۴﴾ ع

کیا یہ سمجھتے ہو کہ وہ اکثر سنتے یا عقل کرتے ہیں۔ یہ تو نہیں مگر چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔

منکرینِ حق کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ یہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ گونگے ہیں، بہرے ہیں، عقل نہیں کرتے۔ انسان نما جانور بظاہر سنتے یا سمجھتے نظر آئیں، حقیقتاً تو وہ اپنی خواہش کی پرستش میں ہی لگے ہوتے ہیں، اس لئے یہ حیوان ہی ہیں۔ حیوان اپنے مقصدِ تخلیق کے دائرے سے کبھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ جبلت کے مطابق، چوپائے خوراک دینے والے کا حکم مانتے ہیں، اس کی موجودگی میں خوش ہوتے ہیں، پسندیدہ اور ناپسندیدہ خوراک میں فرق دیکھتے ہیں، جب ان کے جسم میں دکھ ہو تو کھانے کی طرف راغب نہیں ہوتے، سنبھالنے والا دکھ میں نظر آئے تو اپنی جبلت کے مطابق اس کی مدد کرتے ہیں، اس کے ساتھ اپنے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں، خطرات سے بھاگتے ہیں۔ انسان جب خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنالیتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کے خلافِ حق استعمال سے گمراہی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جانوروں میں بندوں کے لئے نشانیاں بھی ہیں، مثلاً کوئی نر اس مادہ کے قریب نہیں جاتا، جو حاملہ ہو چکی ہو، کوئی مادہ اپنے بچوں سے ایک وقت تک بے پرواہی نہیں برتتی۔

حاصل: انسان نما حیوانوں سے ان کے درجے کے مطابق معاملہ کیا جائے۔ ان سے حُسنِ اخلاق کی توقع نہ رکھی جائے، ان پر اعتماد کرتے وقت ان کے درجے کو ضرور دیکھ لیا جائے، جو کے ذخیرے پر گدھے کو محافظ نہ بنایا جائے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَہۡدِیۡہِمُ اللّٰہُ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے، اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴿۴۵﴾ ۙ

کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو پھیلاتا ہے، اور اگر چاہتا تو اسے ساکن کر دیتا، پھر ہم نے شمس کو اس پر دلیل ٹھہرایا۔

پالنے والے کی شان کو اپنے روزمرہ کے مشاہدے کے حوالے سے دیکھنے کا رخ بتایا گیا ہے۔ ہماری آنکھوں کا بنانے والا، ہمارے کانوں کا بنانے والا، ہمارے دلوں کا بنانے والا اللہ ہی ہے۔ اسی نے ہمیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف ہمیں اکٹھے ہونا ہے۔ حیات اور موت دینے والا بھی وہی ہے اور لیل و نہار کا اختلاف بھی اسی کی قدرت سے ہے۔ اگر اللہ قیامت کے دن تک رات کو ٹھہرا دے تو اس کے مقابل کوئی روشنی لا کر دینے والا نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ قیامت تک کے لئے دن کو مسلط کر دے تو اس کے مقابل کوئی رات کو لانے والا نہیں ہوسکتا، اور رات سکون کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمارے لئے رات اور دن بنائے۔ رات سکون کے لئے اور دن اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے موزوں ہے۔ سورج جب نصف النہار کے مقام پر ہوتا ہے تو سایہ نظر نہیں آتا، اس سے پہلے بھی سایہ ہوتا ہے اور اس کے بعد بھی ہوتا ہے۔ دن کے پہلے حصہ میں مغرب کی طرف ہوتا ہے، دن کے دوسرے حصے میں مشرق کی طرف پھیلتا ہے۔ سائے کے پھیلنے سے ربوبیت کا تعلق ہے۔ اس سے زینتِ کائنات ہے۔ رات دائمی ہوتی اور سایہ ساکن ہو جاتا، تو اللہ کے مقابل کوئی اس کو بدلنے پر قادر نہیں تھا۔ سورج کی روشنی سے رات کی تاریکی سمٹتی چلی جاتی ہے، اور سورج کو لانے والا اللہ ہی ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت بھی وہ کام کرتی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔

حاصل: جس کی ربوبیت سے ہمارے شب و روز گزر رہے ہیں، اس کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے لئے

کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اپنے پالنے والے کے کرم کو دیکھنا چاہئے۔ دلیل کو ہمیشہ روشن ہونا چاہئے اور باعثِ تنویر ہونا چاہئے۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔

سائے کو پھیلانا بھی شانِ ربوبیت ہے، پھر اس کو آہستہ آہستہ سمیٹنا بھی شانِ ربوبیت ہے اور روشنی لانے کا اور لے جانے کا عمل آہستہ آہستہ نہ ہو تو جو کچھ ہو سکتا ہے، اس کا تصور کرنا بھی بڑا مشکل ہے۔

حاصل: لوگوں کو سلامتی کے ساتھ یہ موقع دینا چاہئے، کہ ان کی بُری صفت چلی جائے، اس کی جگہ ایک اچھی صفت ان کے اندر آ جائے تاکہ تبدیلی آہستہ آہستہ ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس ٹھہرایا ہے، اور نیند کو آرام اور دن کو اٹھ کر چلنے کے لئے ٹھہرایا ہے۔

رات کو اللہ نے لباس کا درجہ دیا ہے۔ رات وہ پردہ فراہم کرتی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں اور جس کی کوئی قیمت نہیں۔ عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے، وہ تمہارا الباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ اس طرح بقاءِ نسل کے عمل کے لئے وقت کی موزونیت کو روشن فرمایا گیا ہے۔ نیند سے جو آرام ملتا ہے، اسی کی بدولت کام کرنے کی صلاحیت بحال ہو جاتی ہے، اور حسنِ کارکردگی کو قائم رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ اور پھر دن کو اٹھ کر چلنے پھرنے کے لئے، اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے بتایا گیا ہے۔ اللہ نے جو توفیق دی ہے، اس کا استعمال کرتے وقت توفیقِ ایزدی کو اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لئے برتنا اور اجر طلب کرتے وقت دینے والے کی حیثیت کو ملحوظ رکھنا، اللہ کا فضل تلاش کرنے والوں کی صفات ہیں۔

حاصل: رات وہ پردہ فراہم کرتی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ رات کو سونا جسم کی سلامتی کے لئے ضروری ہے۔ دن کو اٹھ کر چلنا پھرنا اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اپنے رب کا شکر یہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ۙ

اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے بشارت دیتے ہوئے بھیجتا ہے۔ اور ہم آسمان سے پاک پانی نازل فرماتے ہیں۔

بارانِ رحمت، رحمتِ الٰہی ہے۔ اس کی بشارت کے لئے اس سے پہلے ہوائیں آتی ہیں اور فیض کے طالب، حصولِ فیض کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ زمینی ذرائع جو آب پاشی کے لئے استعمال ہوتے ہیں، سبھی اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے ہیں، مگر بارانِ رحمت سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہوتا۔ آسمان سے برسنے والا پانی پاک ہوتا ہے اور مُردہ زمین کو زندہ کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حاصل: بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہواؤں کا چلانے والا، سب سے بڑا مہربان اور رحم کرنے

والا ہے۔ پانی کی پاکیزگی کا فیصلہ کرنے کے لئے بارش کے پانی کو معیار بنانا حق ہے، کہ اللہ نے اس کی پاکیزگی کی سند نازل فرمائی ہے۔

لِّنُحْیِۦَ بِهِۦ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

کہ ہم اس سے مردہ زمین کو زندہ کریں اور اپنے خلق فرمائے ہوئے کثیر چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں۔

زمین کے اندر جب اناج، نبات اور باغات کو اُگانے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے تو وہ مردہ ہو جاتی ہے۔ مردہ زمین کے زندہ کرنے کا علم اللہ ہی کو ہے۔ بارانِ رحمت سے اللہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ مردہ زمین کو زندہ ہوتے دیکھ لیا جائے تو بعث بعد الموت کا انکار، انسان کی غفلت کو ہی ثابت کرتا ہے۔ بارش کا پانی ہی اللہ کی بہت ساری مخلوق کے، چاہے وہ چوپائے ہوں یا انسان ہوں، پینے کے کام آتا ہے۔ حیوانوں اور انسانوں کی کثیر تعداد کو بارانِ رحمت سے سیراب کرنا اللہ کی شان ہے۔ اس طرح ان مقامات پر زندگی کا عمل بارانِ رحمت کی بدولت ہی جاری ہوتا ہے۔

**حاصل:** بارش کا پانی مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، کثیر حیوانوں اور انسانوں کے پینے کے کام آتا ہے۔ بارش کے پانی کو سنبھال کر رکھ لیا جائے تو یہ ضروریاتِ زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰىٓ اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اور بے شک ہم نے ان کے مابین اس میں تصرف فرمایا کہ وہ نصیحت مانیں تو اکثر لوگوں نے ناشکری کو ہی اختیار کیا۔

بارانِ رحمت، علم الٰہی سے ہوتی ہے۔ ہر جگہ یکساں نہیں ہوتی، بیک وقت نہیں ہوتی۔ اس میں یہ تصرف بھی اللہ کی مہربانی ہے، کہ اس سے قدرتِ الٰہی کے سمجھنے میں لوگوں کو آسانی حاصل ہوتی ہے، اور قادرِ مطلق کی نصیحت کو ماننے میں فلاح نظر آتی ہے۔ مگر پھر بھی بہت لوگ ناشکری کی راہ کو ہی اختیار کرتے ہیں۔ شکر گزاری یہ ہے کہ جو ناصح ہماری بھلائی کے لئے بات کرتا ہو اور سند سے بات کرتا ہو، اس کی بات کو بڑے ادب سے مان لیا جائے اور اس کا اتباع کیا جائے۔

**حاصل:** عطاء الٰہی میں تصرف بھی اللہ کی بڑی مہربانی ہے، کہ نصیحت ماننے والوں کے لئے یہ تصرف قربِ الٰہی کا باعث ہوتا ہے۔ ناصح سے محبت ہو تو ناشکری سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾

اور ہم چاہتے تو ضرور ہر قریئے میں ایک ڈر سنانے والا مبعوث فرما دیتے۔

رحمۃ اللعالمین کی رسالت تمام لوگوں کے لئے ہے۔ بشارت و انذار کا حق ادا کرنے کے لئے جو توفیق آپ کو عطا فرمائی گئی ہے وہ پوری ہے اور تا قیامت پوری رہے گی۔ اسی لئے کسی قریئے میں اتمامِ حجت کے لئے کسی ڈر سنانے والے کی بعثت درکار نہیں ہے۔ اگر اللہ یہ چاہتا کہ ہر قریئے میں ایک ڈر سنانے والا مبعوث ہو تو اس کے لئے یہ آسان تھا، مگر اس نے یہ نہیں چاہا کہ خاتم النبیین کی بعثت کے بعد کسی قریئے میں

کسی ڈر سنانے والے کی بعثت ہو۔آپ پر نعمت کا اتمام ہو چکا ہے۔اب کسی جگہ کسی ڈر سنانے والے کی بعثت کا مقام ہی باقی نہیں رہا۔ تا قیامت حضور کے تابعین، شاہدین کی صورت سے تبلیغِ حق کرتے رہیں گے۔

حاصل: رحمۃ اللعالمین کی رسالت، تا قیامت ہے اور تمام لوگوں کے لئے ہے۔ڈر سنانے والے کی بعثت، تقسیم نعمت کے لئے ہوتی ہے اور نعمت حضور پر پوری ہو چکی ہے۔شاہدین تا قیامت آپ کے تابعین ہوں گے، اور کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ حق اس تک پہنچا نہیں۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

تو کافروں کا کہانہ مانو اور اس کے ساتھ ان سے جہاد کرو، بڑا جہاد۔

کافروں کا کہا ماننے والا، معیتِ رسول کا حق نہیں ادا کر سکے گا، علم الٰہی سے فیض نہیں حاصل کر سکے گا۔حکمِ الٰہی کے ماننے والے کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اس کو بے مثل مانے، اور اس کی قدر کرے جو اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔کافروں کے طرزِ معاشرت کو قبول نہ کرنا، رسم و رواج کو اہمیت نہ دینا اور اپنے قول و فعل کو حق کے مطابق بنانا جہاد ہے۔یہ جہاد ہمہ وقتی ہو تو بڑا جہاد ہے۔قرآنِ پاک کے حوالے سے یہ جہاد جاری رہ سکتا ہے۔

حاصل: کافروں کا کہانہ ماننا، ان کے طرزِ معاشرت کے مقابل وہ طریقت اختیار کرنا جو اسوۂ حسنہ کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتی ہے، یقیناً جہاد ہے۔یہ جہاد ہمہ وقتی ہو تو بڑا جہاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملے ہوئے چلایا، یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا، اور یہ کھاری ہے نہایت تلخ، اور ان دونوں کے درمیان پردہ رکھا اور آڑ، روکی ہوئی۔

سورۃ الفاطر میں فرمایا گیا ہے، دو دریا مساوی نہیں ہیں۔یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا، خوشگوار مشروب اور یہ کھاری ہے بہت کڑوا۔اور تم ہر ایک میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو، اور پہننے کا گہنا نکالتے ہو۔(۳۵:۱۲) میٹھے اور کھاری پانی کی ندیوں کو ملا کر چلانا اور دونوں کی حیثیت کو قائم رکھنا، اضداد کا ملانا کہ ان کے درمیان نظر آنے والا پردہ نہ ہو، کوئی دیوار نہ ہو اور وہ ایک رخ پر حرکت کرتی ہوئی جارہی ہوں، اللہ کی قدرت کی ایسی نشانی ہے جو انسان کے دیکھنے میں آتی ہے، مگر وہ اس کی وضاحت سے عاجز ہے۔زیرِ زمین پانی بھی دونوں قسم کا ہوتا ہے، میٹھا بھی اور کھاری بھی۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو کنوئیں قریب ہیں، ایک میٹھا ہے اور ایک کھاری ہے۔مگر جب دونوں پانی دریاؤں کی صورت میں ساتھ ساتھ چل رہے ہوں، تو ایک کا دوسرے میں نہ ملنا، جس پردے اور آڑ کی بدولت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔اس کی قدرت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد یہ کہنا کہ وہ کیسے مردوں کو زندہ کر دے گا عدم تدبر کو ہی ثابت کرے گا۔

حاصل: اضداد کو ساتھ ساتھ چلانا اور ان کی صفات کو قائم رکھنا اللہ کی قدرت کا بے مثل کرشمہ ہے۔اللہ کی قدرت کے احاطے کے اندر اپنا مقام دیکھ لیا جائے تو اللہ کو ماننا مشکل نہیں رہتا۔

وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهۡرًا ؕ وَ کَانَ رَبُّکَ قَدِیۡرًا ﴿۵۴﴾

اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو خلق فرمایا، پھر اس کا نسب اور سسرال ٹھہرایا۔ اور تمہارا رب قدیر ہے۔

نطفے کو پانی فرمایا گیا ہے۔ اس نطفے سے علقہ بنانے والا، علقہ سے مضغہ بنانے والا، پھر ہڈیوں کو پیدا کرنے والا، ان پر گوشت چڑھانے والا اللہ ہی ہے۔ رحمِ مادر میں بچے کو خوراک دینے والا، وقتِ مقررہ پر اس کو پیدا کرنے والا اور بچے کی پیدائش سے پہلے اس کی ماں کو دودھ کی صورت میں نہایت موزوں خوراک دینے والا اللہ ہی ہے۔ تذکیر و تانیث بھی اللہ کی قدرت کے تحت ہے۔ انسان کو بقاءِ نسل کے لئے اس قرابت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جس کو سسرال کہتے ہیں۔ نسب بھی اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے، سسرال بھی اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے۔ رب العالمین کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ پہلی بار بھی اسی نے خلق کیا ہے دوسری بار بھی وہی ہمیں خلق فرمائے گا۔

**حاصل:** پہلے بھی اللہ نے خلق فرمایا ہے، موت کے بعد قیامت کے دن اٹھانا اس کے لئے مشکل نہیں۔ والدین سے تعلق ہو یا سسرال والوں سے بات حق کے مطابق ہونی چاہئے۔ اپنے ربّ کے قادرِ مطلق ہونے کا یقین ہو تو پھر بے چینی کا مقام نہیں رہتا۔

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُهُمۡ وَ لَا یَضُرُّهُمۡ ؕ وَ کَانَ الۡکَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیۡرًا ﴿۵۵﴾

اور اللہ کے مقابل ان کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ انہیں نفع دیں نہ ضرر۔ اور کافر اپنے ربّ سے پیٹھ پھیر رہا ہے۔

جو خواہشات کا اتباع کرے، وہ نفع اور ضرر کو باذن اللہ نہیں مانتا۔ وہ حیاتِ دنیا کو آخرت کے مقابل پیارا جانتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کے قلوب پر، ان کی سماعت پر اور ان کی بصارت پر مہر کر دی جاتی ہے اور وہ لوگ غافل ہوتے ہیں، یہی اپنے رب سے پیٹھ پھیر رہے ہوتے ہیں۔

**حاصل:** نفع اور ضرر باذنِ اللہ ہوتا ہے، یہ یقین ہو تو پھر حق کی ادائیگی ہر مقام پر آسان ہو جاتی ہے، اور رُخ ہمیشہ اپنے رب کا رہتا ہے۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ﴿۵۶﴾

اور ہم نے آپ کو بشارت دینے کے لئے اور ڈر سنانے کے لئے ہی بھیجا ہے۔

شاہد کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرنے والے کو اس کے انجام کی بشارت دیتا ہے، اور خلافِ حق کرنے والے کو اس کے انجام سے آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ خسارہ اس پر واضح ہو جائے جس کی طرف خلافِ حق کرنے والا بڑھ رہا ہے۔ یہ دونوں کام اللہ کے حکم سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاہد اپنے حق کو ادا کرنے کے بعد کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتا۔ حق کو ماننے والا فلاح پا جاتا ہے، نہ ماننے والا خسارے میں جا پڑتا ہے۔ جو شاہد کے فرمان کے خلاف کرے، شاہد کو اس سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

**حاصل:** بشارت دینا اور ڈر سنانا وہ مرتبہ ہے، جس کا احترام لازم ہے۔ اگر کوئی اپنے قول و فعل کی تصدیق کرائے

بغیر اس مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے کیے کی جزا پائے گا، ہمیں اس کی بات کو حق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے کہ وہ مقام لائقِ احترام ہے جہاں وہ کھڑا ہے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

فرما دیجئے میں اس پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، مگر جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ پکڑے۔

فلاحِ دارین کے لئے انسانی زندگی میں بشارت و انذار سے بڑا کوئی کام نہیں، اور اس کام کے ساتھ اجر کا سوال نہیں ہوتا۔ شاہد کو لوگوں کی بھلائی اتنی عزیز ہوتی ہے کہ جو اپنے رب کی راہ اختیار کرے، اس کے ساتھ کی قدر کرتے ہوئے اسے رافت و رحمت سے نوازا جاتا ہے، اور اس کے ماضی کے اعمال جو اس نے اپنے رب کی راہ اختیار کرنے سے پہلے کیے ہوئے ہیں، مٹا دیئے جاتے ہیں۔

**حاصل:** بشارت و انذار سے بڑا کوئی کام نہیں۔ اس کام کے ساتھ اجر کا سوال نہیں ہوتا۔ لوگوں کی فلاح سے زیادہ کچھ عزیز ہوتا ہی نہیں۔ جو اپنے رب کی راہ اختیار کرے وہ حضور کا ساتھی ہے اور قابلِ قدر ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ﴿۵۸﴾ ع۸

اور توکل کیجئے اس زندہ پر جسے موت نہیں، اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے۔ اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار۔

معبود کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے عبد کو اس کی عبدیت کی جزا دے، ابتدا سے انتہا تک بندے کا سب کچھ اس کے سامنے ہو۔ یہ صرف اللہ ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کا کام کبھی رُکتا نہیں۔ جس کے لئے موت ہے وہ معبود نہیں ہوسکتا، اور توکل کے لائق بھی نہیں ہوسکتا۔ توکل یہ ہے کہ اپنے حق کو صداقت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذنِ اللہ مانا جائے، یہ یقین ہو کہ جو حال پر درکار ہے وہ موجود ہے اور مستقبل میں جو درکار ہوگا اللہ عطا کر دے گا۔ توکل کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ کی حمد کرتا رہے، اس کی تسبیح کرتا رہے، اور اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق تصرف میں لاتا رہے۔ کوئی کیا کر رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا، اللہ سے زیادہ کوئی اس بات سے خبردار نہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔

**حاصل:** توکل اللہ کے محبوب کا مقام ہے۔ صاحبِ توکل تسبیح و تحمید کو جاری رکھتا ہے، لوگوں کی خوبیوں کی قدر کرتا ہے اور ان کے گناہوں کے بارے میں یہی کہتا ہے: جزا دینے والا ان کی پوری خبر رکھتا ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾

وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے چھ دن میں خلق فرمایا، پھر عرش پر استویٰ فرمایا۔ وہ بے مثل رحمٰن ہے، تو خبر رکھنے والے سے سوال کرو۔

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اللہ نے پیدا کیا ہے اور چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔ چھ دن ہمیشہ ساکن رہتے ہیں، ساتواں متحرک رہتا ہے۔ اللہ نے یہ سب کچھ پیدا کر کے، اس کائنات کے نظام کو مربوط کیا۔ جس مقام سے اس کائنات کو چلایا جاتا ہے، جو مقام مرکز کائنات ہے، وہ عرشِ الٰہی ہے اور کسی دوسرے کی یہ مجال نہیں کہ وہ وہاں تک رسائی حاصل کرے۔ جس نے یہ سب کچھ بنایا اور جس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے، وہ الرحمٰن ہے۔ اس کی طرح کوئی دوسرا ہوا ہی نہیں سکتا۔ الرحمٰن کی خبر اسی کو ہوتی ہے جو اس کو مانتا ہو۔ اس کو ماننے کے بعد ہی جاننے کا مقام آتا ہے۔ خبردار جانتا ہے کہ اس کا اس کائنات میں کیا مقام ہے، مقصدِ حیات کو پورا کرنے کے لئے کیا کرنا ہے، بھلائی کا رخ اختیار کرنے سے کیا راحت ملتی ہے اور خواہشات کی پیروی کے دائرے سے نکل جانے والا ہی بندگی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ خبردار اور بے خبر میں تمیز کرنا ضروری ہے۔

**حاصل:** اللہ خالقِ کُل ہے، مالکِ کُل ہے۔ جو کچھ بھی بنایا جائے اس کا منشاء سکھ دینا ہونا چاہئے۔ خبردار اور بے خبر میں تمیز ضروری ہے۔ خبردار وہی ہے جو فیض یاب ہے، اور فیض یاب بات نہیں سناتا طالبِ حق کو انعام عطا کرتا ہے۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَ مَا الرَّحۡمٰنُ ٭ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَ زَادَہُمۡ نُفُوۡرًا ﴿۶۰﴾ ع۵ السجدۃ

اور جب ان سے فرمایا جائے، الرحمٰن کو سجدہ کرو، کہتے ہیں، الرحمٰن ہے کیا۔ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تم امر دو، اور انہیں نفرت ہی بڑھی۔

جس کا رخ اللہ کی طرف ہو اور وہ ہو محسن، اس سے لوگوں کو عافیت نصیب ہوتی ہے۔ وہ سکھی ہوتا ہے اور سکھ کا قاسم ہوتا ہے۔ الرحمٰن کو سجدہ کرنا اس کائنات میں اپنے مقام کو پہچاننا اور پانا ہے۔ الرحمٰن کو سجدہ کرنے سے ہی وہ رخ ملتا ہے جو اس کائنات میں بندے کا طبعی طور پر ہونا چاہئے۔ جب الرحمٰن کو سجدہ کرنے والے، منکرینِ حق سے یہ کہتے ہیں، اس راہ کو اختیار کرو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، تو وہ کہتے ہیں، ہم اس راہ کو اختیار کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے۔ جب تبلیغِ حق کرنے والا، اپنے آباء واجداد سے زیادہ واجب الاحترام نظر نہ آئے تو پھر رخ غلط ہو جاتا ہے اور حق سے دوری بڑھتی چلی جاتی ہے۔

**حاصل:** سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس سجدے کے بغیر بندہ حق شناس ہو ہی نہیں سکتا۔ تبلیغِ حق کرنے والا ہماری بھلائی میں راحت پاتا ہے۔ کوئی دوسرا اس سے زیادہ واجب الاحترام نہیں ہونا چاہئے۔ جس کا رُخ غلط ہو جائے گا، اس کی دوری بڑھتی جائے گی۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ النباء (۷۸) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰکُمۡ عَذَابًا قَرِیۡبًا ۚ۬ۖ یَّوۡمَ یَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ وَ یَقُوۡلُ الۡکٰفِرُ یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ہم تمہیں عذاب سے ڈراتے ہیں جو قریب آ گیا ہے، جس دن آدمی دیکھے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے، اور کافر کہے گا ہائے میں کسی طرح خاک ہو جاتا۔

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ فِیۡہَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیۡرًا ﴿۶۱﴾

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں بروج ٹھہرائے، اور اس میں چراغ اور روشن چاند رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بروج ٹھہرائے ہیں، اور اسے ناظرین کے لئے زینت دی گئی ہے، اور اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ بروج مقامات ہیں، منازل نہیں ہیں جیسے فرمایا گیا ہے، موت تم کو آلے گی چاہے تم انتہائی مضبوط بروج میں ہو۔ مذکورہ بروج ان حفاظتی انتظامات کا حصہ ہیں، جو اللہ نے اپنے علم سے کر رکھے ہیں۔ سورج کو کائنات کا چراغ بھی فرمایا گیا ہے، چاند کو بھی روشن فرمایا گیا ہے۔ شمس وقمر سے اس کائنات میں کس قدر حسن ہے، آفاق پر نظر کرنے والے اسے دیکھ سکتے ہیں۔ برکات، اللہ کی عنایات ہیں، جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

**حاصل:** جو کچھ بندوں کے لئے بنایا گیا ہے اور جس حسن کے ساتھ اس کا اہتمام کیا گیا ہے، اس کا پتہ لگ جائے تو پھر بنی آدم کو اشیا کے طالب ہونے کی بجائے، اشیاء کے مطلوب ہونے میں راحت نصیب ہو۔

**وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾**

اور وہی ہے جس نے لیل ونہار کو یکے بعد دیگرے آنے والا ٹھہرایا، اس کے لئے جو ارادہ کر لے کہ اسے نصیحت لینی ہے یا ارادہ کرے کہ اسے شکر کرنا ہے۔

لیل ونہار کا اختلاف، حیاتِ دنیا میں اتنی اہمیت رکھتا ہے، کہ اس کے بغیر اس کائنات کی شکل کا تصور بھی تکلیف دہ ہے۔ رات کے فوائد کا علم ہو، دن کے فوائد کا علم ہو، ان کے بے بدل نعمت ہونے کا علم ہو، تو پھر مالکِ لیل ونہار سے بے پرواہی نہیں برتی جا سکتی۔ جو نصیحت لینا چاہے اس کے لئے اصلاحِ حال کے بہت مواقع ہیں۔ جو اللہ کا شکر کرنا چاہے اس کو عنایاتِ الٰہی کا جس قدر پتہ لگتا جائے گا شکر گزاری بڑھتی جائے گی۔

**حاصل:** لیل ونہار کے اختلاف میں انسان کے لئے بے شمار فوائد ہیں۔ بندے کو اصلاحِ حال کی طلب ہو تو نصیحت لینے کے مواقع بہت ہیں۔ وہ شکر گزاری کی طرف مائل ہو تو ہر عطا قابلِ قدر نظر آئے گی۔

**وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾**

اور الرحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں آہستہ چلتے ہیں، اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو یہ انہیں سلام کہہ دیتے ہیں۔

حکم الٰہی یہ ہے کہ زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلا جائے، اس لئے الرحمٰن کے بندے زمین میں خاکساری اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں۔ ان کی چال میں متانت ہوتی ہے۔ جو لوگ ہدایت کے طالب ہوں انہیں الرحمٰن کے بندے واجب التکریم نظر آتے ہیں۔ جو لوگ ہدایت کے طالب نہ ہوں وہ جاہل ہوتے ہیں۔ جاہل اس بات پر اڑ جاتے ہیں کہ وہ اپنے بڑوں کی روش کو نہیں چھوڑیں گے، کسی سند کے حوالے سے ان کے ٹھیک ہونے کا ثبوت درکار ہی نہیں ہے۔ جاہل کہتے ہیں جو کچھ ہمارے بڑے کرتے رہے ہیں، وہی ہم کریں گے۔ جب جاہل، الرحمٰن کے بندوں سے بات کرتے ہیں تو منشاء اپنی بڑائی کو تسلیم کروانا ہوتا ہے، پاک بندے ان کو سلام کہہ کر ان سے اعراض کرتے ہیں۔

**حاصل:** زمین پر آہستہ اور متانت کے ساتھ چلنا چاہئے۔ جاہل لوگوں سے اعراض کرتے ہوئے انہیں سلام کہہ دینا سلامتی کی بات ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾

اور جن کی راتیں اپنے ربّ کے حضور سجدے اور قیام میں بیتتی ہیں۔

الرحمٰن کے بندوں کی صفات بیان فرمائی جارہی ہیں۔ان حضرات کی راتیں اپنے رب کے حضور سجدوں اور قیام میں بیتتی ہیں۔فرض نمازوں کی ادائیگی کے بعد یہ لوگ تہجد کو اپنا معمول بنالیتے ہیں اور اظہارِ بندگی میں بڑی راحت پاتے ہیں۔خلوت کی نماز کا طویل ہونا اور جلوت کی نماز کا طویل نہ ہونا بہتر ہے، کہ یہی سنت ہے شاہدین کی۔جو لوگ پاک حضرات کی صف میں شمار ہونا چاہیں، ان کو جاننا چاہئے کہ نمازِ تہجد سے ہی پاک حضرات کی صف میں شمار ہونا ممکن ہوتا ہے، اور تربیت نفس کے لئے اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔

**حاصل:** الرحمٰن کے بندوں میں شمار ہو تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔رات کو نمازِ تہجد کی ادائیگی پاک لوگوں کی طریقت ہے۔اس نماز کو طویل کیا جائے تو بہتر ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾

اور وہ دعا کرتے ہیں، اے ربّ ہمارے ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دے، بے شک اس کا عذاب چمٹ جانے والی چیز ہے۔

الرحمٰن کے بندوں کی صفات بیان ہورہی ہیں، کہ ان کی راتیں اللہ کے حضور سجود وقیامؑ میں گزرتی ہیں۔ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے رب ہمارے! ہم سے جہنم کے عذاب کو پھیر دے، کہ یہ عذاب بڑی چمٹ جانے والی چیز ہے۔یہ لوگ دعا کرتے ہیں، اے رب ہمارے! ہماری بھول اور خطا پر مواخذہ نہ فرما۔یہ دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہمارے! بے شک ہم ایمان لائے، تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ وہ معیار ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سند فرمایا گیا ہے۔اس معیار کے حوالے سے اپنے حال کو دیکھا جائے، تو یہی کہنا چاہئے، کہ اے ہمارے رب! تو ہمارے قول وفعل کی حفاظت فرما، اس طرح تو ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دے۔جو راہ خیر کو چھوڑ دے، خسارہ اس کو چمٹ جاتا ہے، یہی خسارہ آخرت میں جلانے والی چیز ہے۔

**حاصل:** یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اے رب ہمارے! ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دے، بے شک عذاب جہنم چمٹ جانے والی چیز ہے۔

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾

بے شک وہ بہت ہی برا مستقر اور برا مقام ہے۔

جہنم کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ بہت ہی برا مستقر اور برا مقام ہے۔مستقل رہائش کے حوالے سے جہنم کی برائی یہ ہے کہ یہاں انسان کے اپنے اعمال کی جزا اسے گھیرے رکھے گی، جو مسلسل ہوگی۔جہنم برا مقام ہے کہ یہ برائی کو جلانے کی جگہ ہے۔

**حاصل:** مستقل رہائش کے محاسن کو دیکھنا چاہئے۔برائی کے مراکز کے طور پر جو مقامات مشہور ہوں ان سے بچنا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں، نہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں، اور ان کے مابین ان کی گزران سیدھی ہوتی ہے۔

حکم یہی ہے کہ نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا رکھو اور نہ بالکل ہی کھول دو، افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ جو توفیق اللہ نے عطا فرمائی ہو، اس کے حوالے سے ہی حق بھی عائد ہوتا ہے، اس میں اپنے نفس کی شح سے بچنا ضروری ہے۔ اسراف یہ ہے کہ صرف اپنی خواہشات پر ہی خرچ کیا جائے، اور تنگی یہ ہے کہ عدمِ توکل کی وجہ سے ضروریات زندگی کو گھٹا لیا جائے۔ یہ دونوں صورتیں الرحمٰن کے بندوں میں نہیں ہوتیں۔ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان وہ سیدھی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جس کام میں بھلائی نظر آتی ہے، وہاں حق کے مطابق خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو اپنے لئے کوئی معیار نہیں جانتے۔

**حاصل:** اسراف و تنگی دونوں خلافِ حق ہیں۔ ان کے درمیان سیدھی راہ یہی ہے، کہ افادیت پیش نظر ہو، اور اپنے معاشی درجے میں اپنے توازن کو قائم رکھا جائے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

اور وہ لوگ کہ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہیں پکارتے، اور جس نفس کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اسے قتل نہیں کرتے سوائے حق کے، اور زنا نہیں کرتے، اور جو یہ کرے وہ گناہ میں جا پڑا۔

الرحمٰن کے بندے اللہ کو ہی پکارتے ہیں۔ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ پاک لوگوں کا ساتھ اختیار کرنا اللہ کو ایک اور لاشریک ماننے کا ثبوت ہے۔ کسی نفس کو قتل کرنے کا مقام ان کے سامنے ہو تو وہ قطعاً اس کام کو حق کے مطابق کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔ زنا کرنے والے کا منشاء حصول لذت ہوتا ہے، بقاء نسل نہیں ہوتا۔ شرک، قتل اور زنا بڑے جرائم ہیں، جو یہ کام کرے وہ گناہ میں جا پڑتا ہے پھر وہ جو بھی بڑھتا رہے فلاح اسے حاصل نہیں ہوتی، کہ وہ سلامتی کی حدود کو توڑنے کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

**حاصل:** شرک، قتل اور زنا بڑے جرائم ہیں۔ ان کے قریب جانے سے بھی بچنا چاہئے۔ جو گناہ میں جا پڑے وہ حق کا منکر ہوتا ہے۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

اس پر قیامت کے دن عذاب بڑھایا جائے گا، اور ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا۔

شرک، ناحق قتل اور زنا یہ بڑے گناہ ہیں۔ جو ان میں سے کسی گناہ میں بھی پڑ جائے گا، وہ اس گناہ میں آگے بڑھتا جائے گا۔ قیامت کے دن اسے جو عذاب دیا جائے گا، وہ اس کے اعمال کے حوالے سے ہوگا اس لئے عذاب بھی اسی طرح بڑھایا جائے گا جس طرح وہ گناہ

میں بڑھتا رہا ہوگا۔عذاب جو پہلے ہو رہا ہوگا، وہ چھوٹا عذاب نہ ہوگا، پھر اس کو تدریج سے بڑھانا بہت بڑی سزا ہوگی۔ مذکورہ گناہ استکبار سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کا انجام ذلت ہے۔

**حاصل:** اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ استکبار کا انجام ذلت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

مگر جو تائب ہو اور عمل کرے، صالح عمل، تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

مذکورہ گناہ بڑے گناہ ہیں، مگر استکبار کو برائی سمجھ لیا جائے تو توبہ کا مقام آتا ہے۔ جو توبہ کرے اور توبہ کے عہد کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت کرے، اس کا ماضی، اس کے حال سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کے ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ ناصحین سے میل جول ہو تو قول پاک ہو جاتا ہے۔ برے قول کی جگہ اچھا قول آ جاتا ہے۔ ان سے محبت ہو تو اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ برے اعمال کی جگہ اچھے اعمال لے لیتے ہیں۔ اس طرح اللہ کے فضل سے برائیاں، بھلائیوں میں بدل جاتی ہیں۔ اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ گناہوں سے پاک کر دینا بخشش ہے، اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے بڑا سہارا دینا رحم ہے۔

**حاصل:** توبہ وہی سچی ہے، صالح اعمال جس کی شہادت دے رہے ہوں۔ ناصحین سے میل جول ہو تو قول پاک ہو جاتا ہے، ان سے محبت ہو تو برائیاں ایک ایک کر کے نکل جاتیں ہیں، بھلائیاں ان کی جگہ آ جاتی ہیں، اس طرح تقدیر بدل جاتی ہے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کو سہارا دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔

وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور جو تائب ہو، اور صالح عمل کرے، تو وہ اللہ کی طرف لوٹتا ہے جیسے لوٹ آنے کا حق ہے۔

خطا کے بعد توبہ کا مقام رکھا گیا ہے۔ توبہ کے بعد صالح عمل سے اپنی صداقت کا ثبوت دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والی بات ہے۔ جو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر آ جاتا ہے، اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ ہمارا رب ہمارے اعمال سے غافل نہیں ہے، وہ ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا۔ جب عمل خلاف حق ہو تو یہ اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کی صورت ہے، توبہ سے ہی رخ درست ہو سکتا ہے۔

**حاصل:** خطا کے بعد توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ توبہ وہی سچی ہے، صالح اعمال سے جس کی تصدیق ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور وہ لوگ جھوٹی شہادت نہیں دیتے، اور جب لغو پر سے گزرتے ہیں تو اکرام کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

پاک لوگوں کا قول، قول سدید ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ حق کی گواہی دینا، امانت کے حق کو ادا کرنا ہے۔ جھوٹی شہادت دینے والا جزا پر یقین نہیں رکھتا، نفع ونقصان کو باذن اللہ نہیں مانتا، اور وہ اپنی غرض وغایت کے لئے خیانت کرنے والوں کا ساتھی بن جاتا ہے۔ پاک لوگوں کی یہ شان ہے کہ جب انہیں لغو باتوں کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہوئے عزت کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں، اور لغو باتیں کرنے والوں سے الجھتے نہیں۔

حاصل: جو حق پر ہو وہ کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتا، اور جب اسے لغو باتوں کا سامنا ہو تو وہ صبر کرتے ہوئے، اللہ کا ذکر کرتے کرتے عزت کے ساتھ اس مقام سے گزر جاتا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡهَا صُمًّا وَّعُمۡیَانًا ﴿۷۳﴾

اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے ربّ کی آیات یاد دلائی جائیں تو ان پر بہرے اور اندھے نہیں ہو پڑتے۔

اللہ کے پاک بندوں کو جب اللہ کی آیات سنائی جائیں، تو وہ گریئے کے ساتھ سجدے میں جا پڑتے ہیں، اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت اس احساس کی بنا پر ہوتی ہے جو مالکِ حقیقی کی عطاء بے بہا کا علم ہونے سے تعلق رکھتی ہے۔ جو حق کو سن کر اَن سنا کردے وہ بہرا ہے، جو مشاہدہ کرنے کے باوجود اس کی پیروی نہ کرے وہ اندھا ہے۔ قیامت کے دن دوزخی یہ کہیں گے، اگر ہم سنتے یا ہم عقل کرتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

حاصل: حق کو سن کر فوراً ماننا اور اس تعلق کو دیکھنا جو معبود لاشریک کو اپنے بندے سے ہے، ضروری ہے۔ لاپرواہی بندے کو بے حقیقت بنا دیتی ہے۔

وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور وہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ اے ربّ ہمارے، ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کا قرار عطا فرما اور ہمیں متقین کے لئے امام ٹھہرا۔

پاک لوگوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ یہ حضرات دعا کرتے ہیں کہ ان کی ازواج اور ان کی اولاد سے ان کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو، قلوب کی راحت حاصل ہو۔ وہ بیویاں جو حق کے مطابق ہونے میں اپنی عزت دیکھیں اور لوگوں کی پسند اور ناپسند کو وقعت نہ دیں، پاک لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہیں۔ اور وہ اولاد جو پاک اور ناپاک میں وقف کا دھیان رکھے، اور ناپاک کی بہتات سے کبھی مرعوب نہ ہو، ہمیشہ پاک چیزوں کی قدر کرے، اللہ کے بندوں کے لئے باعث مسرت ہوتی ہے۔ اللہ کے نزدیک اکرام تقوے میں ہے۔ اللہ کے پاک بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں تقویٰ میں وہ مقام عطا ہو کہ ہم متقین کے آگے ہوں۔ امام المتقین وہ مثالی کردار ہے جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بطریقِ احسن قائم ہو اور جس کی اقتداء میں ہدایت حاصل ہو۔

حاصل: یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے رب ہمارے ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنا دے، ہمیں روشنی کا وہ مینار بنا دے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کو پتہ چل جائے کہ وہ کیسے ہیں اور انہیں کیسے ہونا چاہئے۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾

یہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا بلند بالا خانوں کی صورت میں ملے گی، اور ان کی پیشوائی تحیت اور سلام سے ہوگی۔

جن حضرات کی صفات مبارکہ کا ذکر ہوا ہے، انہیں ان کے رب کی طرف سے جنت میں بالا خانے عطا ہوں گے۔ فرشتے ان کی پیشوائی کریں گے۔ وہ وہاں لغو اور گناہ کی کوئی بات نہ سنیں گے۔ انہیں وہاں مبارک سلامت ہی سننا نصیب ہوگا۔ اور یہ سب حیاتِ دنیا میں ان کے صبر سے حق کے مطابق رہنے کی جزا ہوگی۔ اپنے قول کو پاک رکھنا، لغو سے اعراض کرنا اور تکلیف دہ باتوں کو سن کر متانت کے ساتھ وہاں سے گزر جانا صبر کرنے والوں کی طریقت ہے۔ پاک لوگوں کی معیت سے جو سہارا ملتا ہے، اسی سے یہ صبر ممکن ہوتا ہے۔

حاصل: حال پر بھی صبر کرنے والوں کا مقام بلند ہوتا ہے، آخرت میں بھی انہی کا مقام بلند ہوگا۔ صبر کرنے والوں کو ان کی شان کے پیش نظر تحیت و سلام سے نوازنا حق ہے۔

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾

ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ کیا ہی احسن مستقر اور مقام ہے۔

جنت کے بالا خانے مذکورہ حضرات کے لئے دائمی انعام ہیں۔ یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ مستقر احسن ہے کہ علیمِ مطلق کا عطا کردہ انعام ہے، اور یہ مقام خوب ہے کہ منشاء حیات کو حق کے مطابق پورا کر کے آنے والوں کا مقام ہے۔

حاصل: دائمی پاک دامنی کا انعام بھی دائمی ہوتا ہے۔ علیمِ مطلق کی طرف سے جو جگہ عطا ہوا سے احسن مستقر کہتے ہیں، اور منشاء حیات کو پورا کرنے سے جو راحت ملتی ہے وہ بڑا احسن مقام ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع

فرما دیجئے، میرا ربّ تمہاری پرواہ نہیں رکھتا اگر تم اسے نہ پکارو۔ تو تم تو تکذیب کر چکے، تو جلد ہی تمہارے لئے وبال جان ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہ فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ الرحمٰن کی طرف سے آئی ہوئی نصیحتوں کی قدر نہیں کرتے اور ان سے اعراض کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ اگر اپنے رب کو نہ پکاریں تو رب العالمین کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ رب العالمین قادرِ مطلق ہے، اسے کوئی احتیاج نہیں ہے۔ جو لوگ پہلے خلافِ حق کر چکے ہیں، ان کو ہلاک کرنے والا اللہ ہی تھا۔ اللہ کی

قدرت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اب خلافِ حق کرنے والوں کی ہلاکت اللہ کے لئے مشکل نہیں ہے۔ حق کو جھٹلانے والوں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے ہیں، اب سنت الٰہی کے مطابق یہ جلد ہی عذاب کی گرفت میں ہوں گے۔

**حاصل:** اللہ تعالیٰ احتیاج نہیں رکھتا۔ جو حق کو نہ مانے وہ ناحق کو ماننے سے بچ نہیں سکتا۔ جو حق کی تکذیب کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت کو ضائع کرے، وہ عنقریب ہلاکت کے مقام پر پہنچنے والا ہوتا ہے۔

**شہادت:** اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ اور جس نے ہماری نصیحت سے اعراض کیا، تو اس کی معیشت تنگ ہوگی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

کیٹلاگ کارڈنمبر ۱۲۲۹، ۲۹۷
297,1229۔ فضل شاہؒ، حضرت
تفسیر فاضلی ، (بنی اسرائیل تا الفرقان)۔ مرتبہ: محمد اشرف فاضلی
لاہور، فاضلی فاؤنڈیشن، پیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور۔ پوسٹ کوڈ: 54770
ج۔۱ (منزل چہارم)

ہرگاہ میں نے تفسیر فاضلی منزل چہارم (بنی اسرائیل تا الفرقان) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد عادل ولیجہ مظاہری
مکان نمبر E-1828 گلی نمبر 16
نشاط کالونی، جے بلاک والٹن کینٹ، لاہور

# Tafseer-e-Fazli

## Bani Israel to Al-Furqan

### Manzil IV

*COMMENTARY:*

**HAZRAT FAZAL SHAH**

*WRITTEN BY:*

**MUHAMMAD ASHRAF FAZLI**

**1415 A.H.**

**FAZLI FOUNDATION LAHORE**

# تفسیرِ فاضلی

منزل چہارم

بنی اسرائیل تا الفرقان

بیان :

امام العاشقین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۵ھ

فاضلی فاؤنڈیشن، لاہور